اُردوئے معلیٰ

غالب نمبر

(جلد اوّل)

ترتیب و تہذیب

پروفیسر ارتضیٰ کریم

اُردوئے معلیٰ

غالب نمبر

(جلد: اوّل)

اُردوئے معلّیٰ

غالب نمبر

(جلد: اوّل)

ترتیب و تہذیب

پروفیسر ارتضیٰ کریم

شعبۂ اُردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی

اُردوئے معلّیٰ: غالب نمبر

(جلد: اوّل)

نام : اُردوئے معلّیٰ: غالب نمبر

ترتیب : ارتضیٰ کریم، پروفیسر اور صدر، شعبۂ اُردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی

سنِ اشاعت : ۲۰۱۱ء

قیمت : چار سَو روپے

کمپوزنگ : عبدالماجد

پیش کش : شعبۂ اُردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی

مطبع : ایچ.ایس.آفسیٹ پرنٹرز، نئی دہلی-2

URDU-E-MUALLA: GHALIB NUMBER

Volume:I

Edited by

ISBN-13 978-81-8042-200-3

Rs. 400/-

IRTEZA KARIM
Prof. & Head,
Department of Urdu,
University of Delhi,
Delhi-1100097

تقسیم کار

موڈرن پبلشنگ ہاؤس ۹- گولا مارکیٹ، دریا گنج، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲

پروفیسر خواجہ احمد فاروقی

پروفیسر گوپی چند نارنگ

پروفیسر قمر رئیس

پروفیسر ظہیر احمد صدیقی

ڈاکٹر صدیق الرحمٰن قدوائی

ڈاکٹر شریف احمد

ڈاکٹر مغیث الدین فریدی

پروفیسر محمد حسن

پروفیسر شمیم نکہت

پروفیسر عبدالحق

پروفیسر فضل الحق

پروفیسر امیر عارفی

ڈاکٹر فرحت فاطمہ

ڈاکٹر تنویر احمد علوی

پروفیسر عتیق اللہ

پروفیسر سید صادق علی

ڈاکٹر عابدہ بیگم

ڈاکٹر عبدالحی

ڈاکٹر شارب ردولوی

ڈاکٹر نکہت ریحانہ خان

مجلس ادارت

معاونین

فہرست

جلد: اول

اردوئے معلیٰ: غالب نمبر: حصہ اول/دوم

اعتذار

اردوئے معلیٰ کے یہ غالب نمبر دراصل فروری 1960 (جلد: اول، شمارہ: 1)، نومبر 1960 (جلد: دوم، شمارہ 2، 3) اور فروری 1969 (جلد: سوم، شمارہ 10) میں شائع ہوئے تھے — یہ ان دنوں کی بات ہے جب غالب صدی تقریبات کا شور تو ہو رہا تھا لیکن غالب کے حوالے سے کوئی جامع اور باوقار تحقیقی اور تنقیدی کام منظر عام پر نہیں آسکا تھا — شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے غالب صدی تقریبات کے موقع پر اپنے تحقیقی مجلّے 'اردوئے معلیٰ' کے تین خصوصی شمارے 'غالب کی شخصیت اور شاعری' کے حوالے سے شائع کیے۔ یہ اردو معلیٰ کا بھی اجرا تھا اور 'غالب صدی تقریبات' کے افتتاح و آغاز کا بگل بھی۔ 'غالب نمبر' کے تیسرے حصے میں 'شذرات' کے تحت پروفیسر خواجہ احمد فاروقی نے لکھا ہے:

> "یہ اردوئے معلیٰ کا تیسرا غالب نمبر ہے۔ اس سے پہلے اس کی دو اشاعتیں غالب کے لیے مختص ہو چکی ہیں سچ تو یہ ہے کہ اس رسالے کی ابتدا ہی غالب نمبر سے ہوئی تھی۔ دونوں میں بے بھی

صدف و گہر کا تعلق ـــــــ''

پھر آگے لکھتے ہیں:

''غالب کے جشن صد سالہ کا نقش اول 1960 میں دہلی یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کے ہاتھوں صورت پذیر ہوا تھا۔ اس سال دہلی یونی ورسٹی نے جو یوم غالب منایا اس کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ بین قومی سطح پر منایا گیا اور اس میں 1969 کے جشن کا بھی پورا منصوبہ پیش کیا گیا۔''

مرزا غالب سے متعلق یہ تینوں خصوصی شمارے کل بھی مقبول تھے اور آج بھی مقبول ہیں ـــ ایک زمانے سے یہ خصوصی شمارے بازار میں دستیاب نہیں ہیں۔ ان کی تلاش اردو ادب کے طالب علموں کو عموماً اور غالب شناسوں کو خصوصاً رہی ہے۔ چنانچہ اس کی ضرورت اور بڑھتی ہوئی مانگ کے پیش نظر شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی کی اشاعتی کمیٹی نے اسے دوبارہ شائع کرنے کا فیصلہ کیا ـــ اتفاق یہ کہ شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی اس وقت اپنا جشن زریں تقریبات بھی منا رہا ہے، ایسے موقع پر ان خصوصی شماروں کی اشاعت برمحل بھی ہے، سو اردوئے معلّٰی کے یہ غالب نمبر (تین جلدوں میں) آپ کے مطالعہ کے لیے حاضر ہیں۔ اس اشاعت میں صرف اتنی سی تبدیلی کی گئی ہے کہ پچھلے شماروں میں سے ایسی تحریریں جو برائے تزئین شامل کی گئی تھیں، کو حذف کر دیا گیا ہے، بقیہ تمام مضامین اسی ترتیب کے ساتھ شریک اشاعت ہیں، جس طرح پچھلی اشاعتوں میں تھیں، مثلاً وائس چانسلر اور دیگر حضرات کے پیغامات وغیرہ۔ غالب کی شخصیت اور شاعری پر تب سے آج تک تفہیم، تنقید اور تحقیق کا سلسلہ جاری ہے۔ اس کتاب میں غالب کی پیدائش کے تعلق سے پانچ نئے مضامین کا اضافہ اس خیال سے کیا گیا ہے کہ یہ مضامین غالب شناسی سے شغف رکھنے والوں کو غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں اور بحث کے دروازے بھی کھولتے ہیں۔ یہ مضامین بالترتیب جناب مسلم ضیائی، جناب سید صمد حسین رضوی، جناب امتیاز علی عرشی اور جناب سید ضمیر

حسین رضوی کی غالب کی شخصیت سے گہری دلچسپی کا فیضان ہیں۔ اگرچہ غالب کی شخصیت اور شاعری پر اب تک بہت کچھ لکھا جاچکا ہے مگر یہ مضامین جو اس غالب نمبر میں شامل ہیں، کل بھی غالب شناسی میں کلیدی کردار رکھتے تھے اور آئندہ بھی ان چراغوں سے دوسرے چراغ روشن ہوتے رہیں گے — کہا جاسکتا ہے کہ

ہم سے بھی بہت پہلے آیا تھا یہاں کوئی
جب ہم نے قدم رکھا، یہ خاکداں ویراں تھا

شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی کے اس 'قدم اول' کو ایک بار پھر مقبولیت ملے گی، ایسی ہمیں امید ہے۔

ارتضیٰ کریم

پروفیسر اور صدر، شعبۂ اردو
دہلی یونی ورسٹی، دہلی–110007

شذرات

دہلی سے اردو کا رسالہ شایع کرنے کے لیے کسی معذرت کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ اردو کا اگر کوئی مصدر و ماخذ ہے تو دہلی، مبدء و مخرج ہے تو دہلی، گہوارہ و آستانہ ہے تو دہلی۔ اُس کی ایک ایک اینٹ پر اردو کی تاریخ کھدی ہوئی ہے، لیکن افسوس ہے کہ مومنؔ و غالب اور ذوقؔ و ظفرؔ کے اس شہر سے اردو کا کوئی ایسا رسالہ شایع نہیں ہوتا جو تحقیقی اور علمی ضرورتوں کو پورا کرے۔

تسکیں کو ہم نہ روئیں جو ذوقِ نظر ملے!

صدر جمہوریۂ ہند اور دہلی یونی ورسٹی کے وزیٹر عالی جناب ڈاکٹر راجندر پرشاد صاحب بالقابہ کے اعلان (مورخہ ۹ رنومبر ۱۹۵۹ء) کی رُو سے ہماری دانش گاہ میں اردو کا علاحدہ شعبہ قائم ہو گیا ہے۔ اس اعلان میں اُن جاں افروز کوششوں کا پرتو ہے جو ایک معاشرے کی تعمیر اور ایک نئی تہذیب کے فروغ کے لیے ہمارے ملک میں کی جارہی ہیں۔ یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ ہماری قومی زندگی کی تشکیل میں تمام عناصر کو یکساں اہمیت حاصل ہے اور اس کی عمارت وسیع اور مضبوط

بنیاد پر قائم ہوگی۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ ہندوستانی سماج، برابر کثرت میں وحدت کو تلاش کر رہی ہے اور وہ لالہ وگل ونسریں سب ہی کے رنگوں کو اپنی آنکھوں میں جگہ دینا چاہتی ہے۔ ہمارے لیے یہ بات بھی بڑے فخر کی ہے کہ یہ کام شعبۂ ہندی کی خوش دلی امداد اور تعاون سے ہوا ہے اور ان رفیقوں نے ہمارے کام کو ایک اہم تہذیبی قدر سمجھ کو اس میں اعانت کی ہے۔

شعبۂ اردو کے قیام کے سلسلے میں عالی جناب ڈاکٹر وی۔ کے۔ آر۔ وی راؤ، وائس چانسلر، نے جو کوششیں کی ہیں وہ ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ ان کی ذاتِ گرامی، ادب اور تہذیب کی بہترین اقدار کی مظہر ہے اور وہ نئے ہندوستان کی تہذیبی ترقی کے لیے جدید ہندوستانی زبانوں کے فروغ اور حسنِ اختلاط کو ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ اس کے بھی رمز شناس ہیں کہ ''ہندوستان کو گوناگوں کثرت کے اندر وحدت کا جو باریک رشتہ ہے وہ عارفوں کے وجدان، فلسفیوں کی فکر اور فن کاروں اور شاعروں کے تخئیل ہی کی مدد سے زیادہ وسیع، مضبوط اور پائیدار بنایا جاسکتا۔'' ان کا یہ احسان دہلی پر اور آیندہ نسلوں پر ہے۔

شعبے کے علاحدہ قیام کے بعد اس ضرورت کو اور شدت سے محسوس کیا گیا کہ کوئی رسالہ ایسا ہو جو اردو کو ہندستانی تہذیب اور ادب کے بڑے مرقع میں سجائے۔ اردو زبان و ادب کے متعلق تحقیقی اور تنقیدی مضامین شائع کرے اور اہلِ اردو کو ہندوستان، ایشیا اور یورپ کی دوسری زبانوں کی تخلیقات سے روشناس کرائے۔ دہلی یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کی طرف سے اردو معلی کا اجرا ان ہی مقاصد کے پیش نظر ہوا ہے۔ یہ بہت بڑے کام ہیں اور ہمیں اپنے وسائل اور ذرائع کے محدود ہونے کا احساس ہے لیکن دل میں لہو کی ایک بوند، اور تھوڑی سی آشفتگی ہے جو اس جہدِ حیات میں بہت بڑا سہارا ہے۔ اگر یہ شاخِ آرزو برومند ہوگئی اور ہم اپنے حلقے میں تنقید اور تحقیق کا صحیح ذوق پیدا کر سکے تو یہ یقیناً اردو کی بڑی خدمت ہوگی۔

اردوئے معلی کی ابتدا غالب سے کرنا نہایت مبارک اور مستحسن ہے۔ ان دونوں میں ہے بھی صدف و گوہر یا جسم و جان کا سا تعلق۔ لیکن ہماری یہ خواہش ہے کہ نئے ادب کا خمیر اس طرح اٹھایا جائے کہ اس میں ماضی کے لائقِ رشک ورثے کو سمو دیا جائے اور ادبی تاریخ کی صحت مند روایتیں اس میں بند ہو جائیں۔ اس کے علاوہ غالب کا کلام، حسن و صداقت کا ایسا گہوارہ ہے

جس میں زندگی کی صداقت بڑی مسکرا رہی ہے۔ ان کے یہاں تصور اور تجربے کی جو تازہ کاری، انسان دوستی اور آفاقیت ہے، اس کا بھی تقاضا ہے کہ ان کی یاد سے برابر دل کو روشن رکھا جائے۔

ادبِ قدیم کے حیات افروز عناصر سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے اس کی بھی ضرورت ہے کہ اردو کے اہم مخطوطات کو حواشی اور تعلیقات کے ساتھ شائع کیا جائے۔ اس بنیادی کام کے بغیر تاریخ اور تہذیب کا مطالعہ ادھورا رہے گا۔ اسی لیے ایک مستشرق نے نصیحت کی تھی Know thy Texts ہمیں خوشی ہے کہ دہلی یونی ورسٹی نے ان نادر مخطوطات کی اشاعت کا بھی بندوبست کیا ہے جو یورپ سے حاصل کیے گئے ہیں اور اس کے لیے ایک معقول رقم منظور کی ہے۔ اس سلسلے کی پہلی کتاب ان شاء اللہ عن قریب منظرِ عام پر آئے گی۔

اردوئے معلّٰی شاید کبھی بھی شائع نہ ہوتا اگر ڈاکٹر راؤ کی عنایتیں شاملِ حال نہ ہوتیں۔ ان کی شفقتوں پر غور کرتا ہوں تو میری روح ''دوزانو'' ہو جاتی ہے۔ پرنسپل ہریش چندر صاحب نے بھی ہر ہر قدم پر میری رہ نمائی فرمائی ہے۔ اس مرقع میں جو خوش نما رنگ نظر آئیں گے، وہ دراصل ان ہی کی محبت و شفقت اور نیک کام میں اعانت کے جذبے نے بھرے ہیں۔ مضمون نگار دوستوں، رفیقوں اور طالب علموں نے بھی اس تنگ وقت میں جو مدد کی ہے، اس کا شکریہ الفاظ میں ادا کرنا ممکن نہیں۔ اور شکریہ ہے بھی میرے احساس سے فروتر۔ ہمیں اس کی بڑی خوشی ہے کہ یہ صحیفۂ یادگار دہلی یونی ورسٹی کے یومِ غالب کے موقع پر عالی جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب گورنر بہار کے حضور میں پیش کیا جا رہا ہے جو دیدہ ور ادیب، بالغ نظر ماہرِ تعلیم اور ہندوستانی تہذیب کے بڑے دل نواز ترجمان ہیں۔ ان کے '' ذہن کی جودت، نظر کی بلندی، دل کا گداز اور شخصیت کا جادو'' ہماری قومی زندگی کا انمول سرمایہ ہے۔

مہرِ تو در وجود سرشتند در ازل
از ہر گلے کہ رُست شنیدیم بوئے تو

ان کے یمن قدم سے یقین ہے کہ کام کا حوصلہ بڑھے گا اور شعبۂ اردو کی بنیادیں صحیح طور قایم ہوں گی۔

غالب کی شہرت حلقۂ شام و سحر سے نکل کر جاوداں ہو چکی ہے اور اس کے کمالات کا

اعتراف ہندوستان کے باہر بھی ہوا ہے۔ دہلی یونی ورسٹی کے اس یومِ غالب کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں سفرائے کرام اور ممالک غیر کے تہذیبی نمائندے اپنے علمی حلقوں میں غالب شناسی کا ذکر کرنے کے بعد اسے خراجِ عقیدت پیش کریں گے۔ ہم روس، انگلستان، جرمنی، چیکوسلوواکیہ، متحدہ عرب جمہوریہ، ایران و پاکستان کی حکومتوں کے تہہِ دل سے ممنون ہیں جو اپنے نمائندے بھیج کر ہمارے جلسے کی رونق بڑھانا چاہتے ہیں۔ ہمارا ارادہ ہے کہ غالب کی صد سالہ یادگار کے موقع پر اس کام کو زیادہ وسیع پیمانے پر کیا جائے اور ان کی اردو نظم و نثر ایک مجلد میں نہایت خوب صورت اور دلآویز طریقے سے شایع کی جائے۔ اردو کی خدمت ایک سرمایہ سعادت ہے جو ہم تہی دستوں تک پہنچا ہے۔ اگر ہم اس نیکی کے فروغ دینے میں کچھ بھی مدد کر سکے تو یہ خدائے کریم کی بخششِ خاص ہوگی۔

خواجہ احمد فاروقی

میرزا غالب کی کچھ نئی فارسی تحریریں

مولانا امتیاز علی خاں صاحب عرشی

میرزا غالب نے صرف محمد حسین دکنی کی برہان قاطع پر نہیں، خان آرزو، سیالکوٹی مل وارستہ اور ٹیک چند بہارؔ کی کتابوں پر بھی اختلافی نوٹ لکھے ہیں۔ ان میں اردو اور فارسی دونوں زبانیں استعمال کی گئی ہیں۔ نیز ان میں جو کچھ لکھا ہے وہ بیشتر صحیح مگر کمتر نادرست بھی ہے۔ اسی طرح انداز بیان بھی زیادہ تر مہذب ہے۔ صرف ایک دو جگہ البتہ جذباتی ہو گئے ہیں۔ ذیل میں ان کی فارسی تحریریں مختصر تبصرے کے ساتھ پیش کی جاتی ہیں۔

ا۔ رسالہء ابطال ضرورت

لالہ ٹیک چند بہارؔ کا ایک رسالہ فصحاو بلغائے زبان فارسی کے لفظی و معنوی تصرفات پر ہے جو ''رسالہ ابطال ضرورت'' کے نام سے مشہور ہے۔ یہ دہلی کے شرف المطابع میں خواجہ علی حسن کے اہتمام سے ۱۲۶۸ھ (۵۲۔۱۹۵۱ء) میں چھپا تھا۔ اس ایڈیشن کا ایک نسخہ مرزا صاحب کے مطالعہ میں رہا تھا جو اب رضا لائبریری کے لوہارو سیکشن میں محفوظ ہے۔

۱۔ اس رسالہ کے صفحہ ۵ پر بہار کہتا ہے۔

''عفو بالفتح، درگذشتن از گناہ، و اعراض نمودن از کسے۔ و بضم دوم نیز استعمال کنند۔ شیخ شیراز ۔

عفو کردم از وے عملہای زشت　　　بفضلِ خودش آورم در بہشت

اس پر غالب نے حاشیہ لکھا ہے۔

''عفو بفتح عین و سکون فا درست است و شیخ ہم چنین نوشتہ است۔ کاتبانِ از دانش بے بہرہ شیخ را بدنام کردند و چون قافلہ در قافلہ مردم غلط رفتند، ہمہ بر آن اتفاق کردند کہ کلامِ استاد است۔ استاد جز بضرورت شعر حرکتِ لفظ چرا بر گرداند۔ مصرع دراصل چنین است ۔

زوے عفو کردم عملہای زشت۔ غالب ۱۲''

غالب کا یہ اعتراض درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ شعر مذکور مطبع محمدی لکھنؤ سنہ ۱۲۶۳ھ (۱۸۴۷ء) کے نسخۂ بوستان کے ص ۱۴۷ پر موجود ہے اور بہار کی نقل کے مطابق ہے۔ مطبع نظامی کانپور اور نول کشور لکھنؤ کے نسخوں میں بھی اسی طرح ہے۔ نیز اس نسخے میں بھی جو پروفیسر عباس اقبال آشتیانی کی تصحیح سے بصورت کلیات تہران سے شائع ہوا ہے۔ ''عفو کردم'' ہی ہے اسی طرح ایک دو کے علاوہ لائبریری کے بقیہ ۵، ۶ مخطوطوں میں بھی یونہی ہے۔

تو کیا حقیقتاً یہ کاتبوں کی اصلاح ہے اور شیخِ شیراز اس تبدیلی حرکت سے بری ہیں۔ بہار نے اپنی بہارِ عجم میں ناصر خسرو کا یہ شعر اس مسئلے کی مثال و شہادت میں پیش کیا ہے۔ ۔

اگر سہوے بود دروے، عفو کن　　　دریدہ پردۂ کارم، رفو کن

سفرنامۂ ناصر خسرو کے برلین ایڈیشن کے آخر میں اس کی مثنوی 'روشنائی نامہ' چھپی ہے۔ اس کے خاتمے (ص ۳۶) میں شعر مذکور موجود ہے اور چونکہ اس میں ''رفو'' کا ''قافیہ'' ''عفو' باندھا گیا ہے۔ اس لئے کسی قسم کی تاویل کا بھی محتاج نہیں ہے۔ لہٰذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ شیخ شیراز سے سیکڑوں برس پہلے سے اہل ایران اس لفظ کو 'عفو'' کی جگہ ''عفو' بولنے اور لکھنے لگے تھے اور یہ تغیر حرکات جاہل لکھنے والوں کی حرکت نہیں ہے بلکہ ایرانیوں کی لسانی خراد کا کام ہے، جس میں

جاہل اور عالم برابر کے شریک و سہیم رہے ہیں۔

۲۔ اسی صفحے پر بہار نے لکھا ہے۔

''قرن۔ بفتح، مدت سی سال، یا ہشتاد سال، یا یک صد و بیست سال۔ و این اصح است...

انوری۔

دو قرن از کرمت بردہ جہاں برگ ونوا

تو چہ دانی کہ جہان بے تو چہ بے برگ و نو است

غالب نے لفظ قرن پر (۲۵) کا ہندسہ بطور علامت لکھ کر حاشیہ میں لکھا ہے۔

''استغفر اللہ! حرف ندا را فرو خوردن و آوازہ در افگندن کہ انوری قرن را بحرکت رای قرشت آوردہ است، حال آنکہ بے لفظ ''اے'' لطف بیان نمی ماند۔ اے دو قرن از کرمت بردہ جہان برگ و نوا ۱۲ غالب ۱۲''

غالب کا یہ اعتراض درست ہے۔ اول تو کلیات انوری (طبع کارخانہ ملا صالح تبریز سنہ ۱۲۶۶ھ صفحہ ۳۷ حاشیہ) میں مصرع کا آغاز غالب کی تجویز کے مطابق ہوا ہے اور رضا لائبریری کے نسخہای قلمی نوشتہ ۱۰۰۲ھ اور ۱۰۶۳ھ اور تیسرے غیر مورخ مگر قدیم میں ''ای'' کی جگہ ''دی'' ملتا ہے۔ جو معنی ایک ہے دوسرے کسی لغت میں کوئی شعر ایسا نہ ملا جس میں ''قرن'' کو بفتح را باندھا گیا ہو۔

۳۔ صفحہ ۶ پر بہار نے لکھا ہے۔

''و در فارسی زیارت حرفی چون مار افسار و مار افسا، مار افسان، و مار افسای را م کنندہ مار۔''

اس پر غالب کا حاشیہ ہے۔

''استغفر اللہ! مار افسای و مار افسا در حقیقت یکی است چون بزم آرای و بزم آرا۔ زیارت حرفی کجاست؟ اگر بہر وزن شعر حرف زاید باید آورد، مار افسای چہ اگویند کہ مار افسار گویند مار افسار گویند مگر خر بے افسار۔ ہاں، مار افسان وجہی دارد۔ و آن زیادت حرفی نخواہد بود۔ مگر نون بدل تحتانی آوردہ خواہد شد۔ الا آنکہ رام تی مار افسار و مار افسان را از زبان قاطع آوردہ باشد کہ جامع آن جامی انچی است ۱۲ غالب ۱۲''

غالب کا یہ اعتراض بھی درست ہے کہ کسی لغت نویس نے بھی، سوائے صاحب انجمن آرائے ناصری کے'' افسار ناصری کے'' افسار کو'' افسا'' کا مزید علیہ قرار نہیں دیا ہے اور اس نے بھی مزید علیہ نہیں مبدل مانا ہے لیکن غالب کا'' استغفر اللہ!'' اور'' خر بے افسار'' اور سب سے بڑھ کر صاحب برہان کو'' عامی اُمّی'' کہنا شانِ تحقیق سے فروتر ہے۔

اس کے ماسوا غالب سے یہ غلطی بھی ہوئی ہے کہ رسالے کے مولف کا نام بجائے ٹیک چند کے آنند رام جی لکھ دیا ہے۔ آنند رام مخلص بھی گو فارسی کا ادیب اور محقق ہے مگر رسالۂ ابطال ضرورت سے اس کا کوئی علاقہ نہیں۔

۴۔ صفحہ ۱۳ پر بہار نے سعدیؔ کا یہ شعر نقل کیا ہے۔

'' شتر کرّہ با مادرِ خویش گفت   پس از راہ رفتن زمانے بخفت''

اِس شعر کے ابتدائی الفاظ پر غالب نے تحریر کیا ہے۔

'' می گوید کہ الفاظ مخفف را بتشدید نیز می آرند و مصرع شیخ سعدی آرد ۔

شتر کرہ با مادر خویش گفت، سخن این است کہ این مصرع چنین نیست بلکہ بچہ صحیح است۔

زیرا کہ جز اسپ و خر بچہ ہیچ دابہ را کرّہ نگویند، مثلاً کرّہ گاو و گوسپند یا کرہ فیل و شتر، ہر گز اہل پارس چنین نگویند۔

چون ازین بگرری و شتر بچہ را شتر کرہ گوئی، کرہ بدین معنی در اصل برای مشدد است۔

ہاں، اگر کرہ باد یا کرہ نار را مثلاً کرّہ باد و کرّہ نار بتشدید می گفت، می گفتم کہ مخفف را مشدد گفتہ است ۱۲ غالب ۱۲۔''

غالب کا یہ اعتراض بھی درست ہے، چنانچہ بوستان کے مذکورہ بالا طہران ایڈیشن (۱۳۵) کے علاوہ سب قلمی نسخوں میں'' شتر بچہ'' ہی پایا جاتا ہے بوستان کے ہندوستانی نسخوں میں '' شتر کرہ'' کا پایا جانا نیز بہار کا اثبات مدعا کے لئے شرف الدین شفائی کا یہ شعر لکھنا۔

کسے کہ تا بقیامت دُچار ہم نشوند

ہزار کرہ شتر گر چرا کنند دران

خو مُحل بحث ہے۔ کیونکہ کہا جا سکتا ہے کہ ان مواقع پر بجائے'' شتر'' کے'' استر'' کا

مخفف ''ستر'' ہے۔

۵۔ صفحہ ۱۶ پر فکِ اضافت کی بحث میں بہار نے ارادت خاں واضح کا یہ شعر نقل کیا ہے۔

چو دور در نظر آمد رہِ وصال مرا دو اند عشق بہ پس کوچۂ خیال مرا

اس پر غالب نے لکھا ہے۔

''پس کوچہ ازیں قبیل نیست۔ این مضاف و مضاف الیہ مقلوب ست، یعنی کوچۂ پس۔ سند فکِ اضافت نمی تواند شد ۱۲''

غالب کا یہ اعتراض بھی صحیح ہے لیکن ان کا پس کوچہ کو ترکیب اضافی مقلوب قرار دینا درست نہیں۔ یہ مرکب دراصل توصیفی ہے اور جس طرح ''ماہِ تاباں'' کو ''تابان ماہ'' کہنا درست ہے، یہاں بھی بجائے کوچۂ پس کے ''پس کوچہ'' کہا گیا ہے۔

اس ذیل میں خیال آ گیا کہ انگریزی ''بیک گراونڈ'' کا اردو ترجمہ ''پس منظر'' بھی مرکبِ توصیفی مقلوب معلوم ہوتا ہے۔ اس بنا پر اسے ''پسِ منظر'' بولنا اور لکھنا جیسا کہ اکثر سننے اور دیکھنے میں آ رہا ہے، درست نہیں بجائے اس کے بدونِ کسرۂ اضافت بولنا چاہئے۔

۶۔ صفحہ ۱۷ پر بہار نے عبداللطیف خاں تنہا کا یہ شعر نقل کیا ہے۔

ز رشکِ طوطی خطِ صنم ہند و نژادِ من خزاں رنگِ بہارِ گلشنِ کشمیری ریزد

اس پر غالب رقم طراز ہیں۔

''بتِ ہندو نژاد چرا نہ گفت؟ گرفتن کہ فکِ اضافت جواز دارد لیکن بے ضرورت چنیں خطا باشد۔ غالب ۱۲''

غالب کی ترمیم معقول اور پسندیدہ ہے لیکن ان کا اسے فکِ اضافت کی مثال تسلیم کر لینا درست نہیں یہ بھی مرکب توصیفی ہے اور اس لئے اس کے کسرے کا حذف فکِ اضافت نہیں، فکِ صفت کہا جائے گا۔

۷۔ اسی صفحے پر خواجہ حافظ کا یہ شعر نقل ہوا ہے۔

گر بسر منزلِ لیلیٰ رسی، اے بادِ صبا چشم دارم کہ سلامی برسانی زمنش

اس پر غالب نے تحریر کیا ہے۔

''سر منزل را سر منزل، بکسرهٔ راے قرشت، کسے نمی گوید۔ سر منزل و سر دفتر و سر حلقہ و

امثال ایں جملہ ہم چنین است۔ آرے سر راہ را کہ بہ اضافت است، سر راہ گفتن

مطابقِ مدعاے قایل است ۱۲''

غالب کا یہ اعتراض محلِ نظر ہے کیونکہ یہ تمام الفاظ کبھی بہ اضافت بولے اور لکھے نہ گئے

ہوں تو اس سے اُن کے باعتبارِ اصل وضع مرکب اضافی ہونے پر کیا اثر پڑے گا۔

۸۔ اسی صفحے پر بہار نے یہ شعر نقل کیا ہے۔

چینِ زلفِ مشک بیزے کو کہ از تحریکِ او زخمِ کافر نعمتم ایمان بناسور آورد

اس پر غالب نے لکھا ہے۔

''کافر نعمت نیز از حساب خارج است، زیرا کہ کافرِ نعمت بہ کسرۂ راے کافر مسموع

نیست۔ وہم چنیں میر آب کہ میرِ آب بہ راے مکسور نگویند۔'' ۱۲

یہ اعتراض بھی سابق الذکر کی طرح محلِ غور ہے کیونکہ کافر نعمت اور میر آب بہر حال

مرکب اضافی ہیں، جیسے خانخاناں اور خانساماں اور اس صورت میں فکِ اضافت کی مثال قرار

پا سکتے ہیں۔

۲۔ موہبتِ عظمیٰ

سراج الدین علی خاں آرزو کی علم معانی کی ایک مختصر کتاب ہے جو موہبتِ عظمیٰ کے نام

سے مشہور ہے۔ یہ کتاب شرف المطابع دہلی میں خواجہ علی حسن کے اہتمام سے ۱۲۶۸ھ

(۱۸۵۱۔۵۲) میں چھپ چکی ہے۔ اس کا جو نسخہ لوہارو کلیکشن میں محفوظ ہے، وہ غالب کے مطالعے

میں رہ چکا ہے۔ اس کے حاشیوں پر غالب نے حسب ذیل تحریریں لکھی ہیں۔

۹۔ آرزو نے موہبت کے صفحہ ۳، ۴ پر لکھا ہے۔

''مخالفت (قیاس) آوردن کلمہ است بخلاف قاعدہ و قانون و آن انواع است۔ یکی

آنکہ تغیر صورت دہند، تا وزن یا قافیہ درست شود چنانچہ گوید۔

آب انگور و آب نیلوفل شد مرا از عبیر و مشک بدل

کذا قیل۔۔۔ بشنو۔ اگر اشارتی بدیں معنی شود بالطف مبدل گردد،

چنانکہ گوید قطعہ

برو زین معرفتبازی پہ از ریو   سر مارا مکن، ای شیخ کالیو
غلط کردم دریں معنی کہ گفتم   زنخدان نگار خویش راسیو"

کذا قال بعض اہل البدیع۔

غالب نے اس پر حاشیہ لکھا ہے۔

"نیلوفر ونیلوفل وسیب وسیو یک حال دارد۔ بلکہ نیلوفل را نیلوپل نیزمی تواں گفت۔ چون رای باللام وفا باپای فارسی وموحدہ بواو تبدیل می یابد۔ درآں کہ نیلوفر بابدل قافیہ شود،ضرورت قافیہ راکدام وخل؟ واگر سیب راسیو نویسند، اشارت تخطیہ راچہ محل؟"

غالب کا یہ اعتراض جو دراصل آرزو پر نہیں، اُن حضرات پر ہے جن کا قول اُس نے نقل کیا ہے۔ اپنی جگہ درست ہے۔ خود آرزو نے بھی "کذا قیل" کے بعد لکھا ہے۔

"دریں بحث است، چہ تبدیل کلمۂ راباام قیاسی است، بلکہ ایں کلمہ (نیلوفل) بعینہ درکتب لغت مسطور است۔"

اس کے علاوہ سراج اللغات (ورق ۳۵۸ ب نسخۂ رامپور) میں لکھا ہے کہ "بلکہ بای موحدہ بواو بدل شدہ" اوراس کے بعد فرماتے ہیں "درمجمع الصنائع است کہ گاہی برای ضرورت قافیہ حروف رابدل کنند واشارت بداں نمایند چنانکہ شاعر گوید: بروزین معرفتبازی الخ۔ وازین ظاہر می شود کہ سیو بواو غلط باشد۔ لیکن تحقیق ایں مسئلہ در رسالہ کہ مولف درفن معانی زبان فارسی نگاشتہ نگارش نمودہ۔"

فنِ معانی کا محولۂ بالا رسالہ یہی ہے۔

۱۰۔ صفحۂ ۵ پر آرزو نے لکھا ہے۔

"صاحب رشیدی (ص ۱۰ طبع کلکتہ) نوشتہ کہ ماقبل ہای ملفوظ ہیچ جامفتوح ندیدہ شدہ، مگر آنکہ الف ازاں محذوف شدہ چنانچہ چہ "کہ مخفف جاہ وگاہ اند وبرین قیاس۔"

غالب نے رشیدی کے اس قول پر اعتراض کیا ہے کہ

"عجب از صاحب رشیدی کہ فتحۂ ماقبل ہای ملفوظ رامسلم ندارد۔ آیا دررزہ وگرہ وبیر ووہ ای

''قرشت را مکسور می داند؟ یا رزہ و گرہ را در اصل زر او گراہ بہ افزایش الف می خواند ۱۲''

لیکن اُن کا یہ اعتراض صحیح نہیں ہے۔ بیشک گرہ اور زرہ کی رای ماقبل ہا مکسور ہے۔ اہل لغت (سراج اللغات، فرہنگ انجمن آرای ناصری و فرہنگ نظام) نے یہی لکھا ہے اور شعرا نے اسی طرح نظم کیا ہے۔

مولانا جامیؔ ایک غزل میں جس کا قافیہ ہای ماقبل مکسور ہے، فرماتے ہیں۔

سیب زنخدانِ تست، معنا اللہ بہ | میوۂ باغ بہشت، بلکہ ازاں نیز بہ

زلفِ شکن بر شکن، بعدِ گرہ بر گرہ | شد دلِ خلقی اسیر، چند نہی گردِ رخ

اس غزل کے دوسرے قوافی مشتبہ، بدہ اور نہ ہیں۔ ہاں، غالب کی طرف سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ ماقبل حرف روی کی حرکت کا بدل جانا جائز ہے اس لئے ان اشعار کو قطعی ثبوت نہیں مانا جاسکتا۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ پھر قطعی طور پر یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ اہل لغت کا قول غلط ہے۔

۱۱۔ صفحہ ۶ پر آرزوئے نے لکھا ہے۔

''دویم عبارتست از انکہ ثقل از اجتماعِ کلمات پیدا شود چنانکہ گوید، مصرع: بقرب غریبان گزرکنی، چہ شود۔ کذا قیل لیکن انصاف آنست کہ اجتماع ایں قسم کلمات خود ثقلی ندارد''

خان آرزو کی رائے کی تصویب کرتے ہوئے غالب نے لکھا ہے:

''خان آرزو می فرماید کہ اجتماعِ این قسم کلمات خود ثقلی ندارد، بلکہ چون در قرب وقبر صنعت قلب بعض یافتہ می شود، می تواں گفت کہ حسنِ کلام می فزاید ۱۲''

۱۲۔ صفحہ ۷ پر آرزو نے لکھا ہے:

''بعضے جاہا تکرار موجب حسن کلام می گردد۔''

اس پر غالب نے لکھا ہے۔

''خان آرزو راست می فرماید۔ در بعض مقام، بلکہ در اکثر مقام، تکرار موجب حسن کلام می گردد۔ و این امر ذوقیست ۱۲''

۱۳۔ اسی صفحے پر آرزو نے لکھا ہے۔

''باید کہ در کلام لفظی نیارند کہ موہم مدح و ذم شود۔ چون مخاطب یا ممدوح ازاں نوع باشد کہ قابل ذم نبود مضایقہ نیست، چنانچہ واجب تعالیٰ یا رسول مقبول یا علی ولی سلام اللہ علیہا۔ ازیں جاست کہ عرفی در منقبت گوید۔ مصرع: بمدحت تو کہ اندیشہ را کند بیمار۔ پس آنچہ ملا منیر اعتراض کردہ کہ ازیں مصرع معنی دیگر حاصل می شود کہ موجب ذم می گردد و آن درست نیست، وارد نیست۔''

غالب نے خان آرزو کے جواب کی تصویب میں لکھا ہے:

''اعتراض منیر بیجاست۔ و وجہی کہ بہر دفع آن اعتراض خانِ آرزو نوشتہ است۔ راست۔ بیمار گشتنِ اندیشہ و فانمردنِ قوتِ فکر است بہ ادای حق مدح ممدوح ۱۲''

۱۴۔ صفحہ ۲۵ پر خان آرزو لکھتے ہیں۔ ؎

''چون درآید ہمت مطلب شگافت در سوال

تر زبانی چون تمنا خشک ماند در جواب

یعنی ہم چو تمنا تر زبان در جواب خشک ماند۔ و مراد خود تمناست۔ پس آنچہ بعضی از شارحان نوشتہ اند کہ در عامہ نسخ کلمۂ تر زبان را تر زبانی بیای مصدر و معنی آن سوال کردن می گویند، یعنی تر زبانی مانند تمنا تواند کہ جواب مقبول عطا دہد، از لطافت شاعری عاریست۔''

اس جگہ بھی غالب نے آرزو کی حمایت میں لکھا ہے کہ

''تر زبانی بیای معروف ہرگز نیست۔ تر زبانی و آں گاہ معنی آں سوال کردن غلط محض است۔ تر زبانی بیای مجہول باید خواند، وافادۂ معنی تعظیم توان کرد چنانکہ خان آرزو گوید ۱۲''

۱۵۔ صفحہ ۲۷ پر آرزو نے لکھا ہے۔

''در مجمع الصنائع مذکور است کہ از شیخ نظامی قدس سرہ پرسیدند کہ دریں بیت۔ ؎

بدریا گر کشد تیغ پلارک   بماہی گاؤ گوید: کیف حالک!

باوجودی کہ کاف عربی و فارسی قافیہ شدہ لام حالک را کہ باعتبار قواعد نحوی مضموم می باید، جہت قافیہ ''پلارک'' مفتوح اللام باید خواند۔ شیخ بطریق مطائبہ فرمود کہ قول گاؤ است و گاؤ نحو را اندانہ''

اس پر غالب نے لکھا ہے۔

''نہایت تحقیق در حقیقت لفظ پلارک انیست کہ پلارک بہ کاف عربیست نہ کاف پارسی و قلب آں پرالک است۔ وانیجا ہماں پرالک است بہ تقدیم رای قرشت برلام۔ وقول حضرت نظامی کہ ''گاونخوندانڈ'' بطریق فسوس واستہزاست۔ ورنہ تغایر حرکت ماقبل روی جواز دارد۔ ہمانا پرسندہ ملائے خواہد بوداز علم قافیہ ناآ گاہ کہ شیخ اورا بیک لطیفہ از سروا کرد ۱۲''

غالب نے جو کچھ لکھا ہے وہ معقول اور درست ہے۔ خود آرزو نے بھی سراج اللغات میں پلارک کو کاف عربی سے قرار دیا ہے اور پرالک کو اس کا مقلوب بتایا ہے۔ فرماتے ہیں۔

''پلالک و پلارک و پرالک نوعی از پولاد جوہر دار و بمعنی تیغ مجاز است، نہ حقیقت، چنانکہ ارباب فرہنگان گمان کردہ اند۔ وتحقیق آنست کہ لام ورا درین کلمات بہم مبدل گشتہ اند۔''

۱۶۔ صفحہ ۲۴ پر آرزو نے لکھا ہے۔

''چوں شرط تعلیق چیزیست بچیزی دیگر باید کہ اختلاف لفظی درمیان جزاو شرط نباید، یعنی یکی ماضی بود و دیگر مستقبل و نظائر آن۔ مگر از برائے نکتہ چنانکہ گذشت۔ واین اکثر باکلمۂ تاباشد۔ ودر ماضی گاہی برای دیر بودن وجود شرط باشد چنانکہ گوید۔ بیت۔

تا تو می آئی قیامت رفتہ است

وعدۂ وصل آں قدر ہا دور نیست

و''رفتہ است'' ماضی قریب الوقوع است، چنانچہ صاحب نوادر الافاضل بدان تصریح کردہ۔ وگاہی برای اظہار کمال تقریر وجود جزا بود چنانکہ گوید بیت۔

شب از نظرم ماہ رخی جلوہ کناں رفت

تا دیدہ خبردار شود، دل زمیاں رفت

بامعنی کہ در شرط ہم ماضی می آورد و نظر بمصرع اول۔ لیکن برای تخالف شرط و جزا کہ مشتمل بر نکتہ بدیع است چنیں آوردہ۔ فافہم فانہ دقیق۔''

اس نکتہ کی توثیق و تشریح میں غالب نے لکھا ہے۔

''تا دیدہ خبردار شود، دل زمیاں رفت، اگر در شرط ہم صیغۂ ماضی بکار می بردوی نوشت کہ

تا دیدہ خبردار شد دل زمیاں رفت ہر آئینہ تقدم آگہی دیدہ بر رفتن دل لازم می آمد، و

مقصود شاعر آنست کہ ہنوز چشم راخبر نشدہ بود کہ دل رفت۔ و لطف ہم درین است۔

درین مقولہ تائید قول خان آرزو ست بافزائش لطف دگر ۱۲''

۱۷۔ صفحہ ۴۴ پر آرزو نے لکھا ہے۔

''ہرگاہ اسناد در فعلی واضح و مبین می باشد چون آنرا بطریقی دیگر آرند، نفس را بعد از

استماع آن لذتی دیگر حاصل شود۔ چہ ہرگاہ ذکر مسند الیہ بشنود، نفس منتظر شود کہ مسند فعلی

خواہد بود از طریق عادت۔ و چون بطریقی دیگر آید، نعمت غیر مترقبی دست دہد۔ از ینجا

است کہ گوید بیت: ؎

لیل و نہار نسبتِ شان منعکس شود

گرمہ کند زنیر رای تو اقتباس

پس آنچہ بعضی شارحان نوشتہ اند کہ درین بیت مسامحہ در عبارت است۔ اگر چنیں می

گفت، اولیٰ می بود: لیل و نہار نسبت ہم منعکس شود، نیز دلالت دارد بر عدم اطلاع بر کلام

ماہران سخن، چنانکہ پیغمبر شعر گوید ع

ہنر در چو بخشش نباشد بکام

ہر چند بدین طور ہم درست می شود۔ ؎

چو بخت ہنر در نباشد بکام''

اس پر بھی غالب نے آرزو کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے۔

''لیل و نہار نسبت شان منعکس شود ہنر در چو بخشش نباشد بکام۔ دگر نماند متاعیش در دکان

نرگس۔ مصرع نخست و سیوم از عرفیست۔ و مصرع دوم از سعدی۔ این شیوہ رانداند و

نمک این طرز را نشناسند مگر گران مایہ گان پارس و فرزانگان ایران۔ صد ہزار آفرین

بر خان آرزو کہ داد این روش داد ۱۲''

غالب کا خانِ آرزو کا اس قدر دل کھول کر داد دینا بیحد قابلِ داد ہے۔

۱۸ صفحہ ۴۵ پر آرزو فرماتے ہیں۔

"گاہے فعل و مفعول ہر دو محذوف شوند و بمعطوف بسند کنند چنانکہ گویند: فلانی را کارد باستخواں رسید، یعنی گوشت رابریدہ و باستخواں رسیدہ۔ واین از برای دفعِ توہم آنست کہ مبادا ارادۂ غیر مرادہ اولاً کردہ شود۔ زیراچہ اگر ذکرِ گوشت اول می کرد، متوہمی پیش از ذکر استخواں گمان می نمود کہ کارد باستخوانش شاید نرسیدہ باشد۔ پس ازیں سبب ذکر ماقبل راترک نمودہ شد۔ ہذا کما حققہ بعض العلماء۔

ونزدِ بندہ آنست کہ حذف آن گذاشتن است براعتمادِ عقل برسبیلِ برہان، زیرا کہ چیزی کہ حائلِ چیزی باشد، تا ازاں چیز نگذرند، بدین چیز نرسند۔ پس ہرگاہ باستخواں رسید، یقین معلوم گردید کہ گوشت رابریدہ باشد۔ واین عجیب وغریب نکتہ ایست، فافہم۔"

اس نکتے پر (۱۵) کا ہندسہ بنا کر غالب نے حاشیے پر لکھا ہے۔

"کلامِ خان آرزو علیہ الرحمہ دریں مقام ذوقی دارد۔ وحقا کہ ہم چنین است کہ او گفتہ است ۲"

یہاں غالب کا آرزو کے لئے "علیہ الرحمہ" اور پھر ان کے قول کی تائید "حقا" کہہ کر کرنا بتاتا ہے کہ غالب کو یہ نکتہ پسند آیا تھا۔

۱۹۔ اسی صفحے پر آرزو نے لکھا ہے۔

"حذف مفعول، اگر مقام خطابی باشد، دلالت برعموم کند۔ چنانکہ گوید، مصرع: زمیں نادردہ، تانگوئی بیار۔ یعنی ہیچ چیز نادر واز قسم برگ و بار و جز انہا۔ گاہے حذف کنند آنرا ازجہتِ انکار و یا نفرت از نام او، یا اشارت بداں۔ وگاہے حذف کنند از جہت قیامِ قرینہ وعدمِ احتیاجِ ذکر چنانچہ وحید گوید بیت:

دارم از رویش عجائب لالہ زاری در نظر

توبہ مارا مبیں، ساقی، اگر داری بیار

وغیرہ ازین عالم است آنچہ ہم او گوید، بیت:

ماہِ نو گردید پیدا، ساقیا، چوں ماہِ نو

سربزیر از شرمِ حسن افگندہ، ہاں، تا کے بیار؟''

اس پر غالب نے لکھا ہے۔

''حذفِ مفعول دریں اشعار نہ از راہِ ضرورت است و نہ از جہت قیامِ قرینہ۔ بلکہ نبردن نام مفعول دریں جا با بلاغت است۔ یعنی زمین نمی آرد مگر نبات۔ و ساقی ندارد مگر شراب۔ بلاغت را قیامِ قرینہ چرا نام نہند۔''

غالب کا یہ اعتراض بھی محلِ نظر ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ حذف مقتضائے بلاغت ہے مگر فنِ بلاغت میں مختلف تقاضوں کے تحت جو کچھ عمل میں آتا ہے، اُس کے الگ الگ نام مقرر ہی کئے جاتے ہیں۔ یہاں اگر آرزو اور دوسرے اہلِ بلاغت نے ان اسباب کی تعیین کی جو بلاغت پیدا کرتے ہیں تو کیا غلطی کی اور ان کا نام رکھا تو کیوں ہدفِ اعتراض بنے۔

۲۰۔ آرزو نے صفحہ ۴۸ پر لکھا ہے۔

''اگر ظرف متضمن باشد بر کلمۂ ''ایں'' کہ اسمای اشارت است بالفظِ ''از'' مقدم گردد بر متعلق خود از جہتِ تعظیم و اعتنای بشانِ او، گاہی متعلق ظرف را حذف کنند از جہتِ عدم اعتنای بشانِ او باشد چنانکہ گوید۔ قطعہ:۔

ازیں مہ پارۂ عابد فریبی ملائک صورتی، طاؤس زیبی

کہ بعد از دیدنش صورت نہ بندد وجود پارسایان را شکیبی

و ایں بر تقدیریست کہ ''ازیں'' بہ معنی ازیں قسم باشد۔ و ازیں بدیں معنی آمدہ، چنانچہ بعضی از شارحان تصریح کردہ اند۔ و از جملۂ عجائب آنست کہ علامہ خوارزمی دریں جا نوشتہ کہ بہترین توجیہات آنست کہ رابط از آخر مصرعۂ ثانی محذوف باشد، یعنی ازیں مہ پارۂ عابد فریب ملائک صورتی طاؤس زیبی آنست کہ چیزی از اں دریں جلوہ کردہ انتہی۔

در کاکت ایں معنی مستغنی از بیان است، زیرا کہ حذف رابط دریں قسم مقام تکلف۔ و ملائک را کہ جمع ملک است بمعنی یک صورتی گفتن و بمعنی نمونہ از دست گرفتن بعید۔ و طاؤس زیبی را بمعنی آں کہ چیزی از اں دریں جلوہ کردہ گفتن بعید تر از انست۔ از

صاحب کمالان سخن آشنا ایں معنی بسیار مستبعدی نماید۔

بہترین توجیہات دریں مقام ہمانست کہ گویم کہ "ازیں" بمعنی چنیں است چنانچہ در مدار الافاضل مصرع شد استناد بدیں بیت سلمان، بیت:۔

گر در خیبر بزور بازوی حیدر کشاد

بس کہ ازیں قلعہ با سایۂ حق درکشاد

وایں حاصل آنست کہ بعضی گفتہ اند کہ ازیں در ینجا بمعنی ازیں قسم است، چہ لفظ چنیں حاصل معنی ازیں قسم است۔ فافہم۔"

غالب نے یہاں بھی آرزو کی تائید میں لکھا ہے:

"واقعی دریں ہر دو بیت ازیں بمعنی ہم چنیں است وتوجیہات دیگر ہمہ بارد ۱۲"

۲۱۔ صفحہ ۵۱ پر آرزو نے لکھا ہے۔

"بعضی ازیں ہر دو مفعول درواقع صفت وموصوف باشند وچوں مرتبۂ موصوف مقدم است، باید کہ آنچہ صلاحیت موصوفیت داشتہ باشد مقدم بود۔ واگر ہر دو مساوی باشد پس آنچہ کہ اولاً نسبت مفعولیت بداں باشد، ہماں مقدم بود مگر جائے کہ اہتمام بشان مفعول دویم باشد چنانکہ گوید، بیت:۔

از بسکہ بود یاد تو در طینت عالم نسیان تو شرمندہ کند شہرت جم را

یعنی از بسکہ در ضمیر عالم یاد تو جا گرفتہ وطبعی وذاتی گردیدہ، وبالفرض اگر نسیانی در میان آید کہ تو مورد آن نسیان باشی، آن نسیان آں قدر یاد دارد کہ شہرت جم را شرمندہ می کند۔ وچوں مقام مقتضی ذکر شرمندگی شہرت جم است، لہٰذا شرمندہ را از شہرت جم مقدم آوردہ۔ پس آنچہ بعضی نوشتہ اند کہ بعد از اثبات یاد کہ باں مرتبہ کردہ باشد، ہر آئینہ خیال نسیان نسیان خیال او تواں گفت، از غلط فہمی است، اگر پری ہر گاہ نسیان آید یاد کجا ماند کہ موجب شرمندگی شہرت جم تواند بود؟ گویم آرے، درواقع چنین است۔ لیکن در شعر او عا کافی است۔ وسبب لفظ "در طینت عالم" از عہدہ برآمدہ۔ فلا تغلط۔"

اس مقام پر بھی غالب نے آرزو کی تائید میں لکھا ہے:

''حقیقت معنی شعر عرفی ہمین است کہ خان آرزو می نویسد۔ واین مضمونیست بسیار نازک ودقیق ولطیف۔ جزایں ہرچہ گویند، مقبول طباع سلیمہ نمی تواند بود۔''سعض

۲۲۔ صفحہ ۲۳ پر آرزو نے لکھا ہے:

''علامہ احراری (چرارا) بکسر تحقیق کردہ۔ وتغلیط فتح نمودہ، چرا کہ مرکب است از چہ وکلمہ را کہ بمعنی برای است، یعنی برائے چہ وحق آنست کہ قیاس ہمیں خواہد۔ لیکن خاصہ زبان بعضی مردم است واکثر علمای لغت بفتح نوشتہ اند کما قال عبدالرشید وغیرہ۔''

اس کی تردید میں غالب نے لکھا ہے:

''چرا بہ جیم فارسی مکسور صحیح است، گو بفتحہ مشہور باش ۱۲''

لیکن میری دانست میں غالب کا موقف درست نہیں ہے۔ مدارِ صحتِ تلفظ، عام وخاص کی بول چال ہے نہ کہ قیاس۔ اگر ''چہ را'' کو زبان کی خراد ''چرا'' بنا سکتی ہے اور یہ حذف صحیح مانا جا سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ''چ'' کے کسرے کو زبانِ مردمِ ایران فتحہ بنا دے تو اسے نہ مانا جائے۔

۲۳۔ صفحہ ۷۱ پر آرزو نے لکھا ہے:

''اغلب کہ باد ماخوذ است از بودن''

اس کی تائید میں غالب نے لکھا:

''واقعی باد در اصل بُو ا و است و آن صیغۂ مضارع است کہ الف دعائیہ در وسط دارد ۱۲''

۳۔ مصطلحاتِ شعرا

سیالکوٹی مل وارستہ کی مصطلحاتِ شعرا کا ایک مطبوعہ نسخہ لوہارو سیکشن میں محفوظ ہے۔ یہ کتاب ۲ رصفر ۱۲۶۸ھ (۱۸۵۱ء) کو سلطان المطابع واقع کوٹھی کلاں لکھنؤ میں بیتان مقبول الدولہ بہادر مرزا محمد مہدی علی خان قبول کے اہتمام سے چھپنا شروع ہوئی اور ۷ رمحرم ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۳ء) کو منطبع ہوئی۔

میرزا غالب نے اس کے حواشی پر بھی اپنے اختلافی نوٹ لکھے ہیں۔

۲۴۔ صفحہ ۴ پر وارستہ نے لکھا ہے۔

''آب گردش، تاثیر زبونی آب و ہوا۔ مح۔ طاہر غنی ؎

در محفلی کہ دارد جامِ شراب گردش

زاہد نیاید آنجا از بیمِ آب گردش

ونیز نقلِ مکان کردنِ بیمار از جائے بجائے دیگر برای تغیرِ آب و ہوا۔ مح۔ قدسی ؎

از درت تادم تسلیم بجائے نروم آب گردش نکند خستۂ تو چون گرداب

غالب نے ''آب وہوا'' پر ''نظ'' (مخففِ نظر) بنا کر حاشیے میں لکھا ہے۔

''نظ۔ آب گردش بمعنی زبونی آب و ہوا ز نہار نیست۔ بمعنی نقلِ مکانست و بس۔ خواہی ناقلِ مکان بیمار باشد و خواہی تندرست و در نقلِ مکان چنانکہ بدی آب و ہوا ملحوظ نیست، خوبی آب و ہوا نیز ضرور نیست۔ ایں امر اتفاقی است۔ ہر آئینہ آب گردش ہم بیم دارد و ہم امید۔ بیم از عدمِ موافقتِ آب و ہوا و توقع از موافق آمدنِ آب و ہوا۔ دراصل گردش آب است، یعنی تبدیلِ آب و ہوا۔ و در شعرِ غنی نیز بمعنی نقلِ مکانست۔ آرے، زاہد کہ بہ آب و ہوائے صومعہ خوش است، می ترسد کہ اگر بہ بزمِ شراب آید، آب و ہوای آنجا با مزاجِ دے سازگار نیاید۔ غالب ۱۲''

میرزا غالب کا اعتراض اور غنی و قدسی کے اشعار کی توجیہ دونوں درست ہیں۔ رضا لائبریری کے مخطوطے میں، جس کے بارے میں چند سطریں اس مقالے کے خاتمے پر لکھی گئی ہیں۔ اس محاورے کے معنی ''اسپ تیز رفتار و تغیرِ آب و ہوا'' لکھے ہیں اور یہی معنی دوسرے لغات میں بھی پائے جاتے ہیں۔

۲۵۔ صفحہ ۸ پر وارستہ نے لکھا ہے۔

''آب سیہ و آب سیاہ مرضی است از امراضِ چشم۔۔۔ و شراب تیز۔ ج۔ حضرت امیر خسرو در صفتِ قلم فرمودہ ؎

آب سیہ خوردہ چناں گشتہ مست کش چونہ گیرند، بیفتد ز دست''

اس شعر کے مصرعِ اول کے آخری لفظ پر ''نظ'' بنا کر غالب نے حاشیے میں لکھا ہے۔

''نظ۔ آب سیاہ و آب سیہ شراب را چگونہ تواں گفت؟ ہیچ قسم از اقسامِ شراب اسود

اللون نیست۔ آرے، در ہند شراب را ''کالا پانی'' گویند۔ باشد کہ امیر خسرو آں را بہ فارسی ترجمہ کردہ باشد۔ وحق اینست کہ امیر خسرو نیز از آب سیاہ شراب نخواستہ است۔ معنی اصلی کہ عبارت از مدا داست، مدعا داشتہ است۔ اگر لفظ مست منشا، ایں قیاس است، نہ آخر آبہای مست کنندہ بسیار است، چون بوزہ و بنگاب و افیون حل کردہ۔ و قطع نظر ازیں توجیہات لطف در نفی جملہ مسکرات است۔ یعنی خسرو می فرماید کہ نہ شراب است، و نہ بنگ است، و نہ افیون ست، آبے است سیاہ رنگ کہ خامہ بخوردنِ چناں مست شدہ است کہ بپای خود نتواند ایستاد۔ غالب ۱۲''

غالب کی یہ توجیہ بھی بہت بامزہ ہے لیکن فرہنگ رشیدی، سراج اللغات فرہنگ انجمن آرای ناصری اور فرہنگ نظام میں ''آبِ سیہ'' سے شراب ہی مراد لی گئی ہے۔ نیز رشیدی میں خسرو کا یہی شعر تمثیل میں پیش کیا گیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ کنایہ امیر خسرو ہی کے اس کلام میں سب سے پہلے استعمال کیا گیا ہو اور پھر اہل زبان نے ان کی زباں دانی کے کمال اور شعر و شاعری کی عظمت و برتری کے پیشِ نظر قبول کرلیا ہو۔

۲۶۔ وارستہ نے صفحہ ۳۸ پر لکھا ہے:

''اَستان، بہ پشت باز افتادہ۔ ر۔ منیر در رزمیہ گوید۔ فقرہ، ستیزہ جویاں بر آستانِ اجل استان می خوابیدند۔''

اس عبارت کے لفظ استان پر ''ا'' بنا کر محشی نے حاشیے میں لکھا تھا۔

''ایں لفظ استان در رشیدی بمدِ الف نوشتہ، وستان را مخفف آن گفتہ۔ معلوم نیست کہ صاحب مصطلحات و بہارِ عجم از چہ رو درین تناظر داخلی ساختہ۔ ایں را در تناظر الف ممدودہ می بایست نوشت۔ و فقرۂ منیر کہ در سند ذکر کردہ اند۔ از و نیز مد و مفہوم می شود۔ چنانکہ برطبعِ سلیم پوشیدہ نیست۔ فتامل۔''

اس حاشیے کے آغاز میں ''نظ'' بنا کر غالب نے وارستہ کی حمایت میں لکھا ہے۔

''نظ۔ معترض بہ حقیقت لفظ آستان وستان فرا نرسیدہ است۔ ایں نہ یک لغت است بلکہ دو لغت است جداگانہ: اول آستان بہ الف ممدودہ مرادف دہلیز۔ گاہ باشد کہ الف

ممدودہ برانداز ندوستانہ گویند۔ لیکن ایں تخفیف در آستانہ مسموع است۔ نہ در آستان ۱۲''

دوم ستان بسین مکسور کہ ہندی آن چت است بجیم فارسی مکسور و ایں اصل لغت است، نہ

مخفف۔ اما چون الف وصل برآن افزایند، استان بہ الفِ مکسور گویند، چون ستم واستم وشکم

واشکم وشتلم واشتلم وشتر واشتر چون الف وصل حرکت حرف مابعد خودمی پزیرد، وستان بہ

سین مکسوراست، لاجرم الفِ استان مکسور خواہد بود، نہ مفتوح، ونہ ممدود۔ غالب ۱۲''

جہاں تک آستان بالفِ ممدود کے بمعنی چت ہونے کا تعلق ہے، فرہنگ جہانگیری و رشیدی میں کمال اسمٰعیل اصفہانی کا یہ شعر نقل کیا گیا ہے۔

نقاشِ صنع، پیکر مرغ آستان نہاد — درتنگنای بیضہ، ز تائید عدل او

نیز لفظ ''ستان'' کو مخففِ ''آستان'' مان کر رشیدی نے انوری کا یہ شعر سنداً لکھا ہے۔

پیشِ شیر علم ستاں باشد — شیرِ گردوں چو عکسِ شیر درآب

یہ دونوں شعر غالب کی مراد کے خلاف اور معترض کے اس قول کے موید ہیں کہ آستان بمدِ الف، اور ستان اس کا مخفف ہے۔ خانِ آرزو نے البتہ سراج اللغات میں غالب کے اس خیال کے مطابق لکھا ہے کہ ستان اور استاں بکسر اول ہیں۔

۲۷۔ صفحہ ۴۲ پر وارستہ نے لکھا ہے۔

''افسار آنچہ برسروگردن خرواسپ بندند۔ ک۔ عوام ان راختہ گویند۔ سلیم در قصۂ خرد

خریدنش سادہ دلے ودغا خوردن او از عیار طرارے گوید۔

برسرِ خود کردہ چون خرمید وید — آن یکی افسار خر ازسر کشید''

غالب نے مصرع ثانی کے لفظ ''چون'' پر ''نظ'' لکھ کر تصریح کی ہے کہ

''نظ مثنوی خرنامہ سلیم دریں بحرنیست۔ بلکہ در بحرِ مخزن اسرار است۔ ہر آئینہ شعری کہ

صاحب مصطلحات الشعرا در سند افسار آوردہ، چنیں است۔

برسر خود کردہ چون خرمید وید — آن یکی افسار خر از سر کشید

مفتعلن مفتعلن فاعلن ۔ ۱۲''

غالب کا یہ اعتراض بھی درست ہے۔ سلیم کی مذکورہ مثنوی کی یہی بحر ہے۔ جو غالب نے

لکھی ہے۔

۲۸۔صفحہ ۴۴ پروارستہ نے لکھا ہے۔

''الف قامتان مژگان کنایہ از نگاہ۔ مح۔ طالب آملی ؂

خمیدہ پشتِ الف قامتانِ مژگانش　　　زبارِ غمزہ کہ در چشمِ فتنہ بار شکست

سلیم ؂

کرشمہ سنجِ نگاہ ستیزہ خویانیم　　　سواد خوانِ الف قامتانِ مژگانیم''

غالب نے ''الف قامتان مژگان'' پر ''نظ'' لکھ کر تحریر کیا ہے۔ ''نظ۔ حاشا کہ الف قامتان مژگان کنایہ از نگاہ باشد۔ بلکہ ہمان مژگان مراد است۔ چنانکہ ترکان چشم۔ شعر طالب آملی ؂ خمیدہ پشتِ الف قامتانِ مژگانش الخ نیز ہمیں می خواہد، زیرا کہ خمیدن صفتِ مژگانست، نہ صفتِ نگاہ۔ شعر سلیم خود ذولخت است در مصرع اول خود را کرشمہ سنجِ نگاہ وانمی نماید، ودر مصرع ثانی ادعای سواد خانی مژگاں دارد ۱۲''

غالب کا یہ اعتراض بھی درست ہے۔

۲۹۔صفحہ ۱۱۲ پروارستہ نے لکھا ہے۔

''پیرو تابع۔ وایں صریح است زیرا کہ ترکیب لفظی واستعمال فصحا افادۂ ایں معنی می کند۔ بعضی مؤلفان کہ بالاتفاق آں را بمعنی پیروی نوشتہ، ایں دو شعر بسند آوردہ اند ؂

عاقلاں پیرو نقط نکنند　　　یا نخوانند، تا غلط نکنند

وحید ؂

گر نکردی گرم زاہد را تلاش اعتبار　　　پیرو زہد خنک می سوخت ایں بیچارہ را

از عدم اطلاع باصل نسخہ در ہر دو شعر تسامح ورزیدہ اند، چہ بیت اول چنین است کہ مصراع ؂ عاقلاں پیرو نقط نشوند۔ چوں ایں بیتی است از قطعہ کہ یکی از شعرا در زمان سلطان بایقرا گفتہ، احتیاج بقافیہ مصرع اولی ندارد کہ آن منشا این غلط گردیدہ و در شعر دوم بجای لفظ پیرو لفظ پیروی است کہ با زہد خنک گرم می جوشد۔ ولطف این سخن را نازک خیالاں درمی یابد۔''

اس عبارت کے لفظ" پیرو" پر غالب نے علامت "مص" بنا کر حاشیے میں لکھا ہے۔

"مص، پیرو بمعنی تابع مسلم اما بمعنی پیروی نیز می آید۔ صاحب مصطلحات تحاشی چرا می کند، مگر خونریز بمعنی خونریزی در کلام اکابر ندیده است و آن که درین مصرع "عاقلاں پیرو نقط نکنند" تصرف کرده و بجای نکنند "نشوند" نوشته تحکم محض۔ و این عبارت که احتیاج بقافیہ مصرع اولی ندارد، مہمل است چنانکہ از صورت قطعہ ظاہر می گردد۔ وقطعہ این است

ہر چہ آید بنزدِ اہلِ صواب	بگمانِ خطاش خط نکنند
ہر چہ خوانند، نیک فکر کنند	یا نخوانند، تا غلط نکنند
نقطہ با گرفتہ بزیر و زبر	عاقلان پیرو نقط نکنند

غالب ۱۲"

غالب کا یہ بیان بھی درست ہے۔

۳۰۔ صفحہ ۲۹۶ پر وارستہ نے لکھا ہے۔

"طریقہ بمعنی روش۔"

اس عبارت کے نیچے محشی نے بہارِ عجم سے نقل کیا ہے۔

"ساعتی است نحس کہ در وقتِ بودنِ قمر در عقرب واقع شود۔ بہار"

بہار کے بیان پر محشی نے لکھا ہے۔

"آنچہ صاحب بہار عجم در معنی طریقہ ذکر کردہ ناشی۔ از عدم اطلاع بر اصطلاحِ اہلِ تنجیم است۔ وصحیح آنست کہ اہل تنجیم رسیدن قمر با اخرِ درجات برج میزان را طریقہ گویند۔ و نحوستش باعتبار قرب قمر است بہ برج وبال خود کہ عقرب است۔"

اس حاشیے پر غالب نے لکھا ہے۔

"آرے، بودن قمر در اواخر درجات میزان طریقہ نام دارد۔ و آن منحوس است۔ اما قرب برج عقرب وجہ نحوست نیست۔ این نحوست را وجہ آنست کہ اختر شناسان سپہر بیای از نوزدہم درجہ حمل تا درجہ آخر این یازدہ درجہ را درجات غیرہ ومقابل آن زیادہ درجہ با ئین میزان را درجات مظلمہ نامیدہ اند۔ درجات غیرہ بہر کوکب سعد و درجات

مظلمہ بہر ہر کوکب نحس است، بجز زحل کہ در درجات نیرہ کمال ہبوط و در درجات مظلمہ غایتِ شرفِ اوست۔ خوش حالی قمر در درجات نیرہ از جہت قرب ثور و بدحالی قمر در درجاتِ مظلمہ بسبب قرب عقرب نیست۔ داد کا طالب غالب ۱۲''

غالب کا یہ بیان درست ہے یا غلط، اس کا فیصلہ اہل نجوم کریں گے۔ میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اس بیان سے ان کی نجوم دانی پر مزید روشنی پڑتی ہے۔

۳۱۔ صفحہ ۲۹۸ پر وارستہ نے لکھا ہے۔

''ظہور لفظِ عربیست۔ معنی آن ظاہر است۔ فارسیان بمعنی نمایان آرند۔ ظہوری۔

تراچہ رتبہ کہ اندیشۂ وصال کنی اوب خوشست ظہوری، چنیں ظہور مکن

سنجر کاشی۔

رسد بعہدت شاعر بپایۂ ملکی زہے نوازش شاہ وزہے ظہور سخن''

لفظِ ظہور پر غالب نے ''۱۵'' لکھ کر نیچے لکھا ہے۔

۱۵۔ فارسیان اگر در مقام دیگر ظہور را بمعنی نمایاں کہ مرادف ظاہر است آوردہ باشند، مارا در آن سخن نخواہد بود۔ لیکن دریں دو شعر کہ لالہ صاحب سند آوردہ اند، ظہور بمعنی اصلی خود است، یعنی ظاہر شدن۔ غالب ۱۲''

میری دانست میں ظہوری کے شعر میں ظہور بمعنی نمایاں بھی ہو سکتا ہے اس لئے اس کی حد تک اعتراض درست نہیں۔

۳۲۔ صفحہ ۳۴۴ و ۳۴۵ پر وارستہ نے لکھا ہے۔

''گل کردن بضم اول ظاہر شدن۔ ج ور۔ در موارد کلام اساتذہ نیز لازم دیدہ شد۔ اما مرزا جلالائی طباطبا دریں فقرہ کہ در تعریف چشمۂ وتاک است متعدی آوردہ۔ فقرہ۔ گرمی آب وتاب فکر از جوئبارش کہ کچ پیشانی آفتاب گل کردۂ اوست، شاہ نبرش ہموارہ با بحر برمی زند۔''

لفظِ متعدی پر غالب نے ''نظر'' لکھ کر حاشیے میں تحریر کیا ہے۔

''گل کردن لازمی است و متعدی ہرگز نیامدہ۔ وفقرہ جلالائی طباطبائی سند متعدی بودن

آں نمی تواند بود۔ بلند اگر پیشانی آفتاب گل کردہ اوست۔ یعنی ظاہر شدہ اوست،

از و پدید آمدہ است، واز وبہم رسیدہ است۔ غالب ۱۲"

غالب کا یہ اعتراض بھی درست ہے۔ "گل کردن" اس فقرے میں بھی لازمی ہی استعمال ہوا ہے۔

آخر میں مصطلحات الشعرا کی تاریخ تالیف کے بارے میں ایک بیحد ضروری بات بیان کردوں۔ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ اس کا سال تالیف ۱۱۸۰ھ ہے۔ جو اس کے نام سے نکلتا ہے۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ ٹیک چند بہار نے اپنے لغت بہار عجم میں اس کے حوالے دیئے ہیں۔ یہ لغت ۱۱۵۲ھ میں ختم ہوا تھا اور بہار کا انتقال نکات الشعرا کے سال اختتام ۱۱۶۵ھ اور تذکرہ قایم کے سال اختتام ۱۱۶۸ھ کے درمیان ہوا ہے، کیونکہ اول الذکر میں اس کا حال بصیغۂ احیا اور موخر الذکر میں بصیغۂ اموات ہوا ہے۔ لہٰذا وارستہ کی کتاب کو بہار کی زندگی میں مکمل ہو کر اس کے ہاتھوں تک پہنچ جانا چاہئے۔

کتب خانۂ رام پور میں مصطلحات الشعرا کا ایک نہایت قیمتی نسخہ محفوظ ہے مطبوعہ نسخے کے برخلاف اس میں تقریباً ۱۶ صفحوں کا ایک مفصل دیباچہ اور ۵ صفحات کا خاتمہ ہے۔ اس میں وارستہ نے متعدد ایسے واقعات بھی بیان کئے ہیں جو تاریخی حیثیت کے ہیں اور اس لئے مورخ بھی اُس کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ ان کے من جملہ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ "مصطلحاتِ شعرا" (بحذف الف لام جس کے ۳۱ عدد ہوتے ہیں) سے کتاب کے آغاز کا سال معلوم ہوتا ہے اور "نہاں خانۂ نازنینانِ معنی" سال اختتام کا مادہ ہے۔

ازروی حساب "مصطلحاتِ شعرا" سے ۱۱۴۹ھ اور "نہاں خانۂ نازنینان معنی" سے ۱۱۵۱ھ مستخرج ہوتے ہیں۔ یہ دونوں سال ایسے ہیں کہ کتاب ان میں مکمل ہو کر صاحب بہار عجم کے کام آسکتی ہے۔ لہٰذا مصطلحات الشعرا کو ۱۱۸۰ھ کی جگہ ۱۱۵۱ھ کی تالیف ماننا چاہئے۔

لائبریری کے اس مخطوطے کا مطبوعہ سے مقابلہ کرنے پر ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں میں خاصی کمی بیشی ہے اور الفاظ، تشریحات اور شواہد وغیرہ میں بہت فرق ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مطبوعہ نسخہ کتاب کا دوسرا ایڈیشن ہے، اسی لئے اس کا دیباچہ بے حد مختصر ہے اور خاتمہ ندارد ہے۔

مطبوعہ کے دیباچے میں وارستہ نے مصطلحات الشعرا کے اعداد کو سال آغاز بتا کر لکھا ہے کہ" پانزدہ سال دریں تلاش بسر بردم" اگر ۱۱۴۹ پر ۱۵ سال بڑھا دیئے جائیں تو ۱۱۶۴ ہوتے ہیں۔اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دوسرا ایڈیشن بھی ۱۱۶۴ھ کے لگ بھگ تیار ہو چکا تھا۔

اگر'' مصطلحات الشعرا'' (باضافہ الف لام) کو کتاب کا نام اور اس کے اعداد ۱۱۸۰ کو سال آغاز مانا جائے تو اس پر ۱۵ کے اضافے کا مطلب یہ ہوگا کہ کتاب ۱۱۹۵ھ میں تمام ہوئی۔ یہ تاریخ خود مؤلف کے انتقال کے ۱۵ برس بعد جا پڑتی ہے۔ کیونکہ اس کا سال وفات ۱۱۸۰ بتایا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ مؤلف کے بعد کسی کتاب کا اختتام خود مؤلف کا کام کبھی نہیں ہو سکتا۔

☆☆

نوٹ: غالب نمبر کے سلسلے میں اتنا مواد دست یاب ہو گیا ہے کہ اسے ہم تمام و کمال اس مجلے میں شائع نہیں کر سکتے: گلچین بہار تو زداماں گلہ دارد۔ یہ مضامین کسی آیندہ شمارے کی زیب و زینت ہوں گے۔

ایڈیٹر

۱۔ غالب نے اس لفظ کو وجہہ لکھا ہے۔

غالب[1] کے کلیات نظم فارسی کا ایک قدیم نسخہ

قاضی عبدالودود

غالب نے اپنے کلیات نظم فارسی کا نام ''میخانۂ آرزو[2] سرانجام'' رکھا تھا، لیکن اس کا کوئی ایسا نسخہ نہیں ملتا جس میں یہ نام مرقوم ہو۔ علی بخش خاں، دیباچہ نگار ''پنج آہنگ'' کا قول ہے کہ شمس الدین (احمد) خاں کے اوائل ۱۲۵۱ھ میں پھانسی پانے کے کچھ ہی بعد وہ جے پور سے دہلی واپس گئے تو اس زمانے میں یہ تازہ تازہ ''فراہم[3]'' ہوا تھا۔ وہ نسخہ جو ان کے پیش نظر رہا تھا، اب ناپید ہے اور قدیم ترین نسخہ جو اس وقت موجود ہے کتب خانۂ خدابخش پٹنہ کا وہ نسخہ ہے جس کا ذکر اس کتب خانے کے مخطوطات فارسی کی فہرست جلد ۳ میں زیر شمار ۴۴۱ ہے۔ اس کے کاتب لالہ چھجمل پدر جواہر سنگھ جوہر ہیں اور اس کی کتابت ربیع الآخر ۱۲۵۴ھ میں تمام ہوئی تھی۔ اس کے بعد اسی کتب خانے کا ایک اور نسخہ ہے جس کا ذکر مطبوعہ فہرستوں میں نہیں ہے۔

مص کسی مجہول الاسم[4] کاتب نے نواب محمد مصطفیٰ خاں کی فرمائش سے لکھا تھا اور اس کی کتابت ۱۲۵۷ھ کی ۱۵ ذیقعدہ کو تمام ہوئی تھی۔ کاتب کا قول ہے کہ ''بنظر اکسیر اثر مرزا غالب تصحیح پذیرفت'' مگر کہیں کسی غلطی کی تصحیح نظر نہیں آتی گو اس کا امکان ہے کہ حواشی میں جو اضافے ہیں

وہ غالب کے قلم سے ہوں۔

مص میں نثر کی صرف دو چیزیں ہیں: (۱) دیباچہ، یہ خ نہیں مط کے مطابق ہے (۲) خاتمہ، یہ مط کی طرح ''تقریظ[۵]'' کے عنوان سے مندرج نہیں، اس کے آغاز میں وہی عبارت ہے، جس سے خاتمۂ خ کی ابتدا ہوئی تھی۔ خ میں غالب نے سال ترتیب کلیات ۱۲۵۳ھ بتایا ہے اور اپنی عمر کے متعلق لکھا: ''رصد نگار طالع من باندازۂ خرامش پیک آسمانی در مشاہدۂ آثار سال چہل و یکم است''، مگر مط میں ۱۲۵۳ھ کی جگہ ۱۲۷۸ھ اور ''چہل و یکم'' کے بدلے ''شست و ششم'' ہے۔ خ میں اشعار کی تعداد ۵ ہزار[۶] درج ہے۔ مص میں باوجود اس کے کہ مص و خ کا زمانہ ترتیب ایک ہی لکھا ہوا ہے، تعداد اشعار چھ ہزار ہے۔ مط میں یہ بڑھ کر ۱۰۴۲۴ ہوگئی ہے۔

قطعات ذیل مص و خ و مط میں مشترک ہیں: ۱ تا ۴، ۶، ۹ تا ۱۱، ۱۵ تا ۱۷، ۱۹، ۲۲ تا ۲۶، ۴۵[۷] تا ۵۳، ۶۰، ۶۱

قطعات ذیل مص و حواشی خ اور مط میں مشترک ہیں: ۱۲، ۱۴ (اس میں وہ شعر نہیں جو خ میں مٹا دیا گیا ہے) ۱۸، ۲۰، ۵۴۔

قطعات ذیل حواشی مص، حواشی خ اور مط میں ہیں اور عجب نہیں کہ مقدم الذکر میں خود غالب کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہوں: ۲۹۔ ۵۵

۴ مثنویاں درد و داغ، چراغ دیر، رنگ و بو اور باد مخالف مص، خ اور مط تینوں میں ہیں اور مص میں ان کے عنوانات وہی ہیں جو خ میں ہیں۔ مص میں قصائد کا آغاز مط کے قصیدۂ اول ''اے زوہم غیر غوغا در جہان انداختہ'' سے ہوتا ہے جو خ سے غیر حاضر ہے۔ اس کی بیت اول سے قبل یہ عبارت ہے: ''بر چیدن بساط خردہ کاری بانجامیدن قطعہ و مثنوی و فاتحہ در نمود داری و آغاز قوس نزولی قصیدہ نگاری بنگارش قصیدہ در توحید حضرت باری۔'' یہ عبارت مط میں نہیں ہے۔

وہ سب قصائد جو خ و مط میں مشترک ہیں اور جن کا ذکر خم میں ہے، مص میں بھی ہیں اور مص میں ان کے عنوانات وہی ہیں جو خ میں ہیں۔

قصائد ذیل مص و مط دونوں میں ہیں مگر خ میں نہیں۔ عنوانات جو مص میں ہیں مط میں نہیں ہیں:

قصیدہ ۱۲ ''در نعت صاحب الامر امام محمد مہدی ہادی علیہ التحیۃ والسلام وعلیٰ آبائہ الکرام''

قصیدہ ۱۵ ''قصیدہ در مدح سلطان سراج الدین ابو المظفر (کذا) بہادر شاہ غازی''

قصیدہ ۷ ۳ ''افزائش نیروی خامہ و آرائش نوی نامہ بمدح داور والا گہر جناب مستر توبی پرنسپ بہادر کہ یارب اقبالش جاوداں و بہارش ایمن از خزاں باشد۔''

قصیدہ ۵۶ ''روشنگری آئینہ سخن بچشم داشت قبول از شمس الامرا نواب محمد رفیع الدین خاں بہادر نائب والی حیدر آباد، مص کے ابتدائی دو شعر مط میں نہیں، ان کی جگہ اس میں ۵ شعر ہیں جو مص سے غیر حاضر ہیں۔ اشعار مص۔

اے مظہر کل در ازل آثار کرم را ‏ منت بسر لوح ز اسم تو قلم را

شمس الامرا از اثر نسبت نامت ‏ خور قبلہ بد اورنگ نشینان عجم را

مص میں مط کا پہلا ترکیب بند قصائد کے ساتھ درج ہے۔ یہ خ میں نہیں اور اس کا عنوان مط میں نہیں: ''آراستن کسوت سخن بطراز ترکیب بند در منقبت مومنان خداوند۔''

مص میں غزلوں کا آغاز اسی عبارت سے ہوتا ہے جو خ میں ہے اور مط میں نہیں۔ ان تینوں کی پہلی غزل یہ ہے: ''اے بخلا و ملا خوی تو ہنگامہ زا۔''

مط کی غزلہائے ذیل، خ کی طرح، مص سے غیر حاضر ہیں۔

''چون بقاصد بسپرم پیغام را''

''حق جلوہ گر ز طرز بیان محمد است''

''لب شیریں تو جان نمک است''

''ہر چہ فلک نخواست ہیچ کس از فلک نخواست''

''از فرنگ آمدہ در شہر فراوان شدہ است''

''چو صبح من بسیاہی ز شام مانند است''

''دل بردو حق آنست کہ دلبر نتوان گفت''

''بوادیکہ در آن خضر را عصا خفتست''

''با من کہ عاشقم سخن از ننگ و نام چیست''

''تا بسویم نظر لطف جمس تا مسن است''

''نشاط معنویاں از شراب خانۂ تست''

''ببیند پرسش حالم نہ می توان افتاد''

''خوباں نہ آن کنند کہ کس راز یاں رسد''

''چہ عیش از وعدہ چون باور زعنوانم نہ می آید''

''گر چنین ناز تو آمادۂ یغما ماند''

''باید زمی ہر آئینہ پرہیز گفتہ اند''

''چاک از جیبم بہ داماں می رود''

''بتان شہر ستم پیشہ شہریار انند''

''دل ستانان نہ خلند ار چہ جفا نیز کنند''

''نقاب دار کہ آئین رہ زنی دارد''

''ترا گویند عاشق دشمنی آری چنین باشد''

''از رشک کرد آنچہ بہ من روزگار کرد''

''کسی با من چہ در صورت پرستی حرف دین گوید''

''بے دل نہ شد ار دل بہ بت غالیہ مو داد''

''چوزہ بہ قصد نشان بر کمان بجنباند''

''پروا اگر از عربدۂ دوش نہ کردند''

''بہ مرگ من کہ پس از من بہ مرگ من یاد آر''

''اے ذوق نوا سنجی بازم بہ خروش آور''

''دوش آہنگ عشا بود کہ آمد در گوش''

''بیا بہ باغ و نقاب از رخ چمن بر کش''

''گفتم ز شادی نبودم گنجیدن آسمان در بغل''

''بس کہ بہ پیچد بخویش جادہ ز گمراہیم''

''دیدم آں ہنگامہ بے جا خوف محشر داشتم''

''وایہ از سلطان بہ غوغا خواستیم''

''سوخت جگر تا کجا رنج چکیدن دہیم''

''صبح شد خیز کہ رو داد اثر بنمائیم''

''ہا پری چہرہ غزالان وز مردم رم شان''

''چون شمع رود شب ہمہ شب دود ز سرمان''

''سرشک افشانی چشم ترش بین''

''بے دارم از اہل دل رم گرفتہ''

''شاہا بہ بزم جشن چو شاہان شراب خواہ''

''در زمہر یر سینۂ آسودگان نۂ''

''بر دست و پای بند گرانی نہادۂ''

''گر نہ نوا ہا سرودمی چہ غمستی''

''اے کہ گفتی نہ دہی داد دل آری نہ دہی''

مص میں مط و حواشی خ کی حسب ذیل غزلیں ہیں ع

''آشنایانہ کشد خار رہت دامن ما''

''من آن نیم کہ دگری توان فریفت مرا''

''اے کہ در پردہ بصد داغ نمایانم سوخت''

''نادان صنم ما روش کار نہ دارد''

''در گریہ از بس تازگی رخ ماندہ بر خاکش نگر''

''تیغ از نیام بیہدہ بیرون نکردہ کس''

''در وصل دل آزاری اغیار نہ دانم''

غزل ذیل مص و مط میں ہے۔ لیکن اس کا صرف مطلع حاشیہ خ میں ہے ع

''ساخت زراستی بغیر ترک فسوں گری گرفت''

مط کی غزلہائے ذیل جو خ یا حواشی خ میں نہیں، مص میں ہیں ع

''اگر بہ دل نہ خلد ہر چہ از نظر گذرد''

''ننگ فرہادم بہ فرسنگ از وفا دور افگند''

''زمن حذر نہ کنی گر لباس دیں دارم''

مط کی غزل ذیل جو خ، حواشی خ اور مص میں نہیں، حاشیہ مص میں ہے ع

''نیست وقتیکہ بہ ما کاہشی از غم نہ رسد''

خ میں دو شعر جن میں سے ایک کٹا ہوا ہے، ایسے ہیں جو مط سے غیر حاضر ہیں، ان میں سے ایک مص میں بھی ہے۔

عبادت خانۂ خواہم چو قصر منعماں رنگیں　　　غم دیٖ کہ من دارم غم دنیاست پنداری

مط و خ کی مشترک غزلوں میں سے دو کا ایک ایک شعر خ میں نہیں، یہ غزلیں مص میں بھی ہیں اور ان میں سے ایک کا ایک (شعر) اس میں بھی نہیں ملتا۔

سر رشتہ ہر کار نگہدار بہ مستی　　　آشفتگی طرہ بہ دستار میاموز

مط کی رباعیات ذیل مص میں ہیں: ۱تا۱۰، ۱۲، ۱۴تا۱۹، ۲۱تا۲۴، ۲۶تا۳۲، ۳۶تا ۳۹، ۴۱تا۴۵، ۴۹تا۵۳، ۵۷تا۶۰، ۶۲تا۶۶، ۶۸، ۶۹، ۷۱۔

رباعی ذیل جو خ میں ہے۔ لیکن مط میں نہیں، مص میں موجود ہے۔

اے دادہ بہ باد عمر در لہو و فسوس　　　زنہار مشو ز رحمت حق مایوس

ہش دار کز آتش جہنم حق را　　　تہذیب غرض بود نہ تعذیب نفوس

۳ معمے (کل ۳ شعر) جو مط سے غیر حاضر ہیں، لیکن خ میں ہیں، مص میں ملتے ہیں۔

مص کے اشعار کی جو مجموعی تعداد غالب نے بتائی ہے، صحیح نہیں، اس میں چھ ہزار سے کم اشعار ہیں۔

نوٹ: اس مقالے کی تحریر کی فرمائش جس وقت ہوئی میں پا بر کاب تھا اور علی گڑھ آنے سے پیشتر مص سے متعلق جو یادداشت جلدی میں میں نے لکھی، وہ جب علی گڑھ میں مقالہ لکھنے لگا تو ناکافی اور بعض جگہ غیر واضح پائی گئی، ممکن ہے پٹنہ واپس پہنچنے کے بعد اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو میں اس کی تصحیح کروں یا کوئی ضروری بات چھوٹ گئی ہو تو اسے بڑھا سکوں۔

حواشی

۱۔ اس مقالے میں مخففات ذیل مستعمل ہوئے ہیں: خ = کلیات نظم فارسی ۱۸۶۳ء خم = خ سے متعلق میرا مقالہ جو اسلامک انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ کے رسالے میں شائع ہوگا مس = کلیات کا وہ نسخہ جس کی کتابت ۱۸۵۴ء میں تمام ہوئی۔ مط = کلیات مطبوعہ لکھنو۔ اس مقالے میں عموماً کسی نظم کا ذکر کرتے وقت، اس کا مصرع اول نقل ہوا ہے اور مراد پوری نظم سے ہے۔

۲۔ رجوع بہ خم

۳۔ رجوع بہ خم

۴۔ ڈاکٹر مختار الدین احمد کا خیال ہے کہ مس فخر الدین خان خرد کا لکھا ہوا ہے، شیفتہ نے ان کا حال گلشن بیخار میں تحریر کیا ہے۔

۵۔ غالب لفظ "تقریظ" کے صحیح معنی سے واقف نہ تھے، رجوع بہ غالب بہ حیثیت محقق۔ یہ نقد غالب میں شامل ہے۔

۶۔ یہ تعداد صحیح نہیں، رجوع بہ خم

۷۔ قطعہ ۴۸ بطور مثنوی ہے۔

✔

غالب اور مغل شاہانِ دہلی کا تاریخی نظریہ

محمد اشرف

میں مرزا غالب پر یہ تہمت نہیں تراشنا چاہتا کہ وہ اصطلاحی معنی میں مورخ تھے اس لیے کہ شعر گوئی اور تاریخ نویسی کے تقاضے جداگانہ ہیں مگر اسے کیا کہیے کہ جب ایک زمانے کے انتظار کے بعد مرزا کی ملازمت کا تعلق بالآخر قلعۂ معلّٰی سے ہوا تو اس کی ابتدا تاجدارانِ آل تیمور کی تاریخ نویسی کے فرائض سے ہوئی، اس کی تفصیلات خود مرزا غالب کی زبان سے سنیے۔ فرماتے ہیں کہ ۱۸۵۰ء میں ایک دن میری پیشی بہادر شاہ ثانی کے دربار میں ہوئی۔ حضرت ظلِ الٰہی کے فرمان کے مطابق کارپردازان شاہی مجھے خلعت خانۂ خاص میں لے گئے اور خلعت شش پارچہ سے سنوار کر مجھے سلام گاہ میں لائے۔ حضرت بادشاہ نے جیغہ و سرپیچ خود دست خاص سے میرے سر پر باندھا اور حمائل مروارید میرے گلے میں ڈال دی۔ اس کے بعد چاؤش نے مرزا کے نئے خطابات یعنی نجم الدولہ، دبیر الملک و نظام جنگ کا اعلان کیا اور تاجدارانِ تیموریہ کی تاریخ نویسی کی خدمت کا فرمان عطا ہوا۔ ارشاد یہ بھی تھا کہ تاریخ اس آن بان سے لکھی

جائے کہ فردوسی اور نظامی کے شاہکار اس کے سامنے مات ہو جائیں۔

تاریخ نویسی کی یہ مروجہ روایت تھی کہ مورخ تاریخ کی ابتدا آدم کی پیدائش سے کرتا تھا چنانچہ اس تاریخ کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ پہلا حصہ آدم سے لے کر شہنشاہ ہمایوں تک دوسرا شہنشاہ اکبر سے لے کر بہادر شاہ ثانی تک۔ غالب نے پہلے حصہ کا نام مہر نیمروز دوسرے کا ماہ نیم ماہ اور پوری تاریخ کا نام پرتوستان رکھا۔ مہر نیمروز ۱۸۵۴ء کے آخر یا ۱۸۵۵ء کے شروع میں پوری ہوگئی۔ دوسرے حصہ کی ابھی نوبت نہ آئی تھی کہ تاجداران تیموریہ کا دفتر ہمیشہ کے لیے اُلٹ گیا۔

تاریخ لکھنے کے لیے دو باتوں کی ضرورت تھی ایک واقعات تاریخ کی ترتیب۔ یہ کام حکیم احسن اللہ خاں کے سپرد ہوا اور موصوف نے مشہور تاریخی ماخذ مثلاً جامع التواریخ، ظفر نامہ علی یزدی، تزک تیموری (ابوطالب حسینی) تاریخ فرشتہ اور بالخصوص اکبر نامہ اور آئین اکبری کی مدد سے انہیں یکجا کر دیا۔ لکھنے کا کام ازروئے فرمان، مرزا غالب کے فرائض منصبی میں شامل تھا۔ (تلخیص صفحات ۱۳۲، ۱۳۳ (فارسی) کلیات نثر غالب)

مرزا جب اعزاز، خطاب و وظیفہ کی امید سے نہال ہو کر گھر لوٹے تو پہلے پہل بڑے مگن تھے کہ اب حضرت نجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ یعنی مرزا نوشہ کی زندگی میں پہلی بار اپنے کمالاتِ علمی اور جوہر شاعری کو منظر عام پر لانے کا بے مثل موقع ملے گا مگر جب ٹھنڈے دل سے تاریخ نویسی کے تقاضوں پر غور کیا تو ذرا گھبرائے کہ مہر و وفا کی حکایت لکھنے والوں کو لشکر کشی اور کشورستانی کی لن ترانیوں سے کیا واسطہ اور اس پر طرّہ یہ کہ تاریخ ایسی اضطراری کیفیت سے لکھی جائے مانو کہ محبوب کی شان میں غزل پڑھ رہے ہوں۔

مرزا بڑے خلجان میں تھے فرماتے ہیں:

''از من کہ ہمہ عمرے پیمودہ ام و دران سرخوشی جز غزل نہ سرودہ ام و اگر گہتی بہ جادۂ نثر گام سودہ ام ہم بدان خرامش مستانہ رہ نورد بودم۔۔۔ ہمی خواہد کہ در فسانہ سرائی آوازۂ سازم را اندازہ و اندازۂ اندازم را آزمودن بر گیرد۔۔۔ مارا بدان گماشتہ اند کہ روداد ہر سویہ لشکر و کشور گرو آوران گرد آوریم و بہ شمردن نشانہائے گردش روزگاران روزگار بسر بریم و آن گاہ بدان ادا کہ نیروئے نطق خبر

بدان اندازہ کہ خوبی از گفتار نہ رود۔ (صفحات ۱۳۳ ۔ ۱۳۴، ایضاً)

تاریخ نویسی کا یہ کام دراصل غالب کے لیے ہی نہیں کسی شاعر کے لیے بھی آسان نہ تھا مگر غالب کی زندگی کا ایک پوشیدہ سرچشمہ بھی تھا جس پر غالباً نقادوں کی نگاہ پوری طرح نہیں پڑی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ غالب صوفی تھے، انسانیت دوست تھے، نسل وقومیت کی تقسیم کو خاطر میں نہ لاتے تھے مگر ان کے تحت الشعور اور نیم شعور سے یہ کبھی محو نہ ہوا کہ وہ صرف یہی نہیں کہ تورانی النسل ہیں بلکہ صاحب حسب ونسب ہیں اور ان کے آباواجداد سمرقند کے مرزبان رہے تھے۔ بہ الفاظ دیگر غالب اور آل تیمور میں ایک قریبی نسبت تھی۔ دونوں تورانی تھے اور غالباً قرون وسطی کے معتقدات کے لحاظ سے حکمرانی کی پیدائشی صلاحیت رکھتے تھے اور دنیا میں عزت ووقار کے مستحق تھے۔[1] یہ بھی ذہن نشین رہے کہ فقر وفاقہ کے عالم میں بھی غالب کو سپہ گری کے آبائی پیشہ پر ناز تھا چنانچہ استاد ذوق سے اختلافات کے سلسلے میں انہوں نے بہادر شاہ کو خاص طور سے جتایا تھا کہ وہ سو پشت سے سپاہی زادے ہیں اور ان کی نگاہ میں صرف شاعری ذریعۂ عزت نہیں ہے اور دلّی کالج کی ملازمت سے محض اس لیے انکار کردیا تھا کہ افسران ان کے استقبال کے لیے موجود نہ تھے۔ بقول غالب اس ملازمت سے ان کے ''اعزاز'' میں کوئی اضافہ ہوتا نظر نہ آتا تھا چنانچہ مہر نیمروز میں'' خطاب زمیں بوس'' کے عنوان کے پردے میں اپنا تعارف بہ الفاظ ذیل کراتے ہیں۔

''قا آن شیوہ خاقانا!... نیاگان نامہ نگار از تخمۂ افراسیاب وپشنگ بودہ اند... از ان برگ وساز با جز تیغ گند ناگون بکف نماند بہ مرز بوم بیگانہ روئے آوردند (اس ذیل میں آل سلجوق میں اپنے پرکھوں کے آبسنے کا ذکر ہے)... از واپسیان این قافلہ نیائے من کہ درقلمرو ماوراالنہر سمرقند شہر مسقط الراس وے بود۔ چون سیل کہ از بالا بہ پستی آید از سمرقند بہ ہند آمد (پھر نجف خاں کی ملازمت اور پرگنہ پہاسو کی جاگیر اس کے بعد اپنے والد اور چچا وغیرہ اور بچپن کا حال لکھا ہے اور آخر میں فرماتے ہیں کہ)...

چون رفت سپہبدی ز دم چنگ بہ شعر   شد تیر شکستۂ نیاگان قلمم

(صفحات ۱۲۹ ۔ ۱۳۰، ایضاً)

میں نے غالب کے نسلی تعصب اور احساس برتری پر اس لیے زور دیا ہے کہ میرے نزدیک مہر نیمروز لکھنے کی ذمہ داری قبول کرنے کی بڑی وجہ یہی ہے کہ غالب سے کسی دوسری قوم کی تاریخ لکھنے کے بجائے آل تیمور کی تاریخ لکھنے کی فرمائش کی گئی تھی۔ جو بہر نوع تورانی یا ترکی نسل کا ایک ممتاز خاندان تھا یعنی ایک معنی میں مرزا اپنے جی کو سمجھا سکتے تھے کہ وہ خود اپنے آباو اجداد کی یاد تازہ کر رہے ہیں اور اسی بہانے سے اپنی تخلیقی قوتوں کو اور اپنے جذبات عصبیت کو ابھار سکتے تھے۔ اس کا مزید ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ مہر نیمروز کی ترتیب میں غالب نے بجائے تیمور کی اولاد کے خود تیمور کے اجداد کے نسب ناموں پر زیادہ زور دیا ہے۔ مہر نیمروز کی سب سے بڑی اہمیت ہی میرے نزدیک یہ ہے کہ مغلیہ خاندان کی اس تاریخ سے اس تاریخی روایت کی تصدیق ہوتی ہے جو بہ تواتر مغل بادشاہوں میں رائج تھی اور جس کی وجہ سے مغلوں کی روایت اور باقی عرب اور اسلامی تاریخ نویسی میں ایک حد فاصل قائم ہو جاتی ہے مگر اس حقیقت کی تشریح کے لیے مجھے تمہید کے طور پر اسلامی تاریخ نویسی اور علم الانساب کے پس منظر کی طرف اشارہ کرنا پڑے گا۔

قارئین کو اس کا علم ہوگا کہ عربوں میں فن تاریخ کی بنیادیں علم الانساب سے قائم ہوتی ہیں اور بعد کو یہ دستور سا بن جاتا ہے کہ ایک مورخ اپنی تاریخ آدم علیہ السلام سے شروع کرتا ہے اور درجہ بدرجہ انسانی تاریخ کی دوسری منزل تک پہنچ جاتا ہے جو طوفان نوح کے بعد نوح کی اولاد سے شروع ہوتی ہے۔ نوح کی اولاد میں سامؔ کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے اس لیے کہ وہ عرب اور سامی قوموں کے مورث اول ہیں۔ شدہ شدہ سامی قافلہ حضرت ابراہیم تک پہنچتا ہے جو کعبہ کی بنیاد ڈالتے ہیں۔ اب ہلکے ہلکے اسلام کی پرچھائیاں پڑنا شروع ہوتی ہیں یعنی تاریخ مختلف قبیلوں کے موڑ سے گزر کر حضرت محمد ﷺ اور قریش تک اور اس کے بعد بنو امیہ، بنو عباس کو لپیٹ میں لیتی ہوئی مورخ کے اپنے زمانے کے بادشاہوں تک پہنچ جاتی ہے۔ کوئی کوئی من چلا اس سلسلۂ نسب اور شجرے کی کڑیوں میں نوح کے بعد یا پہلے طہمورثؔ اور جمشیدؔ کی نشان دہی کر کے ایرانی روایت اور اثر کا اعتراف کرتا ہے۔ ترکوں اور مغلوں کا ذکر عرب تاریخی

روایت میں بہت بعد میں آتا ہے اس لیے کہ دسویں صدی عیسوی تک تو ترک منظر عام پر آئے ہی نہ تھے اور جب آئے تو ایک زمانے تک ان کا منصب غلاموں سے زیادہ نہ تھا چنانچہ خود ہندوستان کی تاریخ میں وہ الغ خاں اور بغرا خاں جیسے خطابات ہوتے ہوئے بھی جب تخت پر بیٹھتے ہیں تو یا تو کیکاؤس، کیقباد، کیومرث، بہرام جیسے ایرانی نام اختیار کرتے ہیں یا پھر قطب الدین، شمس الدین، غیاث الدین، ناصر الدین جیسے لقب کا اضافہ کردیتے ہیں۔ مغل اور ترک روایت دراصل چنگیز خاں کے بعد شروع ہوتی ہے مگر جب گھر کرلیتی ہے تو پھر اس شان سے کہ ملکے ملکے عرب اور اسلامی روایت کو یک لخت بے دخل کردیتی ہے اور مغل شاہان ہند کے زمانے میں ان روایات اور ترکی تاریخی نظریوں کا وہ عمل دخل ہوتا ہے کہ اب حدیث و قرآن کی بجائے سیاسی بنیادی مسائل میں یسائے چنگیزی کا حوالہ دیا جاتا ہے جسے ابوالفضل "طورۂ چنگیزی" کے مقدس نام سے یاد کرتا ہے۔ اس اثنا میں جب ترک و مغل دنیائے اسلام پر چھا جاتے ہیں تو پھر مذہبی حلقے ضروری اسناد فراہم کردیتے ہیں۔ اب ایسی حدیثیں مل جاتی ہیں جس میں آنحضرت ﷺ نے ترکوں کی بہادری کی تعریف کی ہے بلکہ ترکی زبان سیکھنے کا مشورہ دیا ہے۔ انتہا یہ کہ بالآخر بنو امیہ اور بنو عباس کی جگہ ترک مسند خلافت پر متمکن ہوجاتے ہیں اور خانہ کعبہ کی تولیت ان کی میراث ہوجاتی ہے۔ اب ترک اور مغل عجمی اور تورانی ہوتے ہوئے بھی مسلمانوں کے پیشوا بن بیٹھتے ہیں۔

آیئے اب ذرا اسلامی تاریخ کی روایت پر نظر ڈالیں۔ پہلے طبری (وفات ۹۲۳ء) کی مشہور و مستند "تاریخ الامم والملوک" کو لیجیے۔ اس میں آدم سے سام بن نوح اور ابراہیم تک سب کا حال درج ہے مگر ترکوں اور مغلوں کا ذکر کہیں نہیں ہے۔ اس کے بعد المسعودی کی "مروج الذہب" پر نظر ڈالیے۔ یہ تقریباً ایک صدی بعد کی تصنیف ہے۔ اس میں "ملوک چین و ترک" کے ذیل میں اس کا ذکر ہے کہ ترک یافث بن نوح کی اولاد ہیں جو بادیہ نشین ہوگئے تھے۔ اس میں طغر غز قبیلہ اور کوچک ترکی حکومت کا خاص طور پر ذکر ہے۔ ابن اثیر نے اپنی "تاریخ الکامل" (وفات ۱۲۳۴ء) میں ابتدا ذکر

کے تینوں بیٹوں یعنی سام، حام اور یافث کا ذکر کیا ہے جو علی الترتیب سامی ایرانی رومی اہل سوڈان اور ترکوں کے جد امجد ہیں۔ یہ بھی قابل غور ہے کہ ابن اثیر کے نزدیک ترک یاجوج ماجوج کی نسل سے ہیں۔ جو عرب اور اسلام کی نگاہ میں تقریباً مردود تھے چنانچہ طبری اور المسعودی کے قدم بہ قدم ابن اثیر اپنی تمام تر توجہ سامی روایت پر مرکوز کردیتا ہے۔ مختصراً یوں سمجھئے کہ ترکوں اور مغلوں کا اقتدار قائم ہونے سے پہلے روحانی اور سیاسی دونوں اعتبار سے عربی تصورات عالم اسلام پر مسلط تھے اور سامی ذہن اسلامی روایات کا مترادف بن چکا تھا۔

اب ان ترکی روایات پر نگاہ ڈالیے جو مہر نیمروز کا سرچشمہ ہیں۔ یوں تو ایک مدت سے شجرۃ الاتراک اور جامع التواریخ نے ترکی نسب ناموں کی روایت قائم کر کے ایک مستحکم ترکی نظریہ تاریخ کی بنیاد ڈال دی تھی مگر ہندوستان میں اسے امتیازی مقام اس وقت حاصل ہوا جب ابوالفضل نے اکبر نامہ لکھا اور اس میں اکبر کا شجرہ ۵۲ پیڑھیوں کے بعد آدم سے ملا دیا۔ یہ شجرہ ہر لحاظ سے اہم اور دلچسپ ہے۔ آدم سے لے کر نوح تک تو سمجھئے کہ ابوالفضل اور طبری یا ابن اثیر میں اتفاق رائے ہے مگر اس منزل سے دونوں کی راہیں بدل جاتی ہیں۔ ابوالفضل کے نزدیک (یعنی مغل روایت کے مطابق) نوح کا لڑکا ترک ہے جس کی اولاد میں اب خوانین نظر آتے ہیں۔ ان میں سے پانچویں نسل مغل خاں اس کے بعد درجہ بدرجہ تموجین چنگیز خاں ہیں اور ہم بالآخر تیمور اور اکبر تک پہنچ جاتے ہیں۔ (صفحہ ۵۲ تا ۷۷ جلد اول اکبر نامہ) ایرانی روایت کی رعایت کے لیے یہ بھی درج ہے کہ ترک کیومرث کا ہم عصر تھا یعنی ہم پلہ تھا۔ (صفحہ ۵۹ ایضاً)
اس تمہید اور پس منظر میں اب آپ مہر نیمروز پر نظر ڈالیے جس کے ۶۲ صفحات میں پورے ۴۴ صفحے آدم سے تیمور تک شجرہ ملانے میں صرف ہوئے ہیں اور بابر اور ہمایوں کے حالات صرف ۱۸ صفحات میں درج ہیں۔ غالب نے ترکوں اور مغلوں کے نسب کے سلسلے میں ابوالفضل کی بجائے جامع التواریخ کی روایات پر انحصار کیا ہے یعنی ترک حضرت نوح کا لڑکا نہیں بلکہ پوتا ہے۔ مہر نیمروز نے بھی رسماً ابن اثیر کے تتبع میں نوح

کے تین اولادِ نرینہ قرار دی ہیں۔ یعنی حآم، سآم، یافثؔ اور ربع مسکون کو ان تینوں میں بانٹ دیا ہے۔ البتہ اہمیت اور عظمت کا درجہ صرف یافثؔ کو حاصل ہے جسے چین اور ترکستان اور سقالبہ (سلافی اقوام) کے علاقے میراث میں ملتے ہیں بلکہ حضرت نوح اسے سنگ یدہ (ترکی جدہ تاش عربی حجر المطرؔ) بھی عطا فرماتے ہیں جس کی یہ خصوصیت تھی کہ جب بارش کی ضرورت ہو، اس پتھر سے کہہ دو اور فوراً موسلا دھار مینہ برس جائے گا۔ یافثؔ کے گیارہ لڑکوں میں ترک سب سے بڑا تھا اور اسے جہانداری کا نشان ملا چنانچہ ترک سے نبوت کی بجائے حکمرانی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ غالب اب وجد کے عالم میں ہیں اور فرماتے ہیں۔

''دانستی کہ چہ گفتم ہماناازین گفتار آن خواستم کہ توقیع پیغمبری رفت اکنون ہمان عنوان سروری است۔ روشن خرداں ہر کرانہ و سخن پیوندان زمانہ دانند کہ کلشائے وکارکیائی وسرچشمۂ دانش و دین و آئینہ شیوۂ و آئین آدم است کہ بروئے از جہان آفرین جہان جہان آفرین باد۔ آن گاہ از آدم تا یافث ابن نوح نوبت نبوت ہر یکی راازایزدی پیش گاہ منشور خسروی بنام و ہر یکی در آئین شناساوری و فرہنگ شناساگری پیشوائے جمہور انام است۔ سپس از ترک ابن یافث تا این دم (یعنی بہادر شاہ ثانی تک) درین دودمان خداوندی را اندازہ پدید است۔ کارپہبدی و لشکر سروری از پیش برد۔

(صفحہ ۱۴۷ کلیات نثر غالب)

مہر نیمروز میں ایک اور ضمنی پہلو بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ ابوالفضل نے یوں تو صرف مغلخوانین اور آل تیمور کی تاریخ پر زور دیا اور بنوامیہ، بنوعباس وغیرہ کو بھلا دیا مگر ہندوستان کی تاریخ میں بہر نوع پچھلے شاہان اسلام کی طرف اشارہ کرنا ناگزیر تھا چنانچہ ''آمدگان ہندوستان'' کے ذیل میں جہاں آدمؔ (اس لیے کہ وہ سرندیپ میں آئے تھے) ہوشنگؔ، جآم، جمشیدؔ، سکندرؔ بلکہ مآنی کا حوالہ دیا ہے وہاں محمد بن قاسم اور سبکتگینؔ سے لے کر بلبنؔ تک کے نام گنادیئے۔ یہاں سے مغلوں کی آمد شروع ہوئی اور اب باقی شاہان اسلام سے چشم پوشی کرکے یہ سلسلہ تیمور اور بابر تک پہنچ گیا۔ (صفحات ۲۰۲ تا ۲۰۷ جلد دوم، آئین اکبری)

مرزا غالب کی عصبیت ابوالفضل سے بھی دو قدم آگے گئی اور موصوف نے محض شیر شاہ سوری کے خاندان کا ذکر کیا اس لیے کہ ہمایوں کی تاریخ میں سوری خاندان کا ذکر کرنا خود ہمایوں کی تاریخ سے بے انصافی تھی اور بہر نوع ہمایوں اس خاندان کو شکست دے کر دوبارہ تخت نشین ہوا تھا۔ (صفحہ ۱۸۵ کلیات نثر غالب) غالب کے جذبہ ملوکیت پسندی کی شہادت کے لیے اتنا کہنا کافی ہے کہ ابوالفضل، اکبر کو انسان کامل سمجھتا تھا مگر اس نے کھل کر اس کا دعویٰ نہیں کیا کہ اکبر اقلیم روحانیت کا بھی بلا شرکت غیرے فرماں روا تھا۔ بہادر شاہ ثانی کے عہد تک یہ نوبت بھی آ پہنچی تھی کہ بادشاہ بہ یک وقت دنیوی بادشاہ اور مرشدِ خدا آگاہ شمار ہوتا تھا۔ بقول غالب:

''سرش را بہ تاج شاہی افراختند و دلش را بہ نور الٰہی افروختند:

رئیس تاجوران خسرو جہان داور ۔۔۔ دلیل راہروان مرشد خدا آگاہ

(صفحہ ۱۲۸ کلیات نثر غالب ایضاً)

مختصر یہ ہے کہ ہمیں غالب کا ممنون احسان ہونا چاہیے کہ مہر نیمروز لکھ کر موصوف نے اس کا ثبوت فراہم کر دیا کہ ہماری تاریخ کی یہ ترکی روایت جو رشید الدین طبیب اور عطا ملک جوینی سے چودھویں صدی عیسویں میں شروع ہوئی۔ ۱۸۵۷ء تک یعنی آخری تاجدار آل تیمور کے عہد تک برابر قائم رہی۔

حواشی

۱۔ کلیاتِ نثر غالب، مطبوعہ نولکشور لکھنو، ۱۸۶۸ء
۲۔ ابوالفضل، اکبر نامہ جلد اول، مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۷۷ء
۳۔ ابوالفضل، اکبر نامہ جلد دویم، مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۷۷ء
۴۔ ابن اثیر۔ تاریخ الکامل جلد اول
۵۔ المسعودی۔ مروج الذہب جلد اول
۶۔ طبری۔ تاریخ الامم والملوک جلد اول

میرا اولین تعارف غالب سے

نیاز فتح پوری

فاروقی صاحب!

آپ نے آخر کار دہلی یونی ورسٹی میں اردو کا مستقل شعبہ قائم کرا ہی لیا۔ لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ اس خوشی میں آپ نے یہ فیصلہ کیوں کیا کہ اس کا افتتاح ذکر غالب سے کیا جائے — معلوم ایسا ہوتا ہے کہ میرؔ پر آپ نے جو کچھ لکھا وہ اس وقت کی بات تھی جب آپ اپنی کوششوں کی طرف سے مایوس تھے اور اب جو آپ کامیاب ہوئے تو مرزا یاد آیا — ظاہر ہے کہ میرؔ کے دور مایوسی کا انتقام اسی طرح لیا جا سکتا تھا کہ غالب کا جشن منایا جائے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ اس سلسلہ میں آپ کو یہ اصرار کیوں ہے کہ میں بھی اس بزم میں شریک ہوں۔ آپ کے پہلے خط کے جواب میں عدیم الفرصتی کا بہانہ تو خیر رسمی بات تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ غالب پر اب لکھوں بھی تو کیا زندگی میں تو اس کی یہ آرزو پوری نہ ہوئی کہ ''اس کے پرزے اُڑائے جاتے'' لیکن مرنے کے بعد ضرور پوری ہوئی یعنی آپ لوگوں نے

(جن میں عرشی اور مالک رام سب سے بڑے جلاد ہیں) اس غریب کے کوئی تسمہ لگا نہ رکھا اور بال کی کھال تک نکال کر رکھ دی —— یہاں تک کہ اب میرے لیے ع

لب تشنگی ز راہِ دگر بردہ ایم ما

کا بھی سوال باقی نہ رہا۔ تاہم کچھ نہ کچھ لکھنا ہے۔ طوعاً نہ سہی کرہاً سہی۔

اچھا تو سنیے، یہ اس وقت کی بات ہے جب غالب کو مرے ہوئے صرف ۳۰ سال کا زمانہ گزرا تھا اور میں اس کے ''نہاں خانۂ ازل'' سے بہ نسبت آپ لوگوں کے بہ اندازۂ ۶۰ سال قریب تر تھا۔

والد مرحوم پنشن لے کر خانہ نشین ہو گئے تھے اور مخصوص منتہی طلبہ کو فارسی کا درس دیا کرتے تھے۔ عموماً نمازِ صبح کے بعد ہی وہ باہر دیوان خانہ میں آ جاتے اور چاشت کے وقت تک سلسلۂ درس جاری رہتا۔

اس درس میں حسرت موہانی اور مدرسۂ اسلامیہ فتح پور کے ایک مدرس فارسی مولوی امام علی بھی میرے ہم سبق تھے۔ والد مرحوم کا دستور تھا کہ پہلے وہ متن سنتے اور اندازہ کر لیتے کہ طالب علم کس حد تک عبارت کا مفہوم سمجھ سکا ہے۔ اس کے بعد وہ مشکل الفاظ کے معنی بتا کر پوچھتے۔ ''کیا سمجھے؟'' اگر کسی نے صحیح مفہوم بتا دیا تو خیر، ورنہ وہ اس سے متن پھر کبھی نہ سنتے۔

رسائل طغرا زیرِ درس تھی۔ حسرت موہانی قرأت کر رہے تھے۔ جب وہ اس فقرے پر پہنچے۔ ''بہر سی بنا گوشِ مطرباں جلاجل نعل در آتش'' اور اس کا مفہوم بتانے لگے تو والد مرحوم نے انہیں روک دیا اور مولوی امام علی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ''اس مولوی کو بتانے دو'' لیکن مولوی صاحب اس جملہ کی نشستِ الفاظ بھی نہیں سمجھ سکے تھے۔ معنی کیا بتاتے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے دن سے وہ گلستاں پڑھنے والوں کی صف میں شامل کر دیئے گئے۔

درس کے بعد یہ صحبت شعر و سخن ختم نہیں ہو جاتی تھی، بلکہ دیر تک اس کا سلسلہ جاری رہتا، وہ خود بھی فارسی شعرا کا کلام سناتے اور طلبہ سے بھی سنتے۔ ایک دن فارسی کے صوفی شعرا کا ذکر چھڑ گیا اور اسی سلسلے میں جب بیدلؔ کی شاعری پر گفتگو شروع ہوئی تو حسرت موہانی نے غالب کا ذکر بھی چھیڑ دیا اور یہ شعر پڑھا۔

ماہمان عین خودیم، اماّ خود از وہم دوئی

درمیان ما و غالب، ما وغالب حائل ست

والد نے سن کر زور سے قہقہہ لگایا اور بولے۔ ''سید تو نے تو حد کر دی کیا اس سے زیادہ بے معنی شعر غالب کا تجھے اور کوئی یاد نہ تھا۔'' حسرت یہ سن کر خاموش ہو گئے اور پھر والد مرحوم نے دیر تک متصوفانہ شاعری کی تاریخ اور اس کے اسباب ترقی پر گفتگو کرنے کے بعد فرمایا کہ غالب طبعاً صوفی منش انسان نہ تھا بلکہ یہ ذوق اس میں بیدلؔ کے مطالعہ سے پیدا ہوا تھا۔ اس کا تصوف زیادہ تر مستعار تھا اور حال سے اسے اول اول کوئی تعلق نہ تھا ممکن ہے بعد کو حداثتِ سن اور زمانہ کے حالات نے اس میں یہ کیفیت پیدا کر دی ہو۔ تصوف کا تعلق لطائف غیبی سے ہے۔ اس لیے اس کے اظہار کے لیے بھی زبان و انداز بیان میں مخصوص لطافت و نرمی کا پایا جانا ضروری ہے۔ اسی لیے جب کوئی دعوائے تصوف و فلسفۂ الٰہیات حقیقت ثابتہ کی طرح کھلم کھلا پیش کیا جائے گا تو وہ تصوف کا نظریہ تو بن سکتا ہے، لیکن شعر اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ غالب کا یہ شعر جس میں اس نے پہلے ما و غالب کو تجسیمی حیثیت سے پیش کیا ہے اور پھر تنزیہی حیثیت سے، اسی نوع کا اصطلاحی شعر ہے اور معیاری نہیں۔ بیدلؔ کے یہاں یہ نقص کہیں نظر نہ آئے گا وہ خدا کا تصور بھی اس طرح پیش کرتا ہے۔

عکس افتادہ در آئینۂ ہوش

گل توان گفت ولے چیدن نیست

بات وہی ''ماوغالب حائل ست'' کی سی ہے، لیکن ''سراپا رمز و ربودگی'' یہ تھا میرا اولین تعارف غالب سے جو اس لحاظ سے بہت مبارک ثابت ہوا کہ اس کے بعد ''کلیات غالب'' ہمارے درس میں شامل ہو گیا۔ حالانکہ اس وقت ابتدائی مروجہ نصاب فارسی میں کلیات غالب کیا، کسی شاعر کا دیوان بھی شامل نہ تھا۔

نثر کا ابتدائی نصاب اس وقت رقعات عالمگیری، گلستاں، پنج رقعہ مینا بازار، رسائل طغرا، شبنم شاداب اور دفاتر ابوالفضل پر مشتمل تھا، اس کے ساتھ نظم میں سکندر نامہ پڑھایا جاتا تھا اور بوستاں بھی (باب پنجم کو چھوڑ کر) اس کے بعد کلیات و دواوین کی باری آتی تھی جن میں عرفیؔ و انوریؔ کے قصائد، حزیںؔ، نظیریؔ، صائبؔ، ابوالطالب کلیمؔ کی غزلیں فردوسیؔ، خسرو، نظامی کی مثنویاں شامل

ہوتی تھیں۔ ان کے علاوہ مشق و تمرین کی غرض سے اور بہت سی کتابیں زیر مطالعہ رہتی تھیں جن کی فہرست طویل ہے۔ لیکن غالب کا نام اس سلسلے میں کہیں نہ آتا تھا، شاید اس لیے کہ اس کا شمار کلاسیکل شعراء میں نہ تھا۔

یہ میں نے اس لیے ظاہر کیا کہ ہمارے درس میں کلیات غالب کا شامل ہو جانا بالکل نئی بات تھی جس کو میں نے سبقاً سبقاً پڑھا۔ (حسرت موہانی بھی اس درس میں میرے خواجہ تاش تھے)

یہ سلسلہ مہینوں جاری رہا اور اس دوران میں والد مرحوم نے کلام غالب کی جن جن خصوصیات پر روشنی ڈالی ہے اور دوسرے شعراء فارسی کے کلام سے اس کے کلام کا موازنہ کر کے اس کی انفرادیت کو جس جس طرح متعین کیا وہ بڑی طویل داستان ہے۔

والد مرحوم کا فارسی مطالعہ بہت وسیع، محققانہ و فنکارانہ تھا۔ چنانچہ اس وقت ''اعجاز خسروی'' پڑھانے والا ان کے سوا کوئی نہ تھا۔ خود انہوں نے بھی یہ کتاب دہلی جا کر صہبائی سے پڑھی تھی۔ فرماتے تھے کہ ایران کا ایک رئیس زادہ بھی دہلی اسی غرض سے آیا ہوا تھا اور وہ ان کا ہم درس تھا۔

والد مرحوم بھی فارسی کے بڑے جید شاعر تھے۔ جید میں نے اس لیے کہا کہ نعت و منقبت کے قصائد کے علاوہ انہوں نے اور کچھ نہیں کہا۔ کسی امیر یا رئیس کی مدح میں ایک شعر بھی انہوں نے کبھی نہیں لکھا۔ ہفت بند کاشی کے جواب میں انہوں نے ایک بڑا طویل ترجیع بند بھی خلفاء راشدین کی منقبت میں لکھا تھا۔ قصائد انہوں نے زیادہ تر عرفی کی زمینوں میں لکھے اور چونکہ وہ طبعاً زیادہ دشوار پسند تھے۔ اس لیے خود ہی اپنے تمام کلام کی شرح بھی تحریر فرمائی۔

فارسی شعراء میں وہ حزیں کے زیادہ قائل نہ تھے اور ظہوری کی نثر کو بھی وہ قدر اول کی چیز نہ سمجھتے تھے۔ اس کے ساقی نامہ کی البتہ بہت تعریف کرتے تھے۔ قصائد میں وہ عرفی کے قائل تھے اور غزلوں میں نظیری کے۔ شعرا قدیم میں وہ سعدی اور خسرو کا نام بڑے ادب سے لیتے تھے۔ فرماتے تھے حزیں پُر گو شاعر ہے اتنا خوشگو نہیں۔ عرفی پُر گو نہیں لیکن خوش گو زیادہ ہے۔ نظیری اور خسرو کو وہ نغز گو کہتے اور غالب کی شوخ نگاری کے بڑے معترف تھے۔ وہ غالب کے فلسفہ و تصوف کے زیادہ قائل نہ تھے اور فرماتے تھے کہ اس کا بیان تصوف ایسا ہے جیسے کوئی سر پر ڈھول بجائے، حالانکہ

ڈھول کی آواز دور ہی سے اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اس سے مدعا یہ تھا کہ اس کے بیان تصوف میں اصطلاحیت زیادہ ہے اور کنایت کم۔

ایک دن غالب کی بڑی مشہور غیر مردف غزل زیر درس تھی۔ مطلع ہے۔

دیدہ در آنکہ تا نہد دل بہ شمارِ دلبری
در دلِ سنگ بنگرد رقصِ بتانِ آذری

فرمایا۔ یہ غزل غالب نے بیدلؔ کی زمین اور اس کے تتبع میں لکھی ہے۔ خصوصیت کے ساتھ مطلع میں اس نے بہت کچھ بیدلؔ تک پہنچنے کی کوشش کی ہے لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ پورا شعر ایک دعویٰ ہے بغیر ثبوت کے اور الفاظ کی نمائش ہے بغیر کسی معنوی حسن کے۔ ضرورت تھی کہ ''رقصِ بتانِ آذری'' کے مشاہدہ کا ثبوت پہلے مصرع میں پیش کیا جاتا، لیکن یہ مصرع بھی دعویٰ ہی دعویٰ ہے اور اس طرح دونوں مصرعوں کا طرزِ بیان ''انشائیہ'' ہو گیا۔ علاوہ اس کے لفظ شمار، تعدد کو چاہتا ہے اور دلبری کا تعلق محض کیفیت سے ہے اس لیے یہ محل 'شمارِ شیوۂ دلبری' یا 'شمارِ ادائے دلبری' کہنے کا تھا۔

اس غزل میں تصوف کے رنگ کا یہ شعر البتہ انہیں پسند آیا۔

اے تو کہ ہیچ ذرہ را جز برہِ تو روئے نیست
در طلبت توان گرفت بادیہ را بہ رہبری

غالب کی انفرادیت ان دو شعروں میں انہوں نے زیادہ محسوس کی۔

ہر کہ دل ست در برش داغ تو رویدش بدل
تا چو بدیگرے دہد باز برد بہ داوری

حیف کہ من بخون تپم و ز تو سخن رود کہ تو
اشک بدیدہ بشکری، نالہ بہ سینہ بشکری

والد مرحوم، غالب کی غزلوں سے زیادہ اس کے قصائد کے قائل تھے اور قصائد سے زیادہ اس کی مثنویوں کے۔ مثنوی ابر گہر بار کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ فارسی ادب میں اس کا

جواب مشکل ہی سے مل سکتا ہے۔

میرا یہ تعارف غالب یقیناً تدریسی قسم کا تھا، لیکن تقلیدی نہیں کیونکہ بعد کو جب میں نے کلام غالب کا آزاد مطالعہ کیا تو میں نے محسوس کیا کہ وہ نہ صرف عاشقانہ رنگ میں (جو اس کا مخصوص ذوق تھا) بلکہ فلسفیانہ و متصوفانہ رنگ میں بھی بعض بعض ایسے غیر قانونی نقوش اپنے بعد چھوڑ گیا ہے کہ اس کا بیدلانہ رنگ (جو یقیناً ناقص ہے) ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ لیکن عہد حاضر کے نقادوں سے مجھے بڑی شکایت یہ ہے کہ خالص عاشقانہ اشعار کو بھی کھینچ تان کر فلسفہ و تصوف کی طرف لے جاتے ہیں۔ حالانکہ اس نوع کی دور از کار توجیہ سے شعر کا اصل لطف بالکل زائل ہو جاتا ہے۔

غالب کے وہ اشعار (فارسی کے ہوں یا اردو کے) جن میں کھلم کھلا اصطلاحی تصوف و فلسفہ صرف کیا گیا ہے اور بعید ترین تاویل کے بعد بھی ہم ان میں تغزل کا رنگ پیدا نہیں کر سکتے، یقیناً قابلِ اعتنا نہیں۔ مثلاً

شاہد ہستی مطلق کی کمر ہے عالم
لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہمیں منظور نہیں

جز نام نہیں صورتِ عالم مجھے منظور
جز وہم نہیں صورتِ اشیا مرے آگے

ہے غیب غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود

جو تو دریائے مے ہے تو میں خمیازہ ہوں ساحل کا

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے
حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

محو کن نقشِ دوئی از ورقِ سینۂ ما	اے نگاہت الفِ صیقلِ آئینۂ ما
محتشم زادۂ اطرافِ بساطِ عدمیم	گوہر از بیضۂ عنقاست بہ گنجینۂ ما

لیکن جب وہ ان پامال تعبیرات سے ہٹ کر فکر کرتا ہے تو پھر اس کی شعریت اور انفرادیت کے درمیان "ما و غالب" حائل نہیں رہتا اور وہ بلند ذوق معنوی سامنے آجاتا ہے جو خود اس کی زبان میں ع

نے از لائے پالایش چکید و آب حیواں شد

اس میں شک نہیں کہ اول اول غالب نے اردو فارسی دونوں میں تقلید بیدلؔ کی کوشش کی لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ خود بھی اس سے مطمئن نہ تھا اور اس کا ذوق آسودہ نہ تھا، اس لیے اس نے اپنا زاویۂ فکر و بیان بدل دیا اور وہی بادۂ تصوف اس نے زیادہ دل کش جام و مینا میں پیش کیا جو خود اس کے گدازِ دل سے ڈھالے گئے تھے اور جس کی طرف اس نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے ۔

بینیم از گدازِ دل درجگر آتشے چو سیل
غالب اگر دمِ سخن رہ بہ ضمیر من بری

لیکن افسوس کہ اکثر نقادوں نے غالب کے اس ضمیر کو نظر انداز کر دیا۔

یہ درست ہے کہ غالب کے دورِ اول کا فلسفۂ تصوف زیادہ Crude قسم کا تھا لیکن جب اس سے ہٹ کر اس نے اس چیز کو پیش کیا تو وہ واقعی فکر انگیز بھی ہے اور "فسانۂ گدازِ دل" بھی مثلاً ۔

قفس و دام را گناہے نیست	ریختن در نہادِ بال و پرست
ریزد آں برگ و ایں گل افشاند	ہم خزاں ہم بہار در گزرست

اے کہ بدیدہ نم زتست این کہ بہ سینہ غم زتست
نازشِ غم کہ ہم ز تست خاطر شاد می دہد

☆

مقصود ما ز دیر و حرم جز حبیب نیست

ہر جا کلیم سجدہ بداں آستاں رسد

رخ کشودند و لب ہر زہ سرایم بستند

دل ربودند و دو چشم نگرانم دادند

جز سخن کفرے و ایمانے کجا ست

خود سخن در کفر و ایماں می رود

اس رنگ کے اشعار جنہیں یقیناً تصوف کہہ سکتے ہیں، غالب کے یہاں بہت پائے جاتے ہیں اور میں ان کو اس لیے زیادہ پسند کرتا ہوں کہ ایک ''رندشاہد باز'' بھی اس سے پورا لطف حاصل کرسکتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ غالب طبعاً خالص عاشقانہ رنگ کا شوخ نگار شاعر تھا اور اس رنگ میں اس نے جو کچھ اور جیسا کچھ کہا ہے وہ اپنا جواب نہیں رکھتا، لیکن باوجود اس کے جس وقت اس کی شاعرانہ عظمت کا سوال سامنے آئے گا تو ہماری نگاہ سب سے پہلے اس کی ''حکمیاتی'' شاعری ہی کی طرف جائے گی۔

ایران امروز میں غالب شناسی

سید حسن

مرزا غالب نے اپنی فارسی شاعری کو ثمرۂ زندگانی اور سرمایۂ افتخار سمجھا، اسی کی بدولت وہ عرفیؔ و طالبؔ سے برتری اور صائبؔ و حزیںؔ کی ہمسری کا دعویٰ کرتے تھے بلکہ ناخدائے سخن نظامیؔ کے ساتھ بھی مقابلے کے لیے تیار تھے۔

کو بلبل شیراز و کجا طوطی آمل　　تا پایہ بسنجیم نوا سنجی ہم را
لا بلکہ اگر خواہم ازین ہر دو سخنور　　تحسین روش کلک ولا شوب رقم را
خالص از پی کسب شرف مدح طرازی　　از ہم بربایند پرخاش قلم را

☆

گرچہ بہ از نظم نظامیست این　　مدح مخوان خط غلامیست این
می توان پنجہ از نظامی بُرد　　پارۂ جمع گر حواس کنم

حق یہ ہے کہ غالب نے ایسے دور میں ہندوستان میں فارسی شاعری کا چراغ روشن رکھا جبکہ محفل شعر وسخن میں اس کی اہمیت اردو کے مقابلے میں گھٹتی جا رہی تھی۔

غالب کو معلوم تھا کہ فارسی زبان ہندوستان میں صدیوں سے مروج و متداول ہونے کے باوجود ایرانی فارسی کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور ہندوستان کے فارسی گو شاعروں کو معیاری زبان پر قدرت مشکل سے حاصل ہو سکتی ہے چنانچہ خود کہتے ہیں۔

کیں زبان خاص اہل ایرانست مشکل ما و سہل ایرانست

سخنست آشکار و پنہاں نیست دہلی و لکھنؤ ز ایراں نیست

اسی فطری کمزوری کو دور کرنے کے لیے غالب نے ایک ایرانی کی صحبت و شاگردی اختیار کی اور اس سے اہل زبان کے محاورات اور روزمرہ سیکھنے میں کافی محنت کی۔ لڑکپن ہی سے انہوں نے فارسی شاعروں کے دیوان کا مطالعہ شروع کر دیا تھا اور زیادتی سن کے ساتھ فارسی زبان وادبیات اور شعر گوئی سے ان کی دلچسپی بڑھتی گئی، یہی وجہ ہے کہ غالب کو اپنی فارسی دانی پر ناز تھا اور وہ اپنے فارسی کلام کو ایرانی شعر کا ہم پلہ سمجھتے تھے۔

غالب زہند نیست نوائی کہ می کشیم گوئی ز اصفہان و ہرات و قمیم ما

بود غالب عندلیبے از گلستان عجم من ز غفلت طوطی ہندوستان نامیدمش

اس دعوے کا لازمی نتیجہ تھا کہ غالب کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ہندوستان میں ان کے فارسی کلام کی صحیح قدردانی نہیں ہو سکتی اور وہ اس ملک میں اپنی مٹی برباد کر رہے ہیں۔ ان کے دل میں ایران جانے کی تمنا اور وہاں کے سخنوروں کو اپنا کلام سنانے کی آرزو ہمیشہ چٹکیاں لیتی رہی۔

بیاورید گر این جا بود زباں دانے
غریب شہر سخن ہائے گفتنی دارد

غالب از آب و ہوائے ہند بسمل گشت نطق
خیز تا خود را بہ اصفاہان و شیراز افگنم

غالب از ہندوستان بگریز فرصت مفت تست
در نجف مُردن خوشست و در صفاہان مفت زیستن

لیکن یہ بھی قدرت کی ستم ظریفی ہے کہ فارسی میں مہارت اور ایران سے عقیدت رکھنے کے باوجود غالب کے ''نقش ہائے رنگ رنگ'' کو ایران تو درکنار خود ہندوستان میں بھی وہ عزت و

شہرت نصیب نہ ہوئی جس کے وہ امیدوار اور مستحق تھے، ہندوستان میں بھی غالب کا نام اسی مجموعہ اردو کی وجہ سے زندہ ہے جس کو بیرنگ اور ناقابل اعتنا سمجھتے تھے۔

ایران میں غالب کی گمنامی کا سبب آقای ح۔ داریوش کے خیال میں یہ ہے کہ۔

''شاید یکی از علل گمنام ماندن او (غالب) در میان فارسی زبانان آن باشد کہ وی در تاریک ترین ادوار سیاسی ہندی زیستہ و ہم در زمان او بود کہ آخرین فروغ استقلال آن کشور خاموش شد و بہادر شاہ ظفر باز پسین پادشاہان گورکانی بابری با سارت لشکریان انگلیسی در آمد و برگون بعید گشت و در نتیجہ بکلی رشتہ ارتباط ہند و ایران گسیختہ شد۔''

(الہلال کراچی، شمارہ ۲)

یہ بھی صحیح وجہ ہے کہ غالب کے عہد میں ہندوستان پر جو انقلاب وارد ہوا اس کے نتیجے میں ایران و ہند کا رشتہ ارتباط بالکل ٹوٹ گیا اور ایرانیوں کو ہندوستان کے فارسی شاعروں سے واقف ہونے کا موقع نہ ملا۔ لیکن اس کی سب سے بڑی وجہ لسانی عصبیت ہے ہر ملک کا یہ عام دستور ہے کہ اہل زبان شعرا کے مقابلے میں بڑے سے بڑے غیر ملکی شاعر کو وہ درجہ اور عزت نصیب نہیں ہوتی جس کا وہ سزاوار ہے۔ اہل ایران بھی اسی دستور کے پیرو ہیں، انہوں نے نہ کبھی پہلے کسی ہندوستانی فارسی گو شاعر کی صحیح طور پر قدر دانی کی اور نہ فی زمانہ اس کے لیے آمادہ نظر آتے ہیں، بلکہ دور جدید کے ایرانی نقادوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ہندوستان کی فارسی شاعری دور انحطاط اور عہد تنزل کی پیداوار ہے اور اس دور میں فارسی شاعری نے ایک خاص طرز اختیار کیا جسے 'سبک ہندی' کا نام دیا گیا ہے۔ یہ سبک دور ایلخانی اور ظہور تیمور کے درمیانی عہد میں ایجاد ہوئی اور تدریجاً نشو و نما پا کر عہد صفوی میں خاص کر ہرات کے ادبی مرکزوں میں اوج کمال تک پہنچی۔ 'سبک ہندی' کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس طرز نگارش کے طرفدار شاعر صفوی سلاطین کی عدم توجہ سے بیزار ہو کر ہندوستان چلے آئے اور یہاں دربار مغلیہ سے وابستہ ہو کر شہرت حاصل کی۔ یہی سبب ہے کہ اس سبک نے افغانستان اور ہندوستان میں زیادہ رواج اور شہرت پائی۔ اس سبک کی خصوصیات یہ ہیں، دقت مضامین و رقت معانی، پیچیدگی خیال، باریک اندیشی و نازک کاری، مشکل پسندی و نکتہ آفرینی، دور دراز تشبیہات و استعارات کا کثرت سے استعمال، صحت زبان کو قربان کر کے نئے مضامین و جدید

مطالب کی بندش تصنع اور تکلف میں افراط اور استحکام زبان و افکار کی طرف سے بے پروائی۔ ایرانی نقاد کا خیال ہے کہ اس سبک نے فارسی شاعری میں ابتذال اور سوقیانہ پن پیدا کیا اور ہندوستانی شعرا جس چیز کو ندرتِ مضمون اور جدت خیال سے تعبیر کرتے ہیں وہ درحقیقت عامیانہ افکار کی بندش ہے۔ ایران میں میں نے اکثر ادیبوں کو سبک ہندی کی مذمت کرتے سُنا ہے۔ آقائی ڈکٹر محمد حسین خطیبی جو دانشگاہ تہران میں ایرانی ادبیات کے پروفیسر ہیں اور سبک شناسی کا درس دیتے ہیں، ہندوستان کی فارسی شاعری کو اپنے لکچروں میں مبتذل اور سوقیانہ بتاتے ہیں۔ سبک ہندی کے خلاف ایران میں قاچاریوں کے عہد میں ردعمل شروع ہوا اور چھٹی و ساتویں و آٹھویں صدیوں کے شعرا کی روش جس کو 'سبک خراسانی' کہتے ہیں پھر مقبول و مرغوب ہونے لگی، آج کل جو ایرانی نظم کا طرز ہے اس میں زیادہ تر سادگی، صفائی، سلاست، شیرینی اور فصاحت کو مدِ نظر رکھا جاتا ہے۔ اسی خیال اور رجحان کا نتیجہ ہے کہ ہندوستان کے فارسی شعرا سے ایرانیوں کو بہت کم دلچسپی ہے۔ خسرؔو اور صائبؔ کے سوا ہندوستانی شاعروں میں بہت کم ایسے ہیں جو ایران کے ادبی حلقوں میں متعارف ہیں۔ فیضؔی، نظیرؔی، ظہورؔی اور بیدؔل سے ان کی واقفیت برائے نام ہی ہے۔

جب ہندوستان کے نامور فارسی گو شعرا کے ساتھ ایرانی ادیبوں اور ناقدوں کا یہ سلوک ہے تو ظاہر ہے کہ غالب سے انہیں کیا دلچسپی ہوگی اور غالب کے ساتھ تو بے اعتنائی کے تین اہم اسباب ہیں۔ اول یہ کہ وہ نسلاً تورانی تھے۔ دوسرے زاد بوم کے لحاظ سے ہندوستانی اور تیسرے شیوۂ شاعری میں ظہورؔی و بیدؔل کے مقلد و متبع جن کو ایران کے ادبی حلقوں میں بہت ہی کم لوگ جانتے اور پہچانتے ہیں۔ لہٰذا ہمارا یہ خیال کہ غالب جس طرح ہندوستان میں اپنی اردو شاعری کی وجہ سے زندۂ جاوید ہیں فارسی کلام کی بدولت ایران میں مشہور و معروف ہوں گے غلط فہمی پر مبنی ہے۔

البتہ آج کل ایک طرف ہندوستان و ایران اور دوسری طرف پاکستان و ایران کے درمیان تمدنی اور ثقافتی روایات کی تجدید و استحکام کے لیے جو تینوں ملکوں میں کوششیں ہو رہی ہیں ان کا ایک درخشاں اور مفید پہلو یہ بھی ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کے اہل قلم حضرات اپنے ملک کے قدیم و جدید فارسی گو شعرا کو ایرانیوں سے متعارف کرانے کی سعی کر رہے ہیں۔ جب میں ایران

میں تھا تو ہندوستانی سفارت خانے کے ارباب حل وعقد نے اردو فلم غالب کی نمائش کا انتظام کیا تھا۔ اس موقع پر تہران کے مقتدر شہریوں اور ادیبوں کو دعوت دی گئی تھی جنہوں نے اس فلم کو بہت پسند کیا۔ ان میں بہت سے ایسے ایرانی تھے جنہوں نے پہلی بار غالب کا نام سُنا! آقای مشایخ فریدنی نے جو چند سال پہلے ایرانی سفارتخانہ در ہند میں مستشار فرہنگی (رائے زن فرہنگی) تھے فلم کے قصے کا خلاصہ فارسی میں لکھا تھا اور ہندوستانی سفارت خانے نے اسے چھاپ کر مہمانوں کے درمیان تقسیم کیا تھا، آقای فریدنی نے فارسی خلاصہ کے شروع میں غالب کے حالات زندگی اور شاعری کے متعلق ایک مختصر سا مقدمہ بھی شامل کیا تھا۔ اس مضمون میں انہوں نے غالب کی فارسی گوئی پر جو رائے ظاہر کی وہ یہ ہے:

''اشعار فارسی غالب اگر چہ تابع سبک رائج عصر است فصیح و دلچسپ می باشد و پُر از نکات وتشبیہات بدیع ودقیق وآراستہ بانواع صنایع لفظی ومعنویست۔

گاہ قلم سحاد او مانند قلم نقاش کیفیات وشئون مختلف زندگی رابطوری مجسم می کند کہ گوئی نقاشی چابک دست منظرہ ئی راروی تابلو جا دادہ است، باین سبب شعراو زمام قلب خوانندہ رادردست می گیرد واورا ای گریاند وی خنداند وہر کجا بخواہد باخودی برد۔

درشعر فارسی سبک اساتید مقدم خاصہ ای شعرای ہندراتتبع می کردہ است ودرین بارہ می گوید۔

دامن از کف کنم چگونہ رہا	طالب و عرفی و نظیری را
خاصہ روح و روان معنی را	آن ظہوری جہان معنی را

آخر مضمون میں فاضل مقالہ نگار نے غالب کی ایک غزل بھی بطور نمونہ کلام نقل کی ہے۔ جس کا یہ مطلع ہے ۔

شبہای غم کہ چہرہ بخوناب شستہ ایم	از دیدہ نقش و سوسئہ خواب شستہ ایم

اسی طرح کراچی کے فارسی مجلہ 'الہلال' میں آقای ح۔ داریوش نے غالب کے احوال زندگی اور اشعار کے بارے میں ایک مضمون لکھا ہے اور اس میں بھی تقریباً اسی قسم کے خیالات ظاہر کیے ہیں۔ فارسی کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

''سخن غالب شیرین و پُر معنی و غالباً مزین و آمیخته با نکات فلسفی و دقائق عرفانی ست، مانند روان شناسی دقیق مسائل باطنی را تجزیه و تحلیل می نماید و مانند فیلسوفی باریک بین خلق را به صبر و تحمل مصائب دعوت می کند۔

غالب پادشاہ اقلیم تشبیهات و استعارات نوظهور است و در یں زمینه نظیر در جهان ادب به دشواری یافته می شود۔

خلاصه آں که غالب شاعری بود ذوالسانین که در اُردو و فارسی شعر سروده و در هر دو زبان داد فصاحت و شیریں سخنی داده است، اشعار او مشحون به بدائع تشبیهات و نوادر کنایات و استعارات است، که همه با سبکی نوظهور ولی ساده و سهل و ممتنع سروده شده و از فلسفه و عرفان چاشنی گرفته است۔

بعضی غالب را خاتم شعرای هند لقب داده اند، و شاید زیاده از حقیقت دور نه رفته قدر مسلم اینست که او را باید در ردیف شعرای مشهور این خطه مانند امیر خسرو دهلوی و ابوالفیض فیضی و نظیری نیشاپوری و بیدل و حزیں و امثالهم دانست و صاحب مکتبی خاص و سبکی بدیع می شود۔''

آقای داریوش نے بھی مضمون کے خاتمہ پر غالب کے کلام کے نمونے کے طور پر ایک ''شور انگیز غزل''، نقل کی ہے۔ جس کا مطلع درج ذیل ہے۔

بیا کہ قاعدۂ آسمان بگردانیم
قضا بگردش رطل گراں بگردانیم

قارئین پر سطور بالا کے مطالعے سے واضح ہوگا کہ اگرچہ دونوں نقادوں نے غالب کے کلام کی تعریف کی اور انہیں خراج تحسین پیش کیا ہے لیکن اس بات کو بھی ظاہر کر دیا ہے کہ غالب سبک ہندی کے پیرو تھے اور ان کا مقابلہ ہندوستان کے فارسی گو شاعروں کے ساتھ ہے۔

آج کل ایران میں فارسی کے پرانے لغتوں کو از سر نو چھاپنے کا کام بڑے پیانے پر اور نہایت خوش سلیقگی کے ساتھ ہو رہا ہے۔ چند سال پہلے دانش گاہ تہران کے ایک ممتاز استاد، آقای دکتر محمد معین حسین تبریزی کے مشہور معروف لغت 'برہان قاطع' کو ایک عالمانہ اور مفصل و مفید

مقدمہ اور وافر حاشیہ کے ساتھ آب و تاب سے ایڈٹ کیا ہے۔ مقدمہ میں انہوں نے 'برہان قاطع' کے متعلق بہت کثیر معلومات فراہم کئے ہیں اور اس ضمن میں غالب کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ کس طرح غالب نے 'برہان قاطع' پر تنقید کر کے اس کی تردید میں 'قاطع برہان' تالیف کی' ڈاکٹر معین نے غالب کے انتقادات کے چند نمونے بھی نقل کئے ہیں اور آخر میں یہ فیصلہ دیا ہے کہ

"چنانکہ دیدہ می شود در برخی موارد حق با غالب است و در برخی دیگر ایراد نا بجاست و در مواضع بسیار نزاع لفظی است و گرای گفتن نکند"

(برہان قاطع، جلد اول، مقدمہ، صفحہ صد و سیزدہ)

غرض، غالب کو آہستہ آہستہ ایران میں بھی متعارف کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں اور اگر ایرانیوں نے لسانی تعصب سے اوپر اٹھ کر غالب کے کلام فارسی کا مطالعہ کیا تو میرا خیال ہے کہ وہ شاعر کی عظمت کے قائل ہوں گے اور اس کے کلام سے لطف اندوز اور لذت یاب ہوں گے۔

غالب کی قیام گاہیں

خلیق انجم

جائے ولادت:

غالب کے والد مرزا عبداللہ بیگ کی شادی خواجہ میرزا غلام حسین کمیدان کی صاجزادی عزت النساء بیگم سے ہوئی۔ مرزا عبداللہ بیگ کی حیثیت خانہ داماد کی تھی اور ان کی اولاد نے بھی وہیں پرورش پائی ا۔ اس لیے یقیناً غالب کی ولادت ان کے ننھیال ہی میں ہوئی۔ غالب کے نانا کی اکبرآباد میں اچھی خاصی جائداد تھی جس کی تفصیل انہوں نے ایک خط میں منشی شیونرائن کو لکھی ہے۔

> ''بس ہمارے اور ان کے (شیونرائن کے والد منشی بنسی دھر) مکان میں کچھیا رنڈی کا گھر اور ہمارے دو کٹرے درمیان میں تھے۔ ہماری بڑی حویلی وہ ہے کہ جواب لکھمی چند سیٹھ نے مول لی ہے۔ اسی کے دروازے کی سنگین بارہ دری پر میری نشست تھی اور پاس اس کے ایک کھٹیا والی حویلی اور سلیم شاہ کے تکیہ کے پاس دوسری حویلی کالے محل سے لگی ہوئی ایک اور حویلی اور اس سے بڑھ کر ایک کٹرہ کہ وہ گڈریوں والا مشہور تھا اور ایک کٹرہ کہ وہ کشمیری والا کہلاتا تھا اس کٹرے کے ایک کوٹھے پر میں پتنگ اڑاتا تھا ۲۔''

وہ حویلی جسے غالب کے زمانے میں لکھمی چند سیٹھ نے مول لیا تھا اور جس کے صدر دروازے کی بارہ دری میں غالب کی نشست رہتی تھی۔ کالے محل کے نام سے مشہور تھی۔ یہ حویلی آگرے کی پیپل منڈی میں آج بھی موجود ہے۔ اور'' کالے محل'' ہی کے نام سے مشہور ہے۔ نہایت عالیشان اور پختہ عمارت ہے۔ صدیاں گزر جانے کے باجود ابھی تک اس پر قدامت کے نقوش نہیں ابھرے۔ اس میں آج کل اندر بھان گرلز ہائی اسکول ہے۔ حویلی کا صدر دروازہ بند رہتا ہے۔ یہ صدر دروازہ ایک بہت بڑے احاطے میں ہے۔ احاطے کے وسط میں ایک باغیچہ ہے۔ باغیچہ کے بیچ میں ایک چبوترہ بنا ہوا ہے۔ وہاں کے رہنے والوں میں سے بعض کہتے ہیں کہ یہ محض چبوترہ ہے اور بعض کا خیال ہے کہ کسی بزرگ کا مزار ہے۔ (ملاحظہ ہو تصویر نمبر ۱) صدر دروازے کی یہ تصویر باغیچے میں سے لی گئی ہے دروازے کے اوپر وہ بارہ دری ہے جس میں غالب کی نشست رہتی تھی۔ اس احاطے کی مشرقی دیوار سے ملحق کچھ کوٹھریاں ہیں جو کسی زمانے میں ملازمین کی جائے رہائش اور اصطبل وغیرہ کا کام دیتی ہوں گی۔ حویلی میں داخل ہونے کا راستہ ایک چھوٹے دروازے سے ہے۔ جو سر بازار کھلتا ہے اور جس پر اسکول کا بورڈ لگا ہوا ہے۔ (ملاحظہ ہو تصویر نمبر ۲) حویلی میں داخل ہوتے ہی ایک بہت وسیع صحن ہے۔ مشرق و مغرب میں برآمدے ہیں۔ ان برآمدوں کے اوپر لوہے کی جالیاں لگا کر انہیں کمرہ بنالیا گیا ہے۔ تصویر نمبر ۳ مغربی برآمدے اور اوپر کے کمرے کی ہے۔ صحن سے گزر کر آپ ایک چبوترے پر آجاتے ہیں۔ اس چبوترے کے مشرق و مغرب میں دو کوٹھریاں ہیں۔ چبوترے سے آگے بڑھیے تو آپ دالان میں آجاتے ہیں اس کے بھی دونوں طرف کوٹھریاں ہیں اور آگے بڑھیے تو اصل کمرہ آتا ہے اور یہاں بھی دونوں طرف کوٹھریاں ہیں۔ اب بیچ کی دیواریں توڑ کر دالان اور کمرے کی کوٹھریوں کو ایک کرلیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو تصویر نمبر ۴۔ یہ چبوترے اور دالان کا عکس ہے۔ نمبر ۵ پورے مکان کی تصویر ہے۔ یہی وہ مکان ہے جس میں غالب کی ولادت ہوئی۔ اس کے متعلق مالک رام صاحب لکھتے ہیں۔

'' یہ کسی زمانے میں راجہ گج سنگھ کی حویلی کہلاتی تھی۔ راجہ گج سنگھ جودھپور کے راجہ سورج سنگھ کے بیٹے تھے اور عہد جہانگیری میں اس مکان میں رہتے تھے۔ میرا خیال ہے میرزا کی پیدائش اسی مکان میں ہوئی ہوگی ۳۔''

دہلی میں پہلی قیام گاہ:

غالب تیرہ سال کے تھے کہ ان کی شادی نواب الہٰی بخش خان معروف کی صاحبزادی امراؤ بیگم سے ہوگئی۔ چونکہ غالب کی سسرال دہلی میں تھی اس لیے انہوں نے دہلی میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ غالب شادی کے بعد دہلی میں مستقل سکونت کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

''۷ رجب ۱۲۲۵ھ کو میرے واسطے حکم دوام حبس صادر ہوا۔ ایک بیڑی میرے پاؤں میں ڈال دی اور دہلی شہر کو زنداں مقرر کیا اور مجھے زنداں میں ڈال دیا۴۔''

گویا غالب نے ۱۲۲۵ھ (۱۸۱۰ء) میں دہلی میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ دہلی میں ممکن ہے کچھ دن اپنی سسرال میں رہے ہوں۔ لال کنویں پر ہمدرد دواخانے کے بالکل سامنے ایک چوڑی سی سڑک ہے۔ یہ گلی قاسم جان ہے۔ اس کے دائیں بائیں بہت سی چھوٹی بڑی گلیاں ہیں۔ لیکن اگر ہم بالکل سیدھے چلتے رہیں۔ تو جہاں یہ سڑک بائیں ہاتھ کو مڑتی ہے۔ ٹھیک اس موڑ پر ایک قدیم عمارت کی محراب نظر آئے گی۔ جس پر ''شفاخانہ جامعہ طبیہ'' کا بورڈ لگا ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو تصویر نمبر ۶۔ یہ غالب کے خسر نواب الہٰی بخش خاں کا مسکن تھا۵۔ یہیں دہلی کی سرزمین سے غالب کا پہلی بار رشتہ قائم ہوا تھا۔ یعنی امراؤ بیگم سے ان کی شادی ہوئی تھی۔ (ملاحظہ ہو تصویر نمبر ۷) یہ اس کمرے کی تصویر ہے جس میں غالب کا نکاح ہوا تھا۔ غالب نے اپنی سسرال میں کچھ دن قیام کیا یا نہیں؟ اور اگر وہاں ٹھہرے بھی تو کتنے دن؟ فی الحال ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں دیا جاسکتا۔

غالب کا ذاتی مکان:

غالب الگ مکان میں آگئے۔ یہ مکان غالبکی ملکیت تھا۔ ہوسکتا ہے یہ مکان انہیں سسرال والوں کی طرف سے ملا ہو یا ممکن ہے انہوں نے خود ہی خریدا ہو۔ مگر کچھ عرصے بعد غالب نے یہ مکان فروخت کردیا اور پھر زندگی بھر مکان خریدنے کی نوبت نہ آسکی اور وہ کرائے کے مکانوں میں رہے۔ ایک فارسی خط میں لکھتے ہیں۔

''سی سال است کہ خانہ و کاشانہ فروختہ کو بکوی گردم مقامے متعین ندارم۔ ہر جا کہ می روم دو سہ سال یا کمتر یا بیشتر می آسایم۶۔''

۱۸۱۰ء سے ۱۸۵۲ء تک کے مکانات:

۱۸۱۰ء سے ۱۸۵۲ء تک غالب نے بہت سے مکانات بدل ڈالے۔ ہر مکان میں عام طور پر دو یا تین سال رہے۔ تمام مکانوں کی نشان دہی ناممکن ہے۔ البتہ اس دوران کے دو محلوں کا ضرور پتہ چل جاتا ہے۔ مرزا فروری ۱۸۶۳ء کے ایک خط میں مرزا علاؤالدین خان کو لکھتے ہیں۔

''یہ وہ دلی نہیں ہے جس میں تم پیدا ہوئے ہو۔۔۔ وہ دلی نہیں ہے جس میں تم شعبان بیگ کی حویلی میں مجھ سے پڑھنے آتے تھے۔''

غالب کے ایک اور خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جامع مسجد کے عقب میں بھی رہے ہیں۔ نواب یوسف علی خاں ناظم کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔

''دبیرانِ خاص، برعنوان نامہ ہائے پیشیں، نشان کلبۂ این درویش دلریش عقب مسجدِ جامع ؐ نبشتہ اند و من از ہفت وہشت سال در محلہ بلی ماران می مانم۔''

پہلے جامع مسجد اور چاوڑی کے بیچ میں کچھ مکانات بنے ہوئے تھے سرسید نے آثار الصنادید میں جامع مسجد کی پشت کا جو عکس دیا ہے اس میں یہ مکانات موجود ہیں ۸۔ غالباً غدر میں یہ مکانات ڈھا دیئے گئے۔

کالے[9] صاحب کی حویلی:

اتنے طویل عرصے بعد ہمیں جس مکان کا باقاعدہ علم ہوتا ہے وہ کالے صاحب کی حویلی ہے۔ گلی قاسم جان میں بلی ماران کی طرف جاتے ہوئے دائیں ہاتھ ایک بہت بڑا دروازہ ہے۔ اس پر عمارت نئی بن گئی ہے لیکن کواڑ اب بھی پرانے چڑھے ہوئے ہیں۔ دروازے پر ''احاطہ کالے صاحب'' لکھا ہوا ہے۔ (ملاحظہ ہو تصویر نمبر ۷) کسی زمانے میں یہ قاسم جان کی محل سرا تھی اور پھر کالے صاحب کی ملکیت ہوگئی۔ غالب ۲ ؍مارچ ۱۸۵۲ء کے ایک خط میں تفتہ کو اسی مکان کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''میں کالے صاحب کے مکان سے اُٹھ آیا ہوں اور بلی ماران میں حویلی کرایہ پر لے کر

اس میں رہتا ہوں ۱۰۔"

حالی لکھتے ہیں۔

"ایک مدت تک میاں کالے صاحب کے مکان میں بغیر کرائے کے رہے ۱۱۔"

ان دو اقتباسات سے ہمیں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ غالب اس مکان میں بغیر کرائے کے رہتے تھے نیز مارچ ۱۸۵۲ء میں انہوں نے وہ مکان چھوڑ دیا تھا لیکن وہ اس مکان میں کتنے عرصے رہے؟ اس کے جواب میں آفاق حسین آفاق لکھتے ہیں۔

"مرزا غالب شیخ نصیر الدین (کالے صاحب) کی ایک حویلی میں بغیر کرائے رہتے تھے۔ وہیں بسلسلہ قمار بازی ماخوذ ہو کر قید ہوئے پھر رہائی پا کر بھی اسی حویلی میں رہے ۱۲۔"

غالب مئی ۱۸۴۷ء میں جوئے کے الزام میں گرفتار ہوئے۔ تین ماہ کی قید کے بعد ۱۸۴۷ء میں رہا ہوئے (ملاحظہ ہو تصویر نمبر ۹) یہ اس جیل کی تصویر ہے جہاں غالب کو تین ماہ کی سزا بھگتنی پڑی۔ اگر آفاق صاحب کے بیان کو تسلیم کر لیا جائے تو غالب ۱۸۴۷ء سے پہلے اس مکان میں رہتے تھے مگر حالی کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غالب قید سے پہلے کسی اور مکان میں رہتے تھے اور رہائی کے بعد کالے صاحب کے ہاں آ گئے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"جب مرزا قید سے چھوٹ کر آئے تو میاں کالے صاحب کے مکان میں آ کر رہے تھے۔ ایک روز میاں (کالے صاحب) کے پاس بیٹھے تھے۔ کسی نے آ کر قید سے چھوٹنے کی مبارکباد دی۔ مرزا نے کہا کون بھڑوا قید سے چھوٹا ہے۔ پہلے گوروں کی قید میں تھا اب کالے کی قید میں ہوں ۱۳۔"

حالی کا یہ کہنا کہ "کالے صاحب کے مکان میں آ کر رہے تھے" خود یہ لطیفہ یہ بتا رہا ہے کہ کالے صاحب کے مکان میں رہائی کے بعد آئے۔ اگر ہم اسے صحیح تسلیم کر لیں تو غالب اس مکان میں مئی ۱۸۴۷ء سے مارچ ۱۸۵۲ء تک یعنی تقریباً ساڑھے پانچ سال رہے۔

حکیم محمد حسن خاں کا مکان:

کالے صاحب کے مکان سے غالب حکیم محمد حسن خاں کے مکان میں منتقل ہو گئے۔

مرزا نے ۵ ردسمبر ۱۸۵۷ء کے ایک خط میں تفتہ کو لکھا ہے۔

''صاحب بندہ، میں حکیم محمد حسن خاں مرحوم کے مکان میں نو دس برس سے کرائے پر رہتا ہوں اور یہاں قریب کیا دیوار بدیوار ہیں گھر حکیموں کے ۱۴''

غالب نے کالے صاحب کا مکان مارچ ۱۸۵۲ء میں چھوڑا ہے۔ اس لیے ممکن ہی نہیں کہ حکیم محمد حسن خاں کے مکان میں ان کی دس سال رہائش رہی ہو۔ یہاں دس سال سے مراد غالباً مدت طویل ہے ورنہ غالب کو اس مکان میں آئے ہوئے صرف پانچ سال اور نو مہینے ہوئے تھے۔ اس مکان کے متعلق غالب نے میر مہدی مجروحؔ کو لکھا ہے۔

''میں نے کہا بھائی تو مجھے نقشے میں نہ رکھ میری کیفیت الگ لکھ۔ یہ لکھ کہ اسد اللہ خاں پنشندار ۱۸۵۰ء سے حکیم پٹیالے والے کے بھائی کی حویلی میں رہتا ہے ۱۵''

یہاں بھی غالب سے سہو ہوگیا ہے۔ غالب اس مکان میں ۱۸۵۰ء کے بجائے ۱۸۵۲ء میں آئے ہیں کیونکہ ۱۸۵۲ء میں انہوں نے کالے صاحب کا مکان چھوڑا ہے۔

حکیم محمود خاں کا مکان:

ایک دفعہ جب حکیم محمود خاں پٹیالے گئے تو مرزا ان کے گھر میں آرہے۔ ۱۸۵۸ء کو ایک خط میں حکیم غلام نجف خاں کو لکھتے ہیں۔

''آج پانچواں دن ہے کہ حکیم محمود خاں مع قبائل وعشائر پٹیالہ کو گئے ہیں۔ بمقتضائے وقت اپنی سکونت کے مکان کو چھوڑ کر یہاں آرہا ہوں۔ اس طرح کہ محل سرا میں زنانہ اور دیوان خانہ میں مردانہ ۱۶''

حکیم محمود خاں کی شریف منزل آج بھی موجود ہے۔ اندر کی عمارت میں تھوڑی بہت ترمیم ہوئی ہے۔ بلی ماران میں جہاں گلی قاسم جان کو راستہ جاتا ہے۔ ٹھیک اس پر چرخہ والان کی طرف دو تین قدم چل کر بائیں ہاتھ کو شریف منزل ہے۔ غالب اس مکان میں چند ماہ سے زیادہ نہیں رہے۔ کیونکہ اپنے قدیم مکان کی خراب حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے وہ میر مہدی مجروح کو اکتوبر ۱۸۵۸ء میں لکھتے ہیں۔

''قاسم جان کی گلی سعادت خاں کی نہر ہے۔ میں جس مکان میں رہتا ہوں۔ عالم بیگ خاں کے کٹرے کی طرف کا دروازہ گر گیا۔ مسجد کی طرف دالان کو جاتے ہوئے جو دروازہ تھا گر گیا سیڑھیاں گرا چاہتی ہیں۔ صبح کو بیٹھنے کا حجرہ جھک رہا ہے ۱۷۔''

جب ریاض الدین امجد جولائی ۱۸۶۰ء میں غالب سے ملاقات کے لیے آئے تو غالب اسی مکان میں رہتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں۔

''(میں) چاندنی چوک میں ہوتا ہوا بلی ماران میں ہوکر شیر افگن خاں کی بارہ دری میں جہاں نواب اسد اللہ خاں غالب مرزا نوشہ رہتے ہیں گیا ۱۸۔''

رامپور کی قیام گاہ:

غالب اسی مکان میں تھے جب انہیں رامپور جانے کا اتفاق ہوا۔ ۱۹ رجنوری ۱۸۶۰ء کو غالب دہلی سے روانہ ہوکر ۲۷ رجنوری کو رامپور پہنچ گئے۔ چار دن غالب نواب صاحب کی کوٹھی میں مقیم رہے اور پھر خود غالب کی فرمائش پر انہیں علیحدہ مکان دے دیا گیا۔ اس مکان کے متعلق ہر گوپال تفتہ کو لکھتے ہیں۔

''چار دن والیٔ شہر نے اپنی کوٹھی میں اتارا۔ میں نے مکان جداگانہ مانگا۔ دو تین حویلیاں برابر برابر مجھ کو عطا ہوئیں۔ اب اس میں رہتا ہوں ۱۹۔''

اس مکان کے متعلق حکیم غلام نجف خاں کو لکھتے ہیں۔

''۔۔۔ (رامپور میں) خشتی مکان گنتی کے ہیں۔ کچھ دیواریں اور کھپریل سارے شہر کی آبادی اسی طرح پر ہے۔ مجھ کو جو مکان ملے ہیں وہ بھی ایسے ہیں ۲۰۔''

یہ مکان رامپور میں اب بھی محفوظ ہے۔ اندر کی عمارت میں بہت سی تبدیلیاں ہو چکی ہیں مگر باہر کی دیوار بدستور ہے۔ آج کل اس میں روئی دھنے اور آئس کریم بنانے کا کارخانہ ہے۔ مخدومی امتیاز علی خاں صاحب عرشی نے مجھے بتایا کہ ریاست کے زمانے میں نواب صاحب رامپور اسے خریدنا چاہتے تھے تاکہ اس میں غالب سے متعلق ایک لائبریری کھول دی جائے۔ لیکن مالک مکان نے کچھ ایسی شرائط پیش کی تھیں جن کا پورا کرنا مشکل تھا۔ ابھی گفت و شنید ہو ہی رہی تھی کہ

تقسیم ہند عمل میں آگئی۔ مالک مکان پاکستان چلے گئے اور اب یہ جائداد نکاسی قرار دے دی گئی۔ اس مکان کے متعلق عرشی صاحب لکھتے ہیں۔

''بزرگانِ شہر سے تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ محلہ راج دوارہ کی اس شاہراہ پر جو خاص باغ کو جاتی ہے۔ مفتی احمد یار خاں کے مکان کے محاذ میں ڈاک خانہ تھا اور میرزا نے اس کے متصل مکان میں قیام کیا تھا چونکہ مکان اردو ادب کے نیرِ رخشاں کی فرودگاہ رہ چکا تھا۔ عالی مرتبت صاحب چیف منسٹر بہادر کے حسب الحکم ۲۱ رفروری ۱۹۴۴ء کو اس پر یادگاری پتھر لگایا گیا۔ ۲۲ رفروری کو بندگان ہمایوں اعلیٰ حضرت شہریار رامپور۔۔۔ نے ایک نمائندہ ادبی مجمع کے روبرو اس کی نقاب کشائی کی ۲۱۔''

اس مکان کے صدر دروازے کے لیے ملاحظہ ہو تصویر نمبر ۱۰۔ غالب ۱۷ رمارچ ۱۸۶۰ء کو رامپور سے روانہ ہو کر ۲۴ رمارچ کو دہلی واپس پہنچ گئے۔ گویا وہ رام پور کے اس مکان میں کچھ کم دو مہینے رہے۔

کڑوڑا والی حویلی:

غالب کو رامپور سے آئے کچھ ہی مہینے ہوئے تھے کہ مکان کے سلسلے میں ایک نئی افتاد پڑی۔ حکیم محمد حسن خاں مرحوم کے وارثین نے یہ حویلی فروخت کر دی۔ نئے مالک مکان نے مرزا سے مکان خالی کرنے پر اصرار کیا۔ سو انہیں مجبوراً کڑوڑا والی حویلی میں منتقل ہونا پڑا۔ ہمدرد دواخانے کے سامنے گلی قاسم جان میں داخل ہوتے ہی دائیں ہاتھ پر گلی کڑوڑا والی ہے۔ اس گلی کے نکڑ پر ایک بہت بڑی حویلی ہے۔ جس کے باہر کے رُخ کچھ دکانیں بنا دی گئی ہیں۔ جس دکان میں آج کل پریس ہے۔ یہی غالبکے زمانے میں صدر دروازہ تھا۔ غالب جولائی ۱۸۶۰ء کو ایک خط میں مرزا علاؤالدین کو لکھتے ہیں۔

''میں دس بارہ سال سے حکیم محمد حسن کی حویلی میں رہتا ہوں۔ اب وہ حویلی غلام اللہ ۲۲ خاں نے مول لے لی۔ آخر جون میں مجھ سے کہا حویلی خالی کر دو۔ اب مجھے فکر پڑی کہ کہیں دو حویلیاں قریب ہم دگر ایسی ملیں کہ ایک محل سرائے اور ایک دیوان خانہ ہو۔ نہ

ملیں ناچار یہ چاہا کہ بلی ماران میں ایک مکان ایسا ملے کہ جس میں جارہا ہوں نہ ملا۔ تمہاری چھوٹی پھوپی نے بیکس نوازی کی۔ کڑوڑا والی حویلی مجھ کو رہنے کو دی۔ کل یا پرسوں جارہوں گا ۲۳۔''

غالب نے ۲۰ر جولائی ۱۸۶۰ء کو مرزا تفتہ کو خط لکھا ہے۔ اس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ جولائی کو حکیم محمد حسن خاں کا مکان چھوڑ کر کڑوڑا والی حویلی میں آ گئے تھے۔ نیز حکیم محمد حسن خاں کے مکان کا کرایہ چار روپے ماہوار تھا۔ آخری تین سالوں میں مرزا کرایہ نہیں دے سکتے تھے۔ جو انہیں مکان چھوڑتے وقت یک مشت دینا پڑا۔ غالب نے اس خط میں مرزا تفتہ کو لکھا ہے۔

''دس گیارہ برس سے اس تنکنا میں رہتا تھا۔ سات برس تک ماہ بہ ماہ چار روپے دیا گیا۔ اب تین برس کا کرایہ کچھ اوپر سو روپیہ دیا گیا۔ مالک نے مکان بیچ ڈالا۔ جس نے لیا ہے اس نے مجھ سے پیام بلکہ ابرام کیا کہ مکان خالی کردو۔ مکان کہیں ملے تو میں اٹھوں۔ بیدردنے مجھ کو عاجز کیا اور مدد لگادی۔ وہ صحن بالا خانے کا جس کا دوگز کا عرض اور دس گز کا طول اس میں پاڑ بندھ گئی۔ رات کو وہیں سویا۔ گرمی کی شدت۔ پاڑ کا قرب گماں یہ گزرتا تھا کہ کٹگر ہے اور صبح کو پھانسی ملے گی۔ تین راتیں اسی طرح گزریں۔ دوشنبہ ۹ر جولائی کو دوپہر کے وقت ایک مکان ہاتھ آ گیا۔ وہاں جارہا۔ جان بچ گئی۔ یہ مکان بہ نسبت اس مکان کے بہشت ہے اور یہ خوبی کہ محلہ وہی بلی ماران کا ۲۴۔''

مرزا علاؤالدین کی پھوپی نے یہ حویلی شاید تھوڑے عرصے کے لیے دی تھی۔ یا ممکن ہے غالب نے یہ مکان خود ہی چھوڑ دیا ہو۔

بلی ماران میں ایک اور مکان:

۱۸۶۲ء میں وہ کسی دوسرے مکان میں تھے۔ یہ نیا مکان بہت خستہ حالت میں تھا اور برسات میں بہت تکلیف ہوتی تھی۔ اس مکان کے بارے میں ۱۴ر اکتوبر ۱۸۶۲ء کے ایک خط میں تفتہ کو لکھتے ہیں۔

''اور یہ بھی تم جانتے ہو کہ میرا مکان گھر کا نہیں ہے۔ کرایہ کی حویلی میں رہتا

ہوں۔ جولائی سے مینہ شروع ہوا۔ شہر میں سینکڑوں مکان گرے اور مینہ کی نئی صورت۔
دن رات میں دو چار برسے اور ہر بار اس زور سے کہ ندی نالے بہ نکلیں۔ بالا خانے کا جو
دالان میرے بیٹھنے، اٹھنے، سونے، جاگنے، جینے مرنے کا اگرچہ گرا نہیں لیکن چھت چھلنی
ہوگئی۔۔۔ کشتی نوح میں تین مہینے رہنے کا اتفاق ہوا ۲۵۔''

اس مکان کی خستہ حالی اور برسات کی تکلیفوں سے تنگ آ کر غالب نے ۱۵ر جولائی ۲۶
۱۸۶۲ء کو مرزا علاؤ الدین خاں کو لکھا۔

''میاں میں بڑی مصیبت میں ہوں۔ محل سرا کی دیواریں گر گئی ہیں۔ پاخانہ ڈھ گیا۔
چھتیں ٹپک رہی ہیں۔ تمہاری پھوپھی کہتی ہیں۔ ہائے دبی ہائے مری۔ دیوان خانہ کا
حال محل سرا سے بدتر ہے۔ میں مرنے سے نہیں ڈرتا، فقدان راحت سے گھبرا گیا ہوں۔
چھت چھلنی ہے۔ ابر دو گھنٹے برسے تو چھت چار گھنٹے برستی ہے۔ مالک اگر چاہے کہ
مرمت کرے تو کیونکر کرے مینہ کھلے تو سب کچھ ہو اور پھر اثنائے مرمت میں بیٹھا کس
طرح رہوں۔ اگر تم سے ہو سکے تو برسات تک بھائی سے مجھ کو وہ حویلی جس میں میر حسن
رہتے تھے۔ اپنی پھوپھی کے رہنے کو اور کوٹھی میں بالاخانہ مع دالانِ زیریں جو الٰہی بخش
خان مرحوم کا مسکن تھا۔ وہ میرے رہنے کو دلوا دو۔ برسات گزر جائے گی۔ مرمت
ہو جائے گی۔ پھر صاحب اور میم اور بابا لوگ اپنے قدیم مسکن میں آ رہیں گے ۲۷۔''

غالب کو یہ حویلی مل گئی لیکن غالب منتقل نہیں ہوئے۔ شاید یہ حویلی ملنے تک برسات ختم
ہو چکی تھی۔ ۶ر اگست ۱۹۶۲ء کے ایک خط میں غالب نے مرزا علاؤ الدین کا ان الفاظ میں شکریہ ادا
کیا ہے۔

''تم نے میاں جی گری کی۔ بھائی نے برادر پروری کی۔ تم جیتے رہو۔ وہ سلامت
رہیں۔ ہم اس حویلی میں (جس میں غالب پہلے سے رہ رہے تھے) تا قیامت رہیں۔
اس ابہام کی توضیح اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مینہ کی شدت سے چھوٹا لڑکا ڈرنے
لگا۔ اس کی دادی بھی گھبرائی۔ مجھ کو خلوت خانہ دروازہ غرب رویہ اس کے آگے ایک چھوٹا
سہ درہ یاد تھا۔ یہ سمجھ کر خلوت خانہ کو محل سرا بنایا چاہتا تھا کہ گاڑی، ڈولی، لونڈی، اصیل،

کا چھن تیلن، تنبولن، کہاری، پسنہاری ان فرقوں کا ممر وہ دروازہ رہے گا۔ میری اور بچوں کی آمدورفت دیوان خانہ میں سے رہے گی۔ عیاذاً باللہ وہ لوگ دیوان خانہ میں آئیں جائیں۔ اپنے بیگانے کو ہر وقت پچھلپائیاں نظر آئیں۔۔۔ عرفت ربی بفسخ العزائم پڑھا اور چپ رہا۔ مینہ کھل گیا۔ مکان کے مالکوں کی طرف سے مدد شروع ہوگئی ۲۸۔''

غالب کا یہ مکان بھی حکیم محمود خاں کے گھر کے قریب تھا۔ اس کا کرایہ ڈھائی روپے تھا۔ جیسا کہ انہوں نے ۶ ستمبر ۱۸۶۴ء کو تفتہ کو لکھا ہے۔

''مکان میرے گھر کے قریب حکیم محمود خاں کے گھر کے نزدیک عطار بھی پاس بازار بھی قریب ڈھائی روپے کرایہ کو موجود مگر مالک مکان سے یہ وعدہ ہے کہ ہفتہ بھر کسی اور کو نہ دوں گا ۳۰۔''

اس مکان میں غالب ۱۸۶۵ء کے آخر تک رہے اور پھر اس مکان میں منتقل ہوئے جہاں انہوں نے زندگی کو خیر باد کہا۔

اسمٰعیل خاں کا مکان:

نومبر ۱۸۶۵ء کے ایک خط میں غالب نے حکیم غلام نجف خاں کو لکھا ہے۔

''مکان کے روکنے کو اور کس طرح لکھوں۔ شہاب الدین خاں کو لکھا۔ شمشاد علی بیگ کو لکھا۔ اب تم کو لکھتا ہوں۔ ستمبر کے پانچ روپے آٹھ آنے دے آیا ہوں۔ اکتوبر، نومبر، دسمبر یہ سولہ روپے آٹھ آنے آکر دوں گا۔۔۔ اسمٰعیل خاں صاحب کو میری دعا کہو اور یہ کہ ڈیوڑھی کی سیڑھی بنوادیں اور حویلی کے پائخانے کی صورت درست کرادیں ۳۱۔''

اس مکان کا کرایہ پانچ روپے آٹھ آنے تھا۔ اس کے مالک غالباً اسمٰعیل خاں تھے۔ یہ مکان گلی قاسم جان کے اس نکڑ پر واقع تھا جو بلی ماران کی طرف ہے۔ اس مکان کے سامنے ہندوستانی دواخانہ ہے۔ یہ مکان گر چکا ہے۔ دیواریں باقی ہیں۔ تصویر نمبر ۱۱۱ اسی مکان کی ہے اور تصویر نمبر ۱۱۲ اس مکان کا ایک زینہ ہے۔

یہی وہ مکان ہے جس کے متعلق حالی نے لکھا ہے۔

''سب سے اخیر مکان جس میں ان کا انتقال ہوا۔ حکیم محمود خاں مرحوم کے دیوان خانے کے متصل مسجد کے عقب میں تھا۔ جس کی نسبت وہ کہتے ہیں۔

مسجد کے زیر سایہ اک گھر بنالیا ہے
یہ بندۂ کمینہ ہمسایۂ خدا ہے[۳۲]

غالب ہی کے الفاظ میں اس مکان کی تفصیل ملاحظہ ہو جو انہوں نے حکیم غلام نجف خاں کو لکھی تھی۔

'' حضرت غور کی جگہ ہے ایک مکان دلکشا، کوچہ کی سیر، بازار کو تماشہ، دو کمرے دو کوٹھریاں، آتش دان، صحن وسیع اس کو چھوڑ کر وہ مکان لوں جو ایک تنگ گلی کے اندر ہے[۳۳]۔''

اس مکان کی مزید تفصیل صفیر بلگرامی کے بیان سے ملتی ہے۔ وہ غالب سے اپنی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''میں محلہ بلی ماران میں حضرت غالب کے پاس پہنچا۔ حضرت برآمدے میں بیٹھے گلی پی رہے تھے۔ حضرت اُٹھے اور مجھے اور میرے ماموں کو اپنا تمام مکان دکھایا۔ ہر جگہ کا نشان دیتے جاتے تھے۔۔۔ آخر زینے کے پاس آئے اور چھت پر چلے۔۔۔ اوپر جا کر دیکھا تو بہت بڑی چھت تھی اور اس کونے پر ایک کمرہ گلی کے رخ بنا ہوا تھا[۳۴]۔''

آخری قیام گاہ:

اسی مکان میں ۱۵؍فروری ۱۸۶۹ء کو غالب کا انتقال ہوا اور درگاہ حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیا کے پاس اس احاطہ میں دفن ہوئے۔ جہاں ان کے خسر نواب الٰہی بخش خاں معروف مدفون تھے۔ ابھی حال میں غالب سوسائٹی کی مساعی جمیلہ سے ان کے مزار کا محجر سنگ مرمر کا بنایا گیا ہے اور اس کے گرد ایک احاطہ بھی قائم کر دیا گیا ہے اس وجہ سے نواب الٰہی بخش خاں معروف کا مزار اس احاطے سے باہر ہو گیا ہے۔ تصویر نمبر ۱۳ غالب کی آخری قیام گاہ کی ہے۔

حواشی

۱۔ یادگار غالب۔ دوسرا ایڈیشن۔ صفحہ۔ ۱۰

۲۔ اردوئے معلی صفحہ۔ ۲۶۴۔ خطوط غالب ا۔ صفحہ ۲۵۸

۳۔ ذکر غالب تیسرا ایڈیشن صفحہ ۲۱

۴۔ اردوئے معلی صفحہ ۲۹۵۔ خطوط غالب۔ ا صفحہ ۲۷

۵۔ اس مکان سے متعلق معلومات محترمہ حمیدہ سلطان سے حاصل ہوئیں۔ جو اس مکان کے مالکوں میں سے ایک ہیں۔ حمیدہ سلطان صاحبزادی ہیں رقیہ سلطان صاحبہ کی جو نواسی ہیں زین العابدین خاں عارف کی (انجم)

۶۔ اردوئے معلی صفحہ ۳۱۸

۷۔ مالک رام صاحب لکھتے ہیں۔ ''پہلے پہل انہوں نے جامع مسجد کے عقب میں مکان لیا تھا (ذکر غالب صفحہ ۳) مگر اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ بلی ماران میں آنے سے پہلے غالب جامع مسجد کے عقب میں رہتے تھے۔ گویا بلی ماران سے باہر غالب کا یہ آخری مکان۔ انجم

۸۔ آثار الصنادید، باب دوئم صفحہ ۶۷

۹۔ میاں نصیر الدین عرف کالے صاحب مسٹر کے تھے غلام قطب الدین کے اور پوتے تھے شاہ فخر الدین کے (تاریخ مشائخ چشت صفحہ ۵۱۵۔ ۵۱۶) سر سید ان کے بارے میں لکھتے ہیں۔ اس زمانے میں ایسا نامی گرامی شیخ نہیں ہے۔ حضور والا اور تمام سلاطین اور جمیع امراء عظام آپ کے نہایت معتقد ہیں۔ جس مجلس میں آپ تشریف لاتے ہیں۔ ہر شخص بے اختیار دوڑتا اور قدموں پر گرتا ہے۔ آثار الصنادید۔ باب چہارم صفحہ ۳۴۔

۱۰۔ اردوئے معلی صفحہ ۳۵۷ خطوط غالب ا صفحہ۔ ۱۱۰

۱۱۔ یادگار غالب دوسرا ایڈیشن صفحہ ۱۷

۱۲۔ نادرات غالب صفحہ ۱۱۷۔ ۱۱۸

۱۳۔ یادگار غالب صفحہ ۲۹

۱۴۔ اردوئے معلی صفحہ ۵۷۔ خطوط غالب پہلا ایڈیشن، صفحہ ۱۳۴ (مہر)

۱۵۔ ایضاً صفحہ ۱۴۴۔ ایضاً صفحہ ۳۰۵۔ ۳۰۶

۱۶۔ ایضاً صفحہ ۱۶۵۔ ایضاً ۲ صفحہ ۶۹۔ اس خط پر اردوئے معلی میں یکم مئی ۱۸۵۸ء اور خطوط غالب میں یکم اپریل ۱۸۵۷ء تاریخ پڑی ہے۔

۱۷۔ ایضاً صفحہ ۱۳۳

۱۸۔ احوال غالب صفحہ ۴۸

۱۹۔ خطوط غالب پہلا ایڈیشن صفحہ ۱۸۲۔ ۱۸۳

۲۰۔ ایضاً دوسرا ایڈیشن صفحہ ۵۷

۲۱۔ مکاتیب۔ دیباچہ صفحہ ۹۔

۲۲۔ غلام اللہ خاں حکیموں کے خاندان سے تھے۔ وہ حکیم محمود خاں کے بھائی حکیم غلام محمد خاں کے لڑکے اور حکیم اجمل خاں کے خسر تھے۔ حیات اجمل۔ صفحہ ۱۳

۲۳۔ اردوئے معلّی صفحہ ۲۹۸۔ خطوطِ غالب ا، صفحہ ۲۱

۲۴۔ ایضاً صفحہ ۲۹۸۔ ایضاً ا، صفحہ ۲۱

۲۵۔ ایضاً صفحہ ۲۸

۲۶۔ اردوئے معلّی میں اس خط پر ۹ر ستمبر ۱۸۶۳ء تاریخ پڑی ہے۔ جو غلط ہے۔

۲۷۔ اردوئے معلّی صفحہ ۳۲۹۔ خطوطِ غالب ا، صفحہ ۵۱۔ ۵۲

۲۸۔ ایضاً صفحہ ۳۳۳۔ ۳۲۴۔ ایضاً ا، صفحہ ۵۲۔ ۵۳

۲۹۔ اس خط پر صرف سہ شنبہ ۳ ربیع الثانی ۹ ر ستمبر لکھا ہوا ہے۔ غالب سے سہو ہو گیا ہے۔ ۹ر ستمبر کو ۳ر تاریخ نہیں بلکہ ۲ ربیع الثانی تھی اور تقویم کے حساب سے یہ سنہ ۱۸۶۴ء تھا۔

۳۰۔ اردوئے معلّی صفحہ ۹۷۔ خطوطِ غالب ا، صفحہ ۱۹۸

۳۱۔ ایضاً صفحہ ۲۱۷۔ ایضاً ۲، صفحہ ۸۳

۳۲۔ یادگارِ غالب صفحہ ۱۷

۳۳۔ اردوئے معلّی صفحہ ۱۶۶۔ خطوطِ غالب ۲، صفحہ ۷۴

۳۴۔ احوالِ غالب صفحہ ۶۰

✔

غالب اور بھوپال

گیان چند جین

بھوپال میں مزید جو دو دن قیام ہو:

مالک رام صاحب کے مرتبہ دیوانِ غالب میں ایک نئی غزل شامل ہے جس کا مقطع چونکا دینے والا ہے۔ ؎

پیرانہ سال غالب مے کش کرے گا کیا
بھوپال میں مزید جو دو دن قیام ہو

بھوپال میں غالب کی آمد کا کوئی ثبوت نہیں۔ میں نے جناب مالک رام کو لکھا کہ یہ غزل الحاقی ہے لیکن وہ اپنے نو دریافت مایۂ عزیز کو گنوا دینے پر آمادہ نہ ہوئے۔ ان کا اصرار تھا کہ یہ غزل غالب ہی کی ہے۔

حال میں اس غزل کا رازِ سربستہ وا ہو گیا۔ یہ غزل سب سے پہلے ماڈل اسکول بھوپال کے رسالہ ''گوہر تعلیم'' بابت اپریل ۷۳ء میں شائع ہوئی۔ اس مذاق کے مصنف اسکول کے ہیڈ مولوی جناب محمد ابراہیم خلیلؔ تھے۔ 'اپریل فول' کا عنوان دے کر نیچے نوٹ دیا تھا۔

'ماخوذ از کتب خانہ نواب یار محمد خاں

بوسیدہ اوراق میں غالب کی یہ غیر مطبوعہ غزل ملی ہے جسے آخری تبرکات کے طور پر پیش کیا جارہا ہے۔

وہاں سے لے کر اوائلِ ۳۸ء میں رسالہ ہمایوں نے اسے شائع کر دیا اور ہمایوں سے لے کر خواجہ حسن نظامی نے اپنے اخبار منادی کی زینت بڑھائی اس طرح اس مذاق نے بڑے بڑے ادیبوں کو اپریل فول بنا دیا۔

آج کل خلیل صاحب ممبر مسلم وقف بورڈ ہیں۔ متشرع بزرگ ہیں اور علما میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ان کے صاحب زادے ایم۔اے اردو میں میرے شاگرد ہیں۔ ان کی زبانی یہ تفصیلات معلوم ہوئیں۔ اسی روز ان صاحب زادے کے نکاح میں شرکت کے لیے موتی مسجد بھوپال میں جانا پڑا۔ وہاں خلیل صاحب سے بھی ملاقات ہوئی۔ میں نے اس واقعہ کی تصدیق چاہی۔ مسکرا کر اعتراف کرلیا۔ فرمایا کہ دیوان غالب میں اس غزل کو شامل دیکھ کر میں نے مالک رام صاحب کی خدمت میں تمام پوست کندہ حقیقت لکھ کر روانہ کر دی تھی۔

مالک رام صاحب نے سکوت ہی میں اپنی عافیت سمجھی۔

چونکہ ایک اہل دیں بزرگوار، خانۂ خدا میں اس غزل کی تصنیف کا اقرار کر چکے ہیں اس لیے اس واقعہ کی صحت میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا۔

نسخۂ حمیدیہ کا مخطوطہ:

نسخۂ حمیدیہ جس بیش بہا مخطوطے سے شائع ہوا ہے وہ اب ناپید ہے۔ مولانا امتیاز علی عرشی، قاضی عبدالودود اور دوسرے کئی حضرات مجھ پر تقاضا کیا کرتے ہیں کہ اس کے بارے میں تفتیش کروں۔ اس پوچھ گچھ کا نچوڑ یہ ہے۔

مفتی انوار الحق نے اس مخطوطے کو ایڈٹ کر کے ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری کو دے دیا تھا۔ بجنوری نے اس پر اپنا معرکۃ الآرا مقدمہ لکھا اور انتقال کر گئے۔ ان کے انتقال کے بعد مفتی انوار الحق نے ڈاکٹر صاحب کے یہاں سے مخطوطہ طلب کیا لیکن اس کا کہیں پتا نہ چلا۔ اس کے بجائے اس کی ایک خوش خط نقل ملی جس کو شائع کر دیا گیا۔

چند ماہ ہوئے میرے کالج کے شعبۂ اردو کے ایک لکچرر نواب صاحب بھوپال سے ملے اور اس مخطوطے کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ نے جواب دیا کہ سابق بیگم بھوپال (نواب سلطان جہاں بیگم) نے جن کے عہد میں نسخۂ حمیدیہ شائع ہوا ہے۔ کئی بار اس مخطوطے کو دیکھنے کی خواہش کی لیکن وہ نہ دیکھ سکیں کیونکہ اس وقت تک وہ مفقود ہو چکا تھا۔

اس کے معنی یہ ہوئے کہ نسخۂ حمیدیہ کی اشاعت کے وقت اس کا مخطوطہ ناپید تھا۔ مطبوعہ نسخے میں یہ بات ظاہر نہیں کی گئی۔ ورنہ اس کی وقعت باقی نہ رہتی۔

مفتی انوار الحق کی صاحبزادی ایم۔ اے اردو میں ہمارے کالج میں پڑھتی تھیں۔ انہوں نے اپنے گھر دریافت کر کے یہی بتایا کہ مخطوطہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری کے یہاں گم ہوا۔

کچھ عرصہ ہوا پروفیسر سید احتشام حسین نے مجھے بتایا کہ انہوں نے لکھنؤ میں نسخہ حمیدیہ کا ایک پرانا مطبوعہ نسخہ خریدا۔ یہ نسخہ مفتی انوار الحق کے صاحبزادے کی مِلک رہ چکا تھا۔ ان صاحبزادے نے اس پر ایک نوٹ لکھا ہے کہ نسخہ کا مخطوطہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری لے گئے تھے۔ ان کے انتقال پر نسخہ تو نہ ملا۔ لیکن یہ معلوم ہوا کہ اصل مخطوطہ مولوی عبدالحق لے گئے ہیں۔

راقم الحروف نے مولوی عبدالحق کی خدمت میں یہ سب لکھ کر بھیجا۔ وہ اس کی صداقت سے قطعاً انکار کرتے ہیں۔ انہیں اس نسخے کا کوئی علم نہیں۔ نسخۂ حمیدیہ کے مخطوطے کا وجود ضرور تھا۔ سطور بالا میں جن خلیل صاحب کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ مجھ سے فرماتے تھے کہ انہوں نے یہ مخطوطہ دیکھا تھا۔

غالب کا ایک نیا خط

گوپی چند نارنگ

شاہجہاں پور سے طرحی غزلوں کا ایک گلدستہ ''سراج سخن'' کے نام سے جنوری ۱۸۹۴ء میں شائع ہونا شروع ہوا تھا۔ تین جزو کا یہ مختصر سا گلدستہ ہر ماہ مطبع سراجیہ میں چھپتا تھا۔ اس مطبع کے مالک منشی سراج الدین تھے۔ گلدستہ سراج سخن ان کے اور حکیم نیاز محمد کے اہتمام میں شائع ہوتا تھا۔ حکیم نیاز محمد امیرِ افغانستان کے معالج رہ چکے تھے اور اس خدمت سے سبکدوش ہونے کے بعد شاہجہاں پور میں ''نیو وکٹوریہ میڈیکل ہال'' کے نام سے مطب کرتے تھے۔ گو ان دونوں حضرات کا کاروبار مختلف نوعیت کا تھا لیکن غالباً شعر وسخن کی دلچسپی نے انہیں یکجا کر دیا تھا۔

گلدستے کے سرورق پر محرابی انداز میں ''سراج سخن'' بزبان انگریزی اور اس کے نیچے یہی نام اردو میں لکھا ہوا ہوتا تھا۔ درمیان میں ماہ و سال کا حوالہ اور اس کے نیچے یہ شعر نمایاں طور پر درج کیا جاتا تھا۔

نالۂ دل میں ہے اندازِ کلامِ دل کش
داد دینے کو حسینوں کی طبیعت آئی

شروع میں اس کے مرتب شاہجہان پور کے دو ''مشاہیر شعرا'' محمد احسان علی خاں احسانؔ اور مولوی سید محمد علی خیالؔ تھے۔ لیکن بعد میں غالباً احسان علی خاں اس سے علیحدہ ہو گئے اور

اکتوبر ۱۸۹۴ سے ان کے بجائے شیخ کریم بخش فرقتؔ کا نام شائع ہونے لگا۔

سراج سخن کے صفحہ اول پر مصرع طرح جلی قلم میں لکھا جاتا تھا اور اس کے بعد ہندوستان بھر کے مختلف شعرا کی غزلیں چار کالمی انداز میں درج کی جاتی تھیں۔ شاعر کے نام کے ساتھ اس کے استاد کا نام بھی ضرور لکھا جاتا تھا، آخر میں ایک آدھ غزل غیر طرحی ہوتی تھی۔ اس کے بعد آئندہ دو مہینوں کی طرحوں کا اعلان بقید قوافی کیا جاتا تھا اور بقیہ جگہ پر سراجِ سخن کے مربیان محبان اور معاونین کے ناموں کی فہرست پیش کی جاتی تھی۔ آخری تین چار صفحے ایک ظریفانہ اخبار ''ہردلعزیز'' کے لیے وقف رہتے تھے۔ ویسے یہ اخبار سراجِ سخن کا ضمیمہ تھا لیکن کبھی کبھی اس کا سرورق الگ سے بھی چھپتا تھا۔ اس میں لوح پر دو مچھلیاں قوس کی صورت میں بنی رہتی تھیں۔ ان کے درمیان اخبار کا نام اور اس کے اوپر نیم بیضوی شکل میں یہ شعر درج کیا جاتا تھا۔

وہ شے ہے یہ جہاں میں جو ہر دلعزیز ہے
اس کو وہ جانتا ہے جسے کچھ تمیز ہے

اخبار ہردلعزیز کے دو حصے ہوتے تھے۔ ایک ظرافت کا، دوسرا خبروں کا۔ ظرافت کے تحت صرف وہی لطیفے اور چٹکلے پیش کئے جاتے تھے جو مرتب کے قریب امرِ واقع کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس کے بعد ایک صفحے پر۔ ''لوکل خبریں'' اور دوسرے پر ہندوستان اور دنیا کی خبریں ''عطر مجموعہ'' کے نام سے درج کی جاتی تھیں۔ سرورق کے اندرونی طرف جلال لکھنوی کی کتابوں اور حکیم نیاز محمد کی دواؤں کے اشتہار ہوتے تھے اور پشت پر سراجِ سخن کی خریداری وغیرہ کے اصول وضوابط درج کئے جاتے تھے ا۔

کبھی کبھی سرورق کی پشت پر دوسرے گلدستوں یا رسالوں پر تبصرے یا اہم مکاتیب بھی شائع کئے جاتے تھے۔ فروری ۱۸۹۴ء کے سراجِ سخن میں غالب دہلوی اور جلال لکھنوی کے خط پیش کئے گئے ہیں۔ غالب کا یہ خط جو سخاوت حسین کے نام ہے۔ اس لحاظ سے اہم ہے کہ عودِ ہندی اور اردوئے معلیٰ کے بعد غالب کے جو مکاتیب مجموعہ کی صورت میں یا متفرق طور پر شائع ہوئے ہیں۔ ان میں یہ خط نہیں ہے۔ یہ خط چونکہ ۴ رفروری ۱۸۶۱ کو لکھا گیا، اس لیے اسے غالب کے قدیم خطوط سے کوئی علاقہ نہیں، لیکن اس کی سوانحی حیثیت ضرور قابل توجہ ہے کیونکہ غالب سے غشی

سخاوت حسین کے تعلقات فقط اسی خط سے ثابت ہوتے ہیں۔ یہ خط رسالہ سراج سخن سے تمام و کمال یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

چونکہ افتخار نامۂ عالی حضرت غالب دہلوی مرحوم و مغفور کا اندراج کتب عودِ ہندی اور اردوئے معلیٰ سے رہ گیا تھا، لہٰذا بطور یادگار درج ہے۔

> ''مشفقی مکرمی منشی سخاوت حسین صاحب سلمۂ اللہ تعالیٰ، سبحان اللہ! آپ کے خط کا جواب نہ لکھوں، اپنے کو نفرین کروں اگر شتاب نہ لکھوں، اس وقت ڈاک کے ہرکارے نے تمہارا خط دیا۔ ادھر پڑھا اُدھر جواب لکھنے کا قصد کیا۔ میں ایک شخص گوشہ نشین، فلک زدہ، اندوہگین، نہ اہلِ دنیا نہ اہلِ دیں! مجھ جیسے نکمے آدمی کا جو کوئی مشتاق ہو، اُس کے خط کا جواب لکھنا کیوں مجھ پہ شاق ہو۔ ظاہراً تم خود مجمع حسنِ اخلاق ہو۔ ورنہ کیوں تم کو میرا اس قدر اشتیاق ہو۔ ہاں، ایک بری بھلی شاعری، اس کا حال یہ کہ آگے جو کچھ کہا سو کہا، اب شاعر بھی نہیں رہا۔ بہرحال تمہاری فقیر نوازی کا شکرگزار اور طالب دیدار ہوں۔
>
> نجات کا طالب، غالب
>
> چاشتگاہ دوشنبہ ۴؍فروری ۱۸۶۱ء''
>
> (رسالہ سراج سخن، فروری ۱۸۹۴ء صفحہ ۲۸)

اس خط سے یہ قرینہ پایا جاتا ہے کہ منشی سخاوت حسین، غالب کے شاگرد تھے۔ گو یقینی طور پر یہ تبھی کہا جا سکتا ہے جب ان کے کلام پر غالب کی اصلاح یا کوئی اور تحریری ثبوت فراہم ہو جائے۔

سخاوت حسین کے ذکر میں تذکرے خاموش ہیں۔ لیکن ان کے خاندان کے لوگوں سے جو اس وقت بدایوں میں مقیم ہیں۔ یہ معلوم ہوا ہے کہ ان کا پورا نام محمد سخاوت حسین اور تخلص مدہوش تھا۔ وہ غالب سے اصلاح لیتے تھے۔ مالک رام صاحب نے بھی انہیں کتاب '' تلامذہ غالب '' میں غالب کا شاگرد تسلیم کیا ہے۔ لیکن ان کے حالات درج نہیں کیے جا سکے۔

محمد سخاوت حسین، مدہوش بدایوں، محلّہ چاہ میر کے رہنے والے تھے۔ ان کے جدِّ اعلیٰ سلطان التمش کے زمانے میں عرب سے ہندوستان آئے اور بدایوں میں رہائش اختیار کیا۔ اس

خاندان میں حضرت میاں جی عبدالملک انصاری (المتوفی ۱۲۵۸ھ) نے مشائخ بدایوں میں بڑا نام پایا۔ وہ حضرت شمس الدین ابوالفضل سید شاہ آل احمد صاحب اچھے میاں مارہروی (المتوفی ۱۲۳۵ھ) کے مرید اور خلیفہ تھے۔ ان کے تین صاحبزادے تھے۔ پہلے امان اللہ حسین عرف خلیفہ تلو، دوسرے میاں امداد حسین اور تیسرے شیخ محمد عنایت حسین۔ محمد سخاوت حسین مدہوش حضرت میاں جی کے پوتے تھے۔ وہ ۱۸۳۰ء میں بمقام بدایوں پیدا ہوئے۔ انہوں نے عربی فارسی تعلیم منجملہ دوسرے اساتذہ کے حکیم مولوی محمد سعید الدین سے حاصل کی اور انگریزی میں مولانا نظام الدین کے مشورے سے حسب ضرورت استعداد پیدا کی۔ ۱۸۶۰ء میں وہ بدایوں سے شاہجہاں پور چلے آئے اور یہاں وکالت کرنے لگے۔ شاہجہاں پور میں ان کا قیام چالیس برس تک رہا۔ رفتہ رفتہ ترقی کر کے وہ وکیل عدالت دیوانی ہو گئے اور پھر آنریری مجسٹریٹ کے عہدے پر بھی فائز رہے۔ اپنی کار آگہی اور ذہانت کی بدولت انہوں نے شاہجہاں پور کی سماجی زندگی میں بڑا اثر و رسوخ پیدا کیا۔ خان بہادر کے خطاب سے مشرف ہوئے۔ برسوں میونسپل بورڈ کے وائس چیرمین رہے۔ قومی اور ملکی تحریکوں میں بھی حصہ لیتے تھے اور کانگریس کے پہلے اجلاس میں شریک ہوئے۔ شاہجہاں پور کی ہندو مسلم اتحاد کمیٹی کے ایک مدت تک صدر رہے۔ آدمی نہ صرف سخن داں بلکہ سخن پرور بھی تھے۔ اپنی کوٹھی "سخاوت منزل" میں ہر ہفتے مشاعرہ کراتے۔ غالب کے کلام سے ان کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ اپنی بچی کو غالب کے اشعار سنانے پر اشرفی انعام دیتے تھے۔ ۱۹۰۱ء میں وہ بیمار پڑ گئے اور جب علالت نے طول کھینچا تو ان کی بیگم انہیں شاہجہاں پور سے بدایوں لا رہی تھیں کہ سفر ہی میں آنولہ ضلع بریلی کے اسٹیشن پر ان کا انتقال ہو گیا۔

مدہوش کی اولاد میں ایک لڑکا شیخ میاں جان اور ایک لڑکی نیاز رسول صاحبہ تھیں۔ لڑکے کا انتقال مدہوش کے حین حیات ہی ہو گیا اور ان کی بیٹی تنہا وارث ہوئیں۔ ان کی اولاد سے چار لڑکے اور ایک لڑکی ہیں۔ بڑے لڑکے حامد سعید خاں لودی اقوام متحدہ میں خوراک اور زراعت کے ماہر کی حیثیت سے پاکستان کے نمائندے ہیں۔ دوسرے عابد سعید خان لودی ۲ نکور ضلع سہارنپور میں سب رجسٹرار ہیں۔ یہ فنا تخلص کرتے ہیں اور انہیں کے شاگرد ہیں۔ ان کا مجموعہ کلام موسوم "رنگا رنگ" پروفیسر ضیا احمد ضیا بدایونی کے مقدمے کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔ مدہوش کے تیسرے

نواسے زاہد سعید خاں اور چوتھے لیاقت سعید خاں فوج میں بالترتیب میجر اور کرنل ہیں۔ ان کی نواسی امتیاز رسول صاحبہ کے شوہر بدایوں میں وکالت کرتے ہیں۔

مدہوش کی تالیفات کا بڑا حصہ گردشِ روزگار نے خاکِ لئیم کی نذر کر دیا۔ ان کی لکھی ہوئی ایک اردو تقریظ شیخ محمد رضی الدین بسمل کی تالیف تذکرۃ الواصلین کے ساتھ چھپ چکی ہے۔ بسمل حکیم محمد سعید الدین کے بیٹے تھے، جن سے مدہوش نے تعلیم پائی تھی۔ ان کا ایک مختصر سا رسالہ ''تعلیم مسلماناں'' بھی شائع ہو چکا ہے۔ یہ انہوں نے سرسید کی تحریک سے متاثر ہو کر لکھا تھا۔ مدہوش کا انتقال چونکہ سفر کے دوران میں ناگہانی طور پر ہوا۔ شاہجہاں پور کی کوٹھی میں جتنا سامان تھا، سب لُٹ گیا۔ اسی میں ان کی اولادِ معنوی یعنی اشعار اور دوسرے مسودات بھی ضائع ہو گئے اور ان کے وارثوں کے ہاتھ کچھ نہ آیا بارے ان کے فارسی خطوط کا مجموعہ مولانا نظام الدین مرحوم کے پاس تھا، وہ مطبع نظامی کی ردی میں محفوظ رہا۔ رسالہ ''تعلیم مسلماناں'' کے علاوہ فقط یہی ایک مجموعہ ان سے یادگار ہے اور اسے جناب فنا لودی ''رقعاتِ مدہوش'' کے نام سے عنقریب شائع کرنے والے ہیں۔

✔

حواشی

۱۔ رسالہ سراج سخن کے فروری، مارچ، اپریل، جون، جولائی، اگست، اکتوبر اور دسمبر ۱۸۹۴ء کے شمارے راقم الحروف کو جناب ویریندر پرشاد سکسینہ بدایونی کی عنایت سے حاصل ہوئے۔ ذیل میں ان کے اہم مندرجات کی تلخیص پیش کی جاتی ہے۔

جلد اول شمارہ ۲ فروری ۱۸۹۴ مصرع طرح: بے فائدہ کیوں خاک اڑاتی ہے صبا نے۔ اس طرح میں ان شعرا کا کلام: چھیدی لال تمنا کاکوروی۔ سید محمد علی حزیں شاگرد سعید امروہوی۔ کاظم حسین محشر لکھنوی، محمد عباس، عباس لکھنوی شاگرد جلال، مولوی محمد حسین شوق بچھرایونی، داغ دہلوی، شیو پرشاد وہبی، امیر مینائی، جلال لکھنوی، آرزو لکھنوی، ولی حسین ہاشمی شباب مرزاپوری۔

مارچ ۱۸۹۴ مصرع طرح: اب تو فراق یار میں جینا محال ہے۔ اس طرح میں منجملہ دوسروں کے ان شعرا کی غزلیں ہیں۔ احسان علی خاں احسان شاگرد جلال لکھنوی، آغا حسن ازل لکھنوی شاگرد صبا لکھنوی، داغ دہلوی، مہدی حسن خان شاگرد

جلالؔ، محمد عبدالرحیم شاگرد داغؔ، پیارے لال رونقؔ دہلوی شاگرد داغؔ، محمد یوسف حسین عزیزؔ شاگرد داغؔ، سید حسین احمد بیباکؔ شاگرد داغؔ، جلال لکھنوی، محمد عمر جنوںؔ شاگرد جلالؔ لکھنوی، سید محمد مہدی کمالؔ لکھنوی خلف جلالؔ لکھنوی، قمرالدین نذیرؔ شاگرد صفیرؔ صفحہ ۱۹ پر نسیم بھرت پوری کی غیر طرحی غزل درج ہے۔

اپریل ۱۸۹۴ء۔ مصرع طرح: یہ دل کھٹک رہا ہے بتوں کی نگاہ میں۔ شعرا امیرؔ مینائی، احسان علی خان احسانؔ شاگرد جلال، میرزا محمد آغا جان شاگرد داغؔ، سید علی احمد شاگرد داغؔ، جلال لکھنوی، محمد مرزا خاں حشمؔ شاگرد جلالؔ، محمد علی حفیظ شاگرد وسیم خیر آبادی، داغؔ دہلوی، ولی محمد اثرؔ شاگرد امیر مینائی۔ کلام عورات: بی حجاب شاہجہاں پوری، بی امراؤ جان حسن طوائف ضلع بشمر۔

اس کے سرورق کی پشت پر گلدستہ لطف سخن پر تبصرہ درج ہے۔" اس کی اشاعت جنوری ۱۸۹۴ء سے زیر اہتمام جناب دوست محمد خاں عتیق شروع ہوئی ہے اور قصبہ حسن پور ضلع مراد آباد سے نکلتا ہے۔۔۔ دو حصوں پر مشتمل ہے اول کلام عاشقانہ موسومہ لطف سخن دوسرا کلام نعتیہ وصنائع بدائع موسومہ گلزار نعت۔ قیمت دونوں ضمیموں کی چار آنے سالانہ تین روپے۔"

جون ۱۸۹۴ء مصرع طرح: شب فراق کی آہوں نے کچھ اثر نہ کیا

جلالؔ لکھنوی، محمد عزیز الرحمن جدتؔ شاگرد داغ دہلوی، شاہزادہ مرزا محمد ولی الدین خاں فداؔ شاگرد داغؔ دہلوی، قلندر حسین ہوشؔ شاگرد جلالؔ، بال کرشن قمرؔ شاگرد امیرؔ، انور حسین آرزوؔ خلف اصغر یاسؔ لکھنوی شاگرد جلال لکھنوی، سجاد علی خاں شاگرد جلالؔ

جولائی ۱۸۹۴ء۔ مصرع طرح: کچھ تو شوخی ہو کسی کی یاد میں

جلالؔ لکھنوی، شاہزادہ بیدار بخت مرزا محمد نصیرالدین حیرانؔ گورگانی، امیر مینائی۔ صفحہ ۲۴ پر کلام عورات، لیڈی شارٹ کماری پال رعنا از للت پور۔

اگست ۱۸۹۴ء مصرع طرح: دکھاتے جاؤ کچھ انداز دلربائی کا۔ امیرؔ مینائی، حسین احمد بیباکؔ شاگرد داغؔ، جلالؔ لکھنوی، رحمتؔ بناری، تسلیم کرتپوری شاگرد داغ دہلوی۔

اکتوبر ۱۸۹۴ء مصرع طرح: پانی بھرے گھٹا رے بالوں کے سامنے۔ اس پر جن شعرا کا کلام شائع ہوا ہے، ان میں سے خاص خاص نام یہ ہیں: امیر مینائی، احمد جان اختر شاگرد داغؔ دہلوی، سید محمد علی خیال شاگرد امیر مینائی، کریم بخش فرحت شاگرد جلال لکھنوی، سید محمد مختار احمد شاگرد امیر مینائی۔ سب سے آخر میں صفحہ ۲۰ پر کلام عورت کے عنوان سے بی سندر جان طوائف شاہجہاں پوری المتخلص بہ زیباؔ کی غزل درج ہے۔

دسمبر ۱۸۹۴ء مصرع طرح: یہ اشارے مجھے پیغام قضا دیتے ہیں۔ پیارے لال رنگینؔ شاگرد کیدار ناتھ خنداں، درگا پرشاد

سہیلؔ شاگرد بخشداں ،مختار احمد مختارؔ شاہجہاں پوری شاگرد امیر مینائی۔

۲۔ محمد سخاوت حسین مدہوشؔ کے حالات انھیں عابد سعید خاں فدا لودی اور جناب ضیا بدایونی صاحب نے عطا فرمائے جس کے لیے راقم الحروف ان حضرات کا ممنون اور شکر گزار ہے۔

✔

دیوانِ غالب کا پہلا اور آخری مطبوعہ نسخہ

محمد ذاکر

غالب کے اردو کلام کے لاتعداد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ قابل ذکر ایڈیشنوں میں سب سے آخر لیکن سرفہرست جناب امتیاز علی عرشی کا وہ نسخہ ہے جو انجمن ترقی اردو ہند نے ۱۹۵۸ء میں شائع کیا ہے۔ غالبیات کے سلسلے میں یہ نسخہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں غالب کا مطبوعہ اور غیر مطبوعہ اردو کلام اور مختلف نسخوں کے اختلافات نہایت جاں فشانی سے جمع کیے گئے ہیں۔ زیر نظر مضمون میں ہم غالب کے پہلے مطبوعہ دیوان اور نسخۂ عرشی کے کچھ اختلافات پر روشنی ڈالیں گے جو نسخۂ عرشی میں سہواً رہ گئے ہیں۔

میرزا غالب کا منتخب اردو کلام پہلی مرتبہ ۱۲۵۷ھ (۱۸۴۱ء) میں خود ان کی زندگی میں سید محمد خاں بہادر کے چھاپہ خانہ کے لیتھوگرافک پریس میں چھپ کر شائع ہوا[1]۔ یہ پریس سرسید احمد خاں کے بڑے بھائی سید محمد خاں (وفات ۱۸۴۶ء) نے دہلی میں قائم کیا تھا۔ جہاں سے انہوں نے ۱۸۳۷ء میں اپنا مشہور ہفتہ وار اخبار موسومہ ''سید الاخبار'' نکالا[2]۔ جو غالباً ۱۸۵۰ء میں بند ہوا[3]۔

قیاس کہتا ہے کہ اس اخبار کے اسی لیتھوگرافک پریس میں چھپنے ہی کی وجہ سے اس کا نام ''مطبع سید الاخبار'' پڑا ہوگا۔ سرسید نے ''آثار الصنادید'' کا پہلا ایڈیشن ۱۸۴۷ء میں اسی چھاپے

خانے سے شائع کیا تھا۔ لیکن'' آثارالصنادید'' پر مطبع کا نام'' مطبع سیدالاخبار'' نہیں بلکہ'' سیدالمطابع'' درج ہے ۴ ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اسی لیتھوگرافک پریس کا نام بعد میں'' مطبع سیدالاخبار'' سے سیدالمطابع رکھ دیا گیا۔

مرزا غالب کے تعلقات سرسید احمد خاں اور ان کے بھائی سے دوستانہ تھے۔ شعبان ۱۲۵۷ھ مطابق اکتوبر ۱۸۴۱ء میں اسی مطبع سے میرزا صاحب کا منتخب دیوان چھپ کر شائع ہوا تھا۔ آج کل اس ایڈیشن کے نسخے بہت کم یاب ہیں۔ ایک کرم خوردہ نسخہ منشی مہیش پرشاد مرحوم کے پاس تھا۔ ایک خان بہادر ابو محمد مرحوم کے صاحب زادے کے پاس ہے۔ ایک نسخہ صولت پبلک لائبریری رامپور میں محفوظ ہے ۵۔ ان کے علاوہ اسی ایڈیشن کا ایک کرم خوردہ نسخہ کتب خانہ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کے ذخیرہ قاضی شوکت حسین مرادآبادی مرحوم میں بھی محفوظ ہے مگر اس میں غلط نامہ والا صفحہ موجود نہیں ہے اور کوئی صفحہ پھٹا ہوا بھی معلوم نہیں ہوتا۔ اس کا کاغذ دیسی مان سنگی وہی پرانی وضع کا ہے۔ کتاب کی ناپ ۱.۹×۶ انچ ہے اور کتابت کی ناپ ۶×۲ ۱/۳ انچ ہے۔ خط معمولی نستعلیق ہے اور پوری کتاب جدولوں سے خالی ہے۔ اس نسخے کے صفحہ ا،صفحہ ۶۹،صفحہ ۱۰۸ اور غلط نامے کی عکسی تصاویر رضا لائبریری رام پور اور صولت پبلک لائبریری رام پور کے حوالے سے رسالہ'' آج کل'' دہلی بابت ماہ فروری ۱۹۵۷ء میں پیش کی گئی تھیں۔

یہ نسخہ پندرہ سطری مسطر پر نہیں جیسا کہ عرشی صاحب نے لکھا ہے بلکہ تیرہ سطری مسطر کے ۱۰۸ صفحے پر مشتمل ہے۔ ہر غزل، ہر قطعہ اور رباعی (جن کے نمبر بھی نہیں دیئے گئے) کے ختم ہونے کے بعد ایک سطر خالی چھوڑ دی گئی ہے۔ اس طرح ایک صفحے پر مکتوبی سطریں تیرہ سے بھی کم رہ گئی ہیں۔ آخری صفحے کے علاوہ (جو نواب ضیاءالدین احمد خاں نیر درخشاں کی فارسی تقریظ کا بھی آخری صفحہ ہے) کسی صفحہ پر بھی ۱۳ سطروں سے زیادہ سطریں نہیں ہیں اور اس صفحہ پر بھی محض ایک صفحہ بچانے کے لیے کاتب نے مسطر کو ارادۃً توڑا ہے اور بجائے تیرہ کے چودہ سطریں لکھی ہیں۔

اس نسخے کے سرنامے (صفحۂ اول) پر سید محمد خاں کے قلمی دستخط بھی موجود ہیں۔ نسخہ عرشی میں ان دستخطوں کا ذکر نہیں کیا گیا حالانکہ رسالہ'' آج کل'' متذکرہ بالا میں یہ دستخط فوٹو میں بھی نمایاں ہیں۔ جامعہ کے نسخہ میں لفظ'' سید'' کی یائے تحتانی کے نقطے عکسی تصویر سے زیادہ نمایاں ہیں۔

۱۸۴۱ء کے مطبوعہ نسخہ میں غالب کا سارا فارسی دیباچہ مسلسل لکھا گیا ہے۔ مختلف

پیراگراف میں تقسیم نہیں ہے۔ لیکن نسخۂ عرشی میں اس کو پانچ پیراگراف میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ نیز ۱۸۴۱ء کے نسخے میں جملوں کی بھی تخصیص نہیں کی گئی اور نہ اعراب اور اضافتیں ہیں۔ نسخۂ عرشی میں فاضل مرتب نے یہ کام خود ہی انجام دیا ہے۔ اعراب اور اضافتیں بھی بڑھائی ہیں اور جملوں کی تخصیص بھی کر دی ہے۔

اسی طرح نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر درخشاں کی تقریظ میں اعراب اور اضافتوں کے علاوہ عرشی صاحب نے اس کو چھ پیراگراف میں تقسیم کر دیا ہے۔

نسخۂ عرشی میں دیوان غالب قلمی مملوکہ مولانا نظامی بدایونی اور دیوانِ غالب مع شرح نظامی، طبع دوم ۱۹۱۸ء کے حوالے سے غالب کے دیباچے کے آخر میں خطوط وحدانی میں یہ تاریخ درج کی ہے۔

(بست و چہارم شہر ذیقعدہ ۱۲۴۸ھ)

۱۸۴۱ء کے نسخہ میں دیباچے کے آخر میں کوئی تاریخ درج نہیں ہے۔

تعداد اشعار:

نواب ضیاء الدین احمد خاں کی فارسی تقریظ جو ۱۲۵۴ھ مطابق ۱۸۳۸ء میں لکھی گئی، صفحۂ ۱۰۳ سطر آٹھ سے شروع ہو کر صفحۂ ۱۰۸ پر ختم ہوتی ہے۔ اس میں اشعار کی تعداد ۱۰۹۸ بتائی گئی ہے۔ اصل عبارت یہ ہے۔

''۔۔۔چون باحصای افراد این ہمایون صحیفہ شتافتم ہمگی اشعار شعری شعار غزل و قصیدہ و قطعہ و رباعی ہزار و نود و ہشت اندیافتم۔۔۔'' ص ۱۰۸۔ سطر ۸ تا ۱۰

یہ تقریظ'' آثار الصنادید'' میں بھی موجود ہے مگر وہاں عبارت کے دیگر اختلافات کے علاوہ اشعار کی تعداد'' یک ہزار و ہفتاد و دواند'' درج ہے[۶]۔

عرشی صاحب کا خیال ہے کہ کتاب کے چھپ جانے کے (بعد) کاتب یا مصحح نے اشعار گن کر لفظِ'' ہشت'' زائد کیا ہے۔ اس قیاس کی وجہ عرشی صاحب نے یہ بتائی ہے کہ'' اند'' اکائی کے لیے لکھا گیا تھا۔ جب ہشت (نے) اکائی کی جگہ پُر کر دی تو اس لفظ کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔

تعداد اشعار میں اس اختلاف سے عرشی صاحب نے اور مالک رام صاحب نے بھی یہ

نتیجہ نکالا ہے کہ ترتیب دیوان کے وقت یعنی ۱۲۵۴ھ میں اشعار کی تعداد ۱۰۷۰ تھی ۸ یا اس سے کچھ اوپر ۹ تھی۔ تین سال بعد ۱۲۵۷ھ میں طباعت کے وقت اس میں کچھ اشعار کا اضافہ ہو گیا اور تاریخ میں تغیر کیے بغیر تعداد میں ترمیم کر دی گئی۔

عرشی صاحب نے تقریظ کے برخلاف کل اشعار کی تعداد ۱۰۹۵ بتائی ہے واقعہ یہ ہے کہ مرزا صاحب کے ایک مشہور قطعہ (مندرجہ صفحہ ۱۰۰ جس میں کلکتے کی "ستایش" کی گئی ہے۔) کے آخری تین بیت حصہ غزلیات کی ردیف الیاء صفحہ ۵۹ پر سہواً مکرر چھپ گئے ہیں۔ صحیح تعداد حاصل کرنے کے لیے ردیف الیاء کے ۱۴۴ شعروں میں سے ان تین شعروں کو منہا کرنا پڑے گا۔

لیکن اصل یہ ہے کہ شعروں کی جو تعداد ردیف وار خود عرشی صاحب نے پیش کی ہے اس کے مطابق کل اشعار ۱۰۹۳ ہی ہوتے ہیں۔

حالانکہ یہ اس وقت تک صحیح تعداد نہیں ہو سکتی جب تک ہم غلط نامے کے مطابق ردیف الف کے ایک شعر کی تصحیح کر کے اس کو دو شعر نہ بنالیں۔

۱۸۴۱ء کے نسخے میں اس غزل کے کل شعر ۶ ہیں اور نسخہ عرشی میں ۷

یک ذرۂ زمین نہیں بیکار باغ کا
یاں جادہ بھی فتیلہ ہے لالہ کے داغ کا

اختلاف اس شعر میں ہے۔

۱۸۴۱ء	نسخہ عرشی
تازہ نہیں ہے نشۂ فکرِ سخن مجھے	تازہ نہیں ہے نشۂ فکرِ سخن مجھے
کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا	تریاکیِ قدیم ہوں دودِ چراغ کا

یہ غلطی غلط نامہ (فوٹو "آج کل" متذکرہ) میں اس ریمارک کے ساتھ دور کی گئی ہے۔
(نقل از فوٹو غلط نامہ)

تازہ نہیں ہے نشۂ فکر سخن مجھے
تریاکیِ قدیم ہوں دودِ چراغ کا
بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہای گل
کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

''دریں جا دو مصرع یعنی دوئیمین و سوئیمین از سہو کاتب ماندہ بودند۔ بنابراں ہر چہار مصرع در مد صحیح نوشتہ شد۔''

اس طرح جب تک غلط نامہ میں درج کردہ ترتیب کے ساتھ اشعار کی گنتی نہ کی جائے متن میں ردیف الف کے تحت درج کردہ پورے اشعار کی تعداد ۱۰۹۳ نہیں بلکہ صرف ۱۰۹۲ ہی ہوتی ہے۔

کتاب کی جزو بندی:

غالبیات کے ماہرین نے جہاں بھی اس نسخہ کا ذکر کیا ہے اس میں سرورق کے نہ ہونے کے متعلق کچھ اظہار خیال نہیں کیا۔ اس نسخہ کا کوئی سرورق موجود نہیں۔ سرنامہ ہی پر ص۔ ا ڈال دیا گیا ہے اور بیچ میں یہ عبارت اس طرح درج ہے۔

دیوان اسداللہ خاں صاحب غالب تخلص
میرزا نوشہ صاحب مشہور کا، دہلی میں سید محمد خاں بہادر کے چھاپہ خانہ کے
لیتھو گرافک پریس میں شہرِ شعبان
۱۲۵۷ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۸۴۱ عیسوی کو سید عبدالغفور کے اہتمام میں چھاپا ہوا۔
(جس جگہ بیضوی نشان ڈالا گیا ہے وہاں سید محمد خاں کے بہت خوبصورت قلمی دستخط ہیں)

غالب جیسے آرائش پسند شخص کے پہلے مطبوعہ دیوان میں سرورق کا نہ ہونا تعجب کی بات ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ اس زمانے میں ہر کتاب کا سرورق مزیّن ہوتا تھا۔ جس میں کتاب، مصنف اور مطبع کا نام نہایت آرائش کے ساتھ لکھا جاتا تھا۔ جزو بندی کے اعتبار سے بھی زیادہ قرین قیاس یہی ہے۔ غلط نامہ کا آخری ورق شمار کرنے کے بعد کل صفحات ۱۱۰ بنتے ہیں (حالانکہ غلط نامے پر کوئی نیا یا مسلسل نمبر نہیں ڈالا گیا) جو جزو بندی کے اصول پر پورے نہیں اترتے، یقیناً اس کا سرورق بھی ہوگا جو ضایع ہو گیا اور یہ کتاب ۵۶ ورق یعنی سات جزو کی ہوگی۔

کچھ اور اختلافات: (اختلاف نسخ ۱۸۴۱ کو داوین میں ظاہر کیا گیا ہے)

۱۸۴۱	۱۹۵۸ (نوائے سروش)
غزل ۱۱ / شعر ۲ — محبت تھی چمن سے (لیکن اب بھی) بے دماغی ہے	غزل ۱۰ / شعر ۲ — محبت تھی چمن سے (لیکن اب یہ) بے دماغی ہے

غزل ۱۸ / شعر ۲	حضرت ناصح (جو) آویں دیدہ و دل فرش راہ	غزل ۳۵ / شعر ۳	حضرت ناصح (گر) آویں دیدہ و دل فرش راہ
غزل ۱۸ / شعر ۷	ہے اب اس (معمور) میں قحطِ غمِ اُلفت اسدؔ	غزل ۳۵ / شعر ۷	ہے اب اس (معمورے) میں قحطِ غمِ اُلفت اسدؔ
غزل ۱۸ / شعر ۷	ہم نے یہ مانا کہ دلی میں (رہیں) کھاویں گے کیا	غزل ۳۵ / شعر ۷	ہم نے یہ مانا کہ دلی میں (رہے) کھاویں گے کیا
غزل ۲۲ / شعر ۳	لے تو لوں سوتے میں اوس کے (بوسہائے پا) مگر	غزل ۲۳ / شعر ۳	لے تو لوں سوتے میں اوس کے (پانو کا بوسہ) مگر
غزل ۲۲ / شعر ۸	اب تلک تو (پھر) توقع ہے کہ واں ہو جائے گا	غزل ۲۳ / شعر ۸	اب تلک تو (یہ) توقع ہے کہ واں ہو جائے گا
غزل ۲۳ / شعر ۷	مری نگاہ میں ہے (جمع خرچ) دریا کا	غزل ۱۴ / شعر ۷	مری نگاہ میں ہے (جمع و خرچ) دریا کا
غزل ۳۳ / شعر ۳	شایانِ دست و (بازوے) قاتل نہیں رہا	غزل ۲۸ / شعر ۳	شایانِ دست و (خنجر) قاتل نہیں رہا

حواشی

۱۔ (۱) دیباچہ دیوان غالب نسخۂ عرشی ص ۹۳ (۲) ذکر غالب (تیسرا ایڈیشن) مالک رام ص ۱۹۳

(۳) غالب نامہ (آثار غالب) شیخ محمد اکرام ص ۹۶

۲۔ (۱) ہندوستانی اخبار نویسی (کمپنی کے عہد میں) انجمن ترقی اردو ہند ص ۲۷۷

(۲) تاریخ صحافت اردو جلد اول، دوسرا ایڈیشن، امداد صابری، ص ۱۹۳

(۳) کیفی: اب سے آدھی صدی پہلے کے اردو اخبار، رسالہ اردو اپریل ۱۹۳۵ء

(۴) مولانا حالیؔ کے بیان کے مطابق یہ اخبار ۱۸۳۶ یا ۱۸۳۷ء میں جاری ہوا۔ حیات جاوید (۱۹۰۱) دوسرا حصہ) ص ۴۹۸

۳۔ امداد صابری۔ محولہ بالا ص ۱۶۵

۴۔ ہندوستانی اخبار نویسی۔ محولہ بالا ص ۲۷۹

۵۔ غالب کی شعر گوئی اور ان کے دواوین، عرشی، مطبوعہ علی گڑھ میگزین غالب نمبر ص ۱۱۰ تا ۱۱۳

۶۔ آثار الصنادید طبع دوم (۱۸۹۵ء) ص ۸۳ ۷۔ علی گڑھ میگزین غالب نمبر ص ۱۱۳

۸۔ ذکر غالب، محولہ بالا ص ۱۹۴ ۹۔ عرشی، محولہ بالا

غالب کے ایک شاگرد — مولانا بیدلؔ

خواجہ احمد فاروقی

مراد ہے مولانا عبدالسمیع بیدلؔ سے۔ تلامذۂ غالب میں ان کا سرسری ذکر ہے۔ اس ترجمہ میں نہ تو ان کی پوری تصانیف کا احاطہ کیا گیا ہے اور نہ ان کی کوئی غزل درج کی گئی ہے[1]۔ حالانکہ غالب سے ان کے معنوی تعلق کا اصلی سرچشمہ یہی ہے۔ تلامذہ غالب کی یہ بات بھی قرین صحت نہیں کہ بیدلؔ کی ''نورِایمان'' میں ''مسائل دینی'' نظم کیے گئے ہیں[2]۔ (یہ دراصل نعت شریف میں ایک رسالہ ہے جس کا دیباچہ نثر میں اور اصل رسالہ نظم میں ہے) یہ اطلاع بھی صحیح نہیں کہ نورایمان کے دیباچہ میں عبدالسمیع بیدلؔ کے یہ اشعار '' دوستو ہے دارفانی چند روز الخ'' درج کیے گئے ہیں[3]۔ ہمارے سامنے نورایمان کا وہ نسخہ ہے جو شرف المطابع میرٹھ سے شائع ہوا تھا۔ اس میں یہ اشعار کہیں بھی موجود نہیں[4] اور دیباچہ تو از اول تا آخر نثر میں ہے۔ اس میں ایک مصرع بھی نہیں۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہو سکا ہے اس کا کوئی دوسرا ایڈیشن بھی ترمیم کے ساتھ شائع نہیں ہوا۔ ان وجوہ سے گمان ہوتا ہے کہ صاحب تلامذۂ غالب نے نورایمان کو ملاحظہ نہیں فرمایا، کسی اور ذریعہ سے معلومات اخذ کی ہیں، ورنہ وہ اس کے مندرجات سے ہمیں صحیح طور پر مطلع فرماتے اور اس کے صفحہ، مطبع اور ایڈیشن کسی چیز کا تو حوالہ دیتے۔ اس کے علاوہ مؤلف موصوف، عبدالسمیع بیدلؔ کی

کلیم دو کتابوں کو ''موجود'' بتاتے ہیں، حالانکہ اس وقت ان کی دس تصانیف ہمارے سامنے موجود ہیں جو محبِ مکرم بھیّا شمس الدین صاحب رئیس میرٹھ کی مہربانی سے حاصل ہوئی ہیں۔ موخرالذکر مخدومی خان بہادر شیخ بشیر الدین صاحب مرحوم و مغفور کے چھوٹے صاحبزادے ہیں اور خان بہادر صاحب، بیدلؔ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ گویا شاگردی کے لحاظ سے غالب کے پوتے تھے۔

نورِ ایمان کا دیباچہ اس طرح شروع ہوتا ہے۔

''عبدالسمیع بیدلؔ اور اللہ رسول کی صفات! وہی مثل ہے۔ چھوٹا منہ بڑی بات۔ اس زبان کثیف کو اس نامِ لطیف سے کیا مناسبت۔ خاک کو عالمِ پاک سے کیا نسبت۔ بھلا جس کا بال بال خطاؤں میں بھرا ہوا ہو۔ اس سے یہ پاک عمل سراسر صواب کیونکر ادا ہو۔ لیکن کیا کیجیے چین نہیں پڑتا کہ یہ نام نہ لیجیے۔ کبھی دل اور زبان کو اس نام سے تجلی دیا جاتا ہے کہ لاالہ الااللہ اور کبھی روح رواں کو اس نام سے تازہ کیا جاتا ہے کہ محمد رسول اللہ پھر کر یہی دو نام۔ ان ہی دو کی اطاعت سے اہل ایمان کا حسنِ انجام ۵۔''

مولانا بیدلؔ ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۳ء) میں شہر'' جاں آسائے، راحت افزائے دہلی'' میں پہنچے ۶ اور علوم معقول و منقول مفتی صدرالدین آزردہؔ اور دیگر اکابر علمائے دین سے حاصل کیے۔ خود لکھتے ہیں۔

''ان ایام میں بہ اقتضائے عنفوانِ شباب دل میں یہ بھی ایک موج آئی کہ جناب نجم الدولہ دبیر الملک اسداللہ خاں غالب عرف مرزا نوشہ دہلوی سے شعر میں اصلاح لینی ٹھہرائی۔ تب البتہ عاشقی و معشوقی کے مضامین مروجہ رسمیہ ابناء زماں کی طرز پر لکھتا تھا لیکن ان مضامین پر دل دادہ و فریفتہ نہ تھا۔ اسی وجہ سے ان کو بحفاظت تمام لکھ لکھ کر محفوظ رکھتا نہ تھا۔ چنانچہ اکثر غزلیں ان وقتوں کی لکھی ہوئی ایسی منتشر ہوگئیں کہ ان کا کہیں پتا نہیں۔ مگر ایک قدردانِ سخن نے (مراد خان بہادر شیخ بشیر الدین مرحوم) ان میں سے کچھ اشعار بمشقت فراہم کیے ہیں ۸۔''

مولانا عبدالسمیع بیدلؔ کا یہ مجموعہ طرازِ سخن کے نام سے ۱۸۹۶ء میں محمود پریس محلہ اندر کوٹ میرٹھ سے شائع ہوا جو'' غزلیات و عیدیات و دیگر منظومات'' پر مشتمل ہے اور جس کے شروع

میں مذکورۂ صدر'' صاحب زادۂ بشیر الدین احمد صاحب خلف خان بہادر حاجی عبد الکریم صاحب سی۔آئی۔ای۔میرٹھ'' کا دیباچہ بھی شامل ہے ۹۔

مولانا عبد السمیع بیدلؔ '' رام پور ضلع سہارن پور'' کے رہنے والے تھے اور ان کا سلسلۂ نسب '' حضرت ابی ایوب خزرجی انصاری صحابی رضی اللہ عنہ پر منتہی ہو کر نضر بن کنانہ سے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں ہیں، جاملتا ہے ۱۰۔''

شیخ بشیر الدین صاحب مرحوم کا بیان ہے کہ بیدلؔ نے ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۳ء) میں مرزا غالب سے تلمذ حاصل کیا ۱۱ لیکن '' مشاغل باطنی'' میں اتنا انہماک تھا کہ کچھ عرصہ کے بعد عاشقانہ مضامین کے بجائے '' نعت گوئی کی جانب توجہ فرمائی۔۔۔ چنانچہ آپ کی مصنفہ کتابیں مثل نور ایمان و سلسبیل و راحت القلوب و بہار جنت و مظہر الحق وغیرہ مشہور آفاق ہیں ۱۲۔''

دیباچہ نگار موصوف نے لکھا ہے کہ

'' حضرت استادی کی توجہ ان جواہر نایاب (عاشقانہ کلام) کے مجتمع کرنے کی جانب مائل نہ تھی۔ بڑی دقت کے ساتھ میں نے جہاں سے جس قدر مل سکا، فراہم کیا اور حرز جاں بنا کر رکھتا گیا دہلی کی غزلوں کا مجموعہ بالکل نہ مل سکا اور ایام غدر دہلی کے بعد جو غزلیں لکھی گئیں، وہ بیاض چوری گئی ۱۳۔''

خاں بہادر شیخ بشیر الدین صاحب مرحوم نے جو کلام جمع کیا ہے وہ حضرت بیدلؔ کی زندگی میں اور اس مجموعے کے تیار کرنے میں ان لوگوں سے خاص طور پر مدد لی ہے جن کو ان کا کلام یاد تھا۔ جو غزلیں ناتمام ہیں ان کو اسی طرح رہنے دیا ہے۔

طراز سخن ۸۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ دیباچہ میں اس کا اعتراف ہے کہ اگرچہ موجودہ اردو شاعری '' جدید تعلیم یافتہ طبائع'' کے لیے '' لطف انگیز'' ہے لیکن بیدلؔ کا کلام '' عاشقانہ مضامین اور صنائع بدائع'' دونوں اعتبار سے '' سر آنکھوں پر جگہ دینے کے'' لائق ہے ۱۴۔

دیوان کی پہلی غزل کا مطلع ہے۔

بنایا عشق نے دل آئینہ اسرار جاناں کا
مرا حال پریشاں عکس ہے زلف پریشاں کا

ذیل میں بیدل کے منتخب اشعار ''طرازِ سخن'' سے دیے جاتے ہیں ۔

آسماں راہ پر نہیں آتا — باز یہ فتنہ گر نہیں آتا

کوئی حسرت نہیں نکلتی ہائے — مدعا کوئی بر نہیں آتا

ہم بھی پتھر کا دل بنا لیں گے — گر وہ سنگیں جگر نہیں آتا

موتی بھر لائی ہے یہ چاندی کی کشتی میں بہار

یا چنبیلی پر پڑی ہے اوس دانہ دانہ رات

اس کے رخ سے صبح کا دھوکہ نہ کھا مرغِ سحر

دیکھ زلفوں کو ابھی باقی ہے اے دیوانہ رات

کٹ کے سر اپنا گرا تو پائے قاتل پر گرا

تھا شہادت کے لیے یہ سجدۂ شکرانہ رات

رات بیدلؔ نے غزل اک اور بھی لکھی ہے گرم

شمع تھی بے تاب جس پر صورتِ پروانہ رات

☆

غم نہیں ہے کہ اضطراب نہیں — جان پر میری کیا عذاب نہیں

دل دیا حق نے وہ کہ ہے بیتاب — آنکھ وہ دی کہ جس کو خواب نہیں

یاں یہ نوبت کہ سانس گنتے ہیں — واں وہ غفلت کہ کچھ حساب نہیں

اپنے عاشق کی بے کلی مت پوچھ — دن کو آرام، شب کو خواب نہیں

شعلہ رو تیری گرم خوئی سے — کون سا دل ہے جو کباب نہیں

مختصر ہے یہ حال بیدلؔ کا

تن میں طاقت، جگر میں تاب نہیں

جب اس بُت کی ترچھی نظر دیکھتے ہیں — زمانہ کو زیر و زبر دیکھتے ہیں

وہ آویں نہ آویں مگر منتیں ہم — جو اپنی سی ہوتی ہیں کر دیکھتے ہیں

وہ دیکھے، نہ دیکھے مگر ہم تو بیدلؔ — اسی کو بس آٹھوں پہر دیکھتے ہیں

☆

بیدلؔ میں کبھی کوچۂ دلبر میں نہ جاتا　　لایا مجھے میرا دل بے تاب ادھر کو

☆

گر مانگ لیا مانگ نے دل اور جگر کو　　چوٹی نے لیا گوندھ مرے تارِ نظر کو

وہ آئے، یہ آئے، ابھی غائب ہیں نظر سے　　ظالم تری شوخی نے کیا مات شرر کو

کچھ شوق نہیں شعر وغزل سے مجھے بیدلؔ　　لے آتی ہے فرمایشِ احباب ادھر کو

☆

دل چاک چاک ہوگیا تیغ ادا کے ساتھ　　ٹکڑے جگر کے اُڑ گئے مشق جفا کے ساتھ

گر وصل بھی ہوا نہ ہوئیں بے حجابیاں　　وہ حیلہ گر اولجھ گیا بندِ قبا کے ساتھ

جب باغ باغ ہو کے وہ ہنستا ہے گلبدن　　جھڑتے ہیں پھول خندۂ دندان نما کے ساتھ

گزرا نہ میرے قتل سے سب سر پٹک مرے　　منت کے ساتھ، عجز کے ساتھ، التجا کے ساتھ

آجائے تو، تو جان پھر آجائے جسم میں　　مر کر بھی جی اوٹھوں تیری آوازِ پا کے ساتھ

دل کی عبث تلاش ہے پہلو میں دل کہاں
بیدلؔ تمہارا دل تو گیا دل رُبا کے ساتھ

اوٹھاتے ہیں وہ رُخ سے یوں نقاب آہستہ آہستہ
چھٹے جیسے گہن سے ماہتاب آہستہ آہستہ

نہیں کچھ ایک دو ساغر کہ خم کے خم اولٹ دیں گے
پلائے جا ہمیں ساقی شراب آہستہ آہستہ

طرازِ سخن میں کچھ عیدیاں، پہیلیاں، قطعات تاریخ اور اشعار فارسی بھی شامل ہیں۔

بیدلؔ کی تصانیف جو ہمیں دستیاب ہوسکیں ان کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ نورِ ایمان: نعت شریف اور استحسان محفل میلاد میں۔ دیباچہ نثر میں ہے۔ باقی منظوم، مطبوعہ شرف المطابع میرٹھ۔ ۱۳۱۲ھ (۱۸۹۴ء) تعداد صفحات ۲۷

۲۔　طرازِ سخن: (دیوان) محمود پریس میرٹھ ۱۸۹۶ء، تعداد صفحات ۴۸

۳۔　سلسبیل فی مولد ہادی السبیل۔ قصیدہ نعتیہ۔ شرف المطابع میرٹھ ۱۳۱۲ھ

(۱۸۹۴ء) تعداد صفحات ۸

نمونہ:

اول میں وہ ہی ایک تھا، مولیٰ و والی ایک تھا
وہ ذی تجلی ایک تھا، وہ سرِ معنیٰ ایک تھا
وہ گنج ہستی ایک تھا، وہ کنزِ مخفی ایک تھا

پیدا نہ کوئی ایک تھا، جزذاتِ ربّ ذوالمنن

کب تھی یہ پھولوں کی مہک، کب تھی یہ کلیوں کی چٹک
نسرین میں کب تھی یہ چمک، چمپا میں کب تھی یہ جھلک
لالہ میں کب تھی یہ دمک، کانٹے سے تھے گل برگ تک

معدوم تھے سب یک بیک، گل تھا نہ گلبن نے چمن

یہ قصیدہ بڑے والہانہ ذوق وشوق سے لکھا ہے اور اس میں قادر الکلامی کا پورا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔

۴۔ مثنوی نعتیہ جوہر لطیف فی میلاد الحنیف۔ مطبع قاسمی میرٹھ ۱۳۲۷ھ تعداد صفحات ۱۲

۵۔ حمد باری۔ بیان لغات میں منظوم رسالہ مطبع ہاشمی میرٹھ ۱۳۱۳ھ تعداد صفحات ۳۲۔ ابتدا

سیل ہے رو اور نالا اے دبیر
ندی ارغاب اور تالاب آب گیر

۶۔ مظہر الحق۔ ارکان اسلام کے بیان میں منظوم رسالہ۔ تعداد صفحات ۲۲ اور تعداد اشعار ۲۹۰۔ مطبع نامعلوم۔

۷۔ بہارِ جنت۔ (میلاد شریف) نثر اور نظم دونوں میں۔ مطبع محمدی کانپور ۱۳۱۰ھ تعداد صفحات ۲۷

۸۔ راحۃ القلوب (نثر) ذکر رسول اور فضائل محفل میلاد میں۔ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۰ھ تعداد صفحات ۹۲۔

۹۔ دافع الاوہام فی محفل خیر الانام۔ مولود شریف کے جواز اور مولانا اسماعیل شہید کی تردید میں ۳۸ صفحے کا رسالہ جو نثر اور نظم میں ملا کر لکھا گیا ہے زیادہ تر دلائل شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حضرت مجدد الف ثانی ہی سے دیئے گئے ہیں۔ مطبوعہ مطبع چشمۂ فیض ۱۲۹۶ھ

۱۰۔ انوار ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ۔ ''وہابی'' علما کے اعتراضات کا رد، سوال و جواب کی شکل میں۔ مطبوعہ مطبع دار العلوم میرٹھ۔ ۱۳۰۲ھ تعداد صفحات ۲۲۰

عبدالسمیع بیدلؔ شیخ الٰہی بخش رئیس میرٹھ کے یہاں بہ حیثیت معلم بارہ روپے ماہوار اور کھانے پر ملازم تھے۔ وہیں ۱۹۰۱ء میں انتقال فرمایا اور قبرستان موسوم شاہ ولایت میں دفن ہوئے۔ ان کے ایک صاحب زادے حکیم میاں محمد مرحوم، حکیم عبدالمجید خاں دہلوی کے شاگرد اور میرٹھ کے مشہور طبیب تھے۔ معاصرین بیدلؔ میں بیان یزدانی اور شوکتؔ میرٹھی معروف ہیں۔ امیر مینائی سے بھی ان کے تعلقات تھے۔ بھیا شمس الدین کا بیان ہے کہ امیرؔ کے خطوط بیدلؔ کے نام جمع کیے گئے تھے جو سوء اتفاق سے ضائع ہو گئے۔

حواشی

۱۔ تلامذۂ غالب (مالک رام) ص ۵۲

۲۔ ایضاً ۳۔ ایضاً

۴۔ نور ایمان مطبوعہ شرف المطابع میرٹھ ۱۳۱۲ھ ۱۸۹۴ء

۵۔ نور ایمان ص ۲

۶۔ نور ایمان ص ۳ نیز طراز سخن محمود پریس میرٹھ ص ۳

۷۔ نور ایمان ص ۳ ۸۔ نور ایمان ص ۳

۹۔ طراز سخن (محمود پریس میرٹھ) ص ۲ تا ۴

۱۰۔ طراز سخن ص ۲

۱۱۔ طراز سخن ص ۳

۱۲۔ طراز سخن ص ۳۔ بھیا شمس الدین کا بیان ہے کہ نعت گوئی کی طرف توجہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ سے بیعت کے بعد ہوئی۔

۱۳۔ طراز سخن ص ۴

۱۴۔ طراز سخن ص ۳، ۴

غالب اور بے صبر

خواجہ احمد فاروقی

غالبؔ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ ان کے شاگردوں نے ان کے ساتھ جس محبت اور عقیدت کا ثبوت دیا ہے، وہ اردو کے کم شاعروں کو نصیب ہوئی ہے۔ اس کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ خود غالب کی شخصیت میں دل نوازی اور محبوبی کی بہت سی خوبیاں موجود تھیں۔

ان کے شاگردوں میں منشی بال مکند بے صبرؔ سکندر آباد ضلع بلند شہر کے رہنے والے تھے۔ سوانح عمریٔ بے صبر میں لکھا ہے کہ وہ مرزا ہر گوپال تفتہؔ کے بھانجے تھے ۱۔ اور ''۱۸۱۰ء میں بہ مقام سکندر آباد'' پیدا ہوئے تھے ۲۔ مالک رام صاحب نے ان کی ولادت کی تاریخ نہیں لکھی۔ البتہ وفات کی تاریخ بغیر حوالے کے ۱۸۹۰ء اور عمر ستر برس لکھی ہے جو صحیح نہیں ۳۔ یہ مضمون ''سوانح عمریٔ بے صبرؔ'' چونکہ بے صبرؔ کے چھوٹے بیٹے سری بر ہما سروپ نے بے صبرؔ کے انتقال کے فوراً بعد لکھا ہے اس لیے اہم ہے۔ اس میں لکھا ہے۔

''(بے صبرؔ نے) پچھتر برس کی عمر میں ۱۳ر فروری ۱۸۸۵ء (۱۳۰۲ھ) شیو راتری کو

بمقام میرٹھ رحلت فرمائی ہے۔"

مالک رام صاحب کے بیان سے بےصبرؔ کی تاریخ ولادت ۱۸۲۰ء قرار پاتی ہے لیکن موخرالذکر نے اپنی تاریخ ولادت خود نکالی ہے جو اس بیان کے خلاف ہے۔

مرا سال ولادت ہندوی میں جو کوئی صورت و معنی میں پاوے
تو کردے قافیہ کو دور تا ہا تہ ہزار و ہشت صد شصت و نہ پاوے [5]

(=۱۸۴۹ ہندوی)

بےصبرؔ کا ترجمہ منشی دیبی پرشاد بشاشؔ نے تذکرہ آثار الشعرائے ہنود میں دیا ہے۔

"بےصبرؔ تخلص۔ منشی بال مکند ولد رائے کانہ سنگھ کایتھ بھٹناگر سکندرآباد ضلع بلند شہر۔ اب عمر قریب ستر برس کے ہے۔ پندرہ برس کے سن سے اب تک شعر کہتے ہیں۔ فارسی اور اردو میں مرزا غالب کے شاگرد ہیں۔ صاحب دیوان اور تصنیفات متعددہ جن کی تفصیل تذکرہ معیار الشعرائے ہنود میں کہ جہاں فارسی کلام ان کا درج ہوا ہے۔ قلم بند ہو چکی ہے، ۱۷ برس کی عمر سے ۴۷ برس تک مناصب دارونگی و منشی گیری وغیرہ سرکار انگریزی پر مامور رہ کر، اب پنشن دار ہیں اور لڑکے نوکر چاکر۔ سوائے علمی رسمی فارسی عربی اور کچھ سنسکرت کے جملہ فن شاعری اور علم الٰہی و تاریخ و جغرافیہ و نجوم و منطق و مذاہب مختلفہ واقف ہیں و مذہب خداپرستی موحدانہ رکھتے ہیں اور ذوقؔ، مومنؔ، غالبؔ، تفتہؔ، اور شیفتہؔ وغیرہ شعرائے نامی کے ہم عصر اور ہم مشاعرہ ہیں۔ راقم تذکرہ سے بھی خط و کتابت ہے اور مندرجہ ذیل کلام خود ان کا اس تذکرے کے لیے بھیجا ہوا ہے اور حق یہ ہے کہ ہماری قوم میں غنیمت ہیں اور قابل افتخار [6]۔"

مالک رام صاحب نے تفتہؔ سے مشورۂ سخن کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ نہ بشاشؔ کے تذکرے میں ہے اور نہ سری برہما سروپ کی لکھی ہوئی سوانح عمری میں۔ حالانکہ یہ دونوں بےصبرؔ کو قریب سے جاننے کے مدعی ہیں۔ موخرالذکر نے صرف اتنا لکھا ہے کہ

"بوجہ موزونیت طبیعت خداداد اور بہ صحبت مرزا منشی ہرگوپال تفتہؔ کہ ماموں جناب موصوف کے تھے شوق شعر و سخن دامن گیر ہوا۔"

حقیقت یہ ہے کہ بےؔصبر اور شیفتہؔ میں رشتے داری کے علاوہ خواجہ تاشی کی نسبت تھی اور اسی نسبت کا بےؔصبر نے اپنے کلیات میں ذکر بھی کیا ہے۔ اپنے قصیدہ نمبر ۷ا مسمّی بہ عقد پروین میں جو ''مرزا شیفتہؔ صاحب مدظلہٗ'' کی شان میں ہے فرماتے ہیں۔

میں اور وہ دونوں ہیں شاگرد حضرت غالب
یہ خواجہ تاشی کی نسبت ہے درمیاں پیدا

قصیدہ نمبر ۳۶ مسمّی قند مکرر میں غالب اور شیفتہؔ دونوں کی تعریف کی ہے اور اسی التزام کی وجہ سے اس کا نام ''قند مکرر'' رکھا ہے۔ اس میں گریز کا شعر ہے۔

غالب خوش خیال اور شیفتۂ شکریں مقال
بخشے ہیں سخن کو جو عزت و احترام دو

اس کے بعد کہتے ہیں۔

نثر کے کاروبار کے ہیں یہی دونوں منصرم
نظم کے کارخانے کا کرتے ہیں انصرام دو
قند مکرر اس لیے نام قصیدہ ہے کہ ہیں
اس میں ثنائے غالب و شیفتہؔ کے التزام دو[۸]

بےؔصبر کو غالب سے بڑی محبت تھی۔ ان کے کلیات میں جا بجا اس قسم کے اشعار ہیں جن سے ان کی والہانہ عقیدت اور ارادت ظاہر ہوتی ہے۔ بارہواں قصیدہ مسمّی بہ پرکالۂ آتش'' حضرت استاذی مولانا اسد اللہ خاں صاحب غالب'' کی مدح میں ہے۔ مطلع ہے۔

چشم بد دور ہے تر دیدۂ گریاں میرا
چادر آب کا اک پاٹ ہے داماں میرا[۹]

مدح کے اشعار ہیں:

جس کا غالب ہے تخلص، اسد اللہ ہے نام
یہ تو ہے کفر جو کہیے کہ ہے یزداں میرا
پر ہے ہادی مرا، رہبر مرا، استاد مرا
قبلہ ہے، کعبہ ہے، دیں میرا ہے ایماں میرا
مجھ کو گویا ہے حدیث اس کا جو اردو ہے کلام
فارسی اس کا وہ دیوان ہے قرآں میرا

انوری ہے وہی اور وہ ہی مرا خاقانی　　　آگرہ منہ ہے اور دلی ہے شرواں میرا
فاریاب اس کا ہے گھر، کوچہ ہے اس کا ساوج　　　ہے ظہیر اپنا وہی اور وہی سلماں مرا
در عرفی و شفائی پہ جبیں سا نہیں میں　　　کعبہ شیراز ہے، نے قبلہ صفاہاں میرا

نام پر کالۂ آتش ہے قصیدے کا مرے
کہ وہ بے صبر ہے سوز دل سوزاں میرا[10]

ایک موقع پر بڑے فخر سے کہتے ہیں ۔

شاعروں پہ کیوں نہ غالب آؤں اے بے صبر میں
حضرتِ غالب ہیں آخر کو مرے استاد بھی

اس کلیات کا ۲۲ واں قصیدہ بھی مسمّی ''دود دل'' غالب کی مدح میں ہے اور اس طرح شروع ہوتا ہے ۔

یکتائی جس طرح سے ہے جاناں کو جاں کے ساتھ
ہے یک دلی سخن کو ہماری زباں کے ساتھ
بحر رواں سے موج کو ہے جس طرح سے ربط
بحر سخن کو ربط ہے طبع رواں کے ساتھ
مانندِ لفظ و معنی، و مانندِ جسم و جاں
مثل صفات و ذات نہاں ہے عیاں کے ساتھ
جب تک پھرے گا چرخ، پھریں گے نہ میرے دن
گردش مرے نصیب کو ہے آسماں کے ساتھ[11]

اس بعد لکھتے ہیں ۔

سودا و میر و مصحفی و جرأت اور درد
مجلو نہیں ہے کام، بکھوان رفتگاں کے ساتھ
ممنون و مومن، آتش و ناسخ، نصیر و ذوق
کچھ واسطہ نہیں ہے ان اہل زباں کے ساتھ

جو مہر سے ہے ذرے کو نسبت، وہی مجھے
نسبت ہے میرزا اسد اللہ خاں کے ساتھ

غالب ہے غالب الشعرا کا مرے لقب
رشتہ تلامذہ کا ہے اس نکتہ داں کے ساتھ

اس شاہ ملک نظم سے ہے مجکو مشورہ
مثل بزرجمہر ہوں نوشیرواں کے ساتھ

نام آوری وہ کیا ہے، جو ہو مدح شاہ سے
شہرت ظہیر کو تھی قزل ارسلاں کے ساتھ

معنی نے اس کے شعر اڑائے جہان میں
عنقا یہ وہ ہے اڑتا ہے جو آشیاں کے ساتھ

دعوئ برابری کا ہے اس کا کمال سے
دلی کو ہمسری کا ہے سر اصفہاں کے ساتھ

لطف ان کا کون اٹھاوے بغیر از لطیف طبع
لاکھوں لطیفے اس کے ہیں لطفِ بیاں کے ساتھ

باوصف کثرت اس کا سخن بھی گراں بہا
ارزاں یہ جنس بکتی ہے نرخ گراں کے ساتھ

ہنگامِ ذکر خندۂ دنداں نمائے دوست
ہے گل فشاں بھی سخن دُر فشانی کے ساتھ

بخت اس کا ہے جوان، وخرد اس کی پیر ہے
پیروں کے ساتھ پیر و جواں ہے جواں کے ساتھ

جام وصراحی و نے وچنگ اس کے (پاس) ہیں
مسرور ہے سدا انہیں خورد و کلاں کے ساتھ

ایراں کو عہد غالب عالی جناب میں

تاب مقاومت نہیں، ہندوستاں کے ساتھ

''دو و دل'' اس قصیدہ کا بےؔصبر نام ہے

سوز دروں ہوں مجکو ہے نسبت دخاں کے ساتھ [۱۲]

قصیدۂ اعجاز سخن میں غالب کی پیروی پر فخر کیا ہے۔

خوب کی پیروئی حضرت غالب شاباش

کہ وہ ملت میں مصدی کے لیے پچھلا مرسل [کذا]

نام بےصبر قصیدے کا ہے ''اعجاز سخن''

اس کا ہر عقدۂ مضمون ہے مالا ینحل [۱۳]

اور بعض قصیدے غالب کی زمینوں میں لکھے ہیں۔ کلیاتِ نظم غالبؔ میں غالب کا مشہور قصیدہ ہے۔

خیز تا بنگری بہ شاخ نہال   طوطیان ز مردیں تمثال [۱۴]

بےصبرؔ نے اسی زمین میں ایک قصیدہ عید کی تہنیت میں ''دل فریب'' کے عنوان سے لکھا ہے۔ مطلع ہے۔

نسبت ابروے یار سے ہے کمال   عید کا چاند کیوں نہ ہووے ہلال [۱۵]

اسی طرح بعض غزلیں بھی غالب کی زمینوں میں کہی ہیں۔ غالب کی مشہور غزل ہے۔ نمایاں مجھ سے۔ بیاباں مجھ سے۔ اس میں بےصبرؔ نے غالب کے مصرع پر گرہ لگائی ہے۔

شب تنہائی میں بے صبر بہ قول غالب

سایہ خورشید قیامت میں ہے پنہاں مجھ سے [۱۶]

غالب کی غزل ہے ''دیدار ہے۔ سرشار ہے۔'' اس کا ایک شعر بےصبرؔ نے اپنی غزل کے حاشیے پر لکھا ہے:

آگ سے پانی میں بجھتے وقت اٹھتی ہے صدا

ہر کوئی درماندگی میں نالے سے ناچار ہے [۱۷]

اس زمین میں بےصبرؔ نے کیا اچھا شعر کہا ہے۔

ہر طرف سے اب ترے عاشق کے اوپر وار ہے
تیر پر ہے تیر، اور تلوار پر تلوار ہے[۱۸]

کلیاتِ بے صبر میں کتابت کی بہت سی غلطیاں ہیں۔ اس میں غالب کا ایک مطلع اس طرح درج ہے۔

سرگشتگی میں عالم ہستی سے یاس ہے
تسکیں کو دی نوید کہ مرنے کی آس ہے

دیوانِ غالب کے نسخۂ عرشی میں یہ شعر یوں مندرج ہے۔

سرگشتگی میں عالمِ ہستی سے یاس ہے
تسکین کو نوید کہ مارنے کی آس ہے[۱۹]

اس زمین میں بے صبر کی غزل کا مطلع ہے۔

پاس آیئے ذرا نہ مقامِ ہراس ہے
خدمت میں آپ کی مجھے کچھ التماس ہے[۲۰]

بے صبر نے ''بے قراری ہے۔ کاری ہے'' اس زمین میں بھی غالب کی پیروی میں غزل کہی ہے۔

بے قراری سی بے قراری ہے — کہ زمیں زلزلہ میں ساری ہے
دجلہ آنکھوں سے میری جاری ہے — کوئی طوفاں ہے یا کہ زاری ہے[۲۱]

بے صبر نے غالب کی اس غزل میں بھی شعر کہے ہیں۔

رفتارِ عمر قطع رہ اضطراب ہے
اس سال کے حساب کو، برق آفتاب ہے

بے صبر کا مطلع ملاحظہ ہو۔

جو تجھ بغیر، شیشہ جام شراب ہے
اپنا دل پُر آتش و چشم پُر آب ہے[۲۲]

غالب کا مقطع ہے۔

دل نازک پہ اس کے رحم آتا ہے مجھے غالب
نہ کر سرگرم اس کافر کو اُلفت آزمانے میں

بے صبرؔ نے اس ردیف قافیہ میں بھی غزل کہی ہے۔ یہاں صرف مطلع درج کیا جاتا ہے۔

دم ناصح ہے بند اک شور وحشت ہی زمانے میں
سنے ہے کون طوطی کی صدا نقار خانے میں [۲۳]

غالب کی شہرۂ آفاق غزل ہے ''دنیا مرے آگے۔ تماشا مرے آگے'' اس کا ایک شعر بے صبرؔ نے حاشیے پر اس طرح درج کیا ہے۔

گو ہاتھ میں طاقت نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

مولانا عرشی نے پہلا مصرع اس طرح تحریر فرمایا ہے۔

گو ہاتھ کو جنبش نہیں، آنکھوں میں تو دم ہے

بے صبرؔ کا مطلع ہے۔

جب منہ سے نقاب اس نے اٹھایا مرے آگے
ایک نور کا عالم نظر آیا مرے آگے [۲۴]

بے صبرؔ نے جرأتؔ کی تقلید میں بھی شعر کہے ہیں۔

کچھ بن آتی نہیں بے صبرؔ بہ قول جرأتؔ
قید عصمت میں ہے وہ، جس کے گرفتار ہیں ہم

جرأت کی غزل پر ایک مسدس کہا ہے۔

مدت سے شب وصل کے ہونے کی خبر تھی
ہر شام سے تا صبح نظر جانب در تھی
سو آج وہ شب رشک شب قدر مگر تھی
لیکن نہیں معلوم گھڑی تھی کہ پہر تھی
کچھ ہم تو نہ سمجھے کہ شب وصل کدھر تھی

ٹک زلف سے رُخ پر، جو نظر کی تو سحر تھی [25]

بے صبؔر نے غالب کے انتقال کی تاریخیں [26] بھی کہی ہیں ۔

ہماں میرزا غالب استاد من	بجاں آفریں جاں چو آخر سپرد
بہ پرسیدم از دل سن رحلتش	بنالید و گفت آہ غالب بمرد

۱۲۸۵ھ

اردو کا قطعہ ہے ۔

اسد اللہ خاں وہ غالب آہ	جس سے اہلِ کلام تھے مغلوب
جب سدھارے بسوئے خلد، ہوئے	سخن ان کے الم میں سینہ کوب
اس سپہر سخن کے اختر کا	مجکو سالِ غروب تھا مطلوب
کہا عیسٰی نے از سر حسرت	ہوا حیف آفتاب ہند غروب

۱۸۶۹ھ

بے صبؔر کو یہ ''دیوان'' بہت عزیز تھا ۔

شعر سُن کر جس کو دیوانہ کہا کرتے تھے آپ
اب وہی بے صبؔر دیکھو صاحب دیواں ہوا

اس کی وجہ یہ تھی کہ مرزا غالب نے اس دیوان کی (جس کو کلیات کہنا زیادہ صحیح ہے) صلاح دی تھی ۔

جب حضرت غالب نے دی اصلاح اس دیوان کو
بے صبؔر کامل ہوگیا اور معتبر میرا سخن

بے صبؔر نے اس اصلاح کی تاریخ ۱۲۷۴ھ (۱۸۵۷ھ) درج کی ہے۔

مخطوطۂ کلیات بے صبؔر کا یہ تعارف ناتمام رہے گا اگر اس کے پہلے قصیدے ''نو بہار'' کا ذکر نہ کیا جائے جو ہندوستان کی تعریف میں ہے اور جس کو میرے خیال میں اردو کی وطنی شاعری میں اولیت کا درجہ حاصل ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ اس میں وطن کا جو تصور پیش کیا گیا ہے وہ شعرائے ماقبل سے مختلف اور نیا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ یہ ''دیوان'' ۱۸۵۷ء میں اصلاح پا کر مرتب ہو گیا تھا ۔

ورق ۱۳۷الف ـ

خطۂ دل نشیں ہے ہندوستاں ۔۔۔ خاک روئے زمیں ہے ہندوستاں
دل نشیں کیوں سواد ہے اس کا ۔۔۔ گر سویدا نہیں ہے ہندوستاں
دو طرف بحر و یک طرف ہے سندھ ۔۔۔ یک طرف تا بہ چیں ہے ہندوستاں
مرد و زن یہاں کے حور و غلماں ہیں ۔۔۔ رشکِ خلد بریں ہے ہندوستاں
یہاں کے عارف جہاں میں ہیں معروف ۔۔۔ مجمع العارفیں ہے ہندوستاں

--- ورق ۱۳۸الف ـ

پہلوان و حکیم و عارف سے ۔۔۔ کبھی خالی نہیں ہے ہندوستاں
ہے تواریخِ ہند سے ظاہر ۔۔۔ کہ بہت اولیں ہے ہندوستاں
یہیں برہما تھا جدِّ ہر دو جہاں ۔۔۔ دو جہاں آفریں ہے ہندوستاں
جہاں دیکھو وہاں ہے باغ و بہار ۔۔۔ پُر گل و یاسمیں ہے ہندوستاں
کہتے ہیں گُل زمین کے سیاح ۔۔۔ کہ عجب گل زمیں ہے ہندوستاں
مردمِ چشمِ حسن ہیں ہندی ۔۔۔ خط روئے حسیں ہے ہندوستاں

--- ورق ۱۳۸ب ـ

ناز اس کا نہ کیوں نیاز اٹھائے ۔۔۔ شاہدِ نازنیں ہے ہندوستاں
پائے تمکیں کو دست بخشش کو ۔۔۔ دامن و آستیں ہے ہندوستاں
حق ابد تک رکھے اسے آباد ۔۔۔ کہ ازل سے گزیں ہے ہندوستاں

--- ورق ۱۳۹الف ـ

حق اسے سنگ تفرقہ سے بچائے ۔۔۔ کہ سبک آبگیں ہے ہندوستاں
نو بہار اس قصیدہ کا ہے نام ۔۔۔ کیوں کہ اس کی زمیں ہے ہندوستاں

حواشی

۱۔ سوانح عمری بے صبر مقالہ پسر خورد بے صبر بحوالہ اردو ادب ج ۲ ن ۳ ص ۹۳

۲۔ ایضاً ۔ ۳۔ تلامذۂ غالب ص ۵۵

۴۔ سوانح عمری متذکرہ

۵۔ کلیات بے صبر قلمی (بہ شکریہ عزیزی ڈاکٹر گوپی چند نارنگ) ورق ۱۳۵ الف

۶۔ تذکرۂ آثار الشعرائے ہنود مرتبہ منشی دیبی پرشاد بشاش خلف محسن لال بہجت مطبوعہ مطبع رضوی دہلی ستمبر ۱۸۸۵ء ص ۳۳۔ بشاش نے بے صبر کے انتقال کا ذکر نہیں کیا حالانکہ اس تذکرہ کی طباعت ستمبر ۱۸۸۵ء میں شروع ہوئی ہے نقشہ فہرست شعرائے تذکرہ مرتب کرتے وقت بھی انہوں نے اصلاح اور صحت کا خاص اہتمام نہیں کیا۔ اس میں بھی یہ جملہ ہے۔" میرٹھ میں پنشن پاتے ہیں۔" تکمیل طباعت کی تاریخ ماہ جنوری ۱۸۸۶ء مندرج ہے۔

۷۔ کلیات بے صبر قلمی متذکرہ۔ ورق ۱۲۶ ب ۸۔ ایضاً ورق ۱۸۸ ب

۹۔ ایضاً ورق ۱۵۹ ب ۱۰۔ کلیات بے صبر قلمی ورق ۱۶۰ الف

۱۱۔ ایضاً ورق ۱۷۲ ب ۱۲۔ ایضاً ورق ۱۷۳ ب

۱۳۔ ایضاً ورق ۱۲۸ ب

۱۴۔ کلیات نظم غالب: نول کشور ۱۹۲۵ء ص ۲۶۹۔ کلیات بے صبر متذکرہ میں غالب کا یہ شعر اس طرح درج ہے۔

خیز تا بنگری بہ شاخ نہال طوطیاں زمردیں پر و بال

۱۵۔ کلیات بے صبر قلمی ورق ۱۵۵ ب ۱۶۔ ایضاً ورق ۱۰۲ الف

۱۷۔ ایضاً ورق ۹۷ نیز دیوان غالب نسخۂ عرشی۔ ص ۲۱۲ ۱۸۔ کلیات بے صبر قلمی ورق ۹۷

۱۹۔ نسخۂ عرشی ص ۲۰۴ ۲۰۔ کلیات بے صبر قلمی ورق ۹۲ الف

۲۱۔ کلیات بے صبر متذکرہ ورق ۸۹ ب ۲۲۔ ایضاً ورق ۸۹ ب

۲۳۔ کلیات بے صبر متذکرہ ورق ۶۰ ب ۲۴۔ ایضاً ورق ۷۳ الف

۲۵۔ کلیات بے صبر مخطوطہ ورق ۱۲۰ ب ۲۶۔ کلیات بے صبر مخطوطہ۔ ورق ۱۳۶ الف

✔

غالب کے چند غیر مطبوعہ فارسی رقعات
حضرت غمگین کے نام

خواجہ احمد فاروقی

مرزا غالب کے مکتوب الیہم میں حضرت غمگین کا نام بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ غالب نے ان کی رباعیات کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے ذرے میں آفتاب اور کوزے میں دریا کو بند کر دیا ہے اور ان کے دیوانِ رباعیات میں وہ مطالب پوشیدہ ہیں جو مثنوی مولانا روم میں بھی نہیں [۱]۔ ان رباعیات کا خطی نسخہ مکاشفات الاسرار، انڈیا آفس لائبریری لندن میں موجود ہے [۲]۔ بلوم ہارٹ نے اس کا تعارف مندرجہ ذیل الفاظ میں کرایا ہے [۳]:

''یہ سید علی دہلوی المعروف بہ حضرت جی المتخلص بہ غمگین کی متصوفانہ رباعیات کا دیوان ہے۔ اس کے فارسی مقدمہ میں مصنف نے اپنے حالات لکھے ہیں جن کی ابتدا ان اردو اشعار سے ہوتی ہے۔

ایک عمر رہی میری اللہ کی جنگ

دنیا میں رہا شکست سو سوس فرنگ

غمگیں مغلوب اب ہوا ہوں ایسا

نہ فوج رہی، نہ میں، نہ ہو نام و ننگ

فارسی مقدمے کی ابتدا کے الفاظ یہ ہیں:

حامد بعد حمد حقیقت ونعت صورت خود، سید علی عرف حضرت جی متخلص غمگین متوطن دہلی قادری نقش بندی ابوالعلائی المشرب مجملاً از احوال خود بغرض احباب معفوت انتساب می رساند۔''

شروع کی رباعیوں میں بسم اللہ کی تفسیر ہے۔ ابتدا کا شعر ہے:

بسم اللہ میں سب ہے کہ قرآن میں ہے

قرآن میں وہ ہے جو کہ انسان میں ہے

(حضرت) سید علی دہلوی گوالیار کے ساکن تھے۔ ان کے والد کا نام سید محمد تھا جو دہلی کے گورنر شاہ نظام الدین احمد قادری (تلمیذ رنگین) کے بھتیجے تھے۔ غمگین کے والد کا انتقال اس وقت ہوا جب اول الذکر کی عمر بارہ برس کی تھی۔ ۲۵ برس کی عمر میں درویشی اختیار کی اور سید فتح علی رضوی سے بیعت ہوئے۔ اس کے بعد گوالیار سے پٹنہ اور پٹنہ سے گیا کا سفر کیا۔ گیا میں ان کو حضرت شاہ ابوالبرکاتؒ کی خدمت میں نیاز حاصل ہوا۔ جن کے مشورے سے وہ بارہ برس تک پٹنہ میں رہے۔ یہاں انہوں نے خواجہ ابوالحسین سے فیض باطنی حاصل کیا اور ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوگئے۔ حضرت غمگین نے خواجہ ابوالحسین اور سید فتح علی دونوں کے سلسلے بھی بیان کیے ہیں۔

''مکاشفات الاسرار کا یہ دیباچہ برہان پور میں لکھا گیا تھا جب غمگین کی عمر ساٹھ برس کی تھی۔ اس کے آخر میں انہوں نے لکھا ہے کہ اس سے قبل وہ ایک دیوان مرتب کر چکے تھے جس میں ان کی زندگی کے کچھ حالات درج ہیں۔ اسی کے بعض اشعار دیوان مکاشفات الاسرار میں شامل کردیئے ہیں جو انہوں نے مرزا اسداللہ خان غالب کے لیے مرتب کیا تھا۔ یہ نسخہ مصنف کا دستخطی معلوم ہوتا ہے......''

یہاں بلوم ہارٹ نے غالب پر ڈیڑھ سطری حاشیے میں دو فحش غلطیاں کی ہیں۔ لکھا ہے کہ ان کا انتقال کلکتہ میں اور ۱۸۷۲ء میں ہوا۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں صحیح نہیں۔

مکاشفات الاسرار ۴۴ میں حضرت غمگیںؔ نے اپنے حالات لکھے ہیں۔ اس لیے دیباچہ اہمیت سے خالی نہیں۔ یہاں اس کے چند اہم حصے نقل کیے جاتے ہیں۔

''مجملاً از احوال خود بعرض احباب صفوت انتساب می رساند کہ این فقیر ابن سید محمد بن سید احمد بن سید شاہ پیر بن سید محی الدین بن سید شیر محمد القادری کی در برہان پور آسودہ اند و زیارت گاہ خلائق اند از اولا د سید محی الدین عبد القادر جیلانی است رضی اللہ تعالیٰ عنہ و رحمۃ اللہ علیہم اجمعین وجدۂ فقیر بنت خواجہ الٰہی بن خواجہ بہاؤ الدین بن خواجہ عبداللہ المشتہر بہ خواجہ خورد محقق ابن خواجہ باقی باللہ الحسنی المتخلص بہ بیرنگ قدس اللہ اسراہم است کہ در دہلی زیارت گاہ خلائق اند...... فقیر دوازدہ سال بود کہ والدم بعالم بقا رحلت فرمودہ بودند و گاہ گاہ این خیال می آمد کہ ز کسے دوست حق بہ پیوندم و تعلیم راہ حق از و حاصل نمایم۔ چون (بہ) عمر بست و پنج سالگی رسیدم بہ تحصیل علوم مشغول ورزیدم و حینیکہ عمر بہ بست و نہہ سالگی رسید شبے در خواب دیدم کہ شخصے می گوید کہ ترا امام تو سید شاہ نظام الدین احمد قادری رحمۃ اللہ می طلبند۔''

اس خواب کی تعبیر حضرت فتح علی شاہ گردیزی نے بیان کی اور فرمایا۔

''کہ تعبیر این خواب ہمین است کہ ترا امبار کباد بہ روز جمعہ پیشِ ما آئی۔ پس روز جمعہ حسب ارشاد رسیدم واز دولت بیعت وطریقہ فائز گشتم۔''

میر فتح علی شاہ کی ہدایت کے مطابق غمگیںؔ پٹنہ میں حضرت خواجہ ابوالبرکات کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے چلتے وقت دو سلسلوں کی اجازت دی۔

''وقت رخصت مرا اجازت دو سلسلہ یکی قادریہ و دیگر چشتیہ عطا فرمودند بعد ازاں فقیر در بلدۂ گوالیار چند سال در صحبت آن بزرگواران فائدہ ہا ربود۔''

اس دیباچے سے حضرت غمگیںؔ کی ادبی زندگی پر بھی روشنی پڑتی ہے:

''از زمان سابق دیوان ریختہ گفتہ بودم آن را دور کردم والحال کہ عمر بہ شصت سالگی رسیدہ انچہ کہ واردات بر من غالب بودند موافق آں ہا دیوان دیگر در حالات و واردات و ذوق و شوق حقیقی و مجازی خود ترتیب دادم و بعضے غزلیات مخصوصہ دیوان سابق درین

دیوان لاحق مندرج ساختم و چوں دیوان نو نہ اتمام رسید واردات وغلبات وکیفیات بر دلم استیلا داشت۔ خواستم کہ برائے برادر دینی عزیز از جان اسد اللہ خاں میرزا نوشہ متخلص بہ غالب واسدکہ دریں زمانہ درنظم ونثر نظیر خود ندارند...... ترتیب دہم"

حضرت غمگین نے مکاشفات الاسرار کی شرح بھی لکھی ہے جس کا نام مرات حقیقت ہے۔اس کی شان نزول" یہ ہے:

"یک روز در باغیچہ نشستہ بودند کہ مہاراجہ عالی جاہ بہادر (دولت راؤ سندھیا) برائے آن جناب (خواجہ ابوالحسن) تیار کنانیدہ بود، شخنے (خواجہ ابوالحسن) فرمودند۔کمال باریک۔ واز حاضراں فرمودند کہ معنی این بیان کنید۔ ہر یک از یاراں موافق استعداد خود عرض نمودم۔ فقیر را ہم گفتند کہ تو ہم چیزے بگو۔ من ہم موافق استعداد خود عرض نمودم۔ دیدم کہ بہ چہرۂ مبارکش بشاشتے پیدا آمدہ ...... بعد پنج سال اسرار ہا در دل فقیر جوش آوردند کہ طاقت تحمل نماند ناچار یک دیوان ہفت صد (۷۰۰) غزل گفتم۔ بارے قدرے تسکین حاصل شد۔ باز اسرار ہا در دل پیدا آمدن گرفتند۔ باز یک دیوان رباعیات قریب یک ہزار وہشت صد (۸۰۰) رباعی گفتہ شد و چند روز خاموش ماندم۔ بعد دو سہ سال باز اسرار ہا جوش آوردند و دوستان من نیز گفتند کہ (کسے) کتاب نثر باید گفت (؟) کہ تا اسرار و مسائل تصوف واضح شوند و بہ آسانی در فہم آیند، نام آن دوستان در دیباچہ نوشتہ ام۔ پس ایں کتاب نوشتہ شد۔ این ہمہ از برکت زبان مبارک آں جناب است و الا من آنم کہ من دانم ۵۔"

حضرت غمگین نے ایک کتاب شغل واشغال میں بھی لکھی ہے جو ارشاد الحسینی کے نام سے مشہور ہے۔اس لیے کہ حضرت سید فتح علی گردیزی کے ارشادات پر مشتمل ہے۔اس کا دوسرا نام جواہر نفیسہ ہے۔اس کے دیباچے میں فرماتے ہیں:

"می گوید فقیر حقیر...... شرف اندوز پابوس مخدومی سیدی...... فتح علی حسینی الرضوی الگردیزی ثم الشاہ جہاں آبادی دام ظلہ...... شدم و بیعت نمودم۔ شب و روز در خدمت شریف حاضری می بودم و جاروب کشی آستانہ متبرکہ می کردم...... و در عرصہ سی و یک سال

آن چہ از زبان دُر فشاں ارشاد می شد آں را در صدف سینہ نگاہ می داشتم و می سپردم در خزینۂ حافظہ از کار و اشغال و مراقبہ و مشاہدہ و لطائف و مقامات وغیرہ ۶ ۔''

حضرت غمگین کے حالات ان کی تصانیف کے علاوہ دوسرے بزرگوں کی ملفوظات میں بھی ملتے ہیں ۔ کیفیت العارفین میں لکھا ہے ۔

''چوں حضرت قطب العاشقین (حضرت ابوالبرکاتؒ) ہجوم خلایق بہ خود دیدند، در آں زمان اکثر طالبان راہ راجہت تربیت یافتن باطن تفویض خلف الرشید خود حضرت خواجہ ابوالحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ می نمودند ۔ چنانچہ در آن روز ہا سید علی شاہ از گوالیار طالب نعمت باطنیہ گشتہ بہ خدمتِ حضرت قطب العاشقین آمدہ تربیت یافتہ، مشرف از خلافت از خواجہ ابوالحسین صاحب گرویدہ مراجعت بہ سمت گوالیار کردند ۔ آن جا بعد از دو سال حسب استدعائے راجہ دولت راؤ سندھیا مع اخراجات جہت رونق افروزیٔ حضرت قطب العاشقین در شہر عظیم آباد آمدند و برائے تشریف بری آن حضرت تذکرہ آوردند ۔ از آن جا کہ حضرت قطب العاشقین را رغبت حشم و خدم در مزاج ہیچ نہ بود ۔ از آن جا صدائے نہ برخاست ۔ الا خلف الرشید آن حضرت خواجہ ابوالحسین صاحب این امر را قبول نمودند...... وقتیکہ خواجہ ابوالحسین صاحب در گوالیار رسیدہ...... متعلقان را نیز از شہر عظیم آباد طلبیدند ۔ بعد از دو سال حضرت قطب العاشقین نیز کہ خلف الرشید خود را از دیگر فرزندان عزیز تر داشتند تاب مفارقت نیاوردہ......خود مع دیگر لواحقان عزم سفر سمت گوالیار پرداختند ۷ ۔''

یہ ماخذ سوانح غمگین کے سلسلے میں اہم ہیں لیکن افسوس ہے کہ ان سے نہ تو تاریخ ولادت معلوم ہوتی ہے ۔ اور نہ تاریخ وفات ۔ غمگین اکادمی میں ایک وظیفے کی کتاب ہے اس میں حافظ میاں عبدالرزاق عرف میاں میرن علی المتخلص بہ رزاق کے قلم سے حضرت غمگین کی تاریخ ولادت یکم صفر ۱۱۶۷ھ (۱۷۵۳ء) اور تاریخ وفات ۳ رصفر ۱۲۶۷ھ (۱۸۵۱ء) لکھی ہوئی ہے ۔ اگر یہ صحیح ہے تو وہ سابقہ بیانات کی رو سے ۲۹ سال کی عمر یعنی ۱۱۹۶ھ (۱۷۷۲ء) میں بیعت ہوئے اور ان کی نئی ادبی زندگی کا آغاز ساٹھ سال کی عمر یعنی ۱۲۲۷ھ (= ۱۸۱۲ء) میں ہوا ۔

غمگین کی وفات پر نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ نے ایک قطعہ تاریخ کہا ہے جس سے رزاق کی تصدیق ہوتی ہے۔

به عرف حضرت و غمگین تخلص — شده سید علی فخر زمانی
به صورت سالکِ راهِ طریقت — به معنی شاه ملک کامرانی
بدیده محو دیدار خدا بود — به دل آگه ز اسرار نهانی
بطونش دیدۂ کحل البصیرت — ظهورش سرمۂ چشم معانی
دلش چون یافت ذوقِ رب ارنی — خطاب آمد که تو در خودنمانی
به یک شنبه سوم روز صفر شد — کلیم آسا به زیر کوه فانی
ز دل آہے کشیده شیفتہ گفت — به برد او را صدائے لن ترانی۸

۱۲۶۸ھ (=۱۸۵۱ء)

غمگین کا ذکر بعض تذکروں میں بھی ہے۔ عمدۂ منتخبہ (تذکرۂ سرور) میں لکھا ہے۹:

''غمگین تخلص۔ میر سید علی۔ خلف الرشید میر سید محمد مرحوم برادر زادۂ حقایق و معارف آگاہ سید شاہ نظام الدین احمد قادری، ناظم صوبۂ دارالخلافہ۔ تشریح بزرگی وحسب و نسب محتاج بہ تحریر نیست۔ مرد با مروت و قابل است۔ از تصانیف اوست:

تو نے صیاد نیا ظلم یہ ایجاد کیا — بال و پر توڑ قفس سے مجھے آزاد کیا

ترے ثانی اگر کوئی بشر ہووے تو میں جانوں
بشر تو کیا اگر شمس و قمر ہووے تو میں جانوں

ہجر میں اس کے یہ دل جینے سے میرا سیر ہے — اے اجل بہر خدا آ جلد اب کیا دیر ہے

دل اس کو دیا اب کیا تدبیر سے ہوتا ہے
جو کام کہ ہوتا ہے تقدیر سے ہوتا ہے

سوائے تیرے نہیں کوئی یار آنکھوں میں — پھرے ہے تو ہی تو لیل و نہار آنکھوں میں

مہرباں کوئی مرا جز غم دلدار نہیں
خس کا شعلے کے سوا کوئی خریدار نہیں

مژگاں کہے ہے اس کا گر تیر ہے تو میں ہوں
اور دل کہے ہے میرا نخچیر ہے تو میں ہوں

عشق میں رو رو کے جو یہ داغ دل دھوتی ہے شمع
رشتۂ الفت کو پروانے سے کیوں کھوتی ہے شمع

بلبل ہے اگر بہار سے خوش ہم اپنے ہیں گل عذار سے خوش

دل کے لگ جانے کا یاروں سے کہوں کیا باعث
ایک قصہ ہے جو ناحق میں کہوں کیا باعث

عاشق ہوا ہے میرا یہ دل اس کی آن پر اللہ کیسی آن بنی میری جان پر

اس ابر میں مے پینا مستوں کو جواز آیا
ساقی مع مے آیا مع ساز آیا

عیار الشعرا میں خوب چند ذکا نے لکھا ہے ۱۰:

میر سید علی غمگین... جوان گرم اختلاط د و خوش خلق و شگفتہ بیان، سعادت آثار، ستودہ اطوار، پُرحلم و حیا معلوم شد۔ بہ اصلاحِ سعادت یار خاں رنگین گلہائے اشعار آب دار خود را رنگ و بوئے تازہ بخشیدہ ہمگی دیوان معروف اُونظر ایں فقیر انواع المعانی در آمدہ۔

اس کے بعد نمونتاً یہ سات شعر دیئے ہیں۔

مرا اس عشق کی دولت سے چہرہ ارغوانی ہے
نکلتا ہے جو اشک آنکھوں سے میرا، ارغوانی ہے

میرے صیاد نیا ظلم یہ ایجاد کیا
بال و پر توڑ قفس سے مجھے آزاد کیا

مہرباں کوئی مرا جز غم دلدار نہیں
خس کا شعلے کے سوا کوئی خریدار نہیں

یہ داغ عشق نہ ہو دور اپنے سینے تے
کہیں مٹا ہے کھدا حرف بھی نگینے سے

گو سیہ بخت ہوں پہ سرمۂ بینائی ہوں
جو کہ دیکھے ہے سو آنکھوں سے لگاتا ہے مجھے

مضطرب تھا دل اپنا جوں پارا
آخر اس شوخ نے جلا مارا

ایک مدت رہے (ہم) عشق بتاں میں غمگیںؔ
بعد ازاں کعبہ کو بھی کر کے سفر دیکھ لیا

سرورؔ اور ذکاؔ کے تذکروں میں جن اشعار کو منتخب کیا گیا ہے وہ موجودہ دیوان غمگیںؔ میں نہیں ہیں۔ اس لیے قرینۂ غالب ہے کہ یہ اشعار اُس دیوان اول کے ہیں جو ۱۱۹۷ھ سے پہلے ترتیب دیا گیا تھا اور جو بیعت کے بعد غمگیںؔ نے خود ہی مسترد کر دیا تھا۔

غمگیںؔ کا ذکر مجموعہ نغز میں بھی ہے۔ اس کا یہ اقتباس دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

"غمگیںؔ تخلص...... جوانے نیک زندگانی، کشادہ پیشانی خوش اختلاط مستحکم ارتباط، یار باش، محبت تلاش، مخلص نواز، مخالف گداز، باعزو تمکین شاگرد سعادت یار خاں رنگین است۔ علی قدر حال خط نسق (کذا) می نویسد و کم کم فکر سخن می گزیند۔ خوش زندگانی می کند و بافرح و سرور، ایام بے بدل جوانی بکام دل بسری برد۔ بہر حال ایں چار بیت منسوب بدوست:

۱۔ میرے صیاد نے کیا ظلم...... الخ
۲۔ یہ داغ عشق نہ ہو دور...... الخ
۳۔ میرا اس عشق کی دولت سے...... الخ
۴۔ گو سیہ بخت ہوں پہ سرمۂ بینائی ہوں
جو کہ دیکھے ہے سو آنکھوں سے لگاتا ہے مجھے

این شعر سرقہ طالب کلیم است۔ اما بہ زبان خود خوب گفتہ ۱۱۔

مجالس رنگین میں غمگیںؔ کا ذکر دو جگہ آیا ہے۔ ایک جگہ انہوں نے غمگیںؔ کو اپنا شاگرد لکھا ہے اور اپنی وہ غزل دی ہے (مان کر۔ جان کر) جو انہوں نے جراٴت کی زمین میں غمگیںؔ کی فرمائش

پر فی البدیہ کہی تھی ۱۲۔ دوسرے موقع پر غمگینؔ کے دس شعر نقل کیے ہیں جو انہوں نے ڈھاکہ میں چند دوستوں کے سامنے اور ایک کشتی کی سواری کے دوران میں پڑھے تھے ۱۳۔

غمگینؔ نے بھی رنگینؔ کی استادی کا اعتراف کیا ہے۔ قطعۂ تاریخ میں لکھا ہے ۱۴:

جب استاد رنگیںؔ جہاں سے گئے — تو ایک یادگاری رہی ریختی
خرد نے کہا یہ ہی تاریخ ہے — کہ ساتھ ان کے غمگیںؔ گئی ریختی

۱۲۵۱ھ (=۱۸۳۵ء)

غمگینؔ کا ترجمہ کریم الدین ۱۵ ناسخ ۱۶، شیفتہ ۱۷، اور عبدالحئی صفا ۱۸، نے بھی دیا ہے لیکن کوئی نئی یا خاص بات نہیں لکھی۔ سید فتح علی گردیزی کے تذکرہ ریختہ گویان میں اٹھانوے شعرا کا ذکر ہے لیکن غمگینؔ کا ذکر نہیں۔ مولانا محمد حسین آزادؔ نے موخر الذکر کا شمار استادوں میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ نواب الٰہی بخش خاں معروفؔ نے بھی غمگینؔ سے مشورۂ سخن کیا تھا ۱۹۔

حضرت غمگینؔ کے دیوان غزلیات یعنی مخزن الاسرار کا نسخہ کتب خانہ غمگینؔ اکادمی گوالیار میں موجود ہے، اس سے چند اشعار انتخاب کیے جاتے ہیں۔

اس کے وعدے پر اعتبار کیا — ہائے پھر شب کو انتظار کیا
تو جو بے اختیار ہے اے دل — عشق کیوں تو نے اختیار کیا
پھر لگا وہ لگاوٹیں کرنے — پھر مرے دل کو بے قرار کیا
میں نے جانا کبھی نہ یہ ہوگی — اس نے جس بات کا قرار کیا

ہے مجھے کس کی چاہ مت پوچھو — نہ کہوں گا میں آہ مت پوچھو
اپنی چاہت کی جو کہوں سو کہوں — لیکن اس کا نباہ مت پوچھو
جس کو دن رات کی رہی نہ خبر — اس کی شام و پگاہ مت پوچھو
ہم دوانوں سے سالکان طریق — عشق کی دیکھو راہ مت پوچھو
کیا کہوں حُسن اس صنم کا میں — ہے خدا کی پناہ مت پوچھو

غمگینؔ نے مخزن الاسرار میں جابجا مرزا اسد اللہ خاں غالب کے انتخاب کلام کی تعریف

کی ہے:

بہت سی سیر دواوین ہم نے کی غمگیںؔ
مگر اسدؔ کے نہیں انتخاب سے نسبت

دو چار شعر لکھ کے رہے بیٹھ ہمدمو
جو قصد اسدؔ کی طرح کرے انتخاب کا

غالب کے انتخاب کو جو دیکھے غور سے
دیواں سے اپنے کیا وہ کرے انتخاب پھر

اسدؔ کا انتخاب اپنی تسلی کو کیا پیدا
جب آیا تنگ شعر شاعراں کی انتخابی سے

غمگیںؔ نے غالب کو 'برادر دینی' لکھا ہے اور یہ کہ نظم ونثر میں ان کا اس زمانے میں ثانی نہیں۔ غالب نے بھی غمگیںؔ کی تعریف پورے جوشِ عقیدت کے ساتھ کی ہے اور ایک خط میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ:

> یزداں را سپاس گزاردم و بدین ذوق خود را در بازم کہ مرا بہ گوشۂ خاطر کسے جائے دادہ است کہ تا کام وزبان را بہ ہفتاد آب نہ شویم، نامش نہ توانم برد۲۰۔

اسی خط میں ان کو 'فروغِ کوکب سعادت'، 'بہار باغ افادت'، 'منبع فیوضِ نامتناہی' اور 'واسطہ حصولِ رحمت الٰہی' کہا ہے۔

غالب اور غمگیںؔ کے یہ غیر مطبوعہ فارسی خطوط غمگیںؔ اکادمی گوالیار میں محفوظ ہیں اور مجھے ان کی زیارت، عالی جناب سردار سید غنی محمد شاہ صاحب قبلہ حسنی الحسینی والقادری المعروف بہ حضرت جی سجادہ نشین خانقاہ عالیہ اور ان کے فرزند رشید پیرزادہ ہاشمی میاں سید رضا محمد شاہ صاحب قادری حضرت جی زاد لطفہ، فقیر منزل گوالیار کے لطفِ بے نہایت سے نصیب ہوئی۔ جس کے لیے بہ دل ممنون ہوں۔

غالب نے جو خطوط حضرت غمگیںؔ کی خدمت میں ارسال کیے تھے وہ اور ان کے جوابات جو حضرت نے تحریر فرمائے تھے ان کو حافظ ہدایت النبی قادری گوالیاری نے نقل کر کے ایک مجلد میں جمع کر لیا ہے جس میں ۹۴ صفحات ہیں۔ تختی ۹×۶ ہے۔

اس مجموعے میں غالب کے دس خط حضرت غمگینؔ کے نام ہیں ۲۱، دو وہ ہیں جو غالب نے دوستوں کے نام لکھنؤ لکھے ہیں جن کا میں بغور مطالعہ نہیں کر سکا۔ حضرت جی (غمگینؔ) کے صرف چار جوابی خط ہیں لیکن وہ بھی اہمیت میں کسی طرح کم نہیں۔ اس طرح اس مجلد میں کل ۱۶ خط ہیں۔ اس مجموعے کا صرف چوتھا خط ایسا ہے جو غالب کی کلیاتِ نثر میں شائع ہو چکا ہے ۲۲۔

اس مجموعے کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط و کتابت ۱۲۵۳ھ سے ۱۲۵۶ھ تک جاری رہی۔ غالب کے تین خطوں میں تاریخ کے ساتھ سنہ بھی مذکور ہے۔ مگر حضرت جی کے کسی خط میں نہ تاریخ ہے اور نہ سنہ۔

ابتداً اس مجلد میں دو کتابیں تھیں۔ شروع میں خیالات خسروی (خطوط امیر خسروؒ) اور دوسری رقعاتِ غالب و غمگینؔ۔ ان دونوں کتابوں کا کاتب، کاغذ، قلم اور روشنائی ایک ہے۔ خیالاتِ خسروی کے خاتمہ پر لکھا ہے:

''تمت تمام شد نسخہ خیالاتِ خسروی بتاریخ ہفدہم ماہ ربیع الاول روز پنج شنبہ سنہ ہجری ۱۲۵۷'' ۲۳

اس عبارت سے اور خطوط کی تاریخوں سے گمان بہ یقین ہے کہ رقعات غالب و غمگینؔ بھی اس زمانے میں نقل کیے گئے ہوں گے۔ حافظ ہدایت النبی جامع رقعات نے اپنے دیباچے میں لکھا ہے:

''امابعد آن کہ بندۂ سراپا گناہ ہدایت النبی قادری گوالیاری ۲۴ خواست کہ آں چہ مرزا نوشہ متخلص بہ غالب متوطن اکبرآباد و حال ساکن جہاں آباد کہ در نظم و نثر نظیر خود نہ دارند، چند مراسلات ...... بہ عبارت متین و مضامین نو آئین کہ ہر یک بجائے خود کتابے ست و اکثر مشتمل بر دقائق تصوف بہ جناب جامع حقیقت و معرفت ...... مرشدی و مولائی حضرت سید علی عرف حضرت جی صاحب دام افضالہم و برکاتہم ترسیل داشتہ و آں جناب جواب باصواب کہ ہر یک بجائے خویش کتب خانہ و اسرار عجیب و غریب را خزانہ و بلکہ ہر حرفش راہ خداشناسی را چراغے و بزم تصوف را شمعے است ارقام فرمودہ اند جمع نماید۔ بہ دلم آمد و بہ خاطرم گزشت کہ اگر گلہائے رنگ و بوئے مطالب و مقاصد صوری و معنوی

دارند گلدستہ مجموعہ گردد تا مشام طالبان حقیقی و مجازی معطر و معنبر گردد۔ بنا بر آں ہر یک سوال و جواب را بہ ترتیب ارقام نمود ۲۴۔''

افسوس ہے کہ اصل خطوط غالب و غمگین کے ہاتھ کے لکھے ہوئے محفوظ نہیں ہیں لیکن ان کے اصلی اور حقیقی ہونے میں مطلق شبہ نہیں۔ میں نے بعض خطوں کے خلاصے کر لیے ہیں بعض تمام و کمال نقل کر لیے ہیں اور بعض کی نقلیں جناب سید رضا محمد شاہ صاحب قادری مد فیوضہ، نے کمال مہربانی سے مرحمت فرمائی ہیں۔

اس سلسلے کا پہلا خط غالب کا ہے اور دس ذی الحجہ کا لکھا ہوا ہے لیکن سنہ ندارد ہے۔ اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جی نے غالب سے پوچھا تھا کہ میں دیوان رباعیات کے دیباچے میں آپ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں آپ کو اعتراض تو نہیں۔ اس کے جواب میں غالب لکھتے ہیں کہ دیباچے میں میرا ذکر میرے لیے ہی نہیں بلکہ میرے آبا کے لیے 'سرمایۂ نازشِ جاودانی' ہے:

عنوان دیوان رباعیات شاد ماں تر ساخت۔ سرمایۂ آنم کو کہ آں مطالب عالیہ را نیک باز دانم واز کجا در خود آنم کہ آں ہمہ گوہر برشتہ نگارش از بہر من کشیدہ آید و آں گاہ این مایہ مکرمت کہ خود از بندۂ خودی پرسند کہ اگر دستورے دہی دیباچہ را بنام تو نگار بندم، این پرسش خود ادائے نوازشے دیگر است کہ زبان اندازۂ سپاسِ آن برنتابد۔ قبلہ گاہا فضولی کنم و چون فرمان چنین است می گویم کہ گنجیدن نام من دران نامہ نہ تنہا از بہر من بلکہ از بہر آبائے من سرمایۂ نازش جاودانی است۔ لیکن ہمہ آں خواہم کہ مرید خود را بیش از اندازہ دران نگارش نہ ستائند و کمترین بندۂ خود وانمایند کہ ہر آئینہ اندرین صورت ہم مدعائے خدام حاصل می شود۔ و ہم خواہشِ این ننگ آفرینش روائی می پذیرد۔ بالجملہ چشم براہم کہ دیوانِ رباعیات کے می رسد و من بدان کے می رسم۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت غمگین نے لکھا تھا کہ میرے دیوان رباعیات کو 'غیر' کی نظروں سے پوشیدہ رکھیے گا۔ غالب لکھتے ہیں کہ یہاں 'غیر' کون ہے؟ اور ان حقایق و معارف کے سمجھنے والے کتنے ہیں؟ اور جو سمجھتے ہیں وہ ''غیر'' نہیں:

''فرماں چناں است کہ آں نوشتہ را از نظر اغیار نہاں دارم۔ ہم چنین خواہم کرد۔ اما کو غیر؟ پس از گزارش این بذلہ کہ البتہ خلاف رائے دانش آرائے نہ خواہد بود۔ سخنے

دیگر می گویم تا حضرت را ذوق و مرا اعتبار افزاید۔ بیتے از بیت ہائے فقیر داخلِ صحیفہ منتخب است:

کہ خامشی سے فائدہ اخفائے حال ہے
خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے

من خود فرماں پذیر فتم لیکن فرمان خرد اندریں باب آں است کہ ہر نگرندہ بہ دیدنِ آن الفاظ بہ کنہ معنی نہ می تواند رسید و ہر کہ معنی را نیک تواند فہمید 'غیر' نیست چہ دریں عالم تفرقہ کعبہ و دیر نیست ۲۵۔"

اس خط کے جواب میں حضرت غمگین لکھتے ہیں:

"مشفقا! آں چہ اعتراض بر لفظ 'غیر' کہ باطل است حق فرمودہ اند، بسیار شاد ماں شدم۔ اللہ تعالیٰ بہ ایں جودت طبع و سخن رندانہ ملاقات جسمانی حاصل کناد۔ جوابش بشنوید 'غیر' لفظے است بے معنی۔ چہ معنی اُو 'عین' است و غیر پس دریں صورت معنی ندارد۔ اگر 'عین' گوئی حق رایابی و اگر 'غیر' گوئی نیز حق رایابی......۲۶"

دوسرے خط کا نہ میرے پاس کوئی اقتباس ہے اور نہ تلخیص۔ ربط کلام کے لیے اپنے نوٹس میں صرف اتنا لکھ لیا ہے کہ اس میں بھی 'عین' اور 'غیر' کی بحث ہے اور غالب نے اپنی بذلہ سنجی پر معذرت کی ہے۔

غالب کا تیسرا خط بہت طویل ہے۔ یہ ۱۸ ربیع الاول کو روز شنبہ دو پہر کے وقت لکھا گیا ہے۔ اس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:

"بعد رسیدنِ طالع یار خاں صاحب یک عرض داشت بتاریخ چہاردہم ربیع الاول روز سہ شنبہ بہ ڈاک انگریزی روانہ کردم و نامۂ موسومۂ میجر جاں جوکوب صاحب بہادر نیز در نوردِ آن است۔ روز آدینہ ہفدہم ربیع الاول فرمان گرامی و توقیع ہدایتی از آن حضرت رسید و سرفرازم کرد۔ تازگی مضمون رباعی از خودم برد۔ واللہ اندیشہ ہیچ سخن در بدیں نکتہ نہ رسید۔ و ہیچ کس بریں مضمون دست نہ یافتہ۔ داغ پیشانی زہاد را بہ قشقہ، کبود تشبیہ کردن، چہ تشبیہ پاکیزہ و تازہ و دل پذیر است۔"

اس کے بعد غالب نے لکھا ہے کہ دوسری رباعی کے لکھنے میں میر حیدر علی صاحب سے سہو ہو گیا ہے۔ یقیناً حضور نے صحیح تحریر فرمایا ہوگا۔ آپ کے ایک فقرے نے البتہ مجھے افسردہ اور رنجیدہ کیا۔ اس لیے ضرور ہے کہ جو کچھ میرے دل میں ہے اسے تفصیل سے عرض کروں۔ اس خط میں غالب نے اپنا مسلک بڑی خوبی سے بیان کیا ہے:

اما ایں فقرہ" کہ ما بہ عشق و محبت نوشتیم ،تو آں را عتاب دانستی نہ ترا با ما غرض دینی است ، نہ غرض دنیوی، پس عتاب چرا کنم ،فقط ۔" دل را افسردہ مرا نومید ساخت ۔ وخواہی نہ خواہی مرا بریں آوردہ کہ سخن دراز کنم و (انچہ) دردل است بہ زباں آورم۔

قبلہ و کعبہ! راستی آئین من است و محبت، دین من ۔ راستی را ایمان و دروغ را کفر ی پندارم و بریں گفتہ یزداں را گواہ می آرم...... مقصود من از عتاب عنایت بودہ است ۔ چہ ہیچ کس با بیگانہ عتاب نہ کند تا کسے را از خود نہ شناسد، عتاب نہ فرماید۔ حضرت ہیچ گاہ بر من عتاب روا نہ داشتہ اند و من خود آں کسم کہ اگر بہ مثل مورد عتاب گردم، چنداں بہ نازم وفخر کنم کہ دیگرے بر عنایت نہ کند۔ زیرا کہ عتاب و عنایت ہر دو نتیجہ التفات است ۔ و محبت پیش گاں را در ہر دو جاں سپاسِ التفات لازم۔

اما آں چہ در باب اغراض دینی و دنیوی فرمود۔ للہ الحمد کہ صفحۂ خاطر خاکسار از ین ہر دو نقش معرا است ۔ جز محبت نہ دیں شناسم و نہ دنیا۔ با آں کہ ہیچ کس و ناکس و نادانم لیکن نہ دین شناسم و نہ دنیا با آن کہ ہیچ کس و ناکس و نادانم لیکن این قدر دانم کہ وجود یکے است و ہرگز اقسام نہ پذیرد۔ ہر آئینہ اگر دینے و دنیائے تراشیدہ باشم۔ گرفتار شرک فی الوجود، کہ اقبح از شرک است، شدہ باشم، بہ دانست نامہ نگار دین نیز، ہم چو دنیا، نقش موہوم است و بہ وہم دل نہ تواں بست

زاہد و ساماں پرستان راضی انداز ما کہ ما

خود شریک ہیچ کس در ہر دو عالم نیستیم

دشمنی خیز د ز شرکت تا بہ قصد دوستی

عاقبت گم کردۂ و دنیا طلب ہم نیستیم

دین بہ جویندگان دین مبارک، ودنیا بہ دنیا طلباں ارزانی، ما ئیم وسواد الوجہ فی الدارین

کہ عبارت از نیستی محض است۔ فہم آں چہ در باب۔ ماشامتہ الاعیان رائحۃ الوجود۔ فرو

ریختۂ کلک مشکیں رقم است۔ حق حق و عین حق و محض حق است۔ لیکن بہ خاک پائے

حضرت سوگند، کہ عقیدہ ایں روسیاہ ہم خلاف آن نیست ۲۷۔

اس کے بعد اعیان ثابتہ کی بحث ہے۔ غالب لکھتے ہیں کہ اعیان ثابتہ کو وجود مطلق سے وہی تعلق ہے جو شعاعوں کو آفتاب سے یا موجوں کو دریا سے ہوتا ہے یقیناً وجود واحد ہے۔ اور اعیان ثابتہ کا وجود صرف ذات واجب کا وجود ہے۔ اس بحث کو اس طرح ختم کیا ہے:

''غلام ...... دل در بے رنگی بستہ است ...... سعی من در آں است کہ بہ عدمیت اصلی

خود باز گردم ...... ع

دانی ہمہ اوست ورنہ دانی ہمہ اوست

...... نگاہ عنایتے کہ پیر و مرشد را بر من است، از وسوسہ پاک گردم و در راہِ فنا خاک

گردم۔''

اس کے بعد غالب نے لکھا ہے کہ تحریر زبانی گفتگو کا حق ادا نہیں کر سکتی اور تقریر کا بدل نہیں ہو سکتی۔ مجھے اُس دن کی آرزو ہے جب قدم بوسی کا شرف حاصل کر سکوں اور آپ کے ارشادات گوشِ ہوش سے سُن سکوں۔

آخر میں بڑے دلچسپ انداز سے اپنے متصوفانہ عقاید کی وضاحت کی ہے:

''ایں کہ ارشاد فرمودہ اند کہ از طرف تصوف ہم اطمینان کلی حاصل شد جناب عالی! من

مرد سپاہی زاد، بے علم، جاہلم، پدران من از ترکانِ صحرا نشین بودند۔ بس این است کہ

یک دو مصرع موزوں می کنم و یک دو بذلہ در ہر دو فن می گویم۔ مرا بہ تصوف چہ پیوند۔ و بہ

درویشی چہ نسبت۔ واللہ حال جز این قدر نیست کہ احدیت وجود و عدمیت اشیا در ضمیرم

فرود آورند۔ والحق محسوس والخلق معقول، عقیدۂ من ساختہ اند۔ من می دانم کہ یکے

ہست و جز اُو ہیچ نیست۔''

غالب نے اپنے مسلک کی رندی کی بھی حضرت غمگین کے سامنے پوری دیانت داری

کے ساتھ بیان کر دیا ہے:

ہمت من از سعی و ریاضت و دولت مال منحصر بر یک دو پیانۂ شراب است کہ بہ شب در کشم و مست بہ خسپم۔ نہ دین دانم و نہ دنیا۔ اللہ بس ماسوی ہوس۔

آخر میں اپنے مقدمے کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس کا حکم ولایت سے آجائے تو گوالیار کے سفر کا ارادہ کروں:

خداوند نعمت سلامت! مرا در عزم سفر تابستان مانع نیست، بے سرانجامی مانع نیست، خرقہ بہ تن در افگنم و رواں گردم لیکن مقدمۂ من در ولایت رفتہ و دو سال کامل شدہ است کہ امیدوارم کہ امروز یا فردا یا بعد ہفتہ، دو ہفتہ، یک ماہ، دو ماہ، حکم آں از ولایت بہ رسد، رسیدن مقدمہ از ولایت ہماں و پوئیدن من بہ سوے گوالیار ہماں۔ پیر و مرشد غلاے خریدہ آزادش نہ خواہند کرد کہ غلام وفادار است:

زیادہ ازیں چہ گویم کہ گفتن را شاید

از اسد اللہ نگاشتۂ ہژدہم ربیع الاول

روز شنبہ، ہنگام نیم روز

رقعات غالب و غمگین کا چوتھا خط غالب کی کلیات نثر فارسی میں موجود ہے اس کے اوپر تاریخ پنج و دہم ربیع الاول ۱۲۵۵ھ (۱۸۳۹ء) درج ہے جو مطبوعہ میں نہیں ہے۔

اس مجلد کے پانچویں خط سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت غمگین نے غالب کو تاکید کی تھی کہ وہ وحدت و کثرت کی بحث کو خطوں میں نہ چھیڑا کریں۔ غالب نے اسے تسلیم کر لیا اور لکھا کہ مناسب ہے جب ملاقات ہوگی اُس وقت یہ مسائل زیر بحث آئیں گے۔

''چون فرماں چناں است کہ زیں پس در نامہ جز شوق مضمونے نہ خواہد شد۔ من ہم دل بدیں شیوہ نہادہ ام و خوش تر ہمیں دیدہ ام کہ در عرائض گفتار ہاے وحدت و کثرت در نیاید و ایں خود حوالہ بہ ہنگام ملازمت باشد و ان شاء اللہ ایں مدعا زود تر بر آید ۲۸۔''

چھٹے خط میں پھر ''مسائل تصوف'' زیر بحث آگئے ہیں اور وحدت الوجود جو ان کا خاص موضوع ہے، اس کی توضیح میں اپنے مندرجہ ذیل اشعار پیش کیے ہیں:

پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے | جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
ادا کیا ہے، سرمہ سا کیا ہے ہوا کیا ہے | یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں

اس خط پر تاریخ ۳۰/ربیع الثانی روز دوشنبہ ۱۲۵۳ھ (=۱۸۳۷ء) درج ہے جو سہو کاتب ہے۔ ۱۲۵۵ھ (=۱۸۳۹ء) ہونا چاہیے۔

غالب کا ساتواں خط بالکل قلم برداشتہ لکھا گیا ہے۔ اس لیے تمام وکمال نقل کیا جاتا ہے۔اس میں غالب نے غمگین کے دیوان رباعیات پر اپنی رائے ظاہر کی ہے:

سپری دارالخلافہ شاہ جہاں آباد | روز سہ شنبہ ۱۲۵۵ھ

قبلہ دید(ہ) ودل سلامت

من دانم ودل، کہ فیض درودِ والا نامہ بامن چہ کرد، بر آتش آب زد، و چراغ آگہی برافروخت، ہمانا آں قدسی صحیفہ شمع نمود کہ روح بہ پروانگی آن ارزد۔ چہ کنم فرصت تنگ ست وگفت گو فراواں۔ آدینہ روز بست وہفتم شعبان وہنگام بامدادست۔ ومن ہنوز از آں ہا کہ مبتلائے آنم۔ فراغ نہ یافتہ ام۔ وآدم کمر بہ رہ روی بستہ۔ رو بہ روئے من نشستہ است۔ انچہ در دیوانِ فیض عنوان دید، کافر باشم اگر در مثنوی مولوی روم، ودیگر کتب تصوف این ہا دیدہ باشم۔ خاصہ در رباعیات کہ ہر کوزہ دریائے، وہر ذرہ آفتابے دارد۔ واگر حیات باقی ست زین سپس حالِ رباعیات نگاشتہ خواہد شد۔ این قدر نہ بود۔ بہ خاطر باشد کہ ما نیز بریں جادہ، وبدین اندیشہ دل نہادہ ایم تا پایانِ کار از کدام، پردہ بروں آوریم، وور کدامین گروہ شمردہ شویم۔ دیوانِ حال بہ مخدومی مکرمی سید بدرالدین علی خاں المشتہر بہ فقر صاحب سپردہ۔ ودیوانِ سابق از وشاں گرفتہ بہ آدمِ حضور دادہ شد۔ این نامہ بدان زودی کہ اندیشہ برنہ تابد، نگاشتہ می شود۔ در حقیقت پاسخ عنایت نام ہنوز نہ نوشتہ ام۔ زیادہ حدادب۔

مشفقی میر حیدر علی صاحب پس از سلام مطالعہ فرمایند کہ پیر علی صاحب دریں روز ہا بہ دہلی بودند۔ بعد عمرے ایشاں را دیدم۔ امروز خود شاں بہ اکبرآباد روانہ شدہ اند۔ می گویند۔ ماہ روزہ بہ آگرہ بسر بردہ بہ گوالیار می روم۔ اطلاعاً نوشتہ شد۔

عرض داشت اسد اللہ روسیاہ

آٹھویں خط میں حضرت جی کے دیوان (مخزن الاسرار) کے پہنچنے کی رسید اور تعریف لکھی ہے ''دیوان معجز بیان، دستاویز گراں مائیگی من گردید۔ خوشا من کہ نامم از آں خامہ تراوود زہے من کہ کلام قدسی بہ من رسد۔''

نویں خط کی کوئی یادداشت میرے پاس نہیں ہے۔ حضرت میکشؔ اکبرآبادی نے جس کو نواں خط قرار دیا ہے وہ دراصل ''رقعات غالب و غمگینؔ کا گیارہواں خط ہے۔

دسویں خط پر کوئی تاریخ نہیں ہے اس میں غالب نے حضرت غمگینؔ کو لکھا ہے کہ آپ کے مکاشفات الاسرار کی ابتدائی تین رباعیوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ خلیفہ تھے۔ ''میرا یہ عقیدہ نہیں ہے اور میں اس امر میں جناب سے متفق نہیں ہوں۔ میں تو حضرت علیؑ کو امام جانتا اور مانتا ہوں اور باقی (ہرسہ) اصحاب کو خلیفہ۔ کیونکہ خلافت، سلطنت و ریاست کی مترادف ہے اور عربی زبان میں اصطلاحاً رئیس اور حاکم کو ہی خلیفہ کہتے ہیں۔ اگرچہ لغت میں خلافت کے معنی نیابت کے ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ نبی کریمؐ کے بعد حضرت علیؑ بلافصل تسلیم شدہ امام ہیں۔''

غالب کے گیارہویں خط پر تاریخ مندرج ہے۔ اس لیے اہمیت سے خالی نہیں۔ اسے پورا نقل کیا جاتا ہے:

حضرت پیر و مرشد برحق مدظلہٗ العالی

بسا روزہا بہ شب آمد۔ و شب ہا روز شد۔ تا صبح دولت من از افق اقبال دمید، و منشور لامع النور تعویذ بازوے جاں گردید۔ نامہ موسومۂ طالع یار خاں، و حکیم قطب الدین خاں ہر دو بہ طالع یار خاں سپردہ شد۔ و فرمانِ جناب عالی رسانیدہ آمد۔ نامہ کہ بہ نامِ نامی فقیر صاحب بود، بہ خدمت شاں رسید۔ اغلب کہ امروز یا فردا نزدِ من آیند۔ تا پیامِ حضرت بہ زبان برگزارم، می میرم از رشک، کہ دیگران آہنگ راہ گوالیار دارند، و مرا ہنگام آں قرار نیامدہ است کہ از دام بدر توانم جست۔ یارب زود باشد، کہ کام دل برآید، و زمانِ انتظار حکم ولایت، و روزگارِ ہجراں بسر آید۔

و این روز با غزلے درمیان احباب طرح شدہ۔ و در آں مین وہ بیت گفتہ شدہ بود۔ بہ چشم داشت اصلاح دریں ورق نگارش می پزیرد۔

غزل فارسی

در وصل دل آزادی اغیار نہ دانم
دانند کہ من دیدہ ز دیدار نہ دانم

طعنم نہ سزد مرگ ز ہجراں نہ شناسم
رشکم نہ گزد خویشتن از یار نہ دانم

پرسد سبب بے خودی از مہر ومن از بیم
در عذر بہ خون غلتم و گفتار نہ دانم

بوسم بہ خیالش لب و چوں تازہ کند جور
از سادگیش بے سبب آزار نہ دانم

ہر خوں کہ فشاند مژہ در دل فتدم باز
خود را بہ غم دوست زیاں کار نہ دانم

آویزشِ جعد از تہ چادر بردم دل
آشفتگیِ طرہ بہ دستار نہ دانم

بوے جگرم می دہد از خوں سرِ ہر خار
شد پاے کہ در راہِ وے افگار نہ دانم

زخم جگرم بخیہ و مرہم نہ پسندم
موج گہرم جنبش و رفتار نہ دانم

نقدِ خردم سکۂ سلطاں نہ پزیرم
جنسِ ہنرم گرمیِ بازار نہ دانم

غالب نہ بود کہ تہی از دوست ہمانا
زاں ساں دہدم کام ہ بسیار نہ دانم

زیادہ حدادب

از اسد اللہ نگاشتہ ہژدہم رجب ۱۲۵۵ھ۔ دو میں روز ورودِ والا نامہ سید حیدر علی صاحب وسید امانت علی صاحب سلام نیاز خوانند و مشتاق دانند۔ بندہ ثنائیم و ثنا خوانِ شاکری جناب حکیم رضی الدین حسن خاں بہ والا خدمت حضرت صاحب مرام تسلیم و آداب می رسانند۔

حواشی

۱۔ رقعات غالب و نمکین (قلمی) نمکین اکادمی گوالیار خط نمبر ۷

۲۔ مکاشفات الاسرار: انڈیا آفس لائبریری لندن نمبر اردو ۱۱۵

۳۔ فہرست ہندوستانی مخطوطات (انڈیا آفس) مرتبہ بلوم ہارٹ ص ۱۱۹ مطبوعہ ۱۹۲۶ء۔ نیز مکاشفات الاسرار: نسخہ لندن ورق ۳ ب

۴۔ مکاشفات الاسرار نسخہ لندن۔ دیباچہ

۵۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ سندھیا مولفہ بابو رگھناتھ داس۔ مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ ۱۹۰۰ء ص ۹۰۔ ۹۱

۶۔ مرات حقیقت: خطی نسخہ مملوکہ غمگین اکادمی گوالیار ورق ۳۰۶

۷۔ جواہر نفیسہ (قلمی) دیباچہ: غمگین اکادمی گوالیار۔ ان کتاب کا مادۂ تاریخ "غریب" ہے جس سے ۱۲۱۳ھ نکلتی ہے (۹۹-۱۷۹۸ء)

۸۔ کیفیت العارفین ونسبت العاشقین مطبوعہ ۱۳۵۰ھ مؤلفہ سید شاہ عطا حسین المشتہر عبد الرزاق فانی مقیم آبادی المتوفی ۱۳۱۱ھ/ ۱۸۹۳ء مطبع منعمی گیا (بہار) ص ۲۰۹

۹۔ بہ شکریہ پیرزادہ ہاشمی میاں سید رضا محمد صاحب حضرت جی

۱۰۔ عمدۂ منتخبہ (تذکرہ سرور) عکس نسخہ انڈیا آفس ورق ۳۹۲

۱۱۔ عیار الشعرا: عکس مخطوطہ لندن

۱۲۔ مجموعۂ نغز جلد دوم، طبع لاہور ص ۳۰، ۳۱

۱۳۔ مجالس رنگین: نظامی پریس لکھنؤ ص ۱۰

۱۴۔ مجالس رنگین ص ۶۴

۱۵۔ مخزن الاسرار قلمی: غمگین اکادمی گوالیار

۱۶۔ تذکرۂ کریم الدین: ص ۱۹۰، ۱۹۱ (طبقہ دوم) طبع دہلی۔ ۱۸۴۸ء

۱۷۔ نساخ: سخن شعرا ص ۳۵۳ مطبع نول کشور

۱۸۔ شیفتہ: گلشن بے خار ص ۱۴۴۔ مطبع نول کشور

۱۹۔ صفا: شمیم سخن ص ۱۷۷ مطبع امداد الہند مراد آباد

۲۰۔ تذکرہ ریختہ گویان مرتبہ ڈاکٹر عبد الحق مطبوعہ اورنگ آباد ۱۹۳۳ء

۲۱۔ مقدمہ دیوان ذوق از محمد حسین آزاد طبع دہلی ۱۹۳۳ ص ۸

۲۲۔ رقعات غالب وغمگین قلمی: خط نمبر ۸

۲۳۔ حضرت میکش اکبر آبادی کی یہ اطلاع صحیح نہیں ہے کہ "یہ سب خط تعداد میں بارہ ہیں جن میں سے نو مرزا غالب اور باقی حضرت غمگین رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔" آج کل: فروری ۱۹۶۰ء ص ۱۳

۲۴۔ کلیات نثر غالب فارسی: نول کشور ۱۸۸۸ء ص ۱۸۳

۲۵۔ خیالات خسروی قلمی: غمگین اکادمی گوالیار

۲۶۔ یہ حضرت غمگین کے خلیفہ ہیں۔ انہوں نے رسالہ غفلت وآگاہی۔ احوال قیامت۔ ذکر معراج۔ خطرات۔ شناخت ذات کے علاوہ آٹھ رسالے اور لکھے ہیں۔ ان کا بھی موضوع تصوف ہے۔

۲۷۔ دیباچہ رقعات غالب وغمگین (قلمی): کتاب خانہ غمگین اکادمی نمبر ۳۳

۲۸۔ رقعات غالب و نمکین: قلمی نمکین اکادمی گوالیار۔ رقعہ اول از غالب

۲۹۔ رقعات غالب و نمکین: قلمی

۳۰۔ رقعات غالب و نمکین قلمی۔ مکتوب نمبر ۳

۳۱۔ رقعات غالب و نمکین قلمی۔ مکتوب نمبر ۵

✔

چیک زبان میں دیوان غالب کا ترجمہ

یان ماریک، پراگ

قومی کلچر کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ محض اپنی ملکی روایات کے قلعے میں بند نہ ہو، بلکہ اس میں غیر ملکی صحت مند روایات سے متاثر ہونے کی صلاحیت بھی ہو۔ ادب میں ملکی اور غیر ملکی روایات میں رابطہ ترجمے کے ذریعے قائم ہو سکتا ہے۔ کسی ملک میں ترجموں کی تعداد دیکھ کر ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس ملک کے عوام کی دلچسپیاں کیا ہیں اور وہ تہذیبی طور پر کتنی ترقی کر چکے ہیں۔

یہاں اس رجحان کا ذکر کرنا ضروری ہے جو گذشتہ صدی سے چیکوسلوواکیہ میں ترقی کر رہا ہے۔ یہ ادبی کتابوں کا اصل سے براہ راست ترجمہ کرنے کا کام ہے۔ ترجمہ در ترجمہ میں غلطیوں کا امکان رہتا ہے اور بعض اوقات اصل کا حسن زائل ہو جاتا ہے۔

چیک زبان ہندوستانی ادبیات، بالخصوص ہندوستانی شاعری کے ترجموں سے مالا مال ہے۔ ہندوستان کی قدیم زبانوں سے ترجمے کی روایت ہمارے ملک میں ایک عرصے سے چلی آتی ہے اور جہاں تک جدید ہندوستانی زبانوں کا تعلق ہے۔ ہمارے ترجموں میں بنگالی کے علاوہ ہندی اور اردو کو بھی ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔

اردو کے کلاسکی ادب سے استفادہ کرنے کے لیے ہماری نظرِ انتخاب سب سے پہلے

دیوانِ غالب پر گئی اور اس کے منظوم ترجمے کا فیصلہ کیا گیا اس راہ کی مشکلیں وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہیں ایسے کام سے سابقہ رہا ہو۔ شروع شروع میں بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ہمارے پاس دیوان غالب کا فقط ایک نسخہ تھا اور وہ بھی شرح اور حواشی سے معرا۔ غالب کے سادہ و پُر کار اشعار پر ہم سر دُھنتے تھے لیکن بعض ان کے مطالب پورے طور پر سمجھ نہیں پاتے تھے۔

غالب کے کلام سے ہندوستانیوں کو جو شغف ہے، اس کا تجربہ ہمیں پراگ میں آئے دن ہوتا رہتا ہے۔ ہندوستانی اگر کوئی کتاب اپنے ساتھ لاتے ہیں تو وہ بیش تر دیوانِ غالب ہوتا ہے۔ اکثر دیکھا ہے کہ اسے ہندوستانی نہ صرف اپنے گھر میں رکھتے ہیں بلکہ اس کا کچھ حصہ انہیں زبانی یاد ہوتا ہے۔ ہر ہندوستانی طالب علم جو ہمارے یہاں آتا ہے، اس کی مادری زبان اردو ہو یا کوئی اور، غالب کے اشعار ضرور سنا سکتا ہے۔

پراگ میں ہندوستانیوں کے ہر اجتماع میں، خواہ اس کا مقصد کچھ ہو، غالب کا کلام ہمیشہ پڑھا جاتا ہے اور سامعین اسے بڑے اشتیاق اور انہماک سے سنتے ہیں۔

ذاتی طور پر غالب سے میرا پہلا تعارف، چارلس یونی ورسٹی میں، میرے طالب علمی کے زمانے میں ہوا۔ اردو ادب کے اسباق میں، میں نے اس عظیم شاعر کا نام سنا اور اس کے حالاتِ زندگی، کلام اور مکاتیب کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کیں۔ اس زمانے میں چارلس یونی ورسٹی میں اردو کے استاد ڈاکٹر مسعود علی خاں تھے۔ وہ ایک قدیم نسخے سے غزلیں پڑھتے اور کلام غالب کی بلیغ اشاریت اور مسحور کن لطافت سے ہمیں روشناس کراتے۔ یہ بات بعض اوقات ہمارے لیے حیران کن تھی کہ الفاظ کے معنی صاف ہوتے، استعارے اور تشبیہیں بھی پیچیدہ نہ تھیں لیکن خیال کی تہ تک پہنچنا مشکل ہو جاتا۔ ہمارے استاد نے ہمیں بتایا کہ غالب نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا تھا اور اپنی محبت و نفرت، امید و ناامیدی اور حسرت و مسرت کو جیسا محسوس کیا، روزمرہ کی زبان میں بیان کر دیا۔ غالب کی ساری عمر مشکلات میں بسر ہوئی لیکن اپنی ذہنی قوتوں کی بدولت وہ ہمیشہ مصیبتوں پر مسکراتے رہے۔ ان کی ذہنی شوخی کبھی کم نہ ہوئی۔ چنانچہ کلام غالب سے ہماری دلچسپی بڑھنے لگی۔ ہمارے یہاں چیک شاعری کے بہترین حصے بھی ہمیں زبانی یاد نہیں ہوتے۔ لیکن غالب کے اشعار ہم بڑے شوق سے حفظ کرنے لگے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ غالب سے ہمیں اس قدر شدید محبت کیوں ہوئی۔ اس کا واحد جواب ہمارے پاس یہ ہے کہ غالب کی عظیم شخصیت اور اس کے وجد آفریں اشعار نے ہمارے دل و دماغ پر جادو سا کردیا۔ غالبؔ زندگی کے حقائق سے آنکھیں چار کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ ان کے کلام میں نشاط اور الم کی سچی تصویریں ملتی ہیں۔ وہ خوب جانتے تھے کہ رقیب کی فتنہ پردازیوں سے عاشق پر کیا گزرتی ہے یا جب پذیرائی کی سکت نہ ہو تو مہمان کے آنے پر میزبان کی ذہنی کیفیت کیا ہوتی ہے۔ اردو کا شاید ہی کوئی چیک طالب علم ہو۔ جو غالب کے اس شعر سے واقف نہ ہو۔

ہے خبر گرم ان کے آنے کی
آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا

چیکوسلوواکیہ کے اردو طالب علموں کے پہلے گروہ نے جب شعبۂ فلسفہ میں اپنی تعلیمات ختم کرلیں تو انہوں نے دیوانِ غالب کے ترجے کا فیصلہ کیا تا کہ چیک اور سلوواک عوام بھی غالب کے کلام سے لطف اندوز ہوسکیں۔ ہمارے ملک میں رابندرناتھ ٹیگور کی تصانیف بہت مقبول ہیں۔ اگر آپ کارخانے کے کسی مزدور سے بھی پوچھیں تو وہ بھی ٹیگور کے بارے میں اتنا بتا سکے گا کہ وہ ایک ہندوستانی شاعر تھا۔ اس کا سہرا ہمارے پروفیسر ہندیات V.Lesny کے سر ہے، انہوں نے ٹیگور کی تقریباً تمام تصانیف کو چیک زبان میں منتقل کردیا ہے۔ لیکن غالب اور اقبال کے بارے میں ہمارے عوام کچھ نہیں جانتے۔ کیونکہ انہیں ان شاعروں کے متعلق کچھ بتایا ہی نہیں گیا اور ابھی ان کی تصانیف کے ترجے نہیں ہوئے۔ یہ فراموش شدہ کام اب پراگ کے ان نوجوانوں کو کرنا ہے جو ہندیات میں دلچسپی لیتے ہیں۔ اردو شاعری کے منتخب حصے کو چیک زبان میں جلد سے جلد منتقل کرنا چاہیے اور غالب اور اقبال کا کلام تو اس کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔

کلام غالب کے ترجے کا کام ایک نوجوان چیک خاتون ڈاکٹر ملے نابھش مانووا نے شروع کردیا ہے۔ یہ گزشتہ سال ایک مہینے کے لیے ہندوستان بھی آئی تھیں۔ پہلے پہل یہ کام دشوار معلوم ہوا۔ ایک تو تجربے کی کمی تھی۔ دوسرے ترجے کے لیے مناسب بحر وغیرہ کا انتخاب کرنا تھا۔ ہمارے ہاں عام طور پر آزاد نظم لکھی جاتی ہے اور ہم فارسی اور اردو کی طرح ردیف قافیے کا التزام

نہیں کرتے کیونکہ یہ کچھ تصنع سا معلوم ہوتا ہے۔ پھر بھی ملے نابش مانو وا نے غالبکی چند غزلوں کا ترجمہ ردیف قافیے کی پابندی سے کیا اور انہیں کامیابی بھی ہوئی۔ یہ منظوم تراجم اوریئنٹل انسٹی ٹیوٹ پراگ کے ہر دلعزیز چیک ماہنامہ " نووی اور ینٹ (مشرقِ جدید) میں شایع ہوئے ہیں۔ قارئین نے ان کی حد درجہ تعریف کی ہے۔ لہٰذا یہ طے پایا ہے کہ انتخاب دیوانِ غالب کو کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔

سب سے بڑی دشواری مناسب اور موزوں زبان کا استعمال ہے۔ ترجمے کی زبان عام فہم، صاف، سلیس، پُر تاثیر اور شگفتہ ہونی چاہیے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اصل کا حسن ذرّہ برابر بھی کم نہ ہو۔ غالب کے بعض اشعار کی روح تک پہنچنا بھی آسان نہیں۔ گو عرشی اور جعفری کے عمدہ ایڈیشنوں نے کلامِ غالب کے مطالعے کی بڑی سہولتیں فراہم کردی ہیں۔ لیکن پھر بھی ملے نابش مانو وا کو کبھی کبھی ہندوستانی اساتذہ اور طلبا سے مشورہ کرنا ہی پڑتا ہے۔ بعض اوقات تو مختلف شارحین میں اس قدر اختلاف پایا جاتا ہے کہ خود مترجم ہی کو فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس ترجمے میں کچھ غلطیاں رہ جائیں لیکن وسطی یورپ کی زبان میں یہ دیوان غالب کا پہلا ترجمہ ہوگا۔ جہاں تک میری معلومات ہیں انگریزی، فرانسیسی یا جرمن زبان میں بھی دیوان غالب کا ترجمہ آج تک نہیں ہوا۔ چیک ترجمہ پراگ میں ۱۹۶۱ء کے آغاز میں شائع ہو جائے گا۔

یہ ترجمہ اردو سے کیے گئے چیک تراجم میں ایک اہم اضافہ ہوگا۔ اس لحاظ سے ہمارا سرمایہ زیادہ نہیں لیکن وقیع ضرور ہے۔ اقبالؔ کی " پیام مشرق " اور فیض احمد فیض کی نظموں کا ترجمہ اس سے پہلے چیک زبان میں کیا جاچکا ہے دیوان غالب کے ترجمے سے چیکوسلوواکیہ کے عوام اردو کلاسکی شاعری کے ایک ممتاز نمائندے سے متعارف ہو جائیں گے اور اس طرح مرزا غالب کی بدولت ہندوستان اور چیکوسلوواکیہ کے تعلقات زیادہ مستحکم ہوسکیں گے۔ ہندوستان سے ہمارے معاشی تعلقات بہت اچھے ہیں لیکن ثقافتی تعلقات استوار کرنے کے لیے ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ مرزا غالب کا کلام یقیناً دونوں ممالک میں باہمی اشتراک اور یگانگت کی فضا پیدا کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوگا۔

مرزا غالب

تارا چند

یہ ہماری بجا اور خوش بخت عقیدت ہے، جو ہمیں ہر سال اس بلند پایہ شاعر کے مزار پر کھینچ لاتی ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ کم از کم سال میں ایک مرتبہ یہاں جمع ہوں اور ان احسانوں کا جو غالب نے ہم پر کیے ہیں اقرار اور اظہار کریں۔ اس میں شک نہیں کہ جب ہم اپنی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں اور ان لمحوں کو یاد کرتے ہیں، جو ایک خاص ذہنی اور روحانی لطف سے محظوظ تھے، تو ان میں کچھ لمحے ایسے ضرور ملیں گے، جن کا سرچشمہ غالب کا کلام تھا۔

غالب کا کلام مقدار میں کم ہے، لیکن انسانی جذبات کی سرگم کا ایسا کوئی سُر نہیں، جو اس میں گونجتا نہ ہو۔ سرور اور شادمانی کا جاں فزا ہاہلہ بھی ہے اور یاس والم کا اندوہ ناک نالہ بھی۔ شوخی ہے، طنز ہے، جوش اور ولولہ ہے۔ عشق اور محبت کی منزلوں اور مقاموں کی کیفیت ہے، زندگی کی ناکامیوں کی حسرت ہے۔ غرض کون سی ایسی حالت ہے جو دل پر گزرتی ہے اور جس کا خوش نما عکس غالب کے اشعار میں نہیں۔ شاعروں کا کام ہے احساسات کے غیر مرئی سمندر میں جو لہریں اٹھتی ہیں، خواہ انہیں نرم ہوا کے جھونکے جگاتے ہوں یا غضب ناک طوفانوں کے تھپیڑے، ان کی

تصویریں پُر اثر اور دلنشیں اور خوش آہنگ الفاظ میں پیش کریں۔ تاکہ ان کے دیکھنے سے ہمارے جذبوں میں گہرائی اور ہمارے خیالوں میں رفعت آئے۔

حیرت ہے غالب کی زندگی ایسے زمانے میں کٹی جو ہماری تاریخ کا افسوس ناک زمانہ تھا۔ آسمان سے اوبار اور بدبختی کی خاک برستی تھی۔ شاہنشاہی وقار مٹی میں مل گیا تھا۔ شریف گھرانے برباد ہورہے تھے عوام فلاکت اور نکبت کا شکار تھے۔ آپا دھاپی، خودغرضی کا دور دورہ تھا۔ عقل اور تدبیر کی آنکھیں بند تھیں۔ اخلاق ہوا و ہوس کی اندھیری رات میں روپوش تھا۔ ایسی ہولناک فضا میں، جب دولت اور ثروت مفقود تھیں، عجب بات ہے ادب کے آسمان میں تارے چمک رہے تھے۔ میرؔ اور سوداؔ، مومنؔ اور ذوقؔ اردو شاعری کو اونچی سیڑھیوں پر لے جارہے تھے جہاں سے غالب نے اسے بام فلک پر پہنچادیا۔

آج کی صحبت میں اس بات کی ضرورت نہیں اور سچ کہوں میں اس قابل بھی نہیں کہ غالب کی شاعری پر بہ حیثیت مجموعی تبصرہ کروں۔ یہ بھی صحیح ہے کہ غالب کے متعلق اس قدر لکھا جاچکا ہے کہ مشکل سے ان کی زندگی یا کلام کا کوئی گوشہ ہوگا جس کے بارے میں کوئی نئی بات کہی جاسکے۔ اگر میں آپ کی سمع خراشی کی جرات کرتا ہوں تو بہ قول غالب

مجھ سے غالب یہ علائی نے غزل لکھوائی
ایک بے داد گرِ رنج فزا اور سہی

یہ کون ہیں جو ان اوصافِ حمیدہ سے متصف ہیں بتانے کی ضرورت نہیں۔ غالباً آپ ان سے واقف ہوں گے۔

اس وقت غالب کے کلام کے ایک پہلو پر آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ وہ ہندوستانی تہذیب کی وہ بے مثل خصوصیت ہے جو غالب کے لفظوں میں

''شیرازہ ہے عالم کے اجزائے پریشاں کا

یا

''جادہ اجزائے دو عالم دشت کا شیرازہ ہے''

یوں تو بادی النظر میں ہندوستان کی تاریخ کے مختلف دور بے جوڑ اور بے ہنگام خاندانوں کی سلطنتوں کا مجموعہ معلوم ہوتے ہیں لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ پانچ ہزار سال کی تاریخ بے ربط نہیں۔ اس کے واقعات اور انقلاب کے باطن میں ایک مسلسل یگانگی جاری ہے جو ویدوں کے زمانے سے آج تک برقرار ہے۔ سیاست کے مالک ہندو ہوں یا مسلمان، سکھ ہوں، مرہٹے ہوں یا فرنگی، ہندوستان کی تہذیب وتمدن میں ایک روح کارفرما ہے۔ جس نے اس ملک کے باشندوں کے ذہنوں میں یگانگت پیدا کرنے کی ان تھک کوشش کی ہے۔ غالب کو میں اس سلسلے کی کڑی سمجھتا ہوں۔

زمانۂ قدیم کی تہذیب کی جانچ کیجیے۔ اپنشدوں، بھگوت گیتا اور باور این کے اتر میمانسا کے سوتروں میں اس فلسفۂ وحدت کی وہ روشن اور منور تعلیم ملے گی جس نے نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ہندوستان کے باہر روشنی پھیلائی جسے ماوراالنہر کہتے ہیں جو ساتویں صدی عیسوی تک ہندی مذہبوں کا گہوارہ تھا۔ بلخ، بخارا، سمرقند اور خوارزم بودھ بھکشوں اور ہندو سادھوؤں کی قیام گاہ تھے۔ وہاروں اور آشرموں، مندروں اور مورتیوں سے پٹے تھے۔ ہیون سانگ چینی سیاح ساتویں صدی میں ان مقاموں سے گزرتا ہے۔ بودھ عالموں اور ہندو پنڈتوں سے ملاقات کرتا ہے۔ ان کے مکاتیب فکر کا ذکر کرتا ہے۔ یہ زمانہ تھا کہ اسلام کا آفتاب طلوع ہورہا تھا۔ ہیون سانگ کے ساٹھ ستر سال بعد ماوراالنہر پر عربوں کا قبضہ ہوا اور امراء واعیان نے اسلام قبول کیا۔ لیکن پُرانے مذہبوں کا بالکل خاتمہ نہیں ہوا۔

عربوں کی سلطنت کے قیام کے سو برس بعد ایرانی ردِّعمل شروع ہوا۔ طاہریوں اور آل سامان نے خلیفہ کے حاکموں کو خراسان سے نکالا اور خود مختار ریاستیں قائم کیں۔ ایرانی تہذیب کا نیا دور شروع ہوا۔ بادئیسٗی رودکی سلطان الشعراء عنصری، منوچہری، عسجدی اور سب سے معروف شاعر فردوسی اس سرزمین سے پیدا ہوئے۔ فردوسی نے شاہنامے کے ذریعے ایران کی پرانی شان وشوکت کو ازسرِنو زندہ کیا، طاہری خاندان نے رستم کے ساتھ رشتہ قائم کیا۔

انہیں نواح میں تصوف کا پودا اُگا۔ ابراہیم ادھم۔ احمد خزرویہ۔ ابو علی شقیق۔ حاتم اصم

وغیرہ بلخ کے رہنے والے تھے۔ معروف کرخی۔ ابوالحسن نوری۔ بایزید بسطامی۔ ابوبکر شبلی خراسان کے مختلف مقاموں کے باشندے تھے۔ تصوف کی نہایت مشہور تصانیف کے مصنف خراسان ہی میں پیدا ہوئے۔ مثال کے طور پر ابونصر سراج طوس کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے کتاب اللمع فی التصوف لکھی۔ ہجویری کی کشف المحجوب مشہور ہے۔ ان کا وطن غزنہ تھا۔ غزالی جن کا درجہ استاد کا ہے طوسی تھے۔ صوفی شاعروں میں فریدالدین عطار، ابوالمجد سنائی اور صوفیوں کے سرتاج مولانا جلال الدین رومی بلخی الاصل تھے۔

یہ وہ زمین تھی جہاں ویدانت کے بیج منتشر تھے۔ اسلامی آب وہوا میں یہ اُگے اور بڑھے اور تصوف کے تناور درخت بنے۔ پھر جب ہندوستان میں مسلمانوں کا عمل دخل ہوا تو ان کے ساتھ اسلامی ویدانت یعنی تصوف اپنے وطن کو لوٹا۔ یہی ویدانت یا تصوف ہندوستانی ذہنوں کے پردوں کو اٹھانے والا اور ایک دوسرے سے ملانے والا عامل ہوا۔ اسی کی شیرینی غالب کے کلام کی مٹھاس ہے۔ یہ وہ چشمہ شرین ہے جس کے گرد بھی بلاتخصیص مذہب وملت جمع ہوتے ہیں۔

غیر مناسب نہ ہوگا اگر ایک شعر کی طرف آپ صاحبان کا دھیان دلاؤں۔ جس میں غالب نے اس دیرینہ خیال کو باندھا ہے۔ دیوان غالب کا پہلا شعر ہے۔ کون ہے جو اس سے واقف نہیں۔ بہتوں کے ورد زبان ہے۔ مجھے اس سے خاص لطف حاصل ہوتا ہے۔ اگر معاف فرمائیں تو چاہتا ہوں اس لطف میں آپ کو اپنا شریک بناؤں۔ شعر ہے۔

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

میرے نزدیک اس شعر میں ویدانت اور تصوف دونوں کو سمویا ہے۔ نقش یا پیکر تصویر مصنوعی شے ہے اصلی نہیں۔ حقیقت اور چیز ہے اس کی تصویر اور۔ چونکہ تصویر حقیقت نہیں اس لیے دوام پذیر نہیں ہوتی۔ مثل کاغذ کے اس کی زندگی عارضی ہے، حادثی ہے، کچھ دنوں میں کاغذ چور چور ہو جاتا ہے۔ تصویر جو کاغذی پیرہن میں قید ہے فریاد کرتی ہے۔ اس کی شکایت بھی بجا

ہے۔ تصویر سوال کرتی ہے۔ آخر میری کیا تقصیر ہے جو مجھے قید مکان و زمان میں بند کیا ہے۔ یہ کس شوخ ہستی کا مذاق ہے۔ غالب نے سوال ہی میں جواب دے دیا ہے۔ اس کائنات کے پردے میں کوئی ایک ہے۔ اس کا کیا نام ہے۔ یہ معلوم نہیں۔ اس کی صفات کیا ہیں کوئی نہیں جانتا۔ اس ذات مطلق کے لیے استفہامیہ استعمال کر سکتے ہیں۔ لیکن مثبت، علامت یا کلمہ اسے بتا نہیں سکتا۔ پھر اس کا کیا جواب ہے۔ کیوں اس نے اس چندروزہ عالم کو جس کی حیثیت نقش سے زیادہ نہیں پیدا کیا۔

آپ تو جانتے ہیں جیسا سوال آسان نظر آتا ہے اصل میں اتنا ہی مشکل ہے فلسفیوں اور مفکروں نے زمین آسمان کے قلابے ملا دیئے۔ لیکن بہ قول حافظ:

''کس نکشود و نکشاید بہ حکمت ایں معمارا''

سائنس داں عقلی گھوڑے دوڑاتے ہیں، زمین اور آسمان کا تجزیہ کرتے ہیں، عناصر کو گنتے ہیں، ان کی ترکیبوں کی خبر لاتے ہیں، مادہ اور قوت پر آ کر سہارا لیتے ہیں۔ غرض یہ دنیاؤں کا احاطہ کرتے ہیں۔ لیکن ان سے پوچھیے کہ عالموں کا بننا اور بگڑنا کیا معنی رکھتا ہے تو وہ لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں۔ فلسفی قوس عروج و قوسِ زوال کا تذکرہ کرتے ہیں۔ احدیت، وحدت، وحدانیت و توحید کی موشگافیوں میں الجھتے ہیں یا نور کے حجابوں اور جلووں کی تمثیل سے کون و فساد کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بعض کا کہنا ہے عالم موہوم ہے۔ عدم صفت ہے۔ حقیقت ادراک کی پہنچ سے باہر ہے۔

ہندو فلسفے کا ایک مکتب ہے جس کا نظریہ ہے کہ برہم کے ماسوا کوئی شے نہیں۔ وہ مختار ہے مجبور نہیں۔ دنیا اس کا کھیل ہے شوخی ہے، لیلا ہے۔ اور لیلا ایسی خود رو حرکت ہے جس کے لیے کسی محرک کی ضرورت نہیں۔ ایسا گمان ہوتا ہے غالب نے اس مکتب فلسفہ سے استفادہ کیا ہے اور اس لیے نقش دنیا کو شوخی پر محمول کیا ہے۔ اگر میرا گمان صحیح ہے تو غالب نے تصوف اور ویدانت کو سمو یا ہے۔ ہندوستان کے اس تخیل کو جو ہزار ہا برس کی میراث ہے اپنے شعر میں چھپایا ہے۔ وحدت الوجود کا ایک دفتر جمع کر دیا ہے۔ غالب کہتے ہیں اس دفتر کے کبھی ہم ورس ہم سبق

ہو سکتے ہیں۔

نہیں کچھ سبحۂ و زنار کے پھندے میں گیرائی
وفاداری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے

اور آگاہ کرتے ہیں۔

ہیں اہلِ خرد کس روشِ خاص پہ نازاں
پابستگی رسم و رہِ عام بہت ہے

آیئے غالب کے خاطر ہی سہی، پیروں کے بندھنوں کو توڑیں تا کہ آدمی کو انسان ہونا میسّر ہو جائے۔

لطائف غیبی

''قاطع بُرہان'' کے سلسلے کی ایک کتاب

مولانا غلام رسول مہر

کتاب کی کیفیت: ''لطائف غیبی''، ''قطعات تاریخ'' اور ''صحیح نامہ'' کو شامل کرتے ہوئے چوالیس صفحے کی ایک کتاب ہے، جسے ضخامت کے اعتبار سے رسالہ سمجھنا چاہیے، سرورق پر سب سے پہلے مندرجہ ذیل شعر جلی حروف میں مرقوم ہے ۔

این نسخہ کہ ہست رشک ارتنگ

سرچنگ بود برائے خرچنگ

ارتنگ مانی کے مرقع کو کہتے ہیں۔ سرچنگ دھول کو اور خرچنگ کیکڑے کو۔ شعر کے بعد سرورق کی عبارت یہ ہے ۔

منت ایزد را کہ نتیجہ فکر محقق مدقق میاں داد خاں سیاح المخاطب بہ سیف الحق این نسخہ شگرف مسمیٰ بہ

بہ جواب ''محرق قاطع برہان'' بہ صحت تمام وسعی مالا کلام نخستین بار بہ اہتمام میر فخر الدین در اکمل المطابع دہلی طراز انطباع گرفت

دوسرے صفحے کا نصف سے کسی قدر کم حصہ چھوڑ کر اصل کتاب شروع ہوئی ہے، دیباچے کے علاوہ یہ بیس لطیفوں پر مشتمل ہے اور صفحہ ۴۱ پر ختم ہوگئی ہے۔ صفحہ ۴۲ اور صفحہ ۴۳ پر پانچ قطعاتِ تاریخ ہیں: دو منشی جواہر سنگھ جوہر تحصیل دار بلب گڑھ کے تیسرا میرزا یوسف علی خاں عزیز کا، جنھیں ''سراج الشعرا'' اور ''سلطان الذاکرین'' کہا گیا ہے، چوتھا میرزا شمشاد علی بیگ خاں رضوان کا۔ یہ تینوں میرزا غالب کے شاگرد تھے۔ پانچواں قطعہ بہاری لال کا ہے، جس نے ''لطائف غیبی'' کی کتابت کی تھی۔ پھر تمت کے نیچے یہ عبارت درج ہے:

الحمدللہ والمنت کہ این صحیفۂ ہادی یعنی ''لطائف غیبی'' بہ شیرین کاری کارپردازان اکمل المطابع بہ تاریخ بست ونہم ربیع الثانی ۱۲۸۱ھ طبع شد۔

گویا کتاب ۲۱/اکتوبر ۱۸۶۴ء کو چھپی۔ صفحہ ۴۴ مطبوعہ کتاب کی غلطیوں کی تصحیح کے لئے وقف ہے اور اسے عام رواج کے مطابق ''غلط نامہ'' نہیں بلکہ ''صحیح نامہ'' قرار دیا گیا ہے۔

''محرق قاطع برہان'' منشی سید سعادت علی نے غرۂ محرم الحرام ۱۲۸۰ھ کو مکمل کی تھی اور اسی سال یہ چھپ گئی تھی۔ ۱۲۸۰ھ اوائل جون ۱۸۶۴ء میں ختم ہوا۔ گویا چند مہینوں میں میرزا غالب کی طرف سے اس کے جواب میں دو رسالے شائع ہوئے: اول ''سوالات عبدالکریم'' دوم ''لطائف غیبی'' تیسری کتاب مولوی نجف علی نے ''دافع ہذیان'' کے نام سے شائع کی۔ اس کے بعد جو مخالف یا موافق کتابیں طبع ہوئیں وہ پیشِ نظر تذکرے کے دائرے سے خارج ہیں۔

مصنف کی بحث: اس سلسلے میں سب سے پہلا بحث طلب مسئلہ یہ ہے کہ ''لطائف غیبی'' کا مصنف کون تھا؟ کتاب پر میاں داد خاں سیاح کا نام درج ہے، جنھیں میرزا غالب نے ''سیف الحق'' کا خطاب دیا تھا۔ وہ خود ایک مکتوب میں سیاح کو لکھتے ہیں۔

''تمھیں جو میں نے سیف الحق خطاب دیا ہے، اپنی فوج کا سالار مقرر کیا ہے۔

تم میرے ہاتھ ہو۔ تم میرے بازو ہو۔ میرے نطق کی تلوار تمہارے ہاتھ سے
چلتی رہے گی۔''

یہ خطاب پہلی مرتبہ ''لطائفِ غیبی'' ہی کے ذریعہ سے منظرِ عام پر آیا اور سیاحؔ اس وقت مرزا کے پاس نہ تھے بلکہ سورت میں نواب میر غلام بابا خاں رئیس اعظم کے پاس تھے۔ اگر اسے واقعی سیاح کی تصنیف فرض کیا جائے تو یہ ماننا لازم ہوگا کہ ''محرق قاطع'' چھپ کر سیاحؔ کے پاس پہنچی، اس نے کتاب دیکھتے ہی ''لطائف'' مرتب کیے۔ انہیں طباعت کے لئے میرزا کے پاس دہلی بھیج دیا اور یہ سب کچھ چار پانچ مہینے میں ہوگیا۔ یہ بات تو خیال میں آسکتی ہے کہ سیاحؔ کے دل میں ''محرق'' کے جواب کا خیال پیدا ہوا ہو، لیکن وہ اپنے افکار کو ''لطائف'' کی شکل میں پیش نہیں کرسکتا تھا۔ یہ اسلوب صرف میرزا غالب ہی کے ندرت آفریں دماغ کو سوجھ سکتا تھا اور وہی اسے تمام لوازم کے ساتھ لطف انگیز الفاظ کا لباس پہنا سکتے تھے۔ یہ حقیقت کسی خاص توضیح کی محتاج نہیں، لیکن جو شواہد میں پیش کرنے والا ہوں، انہیں ملاحظہ فرمانے کے بعد ہر صاحب فکر و نظر پر روشن ہوجائے گا کہ ''لطائف غیبی'' خود میرزا نے لکھی۔ سیاح کو اس کی ترتیب کا بھی علم نہ تھا یہاں تک کہ کتاب چھپ کر شائع ہوگئی اور میرزا غالب نے اس کے نسخے سیاحؔ کے پاس بھیجے۔

وہ خود ایک مکتوب میں سیاحؔ کو لکھتے ہیں:

> ''خط میں آپ نے بہت سے مطالب لکھے، مگر تیں کتابوں کے دو پارسلوں کی رسید نہیں لکھی۔ یہ ایک پارسل جو بعد دو پارسلوں کے بھیجا گیا ہے اس میں وہی ''لطائف غیبی'' ہے جس کو میں نے اپنے مطالعے میں رکھ کر صحیح کیا ہے۔ اس کے بھیجنے سے یہ مدعا ہے کہ تم ان تیں رسالوں کو اس کے مطابق صحیح کرلو۔''

کتاب کی تصحیح مصنف کا کام ہے نہ کہ قاری کا۔ اگر ''لطائف غیبی'' سیاحؔ کی تصنیف تھی تو میرزا کو یہ لکھنے کی کیا ضرورت تھی کہ ''میرا درست کردہ نسخہ سامنے رکھ کر باقی نسخوں کی تصحیح کرلو۔''

''لطائف غیبی'' کی ابتدا: میرا خیال ہے کہ میرزا نے ''محرق'' کے چھپتے ہی

''لطائف غیبی'' کے لئے ضروری چیزیں فراہم کرنے کا سلسلہ جاری کر دیا تھا۔ ہمارے سامنے ان کے تمام مکاتیب موجود نہیں۔ اگر ہوتے تو بہت سی بیش قیمت معلومات مل جاتیں۔ مثلاً وہ ایک مکتوب میں نواب علاء الدین احمد خاں علائی کو لکھتے ہیں:

> ''یہ رسالہ موسوم بہ ''محرق قاطع برہان'' جو (شہاب الدین احمد خاں) ثاقبؔ نے تم کو بھیجا ہے، میرے کہنے سے بھیجا ہے اور اس ارسال سے میرا مدعا یہ ہے کہ معاینے کے وقت اس کتاب کی بے ربطی عبارت پر اور میری اپنی قرابت اور نسبت ہائے عدیدہ پر نظر نہ کرو، بیگانہ وار دیکھو اور از روئے انصاف حکم بنو، بے حیف ومیل۔ اس نے جو مجھے گالیاں دی ہیں ان پر غصہ نہ کرو۔ غلطیاں عبارت کی شدت اطناب مُمل کی، سوال دیگر جواب دیگر، ان باتوں کو مطمحِ نظر کرو، بلکہ اگر فرصت مساعدت کرے تو ان مراتب کو الگ الگ ایک کاغذ پر لکھو اور بعد اتمام میرے پاس بھیج دو، میرا ایک دوست روحانی کہ وہ من جملۂ رجال الغیب ہے، ان ہفوات کا خاکہ اڑا رہا ہے۔ نیر رخشاں نے اس کو مدد دی ہے۔ تم بھی بھائی مدد دو۔''

ظاہر ہے میرزا خود بھی ''محرق'' کی غلطیاں جمع کر رہے تھے۔ نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر نے بھی یہ کام اپنے ذمے لیا تھا اور میرزا چاہتے تھے کہ نواب علاء الدین احمد خاں علائی بھی جتنی مدد دے سکیں، ضرور دیں۔ مقصود یہ تھا کہ مختلف اربابِ نظر اپنے اپنے اندازے کے مطابق جو جو غلطیاں بروے کار لائیں گے، انہیں جمع کر کے جوابی یا انتقادی کتاب یا رسالہ مرتب کر لینا سہل ہوگا۔ اگر میرزا نے اس مکتوب میں ایک ''دوست روحانی'' کا ذکر کیا ہے جسے وہ من جملہ رجال الغیب کہتے ہیں لیکن وہ خود میرزا تھے نہ کہ میاں داد خاں سیاحؔ، جو ان حالات سے بھی غالباً بے خبر تھا۔

سیرِ سیاح: ایک قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ ''لطائف'' کا اسلوب تحریر سیاحؔ کے اسلوب سے بالکل مختلف ہے۔ سیاح کے خطوط تو ہمارے سامنے نہیں، لیکن ان کی ایک کتاب ''سیر سیاح'' کے نام سے منشی نولکشور نے ۱۸۷۲ء میں شائع کی تھی۔ یہ سیاح کی سیاحتِ ہند کا ایک مرقع ہے،

جس میں کچھ کم ساٹھ صفحے دو مشاعروں میں مختلف شعرا کے کلام پر مشتمل ہیں۔ ابتدا میں سیاح نے اپنی سیر کے حالات بہ صورتِ نثر مرتب کئے ہیں۔ یہ نثر ''لطائف'' سے کم و بیش سات سال بعد کی ہے۔ اس وجہ سے اس میں زیادہ پختگی، زیادہ روانی اور زیادہ حسن موجود ہونا چاہئے تھا۔ اس کے برعکس وہ پرانے رنگ کی نثر ہے۔ جس کے دو دو تین تین فقروں میں قافیہ بندی کا التزام کیا جاتا تھا۔ میں صرف ایک مثال پیش کروں گا۔ منشی نولکشور کی مہمان نوازی کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

''سیر چشمی، سبحان اللہ۔ منش بزرگ واہ واہ۔ حوصلے کی تونمندی، ہمت کی بلندی بات بات میں، انضباطِ لوازم و احتیاطِ مراسم کی پابندی ملاقات میں۔ رات دن تکلف کے نئے ٹھاٹ دکھاتے۔ سو سو طرح سے میرے دل کو بہلاتے۔ ہر روز روزِ عید ہر شب شب برات، صبح و شام اکابر شہر کی ملاقات، تواضع کوشی کا شیفتہ کیا، مدارات جوشی کا فریفتہ۔ اگر حضرت نوحؑ کی عمر پاؤں، شکرِ مہمان نوازی ادا نہ کر سکوں۔۔۔ یہ داستان حد سے متجاوز ہے کہ قلم دو زبان ایک جملے کے ادا میں عاجز ہے۔ نہ ہاتھ میں طاقت تحریر کی، نہ زبان میں طاقت تقریر کی۔''

بس چھ سات صفحے اسی قسم کی عبارت سے مزین ہیں۔ ''لطائف غیبی'' کا اسلوب اس سے بالکل مختلف ہے اور اس کا ایک بھی صفحہ ایسا نہیں جسے مذکورہ بالا عبارت کے محرر کی قلمکاری کا نتیجہ قرار دیا جا سکے۔

''سوالات'' و ''لطائف'' کے مطالب: ایک عجیب امر یہ ہے کہ ''سوالات عبدالکریم'' اور لطائف غیبی'' کے بعض مطالب میں ایسا اشتراک ہے کہ یہ دونوں چیزیں صرف ایک فرد کے قلم سے ہو سکتی ہیں۔ مثلاً سوالات میں سے سترہواں یا آخری سوال منشی سعادت علی مصنف ''محرق'' سے یہ کیا گیا ہے۔

''آپ سنی ہیں اہل جماعت۔ خلفائے راشدین کو اپنا پیر و مرشد اور ان کی تعظیم و تفضیل کو اپنے اوپر واجب اور سبِ صحابہ کو گناہ بلکہ کفر جانتے ہیں۔ آپ کے حقیقی بھائی نے مذہب رفض اختیار کیا۔ محرم میں حاضریاں کھاتے ہیں اور تعزیہ خانوں میں مجلس

اڑاتے پھرتے ہیں۔ تم ان سے کبھی خفا نہ ہوئے۔ مقام حیرت ہے کہ جامع ''برہان قاطع'' کی مذمت پر تو وہ استیلائے غیظ وغضب اور لعن وطعن صحابہؓ سن کر کان پر جوں نہ پھرے اور تیوری پر بل نہ پڑے۔۔۔الخ''

اب ''لطائف غیبی'' اٹھایئے، اس کے دوسرے لطیفے میں اور باتوں کے علاوہ یہ بھی ہے:

''مزہ ایک اور ہے کہ منشی جی بذاتِ خود سنّی ہیں اور حقیقی بھائی ان کے شیعی سنّی ہیں، محرم میں بھس اڑاتے پھرتے ہیں۔ حاضریاں کھاتے پھرتے ہیں۔ اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو بُرا کہتے ہیں اور منشی جی کے ساتھ ایک گھر میں رہتے ہیں، ان پر منشی جی کو کبھی غصہ نہ آیا۔ خلفائے راشدین کی مذمت سے منع نہ فرمایا۔ اس باب میں کوئی عذر پیش لائیں اس کی وجہ بیان فرمائیں۔ بدیہی تو یہی ہے کہ منشی جی کو دکنی کا پاس اپنے بزرگان دین سے زیادہ ہے'' (''لطائف'' ص ۵)

سولہواں سوال: اسی طرح ''سوالات'' کا سولہواں سوال یہ ہے۔

''محمد حسین دکنی جامع'' ''برہان قاطع'' پیرِ طریقت نہ تھا۔ شیخ وقت نہ تھا۔ مفتی نہ تھا مجتہد نہ تھا۔ عالم نہ تھا۔ رعایائے دکن میں سے ایک شخص متوسط الحال ہوگا۔ غایۃ مافی اسباب یہ کہ پڑھا لکھا ہوگا۔ اس کی بہ نسبت جو حضرت غالب مدظلہ العالی نے کچھ کلمات ظرافت آمیز لکھے، آپ نے اس کے عوض میں حضرت کو وہ کچھ لکھا کہ کوئی اشراف کسی ادنیٰ آدمی کو بھی نہ کہے گا، نہ لکھے گا۔ بس صاف گالیاں ہیں۔ یہ آپ کا معتقد آپ سے بہ کمال عجز اور انکسار پوچھتا ہے کہ ایک دکنی ولی کے واسطے آپ کو غصہ اتنا کیوں آ گیا کہ آپ نے مناظرے کو پھکڑ بنا دیا اور فحش بکنے لگے اور بھوگ دینے لگے؟ اس سوال کا جواب شافی لکھیے۔''

''لطائف غیبی'' میں لکھتے ہیں کہ ایک شخص عالی خاندان ہے۔ علاوہ بریں صاحب کمال، یگانۂ روزگار، اہل ہندوستان کا مطاع، مسائل منطق فارسی کا مفتی، مرنجان مرنج، گوشہ

نشیں، آزادووارستہ، ستر برس کی عمر کا ہے یعنی اسد اللہ خاں غالب۔

''ایسے شخص کی نسبت ناسزا کہنا منافی شانِ علم وادب بلکہ خلاف آئینِ آدمیت ہے۔ منشی سعادت علی نے قطع نظر اور حالات وکمالات سے کبر سن کا بھی پاس نہ کیا۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ ع

کہ حق شرم دارد ز موئے سفید

جس سے خالق کو شرم آئے مخلوق اس سے نہ شرمائے۔ مابہ النزاع یہ ہے کہ حضرت غالب نے ''برہان قاطع'' کے اغلاط پر اعتراضات لکھے ہیں۔ کہیں کہیں از راہ شوخی طبع ظریفانہ بہ طریق ہذلہ رقم سنج ہوئے ہیں۔ منشی جی نے حضرت غالب کی شان میں سفیہانہ وہ کلمات ناسزا لکھے ہیں کہ ایسے کلمات کوئی شریف النفس بہ نسبت کسی آدمی کے نہ لکھے گا۔ محمد حسین دکنی کے انتقام لینے کا بہانہ مسموع ومقبول نہیں۔ وہ دکنی منشی جی کا کون تھا جو ان کو اس کی مذمت سن کر ایسا غصہ آگیا کہ چہرہ گرمی سے لال ہو گیا بدن سے پسینہ بہنے لگا۔ منہ میں جھاگ آگئے۔ آنکھیں بند کر لیں۔ گالیاں بکنے لگے۔''

(''لطائف'' ص ۵)

اطنابِ ممل: ایک اور اقتباس ملاحظہ فرمایئے۔ لطیفہ نمبر ۲ کا آغاز یوں ہوتا ہے۔

''اے صاحبانِ فہم و انصاف عبارت ''محرقِ قاطع برہان'' کو دیکھا چاہیئے۔ خلط مبحث، اطنابِ ممل، سوءِ ترکیب، تباہی روزمرہ، غلطی فہم، اس سے مجھے کچھ کام نہیں۔ بھلا عامیانِ معوج الذہن کی نثر اور کیسی ہوگی۔ خالصاً للہ یہ بتاؤ کہ یہ مناظرہ ہے یا پھکڑ؟ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہیجڑا تالیاں بجا کر گالیاں دیتا ہے یا ایک سڑی کو کسی نے چھیڑ دیا ہے، وہ فحش بک رہا ہے۔''

واضح رہے کہ اطنابِ ممل یہاں بھی موجود ہے۔ یہ نواب علائی کے نام کے مکتوب میں بھی موجود ہے جس سے اقتباس پہلے پیش ہو چکا ہے اور اس قطعے میں بھی موجود ہے، جو میرزا نے مولوی احمد علی کی ''مؤید برہان'' کے جواب میں لکھا تھا۔

لغو و حشو و ادعائے محض و اطناب ممل

مور و موش و سوسمار و گربہ یک جا کردہ است

دوسرے کے نام سے کیوں؟ بہر حال قرائن سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ''سوالات عبدالکریم'' کی طرح ''لطائف غیبی'' بھی خود میرزا غالب نے لکھی تھی، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس پر اپنا نام کیوں نہ دیا؟ مطالب یا اسلوب تحریر کے لحاظ سے یہ معمولی کتاب نہ تھی لیکن میرزا کو اس کے ساتھ انتساب کس لئے گوارا نہ ہوا؟ اس سلسلے میں بھی قیاس آرائی کے سوا چارہ نہیں۔ چنانچہ اب تک قیاس کی بنا پر مختلف وجوہ پیش کئے گئے ہیں مثلاً۔

ا۔ غالب ''محرق'' کے مصنف کو لائق خطاب نہیں سمجھتے تھے لہذا انہوں نے جو رسالہ رد میں لکھا، اسے اپنے ایک شاگرد کے نام سے شائع کر دیا۔ جس طرح پہلے ''سوالات'' ایک فرضی نام سے شائع کر چکے تھے۔ میرزا نے نواب علائی کو ''محرق'' کے متعلق جو کچھ لکھا تھا، اس کے آغاز میں عرفی کا یہ مشہور شعر بھی لکھ دیا تھا۔

با من از جہل معارض شدہ نا منفعلی

کہ گرش ہجو کنم این بودش مدحِ عظیم

اس سے مذکورہ بالا وجہ کی مزید تصدیق ہوتی ہے اور یہ شعر خود لطائف میں بھی آیا ہے۔

۲۔ میاں داد خاں سیاح اہل دہلی کے لئے سراسر اجنبی تھے اور ان کی زبان سے منشی سعادت علی کے خلاف جو کچھ کہا جا سکتا تھا وہ میرزا غالب خود کہنا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔

۳۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کتاب کو کسی اور سے منسوب کر کے اپنے متعلق ستائش کے لئے زیادہ سے زیادہ گنجائش نکالی جا سکتی تھی۔

میرے نزدیک تیسری وجہ تو چنداں قابل التفات نہیں کیونکہ کتاب کوئی بھی لکھتا، میرزا غالب کی ستائش میں ویسے کلمات ضرور استعمال کرتا۔ جیسے ''لطائف غیبی'' میں موجود ہیں۔ البتہ پہلی دو وجہیں خاصی معقول معلوم ہوتی ہیں تاہم میرے نزدیک ان کی حیثیت ثانوی ہے، کتاب دوسرے کے نام سے شائع کرنے کی اصلی وجہ یہ تھی کہ اس میں نہ تو مباحث کا انداز علمی تھا، نہ

''محرق'' کے ایک ایک اعتراض کا جواب دیا گیا تھا اور نہ کتاب کا اسلوب تحریر علمی تھا۔ بالکل یہی کیفیت ''سوالاتِ عبدالکریم'' کی تھی۔ ان دونوں میں سرسری طور پر ''محرق'' کے خلاف چند اعتراضات کئے گئے تھے۔ چونکہ انہیں لطائف کی حیثیت دے دی گئی تھی اس وجہ سے اسلوب تحریر میں مستقل علمی ثقاہت قائم نہ رہی اور میرزا غالب خاص اس مرحلے پر ایسی تحریر اپنے سے منسوب کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتے تھے۔

کوئی علمی تحریر مرتب نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ میرزا غالب ۱۸۶۲ء میں اورام وبثور کا شکار ہو گئے تھے اور اس بیماری نے تین سال تک انہیں سخت پریشان و بدحال رکھا۔ اسی کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے نواب کلب علی خاں مرحوم کو لکھا تھا۔

جناب قبلۂ حاجات اس بلاکش نے
بڑے عذاب سے کاٹے ہیں پانچ چار برس

یہ زمانہ ایسا تھا کہ نہ تو وہ اطمینان سے بیٹھ سکتے تھے اور نہ کچھ لکھ سکتے تھے۔ اس دور کے مکاتیب میں متواتر اس شدید مرض کی شکایتیں کی جاتی رہیں۔ ان کی تحریر میں جہاں کہیں تلخی کی شدت محسوس ہوتی ہے، وہ دراصل ان رنج افزا عوارض ہی کا نتیجہ ہے۔ اگرچہ ان کے عقیدت مندوں کی کمی نہ تھی بلکہ خاصی کثرت تھی، تاہم فکر و نظر کے اعتبار سے یقیناً وہ یگانہ و تنہا تھے۔ انہوں نے سچ کہا تھا۔

ما ہمائے گرم پردازیم فیض از ما مجوے
سایہ ہمچوں دود بالا می رود از بالِ ما

پھر فرماتے ہیں۔

رفتہ در حسرت نقشِ قدمی عمر بہ سر
جادۂ را کہ بہ سر منزلِ ما می آید

کوئی فرد ایسا نہ تھا، جو ان کا نقطہ نگاہ ٹھیک ٹھیک سمجھ سکتا۔ پھر انہیں کے انداز میں اسے واضح کر سکتا، اس لئے انہیں ہر جسمانی زحمت کے باوجود سب کچھ خود کرنا پڑا اور جو بھی وہ لکھ گئے

ہیں، اپنے دائرہ بحث و نظر میں اس کی امتیازی حیثیت سے اختلاف نہیں کیا جا سکتا۔

''لطائف'' کی تمہید: کتاب کی تصنیف کے سلسلے میں ضروری امور کی توضیح کے بعد اب کتاب کے مطالب پر متوجہ ہونا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ ایک مختصر سے مضمون میں تمام مطالب پر تفصیلی بحث ممکن نہیں۔ کتاب کا خاصہ حصہ ''محرق'' کی غلط یا ناقص تحریر سے تعلق رکھتا ہے۔ یقیناً صاحب کتاب کو فارسی تحریر پر ویسی قدرت بھی حاصل نہ تھی، جیسی منشی امین الدین نے'' قاطع القاطع'' میں یا مرزا رحیم بیگ نے'' ساطع برہان'' میں دکھائی۔ اگرچہ امین الدین کا طریقِ تحریر عموماً سوقیانہ ہے، لیکن منشی سعادت علی تو بے چارہ بالکل مبتدی معلوم ہوتا ہے۔ میں صرف چند لطائف کے متعلق سرسری گفتگو کروں گا۔ سب سے پہلے تمہید کی عبارت یہاں من وعن درج کرتا ہوں۔ اس سے بھی ''محرق'' کی حیثیت کے بعض پہلو بخوبی آشکارا ہو جائیں گے۔ لکھتے ہیں۔

''سیاحِ بحر و بر ہیچمدان بے ہنر سیف الحق میاں داد خاں حق شناسوں کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ میں رہنے والا اورنگ آباد دکن کا ہوں۔ میں نے بعد تحصیل علوم رسمیہ سیاحت اختیار کی، بنگالہ، دکن، پنجاب، وسط ہند، بلاد وقری کی۔ کہاں تک نام لوں۔ قلمرو ہند میں سرتاسر پھرا ہوں۔ بلکہ سندھ و کابل و کشمیر و قندھار بھی دیکھ آیا ہوں۔ ان دنوں میں دو رسالہ نثر کے میری نظر سے گزرے۔ ایک'' قاطع برہان'' اور ایک ''محرق قاطع برہان'' پہلے نسخے یعنی'' قاطع برہان'' کا مؤلف ایک شخص ہے معزز اور مکرم والا مرتبہ، عالی شان، عالی خاندان، انگریزی رئیس زادوں میں محبوب، بادشاہ دہلی کے حضور سے مخاطب بہ نجم الدولہ، دبیر الملک، نظام جنگ یعنی غالب تخلص، اسد اللہ خاں بہادر اور'' محرق'' کا جامع کوئی شخص ہے رعایائے دہلی میں سے کہ کبھی کسی زمانے میں کسی محکمۂ انگریزی کا سر رشتہ دار ہو گیا تھا اور اب خانہ نشین ہے، موسوم بہ منشی سعادت علی، نہ نثر سے واقف، نہ نظم سے آگاہ، نہ عقل کا سرمایہ، نہ علم کی دستگاہ۔ کسی بستی میں کسی گاؤں میں، کسی گھاٹ پر کسی بات پر، اس بزرگ کا نام کسی سے نہیں سنا۔ اللہ اللہ! غالب نام آور نامدار! کوئی شہر ایسا نہ دیکھا جس میں ان کے دو چار شاگرد،

دس بیس معتقد نہ دیکھے ہوں۔ ایک عالم ان کی فارسی دانی اور شیوہ بیانی کا معترف۔ نظم میں ظہوری و نظیری و عرفی کے برابر، نثر میں نثاران سابق و حال سے بہتر۔ کلیات نظم نسخہ سحر سامری۔ نثر میں، ''پنج آہنگ'' سلکِ دُرِ خوش آب، ''دستنبو'' گوہر نایاب'' مہر نیمروز'' غیرت آفتاب۔ ہر نکتہ کتاب، ہر کتاب ممتنع الجواب، جو بلاغت اور فصاحت کو جانتے ہیں اور معنی کا حسن پہچانتے ہیں، متفق علیہ ان کا عقیدہ یہی ہے، اگر ایک آدمی کا عوام میں سے یہ عقیدہ نہ ہوا تو وہ آدمی بے شک ایک گروہ کا مردود ہوگا۔

گر نہ بیند بہ روز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

''محرق'' کی عبارت، واہ کیا کہنا! مبتدا کچھ خبر کچھ، روابط نامربوط، ضمائر محذوف۔ اول سے آخر تک سوالِ دیگر، جوابِ دیگر کا التزام، عبارت یک قلم حشو اور حشو بھی قبیح، با این ہمہ وہ رسالہ سراسر بغض و عناد و سوءِ ظن و حمق و خبط و سبّ و فحش کا مجموعہ ہے۔ آیا خاطر میمونِ منشی صاحب میں کیا آیا، جو اس رسالے کی تحریر کا قصد فرمایا۔ کتاب خوگیر، عبارت خوگیر کی بھرتی جو اشعار بہ چشمداشت سند لکھے ہیں۔ وہ زیر تنگ، زبر تنگ، سوار نابینا، مرکب کہنہ ولنگ، کتاب گدڑی، ہر فقرہ ٹکڑا، ہر ٹکڑے کا نیا رنگ۔ کیا منشی جی نے یہ قیاس کیا کہ تمام ہندوستان میں کوئی عالم، کوئی عاقل، کوئی منصف نہیں ہے؟ اللہ اللہ! ہندوستان مجمع فضل و کمال ہے۔ منشی جی کے حمق کا پردہ کھل جائے گا۔ بلکہ مولانا غالب کا ایک ایک شاگرد منشی جی کا خاکہ اڑائے گا۔ مجھ کو تو حمیت اور رعایت حق اس تحریر کی باعث ہوئی تا کہ میں نے بیس لطائف جمع کئے اور اس نگارش کا'' لطائف غیبی'' نام رکھا۔''

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استادِ ازل گفت، بگو، می گویم

تمہید کے سلسلے میں ایک دو باتیں عرض کر دینا ضروری ہے۔ میرزا نے ابتدا میں اپنی

خاندانی بڑائی اور ناموری نیز منشی سعادت علی کی گمنامی کا ذکر جس انداز میں کیا ہے وہ مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ علم و فضل، ناموری یا رفعتِ خاندان سے مخصوص نہیں۔ جن بزرگوں نے من قال کے بجائے ما قال پر زور دیا۔ وہ اس بارے میں حقیقت سے بہ درجہا بہتر واقف تھے، لیکن میرزا کے زمانے میں ان چیزوں کو خاصی اہمیت حاصل تھی۔ نیز میرزا نیرنگِ روزگار کے بیسیوں عبرت افزا تماشے دیکھ چکنے کے باوجود خاندانی برتری کے اس طلسم سے نجات نہ پا سکے، جو دراصل دورِ جاگیرداری کا گراں ترین سرمایہ تھا اور میرزا کو یہ سرمایہ وراثت میں ملا تھا، اگرچہ جاگیر نہیں ملی تھی۔

خواجہ حافظؔ کا جو شعر تمہید کے آخر میں لکھا ہے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیف الحق سیاحؔ محض ایک پردے کا کام دے رہے تھے، ترانہ ریزیاں دراصل مرزا غالب کی تھیں۔

سیاحؔ کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ سندو کابل و کشمیر و قندھار بھی دیکھ چکے تھے۔ ''سیر سیاحؔ''میں، جو سات سال بعد مرتب ہوئی۔ سیاحؔ نے لکھا تھا کہ کشمیر نہیں دیکھا۔ کابل و قندھار بھی وہ یقیناً نہیں گئے۔ یہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ کتاب سیاحؔ کی نہ تھی، میرزا کی تھی، جن کی معلومات سیاح کے متعلق سرسری تھیں یا یہ سمجھ لیجئے کہ میرزا نے سیاحت کی اہمیت بڑھانے کے لئے شاعرانہ مبالغے سے کام لے لیا۔

لطیفہ نمبر ۳: ''برہان قاطع''میں ''آبچیں'' کے معنی یوں بیان کئے تھے کہ یہ اس کپڑے کو کہتے ہیں جس سے مُردے کا بدن بعد غسل خشک کیا جاتا ہے۔ میرزا غالب نے اس پر یہ اعتراض کیا تھا کہ مردے کے کفن کو خشک کرنے کی قید بیجا ہے کیوں کہ ''آبچیں'' ہر اس کپڑے کو کہتے ہیں، جس سے جسم یا اس کا کوئی حصہ خشک کیا جائے۔ یہ بھی بتا دیا تھا کہ اس بارے میں مغالطہ صرف مصنف ''برہان قاطع'' تک محدود نہیں۔ دوسرے بھی اس میں مبتلا ہوئے اور اس کا سرچشمہ فردوسی کا یہ مصرع ہے۔

ندارم بہ مرگ آبچین و کفن

حالانکہ یہ مصرع مفید معنی حصر نہیں

یہ بالکل معمولی بات تھی اور کوئی وجہ نہ تھی کہ کسی کی سمجھ میں نہ آتی، لیکن ہر مخالف نے

اس سلسلے میں میرزا غالب کی نہ صرف مخالفت ضروری سمجھی بلکہ یہ الزام بھی عائد کردیا کہ میرزا غالب فردوسی کو مسلم الثبوت نہیں مانتے۔ اس باب میں "لطائف" کی عبارت کم و بیش دو صفحوں میں پھیلی ہوئی ہے جس میں سے صرف ایک حصہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"فردوسی شاعر تھا، فرہنگ نویس نہ تھا۔ مولانا غالب تخطیہ کرتے ہیں فرہنگ لکھنے والوں کے قیاس کا اور منشی جی اس کو فردوسی کا تخطیہ گمان کرتے ہیں۔ فقیر سیاح کے ایک بات یہاں خیال میں آئی کہ محمد حسین دکنی فردوسی کے شعر کو نہ سمجھا اور منشی جی خان غالب کی نثر کے معنی الٹے سمجھے۔ غلط فہمی کی صفت بین الصاحبین مشترک ہوئی اور یہ بات ثابت ہے کہ دکنی استاد اور منشی شاگرد ہے اور یہ بھی متفق علیہ جمہور ہے کہ شاگرد بیٹے کی جگہ اور استاد باپ کی جگہ ہوتا ہے۔ پس اب چاہئے کہ اس مقام پر ہم "الولد سرلابیہ" کہیں اور منشی جی خوش ہو کر ہم کو سلام کریں اور لاریب فیہکہیں۔"

(ص ۷)

معنی لفظ "فراز": میرزا نے "قاطع برہان" کی ایک تنبیہ میں لکھا تھا کہ صاحب "برہان قاطع"، "فراز" کو اضداد میں شمار کرتا ہے یعنی اس کے معنی دروازے کا بند کرنا اور کھولنا دونوں ہیں۔ خود میرزا نے لکھا تھا۔

"فراز" ضد "نشیب" است، چون ہنگام بستن تختہ ہائے دراز ہر دو سو مرئی می شود آن صورت بلندیست ہر آئینہ بستن دررا در فراز کردن گویند، چنانچہ سعدی گوید۔

بروے خود در طماع باز نتواں کرد
چو باز شد بہ درشتی فراز نتواں کرد

("قاطع برہان" ص ۵۴)

منشی سعادت علی نے "محرق" میں لکھا کہ فرہنگ جہانگیری" کے مصنف کے مطابق فراز بارہ معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کے بعد مثال میں جتنے شعر پیش کئے ہیں، ان میں "فراز" بند کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً۔

۱	جہاں پناہا ازیمن دولتست امروز دہان عافیہ باز است و چشم فتنہ فراز	(کمال اسمٰعیل)
۲	صنعت مکن کہ ہر کہ محبت نہ راست باخت عشقش بردے دل در معنی فراز کرد	(حافظ)
۳	چومطرح ارچہ کہ افگندہ ایم و پے سپریم بہ پشتیِ تو چو مسند شویم سینہ فراز	(کمال اسمٰعیل)

منشی سعادت علی نے لکھا تھا کہ آخری شعر میں ''فراز'' بہ معنی کشادہ استعمال ہوا ہے۔ میرزا غالب فرماتے ہیں کہ ''کشادہ'' نہیں بلکہ ''بلند'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے کیونکہ مسند کی صفت کشادگی نہیں بلکہ بلندی ہی ہوتی ہے۔ مسند عالی و بلند، نہ کہ مسندِ مفتوح و کشادہ۔

خواجہ حافظ کا ایک شعر: خواجہ کا ایک مشہور شعر ہے ؎

حضور مجلس انس است و دوستان جمع اند
و اِن یکاد بخوانید و در فراز کنید

ظاہر ہے کہ اس شعر میں ''در فراز کنید'' کے معنی یہ ہیں کہ دروازہ بند کر دو۔ میرزا غالب نے ''قاطع برہان'' میں اس کی شرح کرتے ہوئے لکھا تھا۔ ؎

''نخست مجلس انس و مجمع احباب و حرکاتِ دوستان بے تکلف را خاصہ در بزم شراب در ضمیر نقش باید بست۔ سپس تو ان فہمید کہ مجلس انس خلوتیست خالی از اغیار۔ اگر ناگاہ بیگانہ بدیں چنیں انجمن در آید، ہمہ راعیش منغض و خاطر مکدر گردد، مگر در ہجوم عام جز گزند چشم زخم، ہیچ رنج دیگر نیست کہ آن را بہ خواندن ان یکاد از خود دفع کنند و در نکشایند تا ہمسایگان و سوقیان ہمہ گرد آیند و رسوائی مجلسیان تماشا کنند بلکہ سرہنگان و عسس و محتسب نیز در آیند و مستان را بہ اسیری برند۔ اگر گویند خواندن ان یکاد بہر چہ خواہد بود؟ گوئیم بہر دفع چشم زخم یک دیگر است کہ آن از چشم زخم بیگانگان خطرناک تر است۔ پیر جہاندیدہ می فرماید کہ آفت آغیار بہ بستن در دفع کنید و بلائے عین الکمال احباب

را بہ خواندن آن یکاد بگردانید''   ('' قاطع برہان'' ص ۱۵)

منشی سعادت علی نے اپنے آپ پر لازم قرار دے لیا تھا کہ جو کچھ میرزا غالب نے لکھا ہے، اس کی ضرور مخالفت کریں گے۔ اول وہ اس شعر کو مولانا جامی سے منسوب کرتے ہیں ('' محرق'' ص ۶) پھر فرماتے ہیں کہ '' درفراز کنید'' کے معنی ہیں۔ دروازہ کھول دو اور دروازہ کھول دینے میں نکتہ یہ ہے کہ کوئی اس مجلس کی طرف آنکھ نہ اٹھائے اور اس کی جانب متوجہ نہ ہو اور جب تک وہ مجلس میں شریک ہو کر اس کے اقوال وافعال سے آگاہ نہ ہوگا، مجلس کی کیفیت اس پر کیونکر آشکارا ہوگی!

میرزا '' لطائف غیبی'' میں فرماتے ہیں۔

'' اہل خرد سمجھیں گے کہ منشی جی کس بات پر الجھے ہیں۔۔۔ اتنا کیوں نہیں پہچانتے کہ جس گھر میں فسق وفجور کی مجلس ہو۔ اس کا دروازہ بند کر لیتے ہیں یا کھلا رہنے دیتے ہیں؟ قرینہ کیا چاہتا ہے اور اقتضائے مقام کیا ہے؟ یہاں ایک اور دقیقہ ہے۔ منشی جی تو خاک سمجھیں گے۔ میں ضیافت اہل علم وعقل کے واسطے تقریر کو بڑھاتا ہوں۔'' درفراز کنید'' دروازہ کھول دو کے معنی جب دے گا کہ پہلے سے دروازہ بند ہوگا۔ پس اگر دروازہ بند تھا تو دوست کدھر سے آ گئے کہ بعد ان کے اجتماع کے افتتاح باب کا حکم صادر ہوتا ہے؟ بارے اس شعر میں بھی بہ قرائن ودلائل '' درفراز کنید'' کے معنی یہی ثابت ہوئے کہ دروازہ بند کردو۔''   ('' لطائف غیبی ص ۱۸)

سیرابی بیان: لطیفہ نمبر ۸ فرماتے ہیں کہ منشی سعادت علی:

'' نظیری زمانہ غالب یگانہ سے الجھتے ہیں کہ تو نے '' سیرابی بیان'' کیوں لکھا؟ '' سیرابی'' نبات وحیوان وانسان کے واسطے ہے نہ بیان کے واسطے۔ منشی جی فن استعارہ سے آگاہ نہیں ہیں جو چاہیں سو کہیں۔ اس کے نظائر ہزار ہیں۔ منشی جی کو مقدمات کی مثلیں فراہم کرنے سے اور مستغیثوں کے عرائض پر حکم چڑھانے سے فرصت کہاں ملی ہوگی کہ کتب کی سیر کی ہوگی۔ '' شگفتگی'' جبیں کی اور زمین شعر کی

صفت پڑتی ہے، حالانکہ نہ جبیں پھول ہے، نہ شعر کی زمین۔ منشی جی! تمہیں اپنے ایمان کی قسم، شاعر کو رنگین بیان کہیں لکھا دیکھا ہے تو اس کو جائز رکھا ہے یا نہیں؟ پس اگر ''رنگینی بیان'' جائز ہے تو ''سیرابی'' بھی جائز ہے۔ بقول تمہارے ''بیان'' نہ سبزہ ہے، نہ جانور، نہ آدمی، پھر سیراب کیوں کر ہوا؟ اسی طرح ''بیان'' نہ پھول ہے، نہ رنگا ہوا کپڑا، پھر رنگین کیونکر ہوا؟ بیان کی خوبی کی صفت ہے ''رنگینی'' بھی اور ''سیرابی'' بھی۔ اغلب ہے حضرت غالب مغلوب الغضب ہیں۔ دکنی کی ایسی ہی پریشان بیانیوں پر غصہ آ گیا ہے، تب اس کی تحمیق میں کلمات سخت کہے ہیں۔''

(ص ۱۸)

ایک بنیادی نکتہ: مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم و مغفور نے میری کتاب ''غالب'' پر توضیح یا تصحیح کے سلسلے میں جو عبارتیں رقم فرمائی تھیں، ان میں ایک عبارت ''قاطع برہان'' کی بحث پر بھی تھی۔ مولانا نے لکھا تھا۔

''واقعہ یہ ہے کہ میرزا غالب نے یہ چند اجزا، (قاطع برہان) لکھ کر علم و تحقیق کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ افسوس کہ خواجہ حالی نے اس بحث کو زیادہ تفصیل سے نہیں لکھا۔۔۔''برہان قاطع'' کے جو خرافات انہوں نے نقل کئے ہیں انہیں پڑھ کر تعجب ہوتا ہے کہ اہل علم و بصیرت میں سے کوئی کیونکر ان کی تائید کر سکتا ہے؟ مگر مصیبت یہ ہے کہ سارا معاملہ ایک طرح کا منطقی مصادرہ تھا۔ اعتراض ہندی لغت نویسوں پر تھا اور ہندی لغت نویسوں ہی کا کلام بہ طور دلیل پیش کیا جاتا تھا۔''

''لطائف غیبی'' میں بھی اس قسم کے اشارے ملتے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

''بات یہ ہے کہ فارسی دانان ہند محقق نہیں ہیں۔ مقلد ہیں۔ اکثر تو قتیل بے سرمایہ کے پجاری ہیں۔ اس کی تالیفات کو آنکھ کی پتلی بنائے ہوئے ہیں۔ جو بلند پرواز ہیں وہ ''برہان قاطع'' کو عرش المعرفت جانتے ہیں اور اس کے اقوال کو مانتے ہیں پس جب کوئی محقق حق و باطل کا ممیز ہو اور دکنی کے اغلاط ظاہر کرے تو وہ حضرات طیور

آشیاں گم کردہ کیوں نہ بن جائیں؟ جب ان کا ماخذ تباہ ہوگیا تو اب سند کس کو ٹھہرائیں؟ جس میں یہ دو صفات ثبوتی جمع ہوں گی۔ یعنی حقیقت زبان فارسی سے آگہی اور انصاف کا ملکہ، مع ہذا یہ دو صفتیں سلبی بھی معاً موجود ہوں گی، یعنی مردہ پرست نہ ہوگا اور حسد پیشہ نہ ہوگا۔ وہ تو غالب کی قدر جانے گا اور اس محقق مدقق کے قول کو مانے گا اور ایسے لوگ دنیا میں کم ہوں گے۔ پس اس صغریٰ اور کبریٰ کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت غالب کے منافقین و منکرین ہزار در ہزار پیدا ہو جائیں گے۔ ہر چند اہل حق انہیں سمجھائیں گے۔ لیکن وہ انکار سے باز نہ آئیں گے۔ جہل مرکب کا علاج محال ہے، علم عربی کی قوت سے فارسی دانی محض وہم و خیال ہے۔''

(ص ۴۳،۴۴)

میرزا غالب کا استاد: محض ''محرقِ قاطع'' نہیں بلکہ بعض دوسرے اصحاب نے بھی ہرمزد یعنی ملا عبدالصمد کو میرزا غالب کا استاد ماننے سے انکار کیا تھا، حالانکہ اس کے لیے کوئی قابلِ توجہ دلیل موجود نہ تھی۔ ''لطائف غیبی'' کے لطیفہ نمبر ۱۵ میں لکھتے ہیں کہ منشی سعادت علی کے نزدیک اس استاد کا وجود خارجی نہیں تھا۔

''ہاں سچ ہے وہ ایسا وجود خارجی نہیں رکھتا تھا کہ ناصبی کے ساتھ مترادف بالمعنی ہو۔ ساسان پنجم کی اولاد میں سے رہنے والا ایزد کا ایک امیر زادہ جلیل القدر جس نے پچاس برس علمائے عرب و بغداد سے علوم عربیہ حاصل کئے، پھر ہندوستان میں تشریف لایا، حضرت غالب سے ملا اور دو برس ان کا مہمان رہا۔ اس کو منشی جی کس دلیل سے جھوٹ کہتے ہیں؟ نجم الدولہ جھوٹ نہ بولیں گے مگر ہاں بموجب اس مصرع کے۔

کاذب ہمہ را بہ کیشِ خود پندارد

منشی جی جیسے آپ ہیں، ویسا اور کو بھی سمجھتے ہیں۔ مخالفین مذہب اسلام اس طریق کو جھوٹا جانتے ہیں اور وہ از روئے شمار لاتعد و لاتحصیٰ ہیں۔ عیاذاً باللہ! کیا اس اجماع سے مذہب اسلام باطل ہوا جاتا ہے؟'' (ص ۳۵)

ہمارے زمانے میں بھی ایک مشہور صاحب علم و تحقیق نے ملاّ عبدالصمد کے وجود خارجی سے انکار فرمایا تھا اور ایسی دلیلیں پیش کی تھیں جنہیں دیکھ کر بار بار تعجب ہوتا تھا۔ مثلاً یہ کہ ''قاطع برہان'' کی طباعت تک کبھی عبدالصمد کا نام نہ سنا گیا یا خواجہ حالیؔ نے لکھا ہے کہ کبھی کبھی میرزا کی زبان سے سُنا گیا چونکہ لوگ مجھے بے استادا کہتے تھے اس لئے ایک فرضی استاد تجویز کرلیا۔ حالانکہ خواجہ حالیؔ اس روایت کے باوجود عبدالصمد کے وجود کے معترف تھے یا مثلاً پروفیسر عبدالغفور شہباز کی ''حیات بے نظیر'' میں حکیم غلام رضا خاں کا ایک مکتوب دیکھ لیا جس میں موصوف نے فرمایا تھا کہ میرزا نے اپنا فارسی یا اردو کلام کسی کو نہ دکھایا اور عبدالصمد کا وجود ذہن میں تھا، خارجی میں نہ تھا گویا اس دنیا کے ہر انسان کا قول لازماً بلا سند بھی قبول کرلینا چاہیۓ اور میرزا کے دعوے کو ضرور غلط ماننا چاہیۓ۔ میں اس موضوع پر الگ تفصیلاً لکھنا چاہتا ہوں، لیکن یہاں صرف اتنا عرض کرنے کی جسارت کروں گا کہ اہل تحقیق کو فیصلے میں عجلت نہ کرنی چاہیۓ۔ ملاّ عبدالصمد یقیناً میرزا کا استاد تھا، اگرچہ میرزا نے اس سے استفادے کا جو تصور قائم کر رکھا تھا، اس کی حیثیت کچھ ہی ہو اور اگرچہ خود ملاّ عبدالصمد کے علم فارسی کے متعلق وہ رائے درست نہ مانی جائے جو میرزا غالب نے چودہ سال کی عمر میں قائم کی تھی۔ خواجہ حالی اور نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ دونوں عبدالصمد کے وجود خارجی کے مصدّق ہیں۔ البتہ یہ بالکل درست ہے میرزا نے فارسی یا اردو شعر کسی استاد کو نہ دکھائے اور عبدالصمد بھی ان اساتذہ سے مستثنیٰ نہیں۔ شعر میں استاد کی نفی کا مطلب یقیناً یہ نہیں کہ سمجھ لیا جائے، میرزا نے کسی سے تعلیم پائی ہی نہ تھی۔

میرزا کی ایک خصوصیت: ''قاطع برہان'' کی نثر کے متعلق مخالف بھی معترف ہیں کہ اس کا جواب ممکن نہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو ''لطائف غیبی'' کی نثر کے بارے میں بھی یہی کہا جاسکتا ہے۔ افسوس کہ اب تک اس کا مطالعہ بہت کم اصحاب نے کیا۔ غالباً اس وجہ سے کہ کتاب صرف ایک مرتبہ تھوڑی سی تعداد میں چھپی۔ پھر اسے چھاپنے کی نوبت نہ آئی۔ جس امر پر میں بطور خاص زور دینا چاہتا ہوں، یہ ہے کہ میرزا کو ہر معاملے کی توضیح و تشریح میں ایک خاص ملکہ حاصل تھا۔ وہ عبارت ایسے انداز میں لکھتے تھے کہ جو کچھ خود ان کے ذہن میں ہو، وہ بعینہٖ دوسرے

کے ذہن میں پیوست ہو جائے۔ پھر عبارت میں بلیغانہ ایجاز اور جامعیت ہے۔ ایسا اسلوب تحریر لغت نگاری کے لئے حد درجہ موزوں تھا۔ میں نے فارسی اور اردو کے جتنے بھی لغت اب تک دیکھے، ان میں سے بہ استثنائے چند کوئی بھی ایسا نہ پایا، جو اسلوب تحریر یا فہم و تفہیم لغت کے اعتبار سے قابل توجہ ہو۔ لغت وہی لکھ سکتا ہے، جسے ہر لفظ کے مواقع استعمال پر پورا عبور ہو اور وہ ہر موقع کی توضیح مناسب و موزوں عبارت میں کر سکے۔ میں اس سلسلے میں مثالیں پیش کرنا چاہتا تھا، لیکن مضمون بہت لمبا ہو گیا ہے۔ اس لئے مجبوراً اسے ختم کرتا ہوں۔ ان شاء اللہ کسی دوسری فرصت میں اس پر تفصیل سے بحث کروں گا۔

سیر سیاح: میاں داد خاں سیاؔح کی کتاب کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ وہ کتاب آج کل بہت کم یاب ہے اور اس میں سیاح کے کچھ حالات بھی آ گئے ہیں۔ جو میرے علم کی حد تک منظرِ عام پر نہیں آئے۔ ان حالات کا خلاصہ یہاں پیش کر دینا چاہتا ہوں۔ اغلب ہے، یہ خوانندگانِ کرام کے علم میں اضافے کے موجب ہوں۔

جنوری ۱۸۷۱ء میں میر غلام بابا خاں رئیس اعظم سورت کے بچوں کی تقریب ختنہ تھی، جس میں منشی نولکشور کو بھی دعوت دے کر بلایا گیا تھا چنانچہ منشی نولکشور صاحب وہاں پہنچے اور سیاح سے خوب صحبتیں رہیں جن سے غالباً پہلے بھی شناسائی تھی۔ وہیں منشی صاحب نے سیاح سے عہد لیا کہ کشمیر آپ نے نہیں دیکھا، جولائی میں آئیں تو اکٹھے کشمیر چلیں گے۔ سیاح جولائی کے بجائے ۱۲/اگست کو سورت سے روانہ ہوئے۔ پہلے نواب سچین کے ہاں ٹھہرے، پھر بمبئی میں منشی نولکشور کے ایجنٹ میر ابن حسن کے ہاں قیام کیا۔ ۱۵/اگست کو بمبئی سے ریل میں سوار ہو کر ۱۷ کو کانپور پہنچے۔ مطبع نولکشور میں گئے تو معلوم ہوا کہ منشی صاحب انتظار کرتے کرتے مایوس ہو کر ایک قافلے کے ساتھ کشمیر چلے گئے۔ سیاؔح کو بڑا قلق ہوا۔ مگر عجیب اتفاق یہ ہوا کہ بارشوں کی کثرت سے ٹرین رک گئی اور اسی رات منشی نولکشور رات کو ۱۰ بجے قافلے کے ساتھ واپس آ گئے۔ غرض کشمیر کی سیر کا موقع تو باقی نہ رہا لیکن سیاح کی خاطر تواضع اس پیمانے پر ہوئی کہ اس کا بیان ایک افسانہ معلوم ہوتا ہے۔ شاہ میر خاں عرف منجھلے صاحب کو سیاح کی رفاقت کے لئے مقرر کر دیا گیا۔ وہ

لکھنؤ پہنچے۔ اکثر اکابر اور اہلِ علم سے ملاقاتیں کیں۔ اکابر میں سے خاص طور پر قابلِ ذکر راجہ محمد امیر حسن خاں رئیس محمود آباد ہیں جنہوں نے سواری بھیج کر سیاح کو اپنے ہاں بلایا اور چار روز ٹھہرائے رکھا۔ وہیں راجہ صاحب کے خالہ زاد بھائی نواب راحت علی خاں سے ملاقات ہوئی۔ ان کے علاوہ سیاحؔ نے لکھنؤ میں جن لوگوں سے ملاقات کا ذکر کیا ہے ان میں سے چوبے گنیش پرشاد وکیل عدالت، منشی رام پرشاد مدار المہام محسن الدولہ اور ان کے داروغہ عباس علی قابلِ ذکر ہیں۔ متعدد طوائفوں کے گانے سُنے۔ بیچ میں سیاح نے چند روز آگرہ، سکندرہ، دہلی اور میرٹھ میں گزارے۔ دہلی میں قربان علی بیگ سالک، خواجہ بدرالدین خان مترجم ''بوستان خیال'' مرزا محمد حسن خاں عرف چھوٹے مرزا، حکیم خاں، حکیم محمد رضا خاں، سید فخر الدین، نواب ضیاء الدین احمد خاں نیّر، مرزا حسین علی خاں ابن عارف سے بھی ملاقاتیں ہوئیں اور غالب کے مزار پر جا کر فاتحہ بھی پڑھی۔ میرٹھ میں محمد وجاہت علی خاں مہتمم اخبار عالم سے ملاقات منظور تھی۔

سیاح دوبارہ لکھنؤ پہنچے تو سخت بیمار ہو گئے۔ منشی نولکشور نے علاج کے لئے طبیبین بھی مقرر کیے وید بھی اور ڈاکٹر بھی۔ منشی جی کی مہمان نوازی کے متعلق سیاح کی عبارت پہلے نقل ہو چکی ہے۔ لکھنؤ میں مشاعرہ بھی ہوا تھا جس میں متعدد شعرا نے حصہ لیا۔ سیاح نے اس مشاعرے کی تمام غزلیں بہ ترتیب حروف تہجی مرتب کر دی تھیں اور اس کا تاریخی نام ''سورتِ شاعراں'' رکھا تھا۔ سورت بہ معنی شرف و منزلت۔ اس سے ۱۲۸۸ھ تاریخ نکلتی ہے۔ لکھنؤ سے کانپور آئے تو وہاں بھی مشاعرے کا انتظام کر لیا گیا تھا۔ لیکن رمضان شریف شروع ہو جانے کے باعث مشاعرہ نہ ہو سکا۔ جن شعرا نے اس کے لئے غزلیں کہہ لی تھیں، ان سے کلام لے کر دوسرا مجموعہ مرتب کر دیا گیا۔ یہ دونوں مجموعے مع اوراق نثر سیاحؔ ''سیر سیاح'' کے نام سے طبع ہوئے۔ کتاب کی ضخامت ۶۶ صفحے تھی۔ سیاحؔ ۱۷ نومبر کانپور سے روانہ ہوئے۔ الہ آباد میں میر ظہور حسین وکیل ہائی کورٹ کے ہاں دو روز ٹھہرے، پھر بمبئی پہنچے اور ایک رات ٹھہر کر میرے اندازے کے مطابق ۲۳ یا ۲۴ نومبر ۱۸۷۱ کو وارد سورت ہوئے۔

غالب کے چند نئے اردو خطوط

گوپی چند نارنگ

''خطوطِ غالب'' کی پہلی جلد ۱۹۴۱ء میں مولوی مہیش پرشاد کی زندگی ہی میں شائع ہوئی تھی۔ ان کے انتقال کے بعد ان کا کتب خانہ اور مسودات انجمن ترقی اردو (ہند) نے حاصل کئے اور فیصلہ کیا گیا کہ ''خطوطِ غالب'' کو مکمل طور پر شائع کیا جائے۔ جلد اول پر نظر ثانی کا کام جناب مالک رام کے سپرد ہوا۔ انہوں نے مصر جانے سے پہلے اس کا جو مسودہ تیار کیا تھا، اس میں غالب کے بعض نئے خط بھی اضافہ کیے گئے تھے۔ یہ کتاب چونکہ ابھی شائع نہیں ہوئی۔ اس لیے غالب کے ان خطوط کو ''اردوئے معلیٰ'' میں پیش کیا جاتا ہے۔ (نارنگ)

(۱)

بنام علاء الدین خان ''علائی''

صاحب!

آگ برستی ہے کیوں کر آگ میں گر پڑوں۔ مہینا ڈیڑھ مہینہ اور چپکے رہو دے و بھمن

بہت دور ہے۔ آبان و آزر میں بشرطِ حیات قصد کروں گا۔ یہ چند ورق یوسف مرزا نے ازروئے "دہلی اردو اخبار" کاتب سے لکھوار کھے تھے اور میرے پاس پڑے ہوئے تھے۔ ثاقب کو دیئے تاکہ وہ کسی آدمی کے ہاتھ تم کو بھیج دے اور تم میری طرف سے میرے بھائی اور اپنے والد ماجد کو دو۔ جب اوٹھا کر دیکھا کریں گے تو کئی منٹ کی دل لگی کو یہ اشعار مکتفی ہو جائیں گے۔ یہ سطریں جواب میں ہیں تمہارے اس خط کے جو آج اس وقت ڈاک سے میں نے پایا ہے۔

نیم روز دوشنبہ ۲۴ ربیع الاول ۱۲۷۸ھ

مطابق ۳۰ ستمبر ۱۸۶۱ء

(۲)

"خطوط غالب" جلد اول مرتبہ مولوی مہیش پرشاد کے صفحہ ۳۴۰ پر مرزا علاء الدین خاں "علائی" "نیمچی" کے نام مرزا غالب کا بیسواں خط یوں شروع ہوتا ہے۔

"جان غالب،

دو خط متواتر تمہارے پہنچے............الخ"

اس کا خاتمہ اس مصرع پر ہوا ہے:

"پرسد چرا کہ نرخ مے لعل فام چیست"

اس خط میں اس کے بعد مندرجہ ذیل غزلوں کا اضافہ:

"۷ شعر نہ یاد آئے ۶ یاد آ گئے۔ خیر گانے کو یہ بھی کافی و مکتفی ہیں۔

دل مرد حق آنست کہ دلبر نتواں گفت

بیدادتواں دید و ستمگر نتواں گفت

دررزم گہش ناچخ و خنجر نتواں برد

در بزم گہش بادۂ و ساغر نتواں گفت

رخشندگی ساعد و گردن نتواں جست
زیبندگی یارہ[1] و پرگر[2] نتواں گفت

پیوستہ دہد بادۂ و ساقی نتواں خواند
ہموارہ ترا شد بت و آذر نتواں گفت

در گرم روی سایہ و سرچشمہ بجوئیم
با ما سخن از طوبیٰ و کوثر نتواں گفت

ہنگامہ سر آمد چہ زنی دم ز تظلم
گر خود ستمے رفت بمحشر نتواں گفت

آں راز کہ در سینہ نہانست نہ وعظ است
بر دار تواں گفت و بہ منبر نتواں گفت

کارے عجب افتاد بدیں شیفتہ مارا
مومن نبود غالب و کافر نتواں گفت

☆

کوئی امید بر نہیں آتی
کوئی صورت نظر نہیں آتی

آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی

موت کا ایک دن معین ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

داغ دل گر نظر نہیں آتا
بو بھی اے چارہ گر نہیں آتی

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی

کعبہ کس موںہہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی

☆

نکتہ چیں ہے غم دل اوس کو سُنائے نہ بنے

کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

میں بلاتا تو ہوں اوس کو مگر اے جذبۂ دل

اوس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

اس نزاکت کا برا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا

ہات آئیں تو انہیں ہات لگائے نہ بنے

بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اُٹھے

کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

غیر پھرتا ہے لیے یوں ترے خط کو کہ اگر

کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب

کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

صبح روز آدینہ ۱۸/جولائی (۱۸۶۲ء)

(۳)

'' خطوط غالب'' جلد اول مرتبۂ مولوی مہیش پرشاد کے صفحہ ۳۶۷ پر مرزا علاء الدین خاں'' علائی ونیسی'' کے خط نمبر ۴۸ میں'' نام اپنا بدل کر مغلوب رکھ لیا ہے۔'' کے بعد مندرجہ ذیل

سطروں کا اضافہ:

''بھائی سے: دو سوال ہیں۔ ایک تو یہ کہ مجموعہ نثر کو کیا کروں۔ وہ مبنی تھا اس حقیقت پر کہ نول کشور نواب ضیاء الدین خاں سے واسطے انطباع کے لے گیا۔ جب یہ واقع نہ ہوا اب اس کو نکال ڈالوں اور اس کی جو کئی نثریں اور ہیں وہ لکھ دوں۔

اوراق اشعار مرحومی زین العابدین خاں مستعار ہیں اس واسطے کہ تم اپنے ہاں کے مجموعے کی تصحیح اس سے کرلو۔ پھر امر واقع ہوا یا ہونے والا ہے۔

ترجمہ ابوالفدا کی جلد واپس پہنچتی ہے۔

جواب کا طالب۔ غالب''

(۴)

بنام شہاب الدین احمد خاں ''ثاقب''

میاں ثاقب صاحب

کہاں پارسل بناتا پھروں۔ کہاں ڈاک میں بھجواتا پھروں۔ تم اس کتاب کو لو اور بھیج دو اور جلد بھیج دو۔

نیم روز دوشنبہ ۲۴ ربیع الاول ۱۲۷۸ھ مطابق ۳۰ ستمبر ۱۸۶۱ء

غالب

(۵)

بنام منشی شیونرائن ''آرام''

بھائی

میں تم کو اطلاع دیتا ہوں کہ آج میرے پاس لکھنؤ کے ایک پارسل کی رسید آ گئی۔ دوسرا بھی یقینی پہنچ گیا ہوگا۔ خاطر جمع رکھو۔ جناب آرنلڈ صاحب بہادر آج تشریف لے گئے۔ سنتا

ہوں کہ کلکتہ جائیں گے۔ میم اور بچوں کو ولایت بھیج کر پھر آئیں گے۔ مجھ سے وہ سلوک کر گئے ہیں اور مجھ پر وہ احسان کر گئے ہیں کہ قیامت تک اون کا شکر گزار رہوں گا، مرزا حاتم علی مہرؔ اگر آجائیں تو اون کو میرا اسلام کہنا مرزا تفتہ کو اگر کبھی خط لکھو۔ تو میری دعا لکھنا۔

مرقومہ دوشنبہ، ہفدہم جنوری ۱۸۵۹ء

از غالب

کتب خانۂ خدا بخش اور غالب

قاضی عبد الودود

خدا بخش خاں نے محبوب الالباب فی تعریف الکتب والکتّاب (مطبوعہ ص:۶۲۹ تا ص:۶۳۱) میں غالب کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ وہ حذف بعض عبارات کے بعد درج ذیل ہے:

''چندے[۱] در کلکتہ ہم قیام داشت روزے در یک مشاعرہ عزیزے اعتراضے بارد بر شعر مرزائے مزبور وارد کرد۔ مثنوی باد مخالف در جواب ہمان اعتراض است۔ باآنکہ بلکہ ای کارہائے دنیا تعلق نداشت مگر باغایت عزت و مکنت می زیست۔ در شعر فارسی در عصر وے دیگرے مثل وے نبودہ۔ دیوان بزبان اردو ہم دارد۔ در شعر اردو ہم روش شعر فارسی نگذاشتہ۔ بہر حال ہر چہ از میرزا است، خیلے خوب است۔۔۔ دستنبو۔۔۔ محض بزبان فارسی بلا آمیزش کدامی الفاظ عربی[۲] نوشتہ، باین قید این رسالہ ہم خوب نوشتہ۔ میرزا محض بروش شعرا می زیست و اقدام باقداح راح می کرد۔ در آخر عمر ثقل سماعت ہم داشت۔ عمر طویل کرد۔ در ۱۲۹۴[۳]ھ در دہلی وفات یافت۔''

اسی کتاب میں کلیات میر مطبوعہ کا ذکر ہے، اس میں غالب کے متعلق مرقوم ہے:

''غالب کہ در عصر خود در شاعری نظیر خود نداشت فرمودہ'' قطعہ[؎] ؂

میرؔ کے شعر کا کیا حال کہوں میں غالب — اس کا دیوان کم از گلشن کشمیر نہیں

ریختی کا وہ ظہوری ہے بقول ناسخ — آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میرؔ نہیں

کتب خانۂ خدا بخش میں غالب کی ایک رنگین تصویر ہے، جو سید محفوظ الحق مرحوم کے اخلاف سے خریدی گئی ہے۔ ڈاکٹر عندلیب شادانی مجھ سے کہتے تھے کہ یہ تصویر انہوں نے کلیات نظم فارسی کے ایک قلمی نسخے سے نکال کر مرحوم کو دی تھی۔ یہ آج کل کتب خانۂ دانش گاہ ڈھاکہ میں ہے اور جہاں تک مجھے یاد ہے شورش ۵۷ء سے کچھ قبل کا لکھا ہوا ہے۔ ظاہراً یہ تصویر وہی ہے جو کلیات کے اس نسخے میں ہے، جو نول کشور نے پہلی بار چھاپا تھا، فرق صرف رنگ کا ہے۔ اسے تسلیم کرنے میں قباحت یہ ہے کہ نولکشوری نسخہ قلمی نسخے کے کئی سال بعد طبع ہوا ہے۔ تصویر کے بارے میں کوئی فیصلہ کن بات اس وقت نہیں کہی جا سکتی۔ ممکن ہے آیندہ کہی جا سکے۔

اس کتب خانے میں ایک لفافہ ہے جس پر مکتوب الیہ کا نام اور پتہ خود غالب کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں جو خط تھا، وہ غائب ہے لیکن اس کی نقل رشحات صفیر میں ہے اور مآثر غالب میں لفافے کے عبارات کے ساتھ موجود ہے۔

کلیات نظم فارسی کا قدیم ترین نسخہ جو باقی ہے، اسی کتب خانے میں ہے۔ اس پر جو مقالہ میں نے لکھا ہے اس کی طرف میرے اس مقالے میں جو اردوئے معلی شمارۂ اول میں چھپا ہے، اشارہ کیا جا چکا ہے۔ اس کتاب کا جو دوسرا نسخہ یہاں موجود ہے، اس پر میرا مفصل مضمون اردوئے معلی کے شمارۂ مذکور میں شائع ہو چکا ہے۔ کلیات نظم طبع دہلی یہاں نہیں لیکن جو نسخہ لکھنؤ میں پہلی بار چھپا تھا اور جس کا ذکر تصویر کی بحث میں آ چکا ہے، موجود ہے۔

پنج آہنگ طبع ثانی، کلیات نثر فارسی طبع اول، مہر نیمروز طبع اول، قاطع برہان طبع اول اور اردوئے معلی طبع اول کے نسخے یہاں موجود ہیں۔

دیوان اردو کے دو قلمی نسخے اس کتب خانے میں ہیں۔ ایک کا آغاز دیباچۂ نثر (فارسی)

سے ہوتا ہے اور اس کے آخر میں نیر کی لکھی ہوئی فارسی تقریظ ہے۔ اس کا کاتب گوبند لعل ہے اور ۱۲۶۰ فصلی میں اس کی کتابت ہوئی تھی۔ دوسرے کا آغاز غزلوں سے اور خاتمہ قصیدے کے اشعار پر ہوتا ہے۔ یہ ناقص الآخر ہے اور یہ معلوم نہیں کہ اس کا کاتب کون تھا اور کب لکھا گیا تھا۔ قیاس ہے کہ کتابت شورش ۵۷ء سے پیشتر کی ہے۔

دیوان غالب اردو کے ان نسخوں میں سے جو غالب کے دوران حیات میں طبع ہو چکے تھے، یہاں دو موجود ہیں: نسخہ مطبع احمدی، نسخہ مطبع نظامی۔ مقدم الذکر کے یہاں دو نسخے تھے، جن میں سے ایک کا باوجود تلاش اس وقت پتہ نہ ملا، اس کے آخر میں جناب قاسم حسن خاں و برادرزادۂ خدا بخش خاں منتظم کتب خانہ کے قول کے مطابق غالب کا ایک قطعہ ہے جو محمد بخش خاں پدر خدا بخش خاں کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ یہ قطعہ وہی ہے، جو عماد الملک بلگرامی کی روایت پر غالب سے منسوب کیا گیا ہے۔ مگر نہ دیوان کے ان نسخوں میں ہے جو غالب کی زندگی میں چھپے تھے اور نہ کسی قلمی نسخے میں ہے جو اس وقت تک دستیاب ہوا ہے۔

غالب کا ایک شعر

نورالحسن ہاشمی

میرے بزرگوں میں ایک سید عنایت حسین صاحب تھے۔ یہ ریاست بھوپال میں نواب شاہجہاں بیگم اورنواب صدیق حسن خاں کے زمانے میں ملازم تھے (۱۸۷۴ء) پہلے ناظم رہے پھر صدرالمہام یعنی سشن جج ہو گئے تھے۔ نواب صاحب مذکور سے ان کے خصوصی تعلقات تھے۔ ان کی طبیعت کو شعروشاعری سے بھی مناسبت تھی۔ نواب صاحب کے بڑے بھائی سید احمد حسن صاحب اعرشی (متوفی ۱۲۷۷ھ مطابق ۱۸۶۰ء) غالب کے شاگرد تھے، عنایت حسن صاحب مذکور نے ایک بیاض چھوڑی ہے جس میں دیگر کوائف کے علاوہ اپنی پسند کے اردو فارسی اور ہندی شعر بھی درج کیے ہیں۔ اس میں دو شعر ایک ہی ردیف وقافیہ اور ایک مضمون کے عرشی اور غالب کے بھی دیئے ہیں۔ چونکہ غالب کا یہ شعر ان کے کسی دیوان میں نہیں ملتا اس لیے درج ذیل کیا جاتا ہے:

عرشی: کہیں کچھ ہے دعا دو گالیوں کو بنالی بات باتوں میں دہن کی

غالب: اگر ہوتا تو کیا ہوتا یہ کہیے   نہ ہونے پر ہیں یہ باتیں دہن کی

قیاس کہتا ہے کہ عرشی نے اپنا شعر غالب کو لکھ کر بھیجا ہوگا۔ اسی مضمون پر انہوں نے بھی کہہ کر لکھ دیا ہوگا۔ بھوپال کے اُس وقت کے ادبی حلقہ میں یہ دونوں شعر معروف ہو گئے ہوں گے اور سید صاحب نے اپنی بیاض میں لکھ لیے۔

حواشی

۱۔ ان کے حالات کی تفصیل کے لیے دیکھیے 'تلامذہ غالب' مرتبہ مالک رام۔ ص ۲۲۹

غالب کی ایک غیر مطبوعہ تحریر

مختار الدین احمد

میرزا غالب کو تاریخ اور تاریخ گوئی دونوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ فن تاریخ گوئی سے تو بہت حد تک وہ بیزار تھے اور اسے دون مرتبۂ شاعری جانتے تھے۔ مرزا تفتہؔ کو ایک خط میں لکھتے ہیں[1]:

''فن تاریخ کو دون مرتبۂ شاعری جانتا ہوں اور تمہاری طرح سے یہ بھی میرا عقیدہ نہیں ہے کہ تاریخ وفات لکھنے سے ادائے حق محبت ہوتا ہے۔ بہرحال میں نے منشی نبی بخش مرحوم کی تاریخ رحلت میں یہ قطعہ لکھ کر بھیجا...... اگر تاریخ کی فکر موجب ادائے حق مودت ہے۔ تو میں حق دوستی ادا کر چکا۔''

سیاحؔ کو لکھتے ہیں[2]:

''بھائی تمہاری جان کی اور اپنے ایمان کی قسم کہ میں فن تاریخ گوئی و معما سے بیگانہ محض ہوں، اردو زبان میں کوئی تاریخ میری نہ سُنی ہوگی۔ فارسی دیوان میں دو چار تاریخیں ہیں ان کا حال یہ ہے کہ مادّہ اور دں کا ہے اور اشعار میرے ہیں۔ تم سمجھے کہ میں کیا کہتا

ہوں۔ حساب سے میرا جی گھبراتا ہے اور مجھ کو جوڑ لگانا نہیں آتا ہے جب کوئی مادہ بناؤں گا حساب درست نہ پاؤں گا۔ دو ایک دوست ایسے تھے کہ اگر حاجت ہوتی تو مادہ تاریخ وہ مجھے ڈھونڈ لا دیتے، موزوں میں کرتا۔ اور اگر آپ میں نے مادہ کی فکر کی ہے اور یہی حساب جمل منظور رکھا ہے تو ایسے ایسے تعمیے و تخرجے آ گئے ہیں کہ وہ تاریخ ہنسی کے قابل ہوگئی ہے۔

کلکتے میں قاضی القضاۃ سراج الدین علی خان مرحوم کی قبر پر مسجد بنی ہے ان کے بھتیجے مولوی ولایت حسین خاں نے استدعائے تاریخ کی۔ میں نے لکھی۔

گفتم بوی بدیہی خوشا خانۂ خدا
شد خشمگیں دمے کہ نظر در کلام کرد
خاشاک رفت و پائے ادب در شکنجہ ریخت
ایہام را بہ تخرجہ معنی تمام کرد

واسطے خدا کے غور کرو۔ خوشا خانۂ خدا مادہ پھر اس میں سے خاشاک کے عدد دور کروا۔ ۹۲ کا تخرجہ۔ پھر بھی دو اور زیادہ رہے۔ پائے ادب توڑا۔ بھلا یہ کوئی تاریخ ہے۔''

یہ مضمون ان کے اور بھی کئی مطبوعہ خطوں میں ملتا ہے کچھ دن ہوئے غالب کی ایک غیر مطبوعہ تحریر میں نے دریافت کی ہے اس میں بھی اسی مضمون کی تکرار ہے اس کے علاوہ اس میں کچھ اور مطالب بھی ہیں۔ ناظرین کی خدمت میں یہ تحریر پہلی مرتبہ پیش کی جاتی ہے۔

واقعہ یوں ہوا کہ حیدر آباد میں ایک نئی مسجد تعمیر ہوئی۔ اس کے لیے مقامی شعراء نے تاریخی قطعات کہیے۔ مرزا محمد متخلص بہ زکی لکھنوی نے ایک قطعہ لکھا جس میں ایک مصرع تھا۔

شد بنا ایں مسجد از بہر صلوٰۃ

جس میں زکی نے ۃ کے ۴۰۰ عدد شمار کیے[3]۔ نواب وجیہ الدین خاں بہادر مغنی اور دوسرے لوگوں نے اعتراض کیا کہ صلوٰۃ میں تائے دراز نہیں تائے مدورہ ہے جس کے عدد حروف جمل کے حساب

سے صرف پانچ ہونے چاہییے۔ اس پر حیدر آباد میں ایک معرکۃ الآرا بحث چھڑ گئی۔ کچھ لوگ زکی کے ساتھ ہو گئے تو کچھ لوگوں نے معنی کی موافقت کی۔ آخر نوبت یہ پہنچی کہ حیدر آباد سے باہر بھی بعض شعرا سے استفسارات کئے گئے مرزا غالب سے بھی اس کے متعلق سوالات کیے گیے وہ بھلا ان دھندوں میں کہاں پڑنے والے تھے انہوں نے اپنی معذوری و مجبوری کا اظہار کر کے گول مول سا جواب دے دیا۔ اور اس طرح اپنا پیچھا چھڑا لیا۔ یہ ساری داستان اور شعرا کی خط و کتابت بعد کو مناظرۂ معنی و زکی کے نام سے کتابی شکل میں مرتب کر دی گئی۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ جناب محمد اشرف صاحب انجینئر حیدر آباد دکن کے کتاب خانے میں محفوظ ہے۔ میں موصوف کا بہت ممنون ہوں کہ انہوں نے اس تحریر کی نقل مجھے عنایت فرمائی۔ ذیل میں وہ تحریر درج کی جاتی ہے۔

''یہ سگِ دنیا کہ اسد کہلاتا ہے اور تخلص اپنا غالب بتاتا ہے قول المامور مغرور کا پاس کرتا ہے اور حضرت انجم فیض سے التماس کرتا ہے کہ میں استفتا کے سزاوار نہ تھا اور اب جو پوچھا گیا تو سچ سچ کہتا ہوں کہ میں فن تاریخ و معما سے بیگانہ ہوں دیوان میں جو تاریخیں مندرج ہیں بیشتر مادے اوروں کے اور قطعے فقیر کے ہیں۔ کبھی کوئی مادہ بھی عامیانہ کہہ دیا ہوگا۔ ہاں حضرت مبداء فیاض نے گنجینۂ معنی سے بہت کچھ حصہ مجھ کو دیا۔ میں نے سراسر قصیدہ غزل و مثنوی و رباعی میں صرف کیا۔ البتہ بزور قوت ابداع مادۂ تاریخ میں نیا شیوہ نکالا۔

ز سال واقعہ مرزا مسیتا بیگ ۔۔۔ ممات راست شمار ائمۂ امجاد

صحیفہ ہائے سماوی مبین از عشرات ۔۔۔ حدیقہ ہائے بہشتی مشخص از آحاد

ایضاً

از بروج سپہر جوئے ممات ۔۔۔ عشرات از کواکب سیار

یہ دونوں قطعے کلیات فارسی مطبوعہ مطبع اودھ اخبار لکھنو میں چھاپے گئے ہیں اور وہ مجلد مجموع بلاد ہند میں پہنچ گئے ہیں۔ اشرف البلاد حیدر آباد میں اگر دو چار ہوں گے تو ایک نسخہ میرا بھیجا ہوا جناب منشی حبیب اللہ خاں ذکا کے پاس ضرور ہوگا۔ اس میں مشاہدہ کیا

جائے۔ اب بہ اتباع حکم احباب جس فن کو نہیں جانتا اور کے خصوص میں عرض کرتا ہوں کہ میں نے یہ مسائل اس سفینے ۵ کے سوا کبھی نہیں دیکھے۔ اب جو دیکھئے تو باللہ اس سے زیادہ نہیں سمجھا کہ ایک گروہ تائے دراز کے چار سو عدد اور تائے مدورہ کے پانچ عدد گنتا ہے پس نہ جناب نواب صاحب وجیہ الدین خان بہادر معنی اپنے دعوے میں منفرد ہیں اور نہ حضرت سید صاحب میر محمد ذکی اپنے دعوے میں تنہا ہیں جو ایک جہت اختیار کروں تو دوسرے جہت والوں کو کہ وہ بھی اشخاص کثیر اور سب فاضل ...... ہیں کیا جواب دوں، اور ان کے دلائل کو کن دلائل سے رد کروں۔

امید کہ حضرات طرفین بموجب مفہوم لایکلف اللہ نفساً الّا وسعہا، اس پیر ہفتاد و شش سالہ ضعیف الحواس کو معاف فرمائیں۔''

جنگ	بہادر	نظام
	الملک اسد اللہ خاں	
	نجم الدولہ دبیر	

مندرجۂ بالا دونوں قطعات کلیات غالب میں موجود ہیں، ان قطعات کا ذکر ان کے اس اردو خط میں بھی ملتا ہے جس کی ابتدائی سطریں میں نے مضمون کی تمہید میں درج کی ہیں۔ لکھتے ہیں۔

''ایک شخص ۱۲۴۸ میں مرا۔ اس کی تاریخ میں نے لکھی۔

ز سال واقعۂ میرزا مسیتا بیگ — ؔآت راست شمار ائمۂ امجاد

صحیفہ ہائے سماوی مبین از عشرات — حدیقہ ہائے بہشتی مشخص از آحاد

ائمہ بارہ یعنی ۱۲۰۰ پھر کتب سماوی چار دہا کے چار یعنی ۴۰۔ بہشت ۸، چالیس اور آٹھ اڑتالیس = بارہ سو اڑتالیس (۱۲۴۸) دوسری تاریخ ۱۲۰۷ کی۔

از بروج سپہر جوئے مات — عشرات از کواکب سیار

برج بارہ سات دہاکے ستر۔

...... تاریخ کہہ لو۔ وہ دوست جو مادہ ڈھونڈھ دیتے تھے جنت کو سدھارے میں جیسا کہ اوپر لکھ آیا ہوں معذور اور مجبور ہوں۔"

حواشی

۱۔ منشی مہیش پرشاد خطوط غالب۔ ص ۷۷

۲۔ غالب اردوئے معلیٰ۔ ص ۳۸۱۔ (لاہور ۱۹۳)

۳۔ مکتوب جناب محمد اشرف صاحب انجینئر، حیدرآباد بنام راقم (۹ر جولائی ۱۹۵۱ء) لیکن جناب کسری منہاس نے اپنے ایک مضمون تاریخ گوئی کے متنازعہ مسائل" (نقوش، جون ۱۹۶۰ء) میں لکھا ہے کہ زکی تائے مدورہ "صلوٰۃ" کے پانچ عدد اور معنی مغفور کے نزدیک تائے مدورہ "صلوٰۃ" کے چار سو عدد درست تھے تسلیم سہوانی کی "مخمس تسلیم" جس میں تائے مدورہ" کے ذیل یہ سارے مباحث آئے ہیں۔ میں نے دیکھی ہے لیکن اس وقت پیش نظر نہیں۔

۴۔ جناب پروفیسر عبدالقادر سروری سے غالب کی اس تحریر اور حیدرآباد کے اس مخطوطے کے متعلق میں نے گفتگو کی تو انہوں نے بتایا کہ ان پاس بھی میرزا کی کوئی اس قسم کی تحریر ہے جو بخط غالب۔

۵۔ اس فقرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ کتاب مناظرہ معنی و زکی مرتب ہو کر غالب کے پاس رائے کے لیے آئی تھی۔

✔

غالب کے غیر مطبوعہ فارسی رقعات
حضرت غمگینؔ کے نام

خواجہ احمد فاروقی

(مرزا غالب کے مندرجہ ذیل فارسی رقعات جو اس سے قبل کبھی منظرِ عام پر نہیں آئے، مجھے مولانا شفیع الرحمن صاحب نیازی کی عنایت سے دستیاب ہوئے ہیں۔ ان کے اس لطفِ خاص کا شکریہ الفاظ میں ادا نہیں ہوسکتا۔ شکریہ ہے بھی ان رقعات کی قدر و قیمت کے مقابلے میں بہت حقیر۔ اُن کا یہ احسان مجھ پر اور غالبیات پر ہے۔ ان فارسی رقعوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی غالب پر مزید کام کرنے کی ضرورت ہے اور اس کی زندگی کے بہت گوشے ایسے ہیں جو ابھی تک پردۂ خفا میں ہیں۔ تحقیق نے بہت کچھ قدم آگے بڑھایا ہے لیکن ''ماہنوز اندر خم یک کوچہ ایم'' ان میں سے اکثر رقعے مجموعۂ گوالیار سے ملتے جلتے ہیں لیکن موخرالذکر مجموعے کی نقلیں جو میں نے دیکھی ہیں، ان میں نقل نویس اور مترجم دونوں نے چیرہ دستی کی ہے۔ بعض جگہ اردو اشعار کا اضافہ کردیا ہے۔ جو اولین نقل میں نہیں۔ اس لیے مولانا نیازی کا مجموعہ بہتر اور اہم تر ہے۔ اس کو ان کے شکریے کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے۔)

(خواجہ احمد فاروقی)

رقعات فارسی مرزا غالب

بنام حضرت میر سید علی بن سید محمد قادری المتخلص بہ غمگین

رقعۂ اول مرزا اسد اللہ غالب بنام حضرت غمگین

مورخہ ۱۰/ذی الحجہ سنہ ندارد

عنوان دیوان رباعیات شادماں تر ساخت سرمایہ آنم کو کہ آن مطالب عالیہ را نیک بازدانم واز کجا در خور آنم کہ آن ہمہ گوہر برشتہ نگارش از بہر من کشیدہ آید وآن گاہ این مایہ مکرمت کہ خود از بندۂ خود می پرسند کہ اگر دستوری دہی دیباچہ را بنام تو نگار بندم، این پرسش خود ادائے نوازش دیگر است کہ زبان اندازہ سپاس آن برنتابد۔ قبلہ گاہا۔ فضولی می کنم وچون فرمان چنین است می گویم کہ گنجیدن نام من در آن نامہ نہ تنہا از بہر من بلکہ از بہر آبائے من سرمایۂ نازش جاودانی است لیکن ہمہ آن خواہم کہ مرید خود را بیش از اندازہ در آن نہ ستایند وکمترین بندۂ خود وانمایند کہ ہر آئینہ

اندرین صورت ہم مدعائے خدام حاصل می شود وہم خواہش این ننگ آفرینش روائی می پذیرد باجملہ چشم براہم کہ دیوان رباعیات کے می رسد و من بدان کے می رسم فرمان چنان ست کہ آن نوشتہ را از نظر اغیار نہاں دارم۔ ہم چنین خواہم کرد۔ اما کو غیر پس از گزارش این بزلہ کہ البتہ خلاف رائے دانش آرائے نہ خواہد بود۔ سخنے دیگر میگویم تا حضرت را ذوق و مرا اعتبار افزاید۔ بیتی از بیت ہائے فقیر داخل صحیفہ منتخب است۔

گر خامشی سے فایدہ اخفائے حال ہے
خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے

من خود فرمان پذیر فتم لیکن فرمان خرد اندرین باب آن ست کہ ہرگز نندہ بدیدن آن الفاظ بہ کنہ معنی نہ می تواند رسید و ہر کہ معنی را نیک تواند فہمید غیر نیست۔ چہ درین عالم تفرقۂ کعبہ و دیر نیست۔

✡

رقعۂ دوم مرزا غالب بحضرت غمگین

حضرت پیر و مرشد برحق سلامت۔

بعد رسیدن طالع یار خان یک عرضداشت بتاریخ چہاردہم ربیع الاول روز سہ شنبہ بڈاک انگریزی روان کردم و نامہ موسومۂ میجر جان جاکوب صاحب بہادر نیز در نوردآنست۔ روز آدینہ ہفدہم ربیع الاول فرمان گرامی و توقیع ہدایتی ازان حضرت رسید و سرفرازم کرد۔ تازگی مضمون رباعی از خودم برد۔ واللہ اندیشۂ ہیچ سخن در بدین نکتہ نرسیدہ و ہیچ کس برین مضمون دست نیافتہ۔ داغ پیشانی زہاد را بہ قشقہ کبود تشبیہ کردن چہ تشبیہ پاکیزہ و تازہ و دلپذیر ست رباعی دوئین دانستہ می شود کہ میر حیدر علی صاحب در نوشتن این سہو کردہ اند زیرا کہ شعر اول بدین گونہ رباعی۔

چل راہ پر یہ پائے لنگی چھوڑ
رکھ جان کو فراخ دل کی تنگی کو چھوڑ

شعر دوئیم بدین گونہ

رنگوں میں نہ قید رہ مشائخ کی طرح
غمگین آزاد ہے تو بیرنگی چھوڑ

موافق قاعدۂ شعر جایز نیست زیرا کہ در بیت اول بعد قافیہ بدو جالفظ 'کو' می آید و در دومین بیت بعد قافیہ آن لفظ نیست۔ ہمانا حضور در اصل چنین فرمودہ اند و کاتب سہو کردہ است: رباعی ؎

چل راہ پر یہ پانوں لنگی چھوڑ
رکھ جان کو فراخ اور دل تنگی چھوڑ
رنگوں میں نہ قید رہ مشائخ کی طرح
غمگین آزاد ہے تو بیرنگی چھوڑ

اما این فقرہ کہ ما بہ عشق و محبت نوشتیم و تو آن را عتاب دانستی نہ ترا با ما غرض دینی ست نہ غرض دینوی پس عتاب چرا کنم فقط دل را افسردہ و مرا نومید ساخت و خواہی نخواہی مرا بران آورد کہ سخن دراز کنم و آنچہ در دل ست بہ زبان آورم۔ قبلۂ و کعبہ راستی آئین منست و محبت دین من۔ راستی را ایمان و دروغ را کفر پندارم و برین گفتہ یزدان را گواہ می آرم کہ ارادۃ و محبتِ من بحضرت از ان افزون تر ست کہ آن را شرح توان کرد ہیچگاہ عتاب حضرت بر خود گمان نکردہ ام بطریق شکوہ سخن نراندہ ام مگر احیاناً لفظ عتاب بر زبان رفتہ است۔ مقصود من از عتاب عنایت بودہ است چہ ہیچ کس با بیگانہ عتاب نکند تا کسی را از خود نشناسد عتاب نفرماید۔ حضرت ہیچگاہ بہ من عتاب روا نداشتہ اند و من خود آن کسم کہ اگر بمثل مورد عتاب گردم چندان بنازم و فخر کنم کہ دیگری بر عنایت نکند زیرا کہ عتاب و عنایت ہر دو نتیجۂ التفات است و محبت پیشگان را در ہر دو حال سپاسِ التفات لازم۔ اما انچہ در بارۂ اغراض دینی و دنیوی فرمودہ للہ الحمد کہ صفحۂ خاطر خاکسار از ین ہر دو نقش معرا است، جز محبت نہ دین شناسم و نہ دنیا با آن کہ ہیچ کس و ناکس و نادانم لیکن این قدر دانم کہ وجود یکی ست و ہرگز انقسام نپذیرد۔ ہر آئینہ اگر دینی و دنیائی تراشیدہ باشم گرفتار شرک فی الوجود کہ اقبح افراد شرک ست شدہ باشم۔ بہ دانست نامہ نگار دین نیز ہمچو دنیا نقش موہوم است و بہ وہم دل نتواں بست۔

زاہد و سامان پرستان راضی انداز ما کہ ما
خود شریک ہیچ کس در ہر دو عالم نیستیم
دشمنی خیزد ز شرکت تا بہ قصدِ دوستی
عاقبت گم کردۂ و دنیا طلب ہم نیستیم

دین بہ جویندگان دین مبارک و دنیا بہ دنیا طلبانِ ارزانی۔ ماییم و سواد الوجہ فی الدارین کہ عبارت از نیستی محض است۔ فتم آنچہ در باب ماشمت الاعیان رائحۃ الوجود فرد ریختہ کلک مشکیں رقم ست۔ حق حق و عین حق و محض حق است لیکن بخاک پائے حضرت سوگند کہ عقیدۂ این روسیاہ نیز خلاف آن نیست و غلط نہ نوشتہ ام۔ می دانم کہ اعیان ثابتہ مجعول لجعل جاعل نیستند۔ اعیانِ ثابتہ با وجود مطلق چون ہستی خطوط شعاعی ست بآفتاب و چون نقوشِ امواج ست با محیط۔ ہر آئینہ وجود واحد ست و وجود اعیان ثابتہ محض وجود واجب است، تعالیٰ شانہ و این کہ امام علیہ السلام می فرمایند کہ اعیان بوی وجود نشمیدہ اند اینجا وجود عبارت ازین ہستی موہومی ست۔ یعنی پیدائی و نمایش و این خود ثابت ست کہ تغیر بر واجب روا نیست۔ پس مدعائی امام آن ست کہ اعیان ثابتہ ہیچگاہ نمائش و ہمی نمی پذیرد۔ و این نمائش محض توہم و باطل محض است و این انتقالات و توہمات و تنزلات ہمہ اعتباری ست نہ حقیقی از اعیان ثابتہ تا صور محشورہ ہر چہ از نمائش و پیدائش اندیشند ہمہ باطل است و ہیچگونہ تغیر روی ندادہ بہمان یک حالت ست مثلاً فردی را از اجزای آفرینش نہ سنجند کہ از پشت پدر بہ شکم مادر رسید و پس از نہ ماہ بزمین افتاد و سالے چند شیر خوردہ و آنگاہ زبان بگفتن کشود و ہر گونہ سخن گفت و زید نام یافت چون جوان شد نام بدانش برآورد و علم آموخت و مردم را راہِ راست نمود۔ و ہفتاد سال بدینگونہ زیست و آخر رنجور شد و بمرد و او را بخاک سپردند۔ و گنبدی بلند بر مزارش برافراختند و حالیا آن گنبد را زیارۃ می کنند و ہر کس ہر چہ می جوید از مزارش می یابد باجملہ اینہا و صد چند مثل اینہا ہر چہ تصور کنند ما می گوییم این ہمہ توہمات آشکارا بے بنیاد است سرتا سر۔ از روز لحوق نطفہ تا زمان سپردہ شدن بخاک ہمان ہمان عین ثابتہ زید است کہ در وجود مطلق ثابت است ہرگز نمایش نہ پذیرفتہ و ہرگز معدوم نشدہ و ہرگز نہاں نخواہد شد۔ و این زادن و بودن و گفتن و

شنودن وزیستن ومردن ہمہ حقیقت عین ثابتہ زید ست کہ ہموارہ دردی موجود ست وخواہد بود۔ و
این مثل کہ گفتہ آمد نہ تنہا از برائے نوع بشری ست بلکہ انجم وافلاک وعرش وکرسی وشجر وحجر حتی کہ
مکان وزمان نیز ہمیں حال دارند۔ فلک نیست عین ثابتۂ فلک است۔ باحقیقت گردش وآثار آن
در ذات احدی مرتکز۔ آفتاب نیست عین ثابتہ آفتاب ست ہم چنان در حقیقت ذات باروشنی و
درخشانی جلوہ گر۔ زمان نیست عین ثابتۂ زمان است بگونا گون اعتبارات۔ دی وامروز وفردا در ہستی
مطلق شامل۔ از ازل تا ابد ہمان یک آن واحد ست واز تحت اثری تا اوج عرش ہمان مکان واحد
ست وثبوت وجود اعیان ثابتہ چون ثبوت ذات واجب بدیہی وحقیقی است لیکن چون ذات واجب
از تغیر وانتقال مصون ومامون ست۔ ہر آئینہ اعیان ثابتہ نیز بہ نمود وہمی موجودنمی شوندوزوال نمی
پذیرند۔ کوتاہی سخن۔ موجود نہ گشتن اعیان ثابتہ بدین معنی ست کہ تغیر نپذیرندواز ذات منفک نشوند
وہموارہ ازخود برخود متجلی باشند۔ چون اینست چہ ضرور است کہ اعیان را بہ معنی ممکنات شماریم آری از
اعیان اعیان ثابتہ مقصود است واز وجود نمایش واستحالہ وتنزل واگر از وجود ہستی محض فراگیرم البتہ
دران صورت اعیان راجز بہ معنی ممکنات نخواہم دانست وہرگز اعیان ثابتہ نخواہم گفت زیرا در آن
صورت انکار وجود واجب لازم می آید۔ معاذ اللہ من ہذہ العقیدہ۔ چون سخن تا باینجا رسید خوشتر آنست
کہ حال خود را در مشاہدۂ بیرنگی نیز عرضہ دہم تا سبکدوش تر گردم۔ خدا یگانا غلام چشم برہوا اندوختہ بلکہ
دل در بیرنگی بستہ ست ہمین بحث اعیان ثابتہ کہ مذکور شد نظر گاہ ست وسعی من در آن ست کہ بہ
عدمیت اصلی خود باز گردم رو گردانم و نہ شغلی و نہ ریاضت۔ مصرع

دانی ہمہ اوست ورنہ دانی ہمہ اوست

این قدر ہست کہ ہنوز قوت واہمہ را خار خار باقیست وگاہ گاہ مرا از راہ می برد۔ لیکن امید
واری دارم کہ بمن بہ نگاہ عنایتی کہ پیر ومرشد را بر من ست از وسوسہ پاک گردم ودر راہ فنا خاک
گردم۔ قبلہ وکعبہ نگارش حق گزارش ادا نمی تواند کرد۔ وتحریر بمنزلہ تقریر نمی تواند شد، آرزومند آن
روزم کہ بشرف قدم بوس مشرف شدہ باشم ودرد دل بزبان گفتہ وارشاد جناب عالی بگوش ہوش شنودہ
باشم۔ اینکہ ارشاد فرمودہ اند کہ از طرف تصوف ہم اطمینان کلی حاصل شد۔ جناب عالی من مرد سپاہی

زاده بے علم جاہلم پدران من از ترکان صحرا نشین بودند بس اینست کہ یک دو مصرع موزوں می کنم و یک دو بذلہ در ہر فن می گویم مرا بہ تصوف چہ پیوند و بہ درویشی چہ نسبت، واللہ حال جز این قدر نیست کہ واحدیت وجود و عدمیت اشیاء در ضمیرم فرود آوردند۔ والحق محسوس والخلق معقول عقیدۂ من ساختہ اند۔ من میدانم کہ یکی ہست و جز او ہیچ نیست و دیگر ہمت من از سعی و ریاضت و دولت و مال منحصر بر یک دو پیمانۂ شراب ست کہ بشب در کشم و مست بخسپم نہ دین دانم نہ دنیا۔ اللہ بس ماسوی ہوس خداوند نعمت سلامت مراد و عزم سفر تابستان مانع نیست، بے سرانجامی مانع نیست، خرقہ بہ تن در افکنم و روان گردم۔ لیکن مقدمۂ من در ولایت رفتہ و دو سال کامل شدہ است کہ امیدوارم کہ امروز یا فردا خواہ بعد ہفتہ دو ہفتہ یک ماہ دو ماہ حکم آن از ولایت برسد۔ رسیدن مقدمہ از ولایت ہمان و پوئیدن من بسوی گوالیار ہمان۔ پیر و مرشد غلامی خریدہ آزادش نہ خواہند کرد کہ غلامی وفادار ست۔ زیادہ ازین چہ گویم کہ گفتن را شاید۔

از اسد اللہ۔ نگاشتہ ہژدہم ربیع الاول روز شنبہ ہنگام نیمروز

رقعہ سوم مرزا غالب بہ حضرتِ غمگین

در دل ز تمنائے قدم بوس تو شوریست

شوقت چہ نمک دادہ مذاق او ہم را

جان بپائے قبلہ راستان افشاندن بہ دل گردانم اگر گستاخی نہ بود و کعبۂ راہ روان را گرد گردیدن آرزو کنم اگر ادب دستوری دہد۔ رسیدن نامہ ہائے دل آویز شنیدن نکتہ ہائے مہر انگیز کہ مرا بہ خجستگی بخت من امیدواری می دہد بر من خجستہ تر باد۔ چون در آن چشم و دلم جائے دادہ اند اگر اوج گرائی سرم بہ سپہر ساید بجاست و اگر از خود نمائی جز خودم در نظر نیاید رواست طالع یار خاں صاحب بہ شمارہ عنایت ہائے آن محیط کرم بہ نحوی از خودم ربودہ اند و ارادت مرا چندان کہ بشمار در

نگنجد برافزوده گیستم تابدین التفات ارزم و مرادر نگویی این پایه باشد که کس مراتواند ستود و آرزومند دیدن من تواند بود و آنگاه این چنین گراں مایہ و والا پایہ کسے گوہرش آبروی ہفت دریاست و گلش رنگ و بوی ہشت گلشن۔ شبلی با این ہمہ قطع نظر از ماسوئی اللہ در صومعہ بہ تمنائے قدومش چشم بہ راہ۔ و منصور با این ہمہ شور ترانہ انا الحق در ہنگامہ بہ آرزوئے گفتارش گوش بر آواز۔ سبحان اللہ آنکہ تجلی طور پروانگی شمع جمالش نازو با من ارنی گوست۔ و آن کہ دیدارش تاب ہر نظر نہ بود از من دیدار جوست۔ چہ کنم عمریست کہ ہمت من بہ کاری آویختہ و سرگرمی ذوق مطلبی شرر بہ پیرا ہنم ریختہ است و آن خود کاری ہست نازک و مطلبی است دشوار کہ از ین پیش سالے چند بہ محکمہ رزیڈنٹی دہلی درکشاکش ماندہ و روزگاری دراز در انجمن فرماندہان کلکتہ پیچ و تاب خوردہ۔ اکنون دو سال ست کہ آن داوری بہ کشور لندن رفتہ و دران دادگاہ سنجیدہ می شود۔ تا پاسخی از آن کشور و فرمانی از آن دادگاہ نہ رسد نہ می توانم برخود جنبید و از دہلی بدر رفت۔ می خواستم کہ پارۂ از حقیقت آن دادری بہ عرض رسانم لیکن اگر بدین پرداختمی سخن را از درازی سررشتہ گم شدی و شنوندہ را گوہر راز بہ کف نیامدی۔ بالجملہ چشمم بہ راہے و دلم بجای ست و درین کشمکش کہ درون و برون مرا در ہم دارد سفر نیارم کرد۔ اما دانم کہ روزگار انتظار سر آمدہ و ہنگام کشودِ کار در آمدہ است۔ بر آنم و ہمہ این می سنجم کہ چون حکم قطع خصومت از ولایت رسد از ان پس جز آن مایہ مدت کہ بسر انجام ضروریات وفا تواند کرد گرد دہلی نیارام و روی بہ گوالیار نہم و اگر روندگان بپائے روند من بہ سر روم امید کہ بہ پرورش یافتگان وزلہ ربایان مایدۂ فیض حضور فرمان شود کہ بوقت خاص مراد کار مرا در خیال آوردہ ہمت بدان گمارند کہ بزودی کار من سرہ گردد و مراد بر آوردہ آید۔ تا پای راہ پیمائی من خرامش کشادہ پذیر دو جادۂ راہِ گوالیار پی سپر من گردد۔

نہفتہ مباد کہ پس از رسیدن طالع یار خاں صاحب بہ روز منشوری کہ سراسر رقم بخشش رنگ بیرنگی داشت از ڈاک بمن رسیدہ و ہمت را تعویذ باز و گردیدہ است ہم چنین امید دارم کہ روزے چند پیش از رسیدن این عرضداشت سید امانت علی رسیدہ آداب مرا بموقف قبول و غزل ہای فارسی مرا بہ نظر التفات رسانیدہ باشند درین نزدیکی میجر صاحب (عنایت فرمای

میجر جان جاکوب صاحب بہادر) دو تا نامہ بمضمون طلب تاریخ تعمیر دولت کدہ بہ من فرستادہ اند۔ بہ جواب آن ہر دو مکتوب کہ مشتمل بر دو قطعہ تاریخ ست درنوردِ این پورش فرستادہ می شود چون کشادہ عنوان ست می توان خواند و بہ مکتوب الیہ رسانند زیادہ حد ادب۔ از اسد اللہ نگاشتہ پنجدہم ربیع الاول ۱۲۵۵ھ۔

بخدمت میر حیدر علی صاحب و میر امانت علی صاحب سلام و نیاز رسیدہ باد۔ مکرمی حکیم رضی الدین حسن خاں صاحب کہ مرا بہ لطف تفقدی نوازند و در غم زدگی شادی من بدیدار ایشان ست نیاز و سلام برسانند و خون من از دیدار طلبانند۔

✪

رقعۂ چہارم مرزا غالب بہ حضرت غمگین

حضرت رہنما سلامت!

ہفدہم ربیع الاول روز جمعہ شام گاہی بود کہ یکی از در در آمد والا نامہ بمن داد چون پرسیدہ شد کہ کیستی و کے می روی گفت از نوکران نواب شاہ جی بودہ ام و در دو سہ روز بہ گوالیار می روم، خاکسار فردای آن کہ شنبہ ہژدہم ربیع الاول بود کف بہ عریضہ نگاری کشود و در دل در آن ورق سرود تا امروز کہ یک شنبہ بست و ہفتم ماہ ست آن نامہ ہمچنان نزد من موجود و نامہ بر مفقود تا این کہ این وقت کہ پاسے از روز باقی ست بریدی از سر رشتۂ ڈاک انگریزی ناگاہ رسید و توقیع از حضور و نامہ از جان صاحب ہر دو نگاشتہ بست و سویم ماہ بہ پیش نظرم جلوہ گر کرد۔ ہمانا این ہر دو ورق از ہر دو جا پاسخ آن نامہ بود کہ قطعۂ تاریخ در آن نگاشتہ بودم بالجملہ چون رسیدن این ہمایون منشور شوق را تازگی داد و دل را از جا بر انگیخت گفتم کہ انتظار آدم چرا۔ خوشتر آن ست کہ عریضہ رقم کنم و بہ ڈاک فرستم۔ ہر چند این ورق ہم امروز می نگارم لیکن ہنگام ڈاک گذشتہ و روز سپری شدہ۔ فردا این عرضداشت روان خواہد شد دو ورق نگاشتہ پیشین نیز با این ورق فرستادہ می آید و عرض کردہ می شود کہ بہ مزید التفات مشاہدہ فرمایند و چون فرمان چنانست کہ زین سپس در نامہ جز شوق مضمونی نخواہد بود۔ ہم

دل بدین شیوه نہادہ ام وخوشتر ہمین دیدہ ام کہ درعرایض گفتار ہای وحدت وکثرت درنیاید واین خودحوالہ بہنگام ملازمت باشدوان شاء اللہ این مدعاہر چہ زودتر برآید چنانکہ درورق نخستین بعرض رسانیدہ ام۔ مادہ تاریخ مکان جان صاحب قلندر کہ حضرت اندیشیدہ اند چگویم کہ چہ قدرخوب است وخوبی است وخوبی دیگر آن کہ ہمان نمک گفتگوی درویشانہ موجودودرتاریخ گنجایش این ہادشواری دارد۔ سخن بدین خواہش کوتہ می کنم کہ درآن دوورق کہ نوشتہ سابق و پایان تحریک یک فقرہ مرقوم است آن رابدل توان پذیرفت زیادہ ادب۔ سید صاحبان الطاف نشان میر حیدرعلی صاحب و میر امانت علی صاحب رااز اسد اللہ روسیاہ معروض آن کہ ماہم درزمرۂ شمادرآمدہ وباشما خواجہ تاشی گزیدہ ایم وخط غلامی بہ آقای شما دادہ ایم امید کہ برشما گران نہ گزردوشمول مادرسلک شماباعث ننگ و عارشمانباشد۔ مکرربہ حضور پیرومرشد معروض آن کہ چون فراہم آمدن احباب شبانگاہ معمول ست من ہمین وقت این نامہ رامی نویسم وتمام کنم۔ لاجرم پیام حضور بطالع یارخان وقت شب خواہم رسانیدو رباعی بعالی خدمت حکیم رضی الدین حسن خان صاحب نیز ہمان وقت خواہم خواند پاسخ ہادرعریضہ آیندہ نوشتہ خواہد شد۔

۲۸ ربیع الاول ۱۲۵۵ھ

✿

رقعۂ پنجم مرزاغالب بہ حضرت غمگین

روزسہ شنبہ ۱۲۵۵ھ سپری دارالخلافہ شاہجہان آباد

قبلہ دیدہ ودل سلامت

من دانم ودل کہ فیض ورودوالا نامہ بامن چہ کرد۔ برآتش آب زدوچراغ آگہی برافروخت۔ ہمانا آن قدسی صحیفہ شمعی نمود کہ روح بہ پروانگی آن ارزد۔ چہ کنم فرصت تنگ است و گفت وگوفراوان۔ آدینہ روز بست وہفتم شعبان وہنگام بامداد است ومن ازان ہا کہ بہ بتلای آنم فراغ نیافتہ ام وآدم کمربرہروی بستہ روبروی من نشستہ است انچہ دردیوان فیض عنوان دیدہ کافر

باشم اگر در مثنوی مولوی روم و دیگر کتب تصوف انبار دیدہ باشم۔ خاصہ در رباعیات کہ ہر قوزہ دریائی و ہر ذرہ آفتابی دارد و اگر حیات باقی ست زین سپس حال رباعیات نگاشتہ خواہد شد۔ این قدر نہ بود۔ بہ خاطر باشد کہ ما نیز برین جادہ و بدین اندیشہ دل نہادہ ایم تا پایان کار از کدام پردہ سر برون آوریم و در کدامین گروہ شمردہ شویم۔ دیوانِ حال بہ مخدومی مکرمی سید بدرالدین علی خان المشتہر بہ فقیر صاحب سپردہ و دیوان سابق از و شان گرفتہ بہ آدم حضور دادہ شد۔ این نامہ بدان زودی کہ اندیشہ برنتابد نگاشتہ می شود۔ در حقیقت پاسخ عنایت نامہ ہنوز نہ نوشتہ ام۔ زیادہ حد ادب۔ مشفقی میر حیدر علی پس از سلام مطالعہ فرمایند کہ پیر علی صاحب درین روزہا بہ دہلی بودند۔ بعد مرگ ایشان را دیدم امروز خود شان بہ اکبرآباد روان شدہ اند۔ می گویند ماہ روزہ بہ آگرہ بسر بردہ بہ گوالیار می روم۔ اطلاعاً نوشتہ شد۔

عرضداشت اسد اللہ روسیاہ

✡

رقعۂ ششم مرزا غالب بہ حضرت غمگین

یزدان را سپاس گذارم و بدین ذوق خود را در بازم کہ مرا بہ گوشۂ خاطر کسی جائی دادہ است کہ تا کام و زبان را بہ بخشتاد آب نہ شویم نامش نتوانم برد۔ فروغ کوکب سعادت، بہار باغ افادت، منبع فیوض نامتناہی، واسطۂ رحمت الٰہی۔ روشنی پذیرفتہ نور الانوار و راہ یافتہ جمع الجمع، بہ رہنمائی ابدی و بہ راہ یابی ازلی مرشدی و مولائی و مخدومی حضرت میر سید علی کہ چون منی را نواخت و بہ خطاب ارزندہ ساخت۔ ہمان از آن روست کہ مہر بر خاک رو بہا تابد و ابر بر خس و خار در یابد۔ فیض ورود قدسی صحیفہ جان ہا بہ کالبد آگہی و مید و دیوان معجز بیان دستاویز گران مائگی من گردید۔ خوشا من کہ نامم از آن خامۂ تراود و زہی من کہ کلام قدسی بہ من رسد۔ غزل ہا یکدست، و نکتہ ہا ہموار، و مضمون ہا عارفانہ من و ایمان من کہ این زبان سرسری یعنی اردو۔ بار نامۂ حقیقت بیش ازین برنتابد،

ہر کوتہ نظر این ادای خاص را در نیابد، من نیز دیدہ ور نیستم، و تماشای جمال این پریزادان معنی اندازۂ من نہ بود۔ سواد ہمان اوراق سرمہ سلیمانی بہ چشم اندر کشید کہ نگہہ بدین جلوہ ہای بیرنگ آشنا شد، واماندگان صورت چہ دانند کہ این گوہر گفتار کجائی ست و این گرد از کدامین کاروان می خیزد۔

قبلہ و کعبۂ مرا خاطر نشان باد کہ ہر چند ہمدرین بقعہ کہ دہلی نام دارد شب شرف پابوس دریافتہ ام و آن را ذریعہ رستگاری خویش می دانم لیکن اینک برخود حیف می کنم کہ در آن ہنگام گوش ہوش شنوا و چشم ادراک بینا نہ بود، تا از ان چہ اکنون بہ دل می خلد، و اندیشہ بدان آویختہ است، سخنی چند پرسیدی و کار آگہی بہ بالا بردی ہم آتش شوقِ زمانہ در گشتی و چراغ شناخت را فروغ گستر آمدی۔ ہر چند خردمی سگالد و باور کردہ ام کہ ہستی جز یکی نیست اما بیشتر این نمود بے بود کہ نقش ہائے برانگیختۂ پندار ست بہ دل جامی کند و خاطر از خوش و ناخوش برہم می خورد خدا را برین نیم سوختہ نظری تا پاک بسوزد۔ ود و دو شرار و خاکستر ہمہ از نظر برخیزد دانم کہ دلائی آرزو بہ حوصلہ ارزش من درنہ گنجد لیکن شنودہ ام کہ مس بہ کیمیا زری گردد زیادہ ازین چہ گویم کہ نامہ بر پا بہ رکاب است مکرمی سید بدر الدین علی خان فقیر صاحب در اضطراب۔ ان شاء اللہ العظیم ازین بعد نیاز نامہ ہا بہ والا خدمت خواہد رسید۔ مشفقی سید حیدر علی سلام خوانند و مشتاق دانند۔ محرر اسد اللہ۔ نگاشتہ روز بست و پنجم ذی الحجہ ہنگام شب پیشِ چراغ۔

۞

رقعہ ہفتم مرزا غالب بہ حضرت غمگین

حضرت پیر و مرشد برحق مدظلہ العالی

بسا روز ہا بہ شب آمد و شبہا روز شد تا صبح دولتِ من از افق اقبال دمید و منشور لامع النور تعویذ بازوی جان گردید، نامہ موسومہ طالع یار خان و حکیم قطب الدین خان ہر دو بہ طالع یار خان سپردہ شد۔ و فرمان جناب عالی رسانیدہ آمد نالہ کہ بنام نامی فقیر صاحب بود بخدمت شان رسید،

اغلب کہ امروز یا فردا نزد من آیند تا پیام حضرت بزبان بگزارم، می میرم از رشک کہ دیگران آہنگ راہ گوالیار دارند و مرا ہنگام آن فرا نیامدہ است کہ از دام بدر توانم جست یارب زود باشد کہ کام دل بر آید و زمان انتظار حکم ولایت و روزگان ہجران بسر آید۔ و این روزہا غزلی درمیان احباب طرح شدہ و در آن زمین دہ بیت گفتہ شدہ بود، بہ چشمداشت اصلاح درین ورق نگارش می پذیرد۔ زیادہ حد ادب۔

غزل

در وصل دل آزاری اغیار ندانم — دانند کہ من دیدہ ز دیدار ندانم

طعنم نسزد مرگ ز ہجران نشناسم — رشکم نگزد خویشتن از یار ندانم

پرسد سبب بیخودی از مہر و من از بیم — در عذر بخون غلطم[1] و گفتار ندانم

بوسم بخیالش لب و چون تازہ کند جور — از سادہ گیش بی سبب آزار ندانم

ہر خون کہ فشاند مژدہ در دل فتدم باز — خود را بغم دوست زیان کار ندانم

آویزش جعد از تہ چادر بردم دل — آشفتگی طرہ بدستار ندانم

بوی جگرم می دہد از خون سر ہر خار — شد پائی کہ در راہ وی افگار بدانم

زخم جگرم بخیہ و مرہم نہ پسندم — موج گہرم جنبش و رفتار ندانم

نقد خردم سکہ سلطان نپذیرم — جنس ہنرم گرمی بازار ندانم

غالب نبود گو تہی از دوست ہمانا — زان سان دہدم کام کہ بسیار ندانم

از اسد اللہ نگاشتہ ہژدہم رجب ۱۲۵۵ھ دومین روز ورود والا نامہ سید حیدر علی صاحب وسید امانت علی صاحب سلام نیاز خوانند و مشتاق دانند بندہ شمایم و ثنا خوان شما، مکرمی جناب رضی الدین حسن خان بوالا خدمت حضرت صاحب مراسم تسلیم و آداب می رسانند۔ منجانب اسد اللہ، تاریخ تحریر ۱۸ر رجب ۱۲۵۵ھ۔

عہد غالب

نکہت جہاں

۱۔ قلعہ کا مشاعرہ: از اعظم الاخبار مدراس مورخہ ۷ رجولائی ۱۸۵۳ء مطابق ۲۹ر رمضان المبارک ۱۲۶۹ھ نمبر ۳۸ جلد ۶۔

دہلی: ۱۵ شعبان کو قلعہ میں مشاعرہ ہوا اور بادشاہ جہاں پناہ نے یہ غزل لکھی۔

ہرجائے ہے قدرت کا تماشا مرے آگے
لیکن میری غفلت کا ہے پردا مرے آگے

مقطع ہے

کہتا جو دل اس کے خط سبز کے
اوصاف
کیا کیا ہے ظفرؔ زہر اگلتا مرے آگے

۲۔ ظفرؔ کی غزل: از اعظم الاخبار مدراس مورخہ ۱۸ر اگست ۱۸۵۳ء ظفر بادشاہ کی غزل۔

وہ سو اٹھکھیلیوں سے گھر کے باہر دو قدم نکلے
بلا سے اس کے گر اس میں کسی منتظر کا دم نکلے

۳۔ قمار بازی: صاحب سشن جج کے محکمہ سے بھی قمار بازوں کے حق میں۔۔ وہی حکم صادر ہوا جو صاحب مجسٹریٹ نے دیا تھا۔ (عمدۃ الاخبار بریلی ج اول نمبر دوم ۵ر جولائی ۱۸۴۷ء)

گورنمنٹ گزٹ ممالک مغربی وشمالی نمبر ۲۲ مورخہ ۸ راگست میں مسودہ ایک قانون کا درباب انسداد قمار بازی لیجس لیٹیو کونسل نواب گورنر جزل بہادر سے جاری ہو کر چھپا ہے...... اگر پولیس...... وجہ اس امر کے باور کرنے کی رکھے کہ کوئی مکان یا احاطہ محدود بہ دیوار یا کمرہ یا جگہ بطور مکان قمار بازی عام کے مستعمل ہے تو اس کو اختیار ہے کہ بذریعہ اپنی وارنٹ کے کسی عہدہ دار پولیس کو جو انسپکٹر کے رتبہ سے کم درجہ نہ ہو...... رات یا دن میں اور بجبر، اگر جبر کی ضرورت ہو، ایسے مکان...... میں داخل ہو اور تمام اشخاص کے جن کو وہاں پائے، عام اس سے کہ وہ فی الواقع مصروف قمار بازی ہوں یا نہ ہوں...... گرفتار کرے۔ (اخبار عالم میرٹھ ۱۶ راگست ۱۸۶۶ء ص ۱۳۔۱۵)

۞

۴۔ تنازعہ مابین نواب امین الدین خاں و نواب ضیاء الدین خاں

لہارو: بملاحظہ سید الاخبار واضح ہوا کہ نواب امین الدین احمد خان بہادر اور نواب ضیاء الدین احمد خان بہادر کہ دونوں بھائی ہیں اور ریاست میں باہم متنازع تھے۔ درباب اون کے پیش گاہ گورنمنٹ سے یہ تجویز ہوئی ہے کہ چونکہ بعد وضع اخراجات بیس ہزار روپیہ سال پرگنہ میں بچتا ہے اور نواب ضیاء الدین احمد خاں کا حق محاصل میں نصفی ہے، نواب امین الدین خاں ان کو دس ہزار سال دیا کریں اور پرگنہ اپنی تحت میں رکھیں۔

(عمدۃ الاخبار بریلی مورخہ ۱۸ را کتوبر ۱۸۴۷ء روز دوشنبہ)

٭

غالب اور ۱۸۵۷ء کی بغاوت

محمد اشرف
مترجم: قمر رئیس

ایک عام مؤرخ، مرزا غالب کی شخصیت سے بہ حیثیت ایک اعلیٰ شاعر روشناس ہوگا لیکن ایک مؤرخ کی حیثیت سے، جسے بہادر شاہ ظفر نے مغل دورِ حکومت کی تاریخ لکھنے پر مامور کیا تھا شاید وہ آشنا نہ ہو۔ اس طرح یہ حقیقت بھی اس پر روشن نہ ہوگی کہ اس قومی شاعر نے باغیوں کے دورِ اقتدار میں نہ صرف یہ کہ دہلی میں رہنا پسند کیا بلکہ اس یادگار زمانے کے روزمرہ کے واقعات بھی قلم بند کیے۔ اس روزنامچہ کے اندراجات کا آغاز ۱۱رمئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ کے سواروں کی آمد سے شروع ہوتا ہے اور ۲۰رستمبر کو ختم ہوتا ہے جب برطانوی فوجیں دہلی کی باغی قوتوں کی جدوجہد پر قابو پانے میں کامیاب ہوگئیں۔ بعض حیثیتوں سے یہ روزنامچہ لکھنؤ کی شکست (جولائی ۱۸۵۸ء) تک واقعات کا احاطہ کرتا ہے۔

یہ بات بہت واضح نہیں ہے کہ آخر کن محرکات کے تحت مصنف کو اس روزنامچے کے لکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ تاہم یہ ظاہر ہے کہ روزنامچہ اس وقت سامنے آیا جب انگریزوں کو دہلی پر

کامل تسلط حاصل ہوگیا تھا اس لیے ہمارا یہ سوچنا غلط نہ ہوگا کہ اس زمانے کے تقاضوں سے مطابقت پیدا کرنے کے لیے اصل کتاب پر نظر ثانی کی گئی ہوگی۔ موجودہ صورت میں غالب کے اس روزنامچے کے اندراجات حد درجہ مختصر ہیں اور اس میں بعض ایسے اہم واقعات کا کوئی ذکر نہیں جن کا علم عام تھا۔ اس عہد کے اہم اور نتیجہ خیز واقعات کے بارے میں اس روزنامچے کا رویہ خصوصیت کے ساتھ غیر متوقع ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو روزنامچہ دوبارہ لکھنے کی فراغت میسر نہیں تھی۔ اس لیے اس نے اصل روزنامچے کے اندراجات میں کمی یا کاٹ چھانٹ کرنے اور اس میں چند بعد کے خیالات کا اضافہ کرنے پر اکتفا کیا۔ ظاہر ہے کہ اپنی جان کے تحفظ کی خاطر وہ ایسا کرنے پر مجبور ہوا۔

سرگذشت کا آغاز ایک جوش اور سرخوشی کی کیفیت سے ہوتا ہے۔ ہر طرف عوام بغاوت پر آمادہ ہیں اور باغی فوجیں انگریزی افواج سے لڑنے اور پیچھا کرنے کے لیے پے بہ پے داخل ہورہی ہیں لیکن جیسے ہی مقابلہ شروع ہوتا ہے — جو چار ماہ اور دس روز تک جاری رہا — مصنف پردہ پوشی یا رازداری پر مائل نظر آتا ہے اور چند سطروں کے عمومی بیان کے بعد ہمیں اچانک معلوم ہوتا ہے کہ کشمیری دروازے پر برطانوی فوجوں کی سخت یورش کے نتیجے میں ہندوستانی افواج کو پسپا ہوکر پیچھے ہٹنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ اس کے بعد وہ اصل موضوع سے گریز کرتا ہے اور ملک میں باغیوں کی جدوجہد کی طرف چند بے ربط لیکن بعض حیثیتوں سے نتیجہ خیز اشاروں کے بعد وہ اپنے خانگی مسائل کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے اور انگریزوں کی ان خدمات کا ذکر کرتا ہے جو اس کے اہل خاندان نے ابتدائی زمانے میں انجام دیں۔

مصنف نے بغاوت کی تفصیلات بیان کرنے سے جو احتراز کیا ہے اور غیر ملکی فاتحین سے جیسی سوچی سمجھی وفاداری کا اظہار کیا ہے، اگر ہم اس زمانے کے بے دریغ اور بہیمانہ قتل عام کو ذہن میں رکھیں تو اس کی نوعیت کا اندازہ کرنے میں دقت نہ ہوگی۔ اس بغاوت سے اس کے تعلق یا ہمدردی کا ذرا سا شبہ بھی اسے پھانسی پر لٹکا سکتا تھا۔ اس کے ماسوا غالب کی گزر اوقات کا وسیلہ محض ایک پنشن تھی اور قبل اس کے کہ حاکموں کو اس کے دوبارہ اجراء کے لیے رضامند کیا جائے۔ اس

کے لیے اپنے استحقاق (بے گناہی) کو ثابت کرنا ضروری تھا۔ یہ بات ایک ایسے شخص کے لیے اور بھی ضروری تھی جس کا تعلق امراء سے رہا ہو اور جو دہلی کے مغل شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کا استاد، درباری اور دوست رہ چکا ہو۔ صرف یہی نہیں جس نے ہندوستان میں برطانوی دور حکومت کی برکتوں کی تحسین کے باوصف انگریزوں کی جارحانہ حکمت عملی خصوصاً اودھ کے الحاق سے برہمی اور بے اطمینانی کا اظہار کیا ہو۔ کچھ مدت کے بعد جب مارشل لا کی سختیاں کم ہوئیں اور امن بحال ہوا تو غالب نے انگریزوں کے جبر و تشدد کا ذکر زیادہ صفائی اور بیبا کی سے کیا اس نے نئے جاگیردار طبقہ کی اس خوش حالی میں شریک ہونے سے انکار کیا کہ نئے حکمراں سیاسی اقتدار میں ان کو حصہ دیں گے۔ اس نے کھلے طور پر اپنے باغی دوستوں کے مصائب سے خصوصاً اور شکست خوردہ امراء سے عموماً ہمدردی کا اظہار کیا۔

صورت حال جیسی بھی ہو یہ حقیقت ہے کہ وسط ستمبر ۱۸۵۷ء میں جب حالات اس کے لیے ناسازگار ہوئے تو اس نے بھی اپنے بہت سے دوسرے احباب کی طرح ذاتی مدافعت کو دوسری تمام چیزوں پر ترجیح دی۔ اس لیے متعلقہ حکام کے سامنے شاعر نے جن دلائل اور جیسی ہوشیاری کے ساتھ اپنی مدافعت کی ہے اس کے لیے ہم اسے الزام نہیں دے سکتے۔ اس نے ثابت کیا کہ اس کا خاندان ہمیشہ سے برطانیہ کا وفادار رہا ہے اور اس کے صلے میں اسے ساری زندگی کے لیے پنشن عطا کی گئی تھی۔ اس نے بغاوت کے دوران میں اپنے آپ کو شاہی طرفداروں اور باغیوں سے بالکل علیحدہ رکھا۔ اور اپنے آپ مکان میں بند رہ کر گوشہ نشینی کی زندگی گزاری۔ شہر میں برطانوی فوجوں کے داخلے کے بعد جب بہت سے عمائدین اور پنشن یافتہ لوگوں نے راہ فرار اختیار کی تو اس نے شہر ہی میں قیام کرنا پسند کیا۔ اس نے اپنی بے گناہی (جرائم کی جگہوں سے دور رہنے) کے ثبوت میں ہندوستان اور انگلستان میں حکومت کے اعلیٰ عہدہ داروں کو اپنا فارسی روزنامچہ پیش کیا۔ ایسا اس نے کیوں کر کیا؟ اس کا جاننا دشوار نہیں ہے۔ مغل دور حکومت کے ادیبوں کو جو مرصع اور ایہامی طرز تحریر محبوب رہا ہے وہ اس کا ماہر تھا۔ وہ ادعائے اظہار خیال کے باوجود اپنے خیالات کو ہوشیاری کے ساتھ عبارت کی تہوں میں چھپا سکتا

تھا۔ اپنی عبارتوں اور مطالب میں مزید ابہام پیدا کرنے کے لیے اس نے اپنے مخصوص خالص فارسی کے نظریے کا سہارا لیا۔ مختصر یہ کہ اس نے اس سلسلے میں ہر امکانی احتیاط سے کام لیا اور اس بات کی کوشش کی کہ اس کے روزنامچے کے اندراجات اس کے خلاف یا اس کے ان رفیقوں کے خلاف استعمال نہ ہوسکیں جنہوں نے بغاوت میں نمایاں حصہ لیا تھا۔

ان تمام امور کے باوجود 'دستنبو' دہلی کی بغاوت سے متعلق واقعات کے ضمن میں ایک مستند اور قابلِ قدر مآخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ مجھے اس بات پر زور دینے کی ضرورت نہیں کہ حقائق کو ایک معروضی اندازِ نظر سے دیکھنے کا جذبہ اور انسانیت سے گہرا پیار (جو مصنف کی شخصیت کے خاص اوصاف ہیں) اس کی دوسری تحروں کی طرح اس کتاب میں بھی نمایاں ہیں۔ بعض معلوم اسباب کی بنا پر بے شک واقعات کا بیان ایہامی، اور 'غیر ذاتی' ہے، لیکن غالب کا بعض ڈرامائی واقعات اور کچھ افراد کی سرگرمیوں کو بالکل نظر انداز کردینا واضح طور پر اس قومی مدافعت کی عظیم تحریک کی مقبولیت اور بعض ایسی نئی سماجی قوتوں کی جھلک دکھاتا ہے جو اس تحریک سے وابستہ تھیں۔ فارسی روزنامچے کے اس نسخے کی تصنیف میں مصنف کی معذوریاں کچھ بھی رہی ہوں یہ بات یقینی ہے کہ ۱۸۵۷ء کے واقعات کے ہر حساس طالب علم کے لیے یہ کتاب ایک قابل قدر دستاویز ہے۔

اب ہم قارئین کے سامنے 'دستنبو' کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں اور ان کی قدر و قیمت کے بارے میں رائے قائم کرنے کا کام ان پر چھوڑتے ہیں۔

۱۔ عوام بغاوت پر آمادہ ہیں:

شاعر یہ منظر دیکھ کر کچھ الجھن اور پریشانی میں مبتلا نظر آتا ہے۔

"جہانیاں با جہانباناں ستیز ندو لشکریاں خون لشکر آرایاں ریزند و آنگاہ شادی ورزند و برخویشتن نازند۔" ص ۱۹۱

۲۔ برطانیہ کے ہمدردوں کی معذوری

"ازاں روکہ راہ آب تیز رو بخاشاک نتواں بست دست از چارہ کوتاہ و دیدہ بر کے ...

سرائے خویش .تمام نشست یکے از آں ماتم زدگاں منم کہ در خانۂ خویش بودم ۔" ص ۱۹۱

۳۔ میرٹھ کے سواروں کو خوش آمدید

"سرگشتۂ چند از سوار کینہ خواہ میرٹ بشہر در آمدند ہمہ بے آزرم و شور انگیز و بخداوند کشے تشنۂ خون انگریز ۔ دیدبانانِ دروازہ ہائے شہر کہ برون از ہمگو ہر ے وہم پیشگی نشگفت کہ ہم از پیش ہم سوگند نیز باشند ہم پاس نمک وہم پاس شہر گزاشتند ۔ میہماناں ناخواندہ یا خواندہ را گرامی داشتند ۔ آن سواراں .... چوں درہا باز و دربانان را میہمان نواز یافتند دیوانہ وار ہر سو شتافتند ......" ص ۱۹۲

۴۔ بغاوت بڑھتی اور پھیلتی ہے

"رفتہ رفتہ از شہر ہائے دور دست آگہی رسید کہ شوریدگان ہر سپاہ در ہر فرود آمدگاہ خون سپہیدان ریختہ اند وچنانکہ رامشگر ان رانوا از پردۂ ساز خیزد گور نماگن از ناسازی بے پردہ شور انگیختہ اند گرد ہا گروہ مردم را از سپاہی وکشاورز دل یکے گشت و ہمہ بے آنکہ باہم سخن رود دور و نزدیک یک دست بر یک کار کمر بستند ...... این لشکر ہائے بے مرد جنگجویان بے شمار را جاروب وار کمر بند یکست آرے ۔ رُفت و روب ہند ...... بد انسان کہ آرائش و آسائش اگر جویند باندازۂ پرۂ کاہے گاہے نیابند ۔ ہم چنین جاروب گیتی آشوب ہمی خواست ۔ اینک ہزار لشکر نگری ہمہ بے لشکر آرائے آراستہ و بسا سپاہ منی یکسرہ بے سپہدار بجنگ برخاستہ ۔" ص ۱۹۲

۵۔ زمیندار امراء کی بے بسی اور کس مپرسی

"آں یکے کہ اورا خردے روشن ونامے بلند بود خاک کو شبہ آبروئش گل کردند و دیگر را کہ نہ آب داشت و نہ گہر آب از اندازہ بروں رفت و گہر در شمار از ریگ دریا فزونی گرفت آنکہ پدرش کوئے بکوئے بادپیمودے باد را بہ بندگی می خواند .... ترسیدن دلیران از سایۂ خویش و فرمان راندن سر ہنگان بر شاہ و درویش ۔" ص ۱۹۳

۶۔ عوامی سپاہی (باغی) دہلی میں جمع ہوتے ہیں

غالب لکھتے ہیں کہ جیسے ہی یہ لوگ دہلی میں داخل ہوئے ان کے مختلف دستوں نے سب سے پہلے وہ سونا اور چاندی شاہی خزانے میں جمع کر دیا جو ان کے پاس تھا۔ اس کے بعد وہ بادشاہ کی سلامی کے لیے لال قلعہ میں گئے اور پھر ایک فاتحانہ رعب کے ساتھ شہر میں گھومنے نکلے۔

"از ہر سرا ہے سپاہے و از ہر رہگذرے لشکرے و از ہر سوئے اردوے گرد آوردہ و بدین سرزمین روان داشت ..... شگرف کاری روزگاران و روزگار شگرف کاران ست۔ اکنون بیرون و درون شہر دہلی کما بیش پنجاہ ہزار پیادہ و سوار فراہم آمدن گاہ ست۔" ص ۱۹۳

۷۔ ہندوستانی ریاستوں کے حکمرانوں پر عوامی تحریک کا اثر

"تفضل حسین خاں نام آور فرخ آباد کہ گاہے بگرائش روی و بہ نیایش خوی نداشت ہم از دور پیشانی بہ پیش گاہ خسر و سود و در آن نیایش نامہ کہ خامہ فرسود خود را بہ ویرین بندگی ستود۔ خاں بہادر نام جوے بیرا بہ پوی کہ در بریلی از روے لشکر گرد آوری بہ انداز سرلشکری گردن افراشت۔ یک صد و یک زریں درم و پیل و اسپ تیمیں ستام بہ درگاہ روان داشت ..... نواب یوسف علی خاں بہادر فرمانروا ے رامپور کہ از دیر باز دراں سرزمین ..... با جہاں بانان انگلیند در مہرورزی و یک دلی استواری پیمائش ..... چار ناچار بہ فرستادن پیام خشک زبان ہمسائگاں از گفتگو بست۔ در لکھنؤ ..... کاروان لبسیار وان شرف الدولہ بروزگار اورنگ نشینی ..... کودکے دہ سالہ از فرزندان واجد علی شاہ بسروری برداشتہ ..... وخود را پیشکار دستیار دستور خواند .....

اختر بخت خسرو در بلندی بجاے رسید کہ رخ از خاکیان نہفت۔" ص ۱۹۵

۸۔ برطانوی سپاہیوں سے مقابلہ

"شب و روز از ہر دو سو گولہ بسان سنگچہ از ہوا ہمی ریزد۔ تابستان مئی و جون ست و

تابش آفتاب روز افزوں — شمشیر زنان اردو ئی گرد آمده از ہر سو ہر روز پیش ازاں کہ پر تو خود جہاں را فرا گیرد بہ نبرد شیر مرداں میر وند وز میں ہمی نوروند و پیش ازاں کہ چراغ مہر فرو میرد روئے میگرد انند۔'' ص ۱۹۴

۹۔ حکیم احسن اللہ خاں کی حویلی نذر آتش کردی گئی

'' حکیم احسن اللہ خاں سو گیرد پیروزی خواہ انگریزان است —— خانہ کہ بہ نگار خانۂ چین ہمیمانست بہ یغما بردند و در آسمانۂ ایوان آتش روند۔'' ص ۱۹۴

۱۰۔ برطانوی سپاہیوں کا حملہ اور باغیوں کی پسپائی

'' چار دہمیں روز از ستمبر بود سایہ نشینان دامن کوہ بداں فرو شکوہ بر کشمیری دروازہ ریختند کہ سپاہ سیاہ جردہ را از گریز گزیرنہ ماند۔'' ص ۱۹۵

۱۱۔ آخری وقت تک عوام کی مدافعانہ جدوجہد

برطانوی سپاہیوں نے جب باغی سپاہیوں سے شہر چھین لیا تو عوام نے بھی باغیوں کا ساتھ دیا اور گلی کوچوں میں دست بدست لڑنے اور مقابلہ کرنے لگے۔

'' ہمانا آوارۂ چند و بیچارۂ چند با شیر مرداں شہر کشائے آویختند...... دو سہ روز در شہر از کشمیری دروازہ تا چار سو ہر راہے رزم گاہ ماند و اجمیری دروازہ و ترکمان دروازہ و دہلی دروازہ ایں سہ در بند بدست ایں سو یہ سپاہ ماند......'' ص ۱۹۵

اور جب دہلی پر برطانوی سپاہیوں کا قبضہ ہو گیا تو اس کے نتیجے میں

'' نادار ان و خاکساران آن مایہ کہ کس نیارد شمرد از راہ آن سہ دروازہ بدر رفتند۔ ۱۹۵

۱۲۔ عوام کا اخلاقی استحکام اور جرات

غالب اپنے محلے کے باشندوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

'' با آنکہ کوچہ را در فراز کردہ اند ہنوز آنمایہ دلیری میگنجد کہ در میکشایند و برون می روند سامان خورد آشام ہمی آورند۔'' ۱۹۵

۱۳۔ دہلی کے گرد و نواح اور قصبوں میں مدافعانہ جدوجہد

۱۷ اکتوبر ۱۸۵۷ء کو جب قطعی اور آخری طور پر دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس وقت بھی مضافات میں عوام کی مدافعانہ جدوجہد ختم نہیں ہوئی۔ مصنف لکھتا ہے۔

''ہنوز سرکشان گروہا گروہ فرسنگ درفرسنگ وگروہ در گروہ در بریلی، فرخ آباد و لکھنو بشورانگیزی وہرزہ ستیزی آمادہ اندو ولیکہ خوں بادہ بہ پیکار بستہ و دستے کہ بریز اوبدیں کار کشادہ اند ودیگر در سرزمین سوہنہ وتوہ میواتیاں بداں بیراہہ روی شور برداشتہ اند کہ پنداری دیوانگاں رابند زنجیر گسستہ است وتلارام .... درریواڑی ہنگامہ آراماندہ پس بہ رہ نمونی دیو بامیو پیوستہ است۔ ایں گروہ را دراں دشت وکوہ جداگانہ با جہانداراں سرجنگ وستیز است گوی آب وخاک ہند ہرسو کارگاہ باد تند وآتش تیز است۔'' ص ۱۹۹

۱۴۔ ایک گھریلو منظر۔ بارش کا پانی جمع کرنا

۱۵ ستمبر کے بعد غلّے کی تمام دکانیں بند کر دی گئیں۔ مہتر، دھوبی، نائی اور پھیری والے شہر چھوڑ کر چلے گئے۔ جس کے نتیجے میں دو دن اور دو راتوں تک کھانے اور پینے کو کچھ میسر نہ ہو سکا۔ فطری طور پر غالب کی زندہ دلی کے سوتے خشک ہونے لگے کہ اچانک:

''روزے ناگہاں ابر آمد و باراں بارید۔ چادرے بستیم وخمے زیراں نہادیم وآب گرفتیم۔ گویند ابر آب از دریا بر دارو بروئے زمیں فرو بارد ایں بار ابر گراں مایہ ہما سایہ آب از چشمۂ زندگی آورد۔ بہر آئینہ آنچہ سکندر در بادشاہی جست ایں تلخ کام شور رابہ آشام در تباہی یافت۔'' ۱۹۷

۱۵۔ لوٹ مار اور قتل و غارتگری

شہر (دہلی) پر برطانوی سپاہیوں کے تسلط کے بعد حالات نے جو نیا رخ بدلا اسے مصنف نے حاکموں کے شعلۂ غضب سے تعبیر کیا ہے۔

''بداں راستہ بازار کہ در پیش روی پیش روے داشتند شتافتند وکشتہ بر کہ در رہگذر یافتند از بلند پایگاں و فرازنگاں شہر کس نبود کہ سرائے را در فروبستہ۔'' ۱۹۵

غالب نے اچانک دیکھا کہ

'' آنسوئے چارسو کشتن گاہ وبیم ناک راہ ہست .... بدرستی کہ زندانیانہ زندگی می گزرانیم نہ کس می آید تا گفتارش بگوش خورد و نہ خود بیروں می رویم تا دیدہ دیدنی با نگرد۔''

شہر میں لوٹ مار کا ذکر کرتے ہوئے مصنف لکھتا ہے۔

'' درین تاخت فرمان ہمہ آنست کہ ہر کہ گردن نہد از سر خونش در گزرند واندوختہ ببرند و ہر کہ چہرہ شود در نورد سرمایہ ستانی جانش نیز شکرند ہر آئینہ بر کشتگان گماں میرود کہ گردن کشیدہ اند تا سر بردوش ندیدہ است۔''۱۹۹

'' مرزبانی بیرامن دہلی کہ درماں بری بہ آنجنبی، دہلی ہمی پیوندو ..... جھجر بہادر گڑھ و بلب گڑھ و لاہارو فرخ نگر دو جانہ و پاٹودی ہفت جاست فرماں دہان پنج سرزمین درارک دہلی چنانچہ گفتم جا گزیں و آن دو تائے دیگر در پاٹودی و دوجانہ ناوک بیم را نشانہ ...... وہ کیائے جھجر و بلب گڑھ و چار بالش آرائے فرخ نگر را جدا جدا بروز ہائے جداگانہ بہ گلو آویختند۔''۲۰۲

اس ہنگامے کے بعد دہلی کی حیثیت مثل ایک بڑے قید خانہ کے تھی صاحب'' دستنبو'' کے الفاظ میں:

'' درین شہر زنداں از شہر بیرون است ونو اخانہ اندروں دریں ہر دو جا آں مایہ مردم را بہم درآوردہ اند کہ پنداری پیکر در پیکر ہمی خزد شمارۂ آنان کہ ازیں ہر دو بندی خانہ در روز ہائے جداگانہ بہ پیچش ریسماں جان باختہ اند فرشتۂ جانستان داند۔ مسلماں در شہر از ہزار کس افزوں نیابی ...... یا خویشاوندان گرفتاراں یا ارزانش خوار انند ہمانا پنشن داراں ......''۲۰۳

۱۶۔ مصنف کا حزن و مایوسی اور مستقبل کا خیال

فطری طور پر غالب اس'' شہر خموشاں'' کو دیکھ کر دل شکستہ اور غم دیدہ تھے۔ وہ شہر جس

میں ہزاروں افراد ان کو جانتے پہنچانتے تھے اور ہر گھر میں، ہر بستی میں ان کے رفیق اور دوست تھے۔ ان کے لیے یہ سوچنا بھی بڑی اذیت کا باعث تھا کہ "شہر از مسلمانان تہی است شبانہ خانہ ہائے ایں مردم بے چراغ است و روزانہ روزن دیوار ہا بے دود" ۲۰۵

کس مپرسی اور شکست و محرومی کے اس عالم میں شاعر مسلمانوں کو افلاس، بھوک اور موت کی طرف بڑھتا ہوا دیکھتا ہے۔ لیکن پھر اچانک اسے تیرہ و تار افق پر دھندلی سی روشنی نظر آتی ہے اور وہ ایک متصوفانہ امید کے ساتھ لکھتا ہے۔

چرگر کہ زخمہ زخم بر چنگ زند
پیدا ست کہ از بہر چہ آہنگ زند
در پردۂ ناخوشی خوشی پنہا نست
گازر نہ زخشم جامہ بر سنگ زند

حاشیہ

۱۔ کلیات نثر غالب مطبوعہ جنوری ۱۸۶۸ء نول کشور پریس لکھنؤ

العلمه طاقة

کتاب مستطاب نایاب بزبان فارسی قدیم بے آمیزش لفظ عربی
تصنیف فردوسی ہند نواب اسد اللہ خاں بہادر غالب تخلص دہلوی موسوم بہ

جس میں مصنف نے اپنی سرگذشت ابتدای ۱۸۵۷ء سے ۳۱ / جولائی ۱۸۵۷ء تک لکھی
ہے مع قصیدہ تہنیت فتح ہند کہ وہ بزبان فارسی متعارفہ مروجہ ہے۔

مطبع مفید خلایق آگرہ میں واسطے افادہ خاص وعام کے باہتمام شیونراین کے چھاپی گئی

قصیدۂ

برگزیدہ

در مدح خداوند روے زمین سایۂ جہاں آفرین
حضرت قدر قدرت ملکہ معظمۂ انگلستان
خلد اللہ ملکہ بالعدل والاحسان
مشتمل بر تہنیت فتح ہندوستان

در روزگار ها نتواند شمار یافت — خود روزگار انچه درین روزگار یافت

پرکارِ تیز گرد فلک ، درمیان مبین — حق داد دادِ حق کہ بمرکز قرار یافت

در ہای آسمان بزمین باز کردہ اند — ہرکس ہر انچہ جُست بہر رہگزار یافت

آمد اگر بفرض ز بالا بلا فرود — برروئے خاک پیچ وخم زلفِ یار یافت

چون حُسن ماہِ یکشبہ بینی بدان کہ ماہ — پاداشِ جانگدازی شبہائے تار یافت

چون رنگ روی گل نگری شاد شو کہ گُل — اجرِ جگر خراشی پیکان خار یافت

در خاک و باد و آتش و آب آشتی فزود — این پرورش کہ خلق ز پروردگار یافت

ناچار جز بداو گرایش نمی کند — در دہر ہر چہ صورت ازین ہر چہار یافت

ہرکس بقدر فطرت خویش ارجمند گشت — ہرشی بحسن جوہر خویش اشتہار یافت

گر خواجہ بندہ را خط آزادگی نبشت — ہم بردر سرای خودش بندہ وار یافت

در بندہ خود ز خشم خط بندگی درید — توقیع خوشدلی ز خداوند گار یافت

مه روشنی و مهر فروزش ز سر گرفت
لیل و نہار صورت لیل و نہار یافت

بہرام دل بہ بستن تیغ و کمر نہاد
ناہید ذوقِ ورزشِ مضراب و تار یافت

نظارہ فتنہ ہائے عیان از نظر سترد
اندیشہ گنجہائے نہان آشکار یافت

جام از شراب روشنی آفتاب داد
بزم از بساط تازگی نوبہار یافت

روئے سخن صفائے بنا گوش گل گزید
بانگِ قلم نشاطِ نوائی ہزار یافت

برہم زدند قاعدہ ہائی کہن بہ دہر
ہر کس سرور تازہ زہر گونہ کار یافت

فیض سحر بغالب پیمانہ کش رسید
ذوقِ صبوح عابدِ شب زندہ دار یافت

رہزن متاع خویش برابن السبیل ریخت
کودک رضای لہوزآموزگار یافت

عاشق زبسکہ شاہدِ بیداد پیشہ را
از بہر خویش غم گسل و غم گسار یافت

خون گشت در دل دی اگر حسرتِ نگاہ
چشم سیاہ را بعزا سوگوار یافت

گر زاہداست نیز زمن می بجام بُرد
ور مجرم است نیز زشہ زینہار یافت

قفلِ دلِ عدو کہ کشایش نداشت نیز
دندانۂ کلید ز دندان مار یافت

بافتنہ ہم مضایقہ در خرمی نرفت
خوورختِ خوابش از رگِ گل پود و تار یافت

عنوان رنگ و بو رقم دلفروز جُست
بُستانِ آرزو شجر میوہ دار یافت

دولت سپند سوخت کہ شد ملک تازہ روی
ملک آفریں سرود کہ دولت مدار یافت

از انتظام شاہی و آئین خسروی
نور و سرور و دانش و داد انتشار یافت

برخستگان ہند بہ بخشود از کرم
وکٹوریا کہ رونق از و روزگار یافت

جشنے بہ کار سازی اقبال ساز داد
کاقبال ناز را بہ منش ساز گار یافت

بالد چنان ز ناز کہ پہلو زند بتاج
از بسکہ تخت پایگی استوار یافت

نازد چنان بخویش کہ بالد بروی تخت
از بسکہ تاج کامِ دل اندر کنار یافت

بایستی انجم از پئی ترصیعِ تاج و تخت
نازم فروتنی کہ جواہر قرار یافت

یاقوت ساز چرخ کہ معدن ذکانِ اوست
آورد ہرچہ در کمر کوہسار یافت

سنگی که نقشِ لعل و زمرد نبشته بود — در سینه خار خار ز جوشِ شرار یافت

خرشید را بچشم کواکب فزود ارج — تنها نه آبروی گهر شاهوار یافت

جمشید کش بشاه سرِ همسری نبود — ساقی گری گزید و دران پرده بار یافت

زین پس بسی میانهٔ مردم سخن رود — زان دور باش ها که جم از پرده دار یافت

همت نخواست باده زانگور ساختن — در دورِ شه بمکیده پروین فشار یافت

زحمت کشید گرچه بهار اندر اهتمام — داند همی که سود برون از شمار یافت

آورد گونه گونه نشانهای رنگ و بو — با خویش برد هرچه نه در خوردکار یافت

گل راز جوشِ رنگ بهنگامه جا کجاست — آورد گر بهار تنش را فگار یافت

در راه پایمردِ غریبان شمرده شد — در بزم قوتِ روح عزیزان قرار یافت

موجیکه آب در گهرِ شاهوار زد — جوشیکه خون بنافِ غزال تتار یافت

روزیکه زیرِ رانِ شهنشاهِ کامران — توسن شرف بحیلهٔ سیر و شکار یافت

از گردِ راه، لیلیِ گیتی، نقاب بست — وز خطّ جاده ناقهٔ گردوں مهار یافت

در در شکار گاه خدنگے ز شست جست — چشمِ غزال، سرمهٔ دنباله دار یافت

باشد بجای و شیهه بمنزل زند فرس — بالیدنش سزد که چنین شهسوار یافت

تاج و نگین علامت شاهی است در جهان — این هر دو هر که شد بجهان شهر یار یافت

فرمانروای ماست که از فرّ شوکتش — شد تاج سرفراز و نگین اعتبار یافت

زین سان بفیض نامیه نامی نگشته بود — صد بارم از گدازِ نفس آبیار یافت

دانم کز اقتضای زمانست کاین زمان — شاخِ بریدهٔ قلم این برگ و بار یافت

آری چرا چنین نبود کز عطای دهر — آبان و مهر دسترسِ نو بهار یافت

کوه از هجوم لالهٔ خود رو، بخاک خفت — خاک از نمودِ سنبل و ریحان غبار یافت

بہ آن که خواهشِ زرِ گل درمیان بود — دامانِ گل نسیم بدستِ چنار یافت

امروز لاله را بسرِ کوهسار دید — دهقان که دی بدامنهٔ کوهسار یافت

در وصف رنگ و بوی قوافی تمام شد
ناچار مدح شہ بدعا اختصار یافت

این خوشدلی ز روز ازل بود آن شاہ
وقت آمد از سروش امانت سپار یافت

حاشا کہ مستعار بود ہمچو عمر خلق
عمری کہ شاہ زندہ دل از کردگار یافت

نتوان شمارِ دولتِ جاوید یافتن
ور خود زروی ہندسہ گاہی شمار یافت

از بس پراست جیب مسیحی زنقد اسم
ہر جا الف نبشت محاسب، ہزار یافت

بنام خداوند پیروزگر
مہ و مہر ساز و شب و روزگر

توانا داور نہ سپہر فراز، ہفت اختر فروز، و دانا خدائے روان باتن آمیز، دانش و داد آموز که این ہفت و نہ را بی مایہ[1] و افزار[2] فراز آورد، و کارہای آسان و دشوار را روائی و بندہائے ست و استوار را کشایش بہ کشش و کوشش اینان باز بست۔ اندازۂ این بر بست[3] و بر نہاد[4] نہ بدان انداز بست کہ این کالبدہائے باہم ستیزندۂ از یک دگر گریزندۂ بہم آمیزندہ روان نداشتہ باشند، و در فرماندہی از فرمانبری نشان و در گرایش[5] و درایش[6] از نخست پاس فرمان نداشتہ باشند۔

ز رازِ اختر و گردون چہ دم زنی کہ ہنوز　　همی ز ہم نشناسی ستان[7] و در[8] وا را

مشو ستارہ پرستار کافتابی ہست　　فرو گرفتہ فروغش نہان و پیدا را

زاور[9] و زاوش[10] را در پیمودنِ سود دست، و بہرام[11] و کیوان[12] را در آمودنِ زیان دستگاہ اگر ہست، گو باش۔ دانا داند و شناسا شناسد کہ خجستگی و خستگی را مایہ از کجاست، ستارگان سرہنگان دادارند، و سرہنگان دادگاہ، با آنکہ ہیچگاہ از چنبر داد سر برون نیارند در منش و روش باہم انبازی و کار جز کارسازی ندارند۔ اگر یکی بدرشتی درتی کار خواست، و دیگرے بہ نرمی گرمی ہنگامہ روا داشت، ہمہ

پیراستن و آراستن است، نه سخت گیری و فروگذاشت۔

چه[13] گر که ز زخمه زخم بر چنگ زند | پیداست که از بهر چه آهنگ زند

در پردهٔ ناخوشی خوشی پنهانست | گازر نه ز خشم جامه بر سنگ زند

در آمیغ[14] فروغ بر فروزه[15] به نیستی نویم[16] بخشندهٔ هستی است۔ هر آئینه هر چه از آرام و آزار و برتری و پستی است از آن رو که رایگان بخشی و تر دستی است، همه سود و بهبود فرو بارد، و همه شادی و شادمانی بار آرد۔ توانگر از مس و سیم و پرنیان و گلیم هر چه بدرویش دهد، دهش و داد است۔ و جدا شناسی[17] خوب و زشت و کم و بیش پندار و سمراد[18] است۔ آیا درباره این نمود های بی بود۔ که پیوسته در نیستی پستند، اسمایه بخشش بس نیست که هستند، سخن از اندازهٔ دید و دانست خفته خردان گزشت، و گفتگوی را با خویش برد و ناچار پایه چند فرود آئیم، تا هم همان گفتار پیشین سرائیم گشتن آسمان به گشتن آسیا ماند۔ دانی که آسیا را گردش آوری هست۔ چه اندانی که آسمان را داوری هست۔ به تار و پود ریسمانی که از نگاه مهر و کین ستاره بچرخهٔ چرخ رشته اند، پردهٔ چند بافته بروی روزگار فروهشته اند۔ دیده وران نشان شناس که از آفرینش به آفریدگار پی همی برند، کارفرمائی و فرمانروائی یزدان از پس هر پرده می نگرند۔

چون جنبش سپهر بفرمان داور است | بیداد نبود آنچه بما آسمان دهد

زهی بود بخش نابود ربای، داد گستر بیداد زدای، هم بداد و توانا را نیرو کاه، و هم بمهر ناتوان را زور افزای۔ گویم که به خاک و خون خفتن آشفته سران پیل سوار به آسیب سنگریزهٔ پرستوک[19] و جان سپردن نمرود بزخم نیش پشه از چه روست، همانا که این نشانهای روشن همه بازنمود نیرو کاهی و زور افزائی اوست ورنه بمن بنمای که این دوگونه خستگی که هر یک بهنگام جداگانه بود ناوک نگاه کدام اختر ستم گستر را نشانه بود۔

ده[20] آنکه از جم، اورنگ و افسر برد | سکندر جگر گاه دارا درد

بُرد دیوزان دست انگشتری | که سفتی رگ جان دیو و پری

نه پاداش[21] دانی نه کیفر[22] همی | سرائی همان چرخ و اختر همی

آری خداوند چنان که نیست را'' ہستی دہ'' است، ہستی پذیرفتہ را'' نیست ساز'' نیز تواند بود۔ آنکہ ہمہ را در یکدم بہ نوید بشو [۲۳] پدید آورد، اگر دردمِ دیگر بہ نوائے مباش بہم زند زہرۂ آن کراست کہ از چون و چرا دم زند۔

درین روزگار کہ ہرزمزمہ را نہجار.......... وہر ہمہ را رفتار، وہر کجا سپاہے بود از سپہ دار، سخن پیوندی بگزار و بگوی کہ خود روز و روزگار برگشت، اختر شناسانِ سپہر پیمای برآنند، کہ در آن روزگار کہ بزم نازِ یزدجُرد شہریار پارس از ترکتاز تازیان بہم خورد، کیوان و بہرام در خرچنگ [۲۴] انجمن آرای و ہنر آزمای بودند۔ اینک ہمان پایۂ سیزدہم از خرچنگ بہم پیوستنگاہِ بہرام و کیوان است، و این شورش و پرخاش و جنگ وخواری وخونخواری ورنگ و نیرنگ نُمایہ [۲۵] آنست، دانا بدین گفتار کی گردد۔ آن تاختن لشکری دیگر بود از کشوری دیگر، واین برگشتنِ لشکر است از خداوندانِ لشکر چنانکہ از داستانِ باستان [۲۶] پارسایان پارس بہم نمانستنِ این دوستیز دآویز، ہویدائی دارد۔ در آن بار کہ سخن در کیش بود، ایرانِ ویران بہ فرّہ وفرہنگ کیشِ نوفرجام آبادی واز بندِ آدر [۲۷] بندگی آزادی یافت۔ دریں بار کہ گفتار در آئین است، ہندیان بچشمداشتِ کدام آئین تازہ شادمان باشند۔ پارسیان رخ از آتش تافتند وسوی خدا راہ یافتند۔ ہندیان دامن دادگران از دست دادند ودر شکنجۂ دام ہمدمی ددان افتادند۔ نمی بینی کہ از دامن تا دام، واز داد تا دد چہ مایہ دوری است۔ داد آنست کہ آرامش جز درآئینِ انگریز از آئین ہائی دگر چشم داشتن کوری است۔ زخم تازیانہ تازیان از خوبی آن کیش فرخ مرہمی داشت۔ روزگار درنوردِ این خستگی نجستگی اگری داشت، بار اندوہ از دوش دلہای نژند [۲۸] بر میداشت، اگر در اندیشۂ راز دانان بہر دانش ودادازین پس پیش آمدی ہست، بمن نشان دہند و بر دل اندوہگین ہیمناک سپاس نہند۔ جہانیاں با جہانبانان ستیزند، ولشکریان خونِ لشکر آرایان ریزند، و انگاہ شادی ورزند، و برخویشتن نلرزند۔ ہان ای دانندگانِ فرزبود [۲۹] وشناسندگان زیان وسود، این ہنگامہ بہ آتش خشم خداوند گرم است، ورنہ کارزار پارس این چنین امید سوز وآرزو گداز نبود۔

زخمہ بر تارم پریشان میرود   کاین نواہای پریشان میزنم

نادان نیم کہ ستارہ را بدین روشنی وگردون را بدان بزرگی بی فروفروغ، وکارگزاری بر بنیان [۳۰] را

دروغ پندارم، یا از نزدیکی این دو گروندهٔ دژم[31] هرچه در هزارهٔ پیشین گذشت، همان گونه[32]
اکنون چشم دارم، این رنجور بدرمان[33] درمان آن همی پسندد که بیچاره زمینیان که نه خرچنگ را دیده
اند و نه از بهرام و کیوان جز نام شنیده انداز نادیده و ناشنیده سخن نیارند، و چنان انگارند که روزگار که
رازهای رفته و آینده در سینهٔ اوست، و آبی کردن[34] کار نیکوان آیین دیرینهٔ اوست، آزرون
فرهنگیان فرنگ بدست بردِ سپاه بیگانه روا نداشت، که لشکرهای هرسو یہ این گروه براین گروه
گماشت۔ نگرندهٔ نگارش دریابد که من که درنامه از جنبش خامه گهر فرومی ریزم، از کودکی نمک پروردهٔ
سرکار انگریزم، گوئی تا در دهن دندان یافته ام، از خوان این جهانستان نان یافته ام۔ هفت هشت
سال است که اورنگ نشین دهلی سوئے خودم خواند، و کردار گزاری[35] جهان جویان تیموریہ بدست
مُزدِ شش سد[36] روپیہ سالانه از من خواست۔ خواهش پذیرفتم، وبدان کار پرداختم۔ پس از چندی که
کهن استاد شاه را مرگ فراز آمد، آموزگاریٔ شیوهٔ سخن نیز بمن بازگشت۔ پیری و ناتوانی و انگاه
خوپذیر گوشه گیری وتن آسانی، با این همه از گرانی گوش، باردلهای دگران بودن و هرکه در انجمن سخن
گوید سوی لبش نگران بودن، ناکام در هفته یکدوبار به ارک[37] رفتمی و اگر شاه از مشکوی[38] برآمدی لختی
به پیش گاه ایستادمی، ورنه به دریخانه[39] دمی چند نشستمی و باز آمدی، و هرچه درین درنگ رنگ نگارش
یافتی با خود بردی یا فرستادمی، پیشهٔ و اندیشهٔ و کاروبار من این، و چرخ تیز گرد درین اندیشهٔ دوربین،
که بیرنگ[40] نیرنگ دیگر زند، و این آسایش بے آرایش پاک از آلایش بهم برزند۔

بنام آنکه گر دشمن و گر دوست	نگار تیغ بی پروائی اوست

درین سال که شمارهٔ آنرا به آیین برآورد از[41] ''رستخیز بی جابر'' آوردند، واگر آشکارا
پرسی، یک هزار و دویست و هفتاد و سه شمرند، چاشتگاه دوشنبه شانزدهم ماه روزه و یازدهم مئی سال یک
هزار و هشت سد و پنجاه و هفت تاگرفت[42] درودیوارِ باره[43] وباروے[44] دهلی بجنبید، و آن جنبش زمین
را فرا گفت سخن در زمین لرز[45] نمیرود۔ درآن روز جهان سوز بخت برگشتهٔ وسرگشتهٔ چند از سپاه کینه
خواه میرت بشهر درآمدند، همه بی آزرم و شورانگیز و بخداوندکشی تشنهٔ خونِ انگریز، دیدبانان دروازه
های شهر که برون از هم گوهری و هم پیشگی نشگفت[46] که هم از پیش ''هم سوگند'' نیز باشند هم پاس نمک و

هم پاسِ شهر گزاشتند، و مهمانان ناخوانده یا خوانده را گرامی داشتند ـ آن سوارانِ سرگرانِ سبک جلو[47] و پیادگانِ تند خوے تیز دو چون درها باز و دربانان را میهمان نواز یافتند، دیوانه وار هر سو شتافتند، و هر کرا از فرماندهان و هر کجا آرامشگاه آن مهان[48] یافتند، تا زار نکشتند، و پاک نسوختند، روی ازان سوی برنتافتند، مشتی گدایانِ گوشه گیر از بخششِ انگریزی توشه گیر، که نان باتره و دوغ میخورند، و در شهر دور از یکدیگر پراگنده جا بجا روزگار بسر می برند، همه تیر از تبر ناشناسندگان و از غوغای دُزد در تیره شب هراسندگان، نه پلارگی[49] در دست، و نه خدنگی در شست، اگر راست پرسی این مردم بهر آبادی کوئی و برزنند[50]، نه برائے آنکه به آهنگ پیکار دامن بکمر برزنند، با این همه از آن رو که راه آب تیز رو بخاشاک نتوان بست، دست از چاره کوتاه دیده، هر یکی در سرای خویش بماتم نشست ـ یکی از ان ماتم زدگان منم که در خانه خویش بودم، چون غریو و غوغا شنودم تا از پژوهش دم زدم، در آنمایه درنگ که مژه برهم زدم، آوازهٔ بخون غلتیدن، صاحب اجنٹ بهادر و قلعه دار، در ارک، و دویدن سواران و پیاپی رسیدنِ پیادگان، در راسته[51] بازار از هر گوشه و کنار بلند گشت ـ هیچ مشت خاکی نماند که از خون گُل اندامان ارغوان زار نشد و هیچ کنجِ باغی نبود که از بی برگی، ماتا بدخمهٔ[52] نو بهار نشد ـ های آن جهانداران دادآموزِ دانش اندوز، نکوخوی نکونام، و آه ازان خاتونان پریچهرهٔ نازک اندام، بارُخی چون ماه، و تنی چون سیم خام، و دریغ آن کودکان جهان نادیده که در شگفته رویٔ بر لالهٔ و گل می خندیدند، و در خوش خرامی بر کبک و تذرو و آهو[53] میگرفتند، که همه یکبار بگرداب خون فرو رفتند ـ اگر مرگ اخگر بار، ز بانه برگ، که مردم از دست وی روی بناخن کنند، و جامه در نیل زنند، بر بالین این کشتگان بمویه خروشد، و درین سوگ سیاه پوشد، رواست، و اگر سپهر، خاک گرد و فرو ریزد، و زمین سراسیمه چون گرد از جا برخیزد بجاست ـ

ای نو بهار چون تنِ بسمل بخون بغلت | ای روزگار چون شب بی ماه تار شو
ای آفتاب روئے بسیلی کبود کن | ای ماهتاب داغ دل روزگار شو

باری چون آن روز تیره بشام رسید، و گیتی تاریکتر گردید، سیه درونانِ خیره کش هم در شهر جا بجا رخت تن آسانی انداختند، و هم در ارک باغ خسروی را آخراسپان، و نشیمن شاهی را خوابگاه

خویش ساختند۔ رفته رفته از شهرهای دوردست آگهی رسید، که شوریدگان بر سپاه در هر فرود آمدنگاه
خون سپهبدان ریخته اند، و چنانکه رامشگران رانواز پردهٔ ساز خیزد، گورنمگان [54] از ناسازی بی
پرده شور انگیخته اند۔ گروها گروه مردم را از سپاهی و کشاورز [55] دل یکی گشت و همه بی آن که با هم سخن
رود، دور و نزدیک یکدست بریک کار کمر بستند، و آنگاه چسان پر زور کمری، و چگونه استوار بستنی که
جز به جنبش جوش خونی که از کمر گزرد، گشادنه پذیرد، پنداری این لشکرهای بیمر و [56] جنگجویان بیشمار
را جاروب دار کمر بندیکیست۔ آری رُفت و روب هند بوم بدانسان که آرایش و آسایش اگر جویند
باندازهٔ پرهٔ کاهی گاهی نیابند، هم چنین جاروب گیتی آشوب همیخواست۔ اینک هزار لشکر نگری همه بی
لشکر آرای آراسته، و بسا سپاه بینی یکسره بی سپهدار بجنگ برخاسته، توپ و گلوله و ساچمه [57] و بارود همه
از خانهٔ انگریز آورده و با گنجینه داران روی به ستیزه آورده۔ آیین نبرده و ورزش پیکار همه از انگریز
آموخته، و رُخ به کین آموزگاران افروخته۔ دل است سنگ و آهن نیست چرا نسوزد چشم است رخنه و
روزن نیست چون نگرید۔ آری هم بداغ مرگ فرماندهان باید سوخت، و هم بر ویرانی هندوستان
باید گریست۔ شهرهای بی شهریار پُر از بندهای بی خداوند، چنانکه باغهای بی باغبان از درختان نا
برومند، رهزن از گیرودار آرزو و بازارگان از تمغا [58]، خانهای ویرانه و کلبه ها خوان یغما، گمنامان
نهانخانه نشین تا خویش را آرایند و شوخ چشمی خویش بمردم نمایند، رده رده [59] چون مژه خنجر باآخته، و
نیکمردانِ آسودگی گزین دمیکه برفتار آیند، تا از خانه ببازار آیند، هزار جا سپر انداخته، دزدان بسکه در
روز سیم و زر دلیرانه ربایند، شبها از پرنیان و دیبا بستر خواب آرایند، روشنگران را روغن نماند که شبانه
به کاشانه چراغ افروزند، همیدون در شبهای تار چون تشنگی زور آورد، بدرخشیدن آذرگشسپ [60] چشم
دوزند، تا بنگرند که کوزه کجا نهاده است، و پیمانه کجا افتاده، بی نیازی را نازم و ناپروائی را میرم، خسانی که
بروز از بهر فروختن خاک زمین می کافتند، در خاک خُرده زر یافتند وکسانی که بشب در بزم می از آتش
گل، چراغ می افروختند، در کلبهٔ تار بداغ ناکامی سوختند، زیور و پیرایهٔ اولیان شهر جز آنکه پیرایهٔ
گردن و گوش زنان و دختر شبگرد [61] است، همه در کیسهٔ شبروان [62] سیه کار نا جوانمرد است۔ شیم نوزی که
بدان نازنینان باز ماند گدازادگان نو تو نگر برُدند، تا سرمایهٔ نمانمایی [63] خویش ساز ند، اکنون مهر

پیشگان نازی که از خوبان بایستی کشید، از بدان همی کشند - هرناکس ازان رُو که بادِ پندار سری در سر آورده است، تا اندازۂ اندازِ وی گیری، بپزیری، که خویشتن را بہ پیکرِ گرد باد درآورده است، و ہر سبکسر [64] از آنجا که بہ ناز ہر دم از جا ہمی رود، چون بد یدنش شتابی، دریابی کہ خس بروی آب می دود، آن یکی کہ اوراخردی روشن و نامی بلند بود، خاک کویش بہ آبرویش گل کردند، دیگری را کہ نہ آب داشت و نہ گہر، آب از اندازہ برون رفت و گہر در شمار از ریگ دریا فزونی گرفت - آنکہ پدرش کوی بکوی باد پیمودی، باد را بہ بندگی میخواند، و آنکہ مادرش از خانۂ ہمسایہ آتش آوردی، بر آتش فرمان ہمیراند، فرومایگان کار از آتش و کام از باد میخواہند، و ما ازان خستگانیم کہ دمِ آسایش و نویدِ داد میخواہند -

درد دلم کہ پیش تو افسانہ بیش نیست

چشم ستارہ را مژۂ خونچکان دہد

بر افتادنِ آئین یام کار را از روانی واداشت - ہر کجا پیکی بود، رہ بُریدن و نامہ بردن فروگذاشت - در سر رشتۂ یام [65] پیام نگنجد، آمد شد نامہ آئین است، و پس خود این کارگاہ را رشتہ دیگر بود کہ نہ بجنبش زخمہ [66] ہمانا بزخمۂ جنبشی کہ از خویش انگیختی، جہان جہان پیام از درون برون ریختی - ای کہ در پاسِ کیش و آئین از سنگ سخت تری، از داد مگزر، و بگوی کہ برہم خوردن این بربست و برنہاد، و بباد رفتن گنج باد آورد و خداداد، بہ مُویہ [67] نیرزد، و نارَوای نامہ، و ناآگہی از دوست، ماتم را نسزد، و ترسیدن دلیران از سایۂ خویش و فرمان راندنِ سرہنگان بر شاہ و درویش، دریغ را نشاید، و دیدہ ازین دردِ روان آزار زار نگرید، و برین مُویہ سرزنش و برین ماتم پیغارہ [68]، و برین دریغ چشمک و برین گریہ خندہ روا باشد، و بیزاری ازین زاری و جگرخواری درین خواری سستی کیش و نادرستی آئین شمردہ شود -

چہ دل نہم بگہر پاشی سخن چو مرا	ہزار آبلہ بر دل بود ز گرمی آہ
ز کار رفتہ دل و دستِ من چنانکہ مرا	نماندہ شادی پاداش و رنج بادافراہ

باز این خستہ نشترِ بستر، از اندوہ اندوزی سرنوشت گذشتہ، سرگذشت ہمی نویسد - نخستین

بار کہ آن بیہدہ ستیزان چنانکہ گفتہ آمد آمدند، گنجی کہ آوردہ بودند، بگنجور دادند، و سرے کہ از سران پیچیدہ بودند، بر آستان شہریار نہادند۔ زود نہ دیر روزگار از ہر سرا بے سپاہی و از ہر ریگزری لشکری و از ہر سوی اردوی گرد آورد۔ و بدین سرزمین روان داشت، چون شاہ سپاہ را نتوانست راند، سپاہ فرود آمد و شاہ فرو ماند۔

شاہ را درمیان گرفت سپاہ	وین گرفتن بود گرفتن[69] ماہ
ماہ نوبیچگہ نمی گیرد	جز مہ چاردہ نمی گیرد
شاہ ماہ گرفتہ را ماند	نہ کہ ماہ دو ہفتہ را ماند

نگفتم و گفتنی بود کہ این آویزندگانِ آوازہ جوی، از ہر جا کہ پُوی پُوی براہ روی نہادہ اند، زندان را در کشادہ اند، و زندانیان را سر دادہ، کہن گرفتار نو رہائی یافتۂ آمد، و بہ دریخانہ[70] رُخ بخاک سود، و کارگیائی[71] سرزمینی خواست، بندۂ گریز پائی از خداوند روتافتۂ آستان بوسید، و فرمانروائی آباد بومی جُست۔ کس نگوید و من نیز ندانم، کہ ہر خواہندہ را بار و ہر پناہندہ راز نہار چرا امید ہند، شگرفکاری روزگاران و روزگار شگرفکاران است۔ اکنون بیرون و درون شہر دہلی کما بیش پنجاہ ہزار پیادہ و سوار را فراہم آمدنگاہ است، فرماندہانِ فرخ فرہنگ فرنگ را از این مرز و بوم فراخ جز کوچۂ[72] کہ باختر[73] سوی شہر، از شہر نہ آنمایہ دور است کہ نزدیک نتوان گفت، در دست نیست۔ ہنرمندانہ ہمدران جائے تنگ دمدمہ ہا ساختہ سنگین دژے[74] استوار پرداختہ اند و چند توپ اژدر[75] ژوپ تندر[76] خروش گرداگرد فرو چیدہ، در بے آرامی، از روئ پاداری آرامیدہ اند۔ لشکریانِ شہرنشین نیز از ان میگزین کہ ازین شہر فراچنگ آوردہ اند، توپی چند فراز بارو بُردہ خود را در ناورد[77] باسران ہم آورد شمردہ اند۔ دودِ توپ و تفنگ زیر این گنبد پیروزہ رنگ ابر تگرگ[78] بار را ماند و شب و روز از ہر دو سُو گلولہ بسان سنگچہ[79] از ہوا ہمی ریزد۔ تابستان مئی و جون است، و تابش آفتاب روز افزون، دانی کہ خرشید درگا[80] و ودو پیکر[81] چہ آتش می فروزد کہ پنداری خود درمیان ہمی سوزد، و نازپروردگانِ پروار[82] بہ روز از بے سائگی آفتاب می خورند و بشب دران سنگہائی تفتۂ تافتہ از خشم پیچ و تاب، اگر اسفندیار درین رزمگاہ بودی از ہراس زہرہ در تن

روئینش گداختی، واگر رستم دستان این داستان شنودی، باہمہ تہمتنی از بیم جگر باختی شمشیر زنان اردوی گروآمدہ از ہرسوی، ہرروز پس از آن کہ پرتو خور جہان رافرا گیرد، بہ نبردشیر مردان میروند، وزمین ہمہ نوردند، پیش از آن کہ چراغ مہر فرومیرد، روی میگرداند و برمیگردند، درین روزان وشبان کہ رود او ہرروزہ بیرون شہرایست سرگذشت یک روزۂ درون شہر نیز شنیدنی دارد۔

در رگ ساز من نوائی ہست | کہ بمرغولہ اخگر اندازد
زین نوائی شررفشان ترسم | کاتش اندر نواگر اندازد
سرگذشتی است برزبان کہ زبان | برمن از خویش خنجر اندازد

آن کہ برآتش سری وبادگردار پندار برتری داشت، باپروردۂ وبروی کارآوردۂ خویش نہانی درآویخت ہمانابدین اندیشہ کہ بی آنکہ این کارگزار رازدان نماند، درازدستی وی دراندوختن گنج نہان نماند۔ ہموراہ بہ ناہمواری کین توختی [۸۳]، وبدین واگویہ کہ حکیم احسن اللہ خان سوگیر [۸۴] وپیروزی خواہ انگریزان است، میان وی وسرہنگان سپاہ، آتش افروختی، روزی آن تیز آہنگان باہنگ کشتن فرزانہ برسرائے ارم آسای وی ریختند، چون خواجہ درآن گاہ درارک پیش بادشاہ بود، آشفتۂ چند از آن گروہ بہ ارک رفتند، وخواجہ رادرمیان گرفتند، خداوند بندہ نگہدار از مہر خویشتن را بروی گسترد، تادرآن اشتلم [۸۵] ازگرداب آب تیغ جان بُرد۔ اگر چہ بردانش گزندنرسید، پن [۸۶] آن آشوب ناروا تا از دودمانش گرد برنخاست، فرونہ نشست۔ خانہ کہ بہ نگارخانۂ چین ہمیمانست، بہ یغمابُردند ودرآسمانہ [۸۷] ایوان آتش زدند، ہرفرسب [۸۸] وہرتختہ کہ درآن آسمانہ بہ پرچین کاری [۸۹] بہم پیوستہ بود، خاکستر شد وفروریخت، ودیوارہا دُودانددگشت، گوئی آن کاشانہ درماتم خویش کبود پوشید۔

فریب مہر زگردون مخور کہ این بیمہر
دہد فشار کسی را کہ در کنار کشد

زنہار ہزار زنہار، ہیچ رہی [۹۰] از روسیہی باخواجہ این چنین کین نہ ورزد، تا مادرش درآن گونہ [۹۱] کہ دشتان [۹۲] بودہ باشد، بارنگرفتہ باشد۔ این ریمن [۹۳] خواجہ کش کہ رُخ آبلہ خورد [۹۴]، اورا

چشمی دریده و دهانی فراخ داده اند، خود را در پری وشی سیه مین ماه و ناهیدی شمرد، و هر کجا جفتهٔ گردان[95] و
کرشمه سنج گرز دسنجد که در خرام از کبک گوی و از تذرو گرو همی برد، نامش ازین رهگذر که گداز او و گمنام
است نمی برم و نغزی در خورِ آفرین سروده هم ازان راه که می گزشتم همی گزرم۔

بلند آوازگی نامِ شهریار از گرد آمدن پیادهٔ و سوار هر سرے را در هر گوشه و کنار بشور آورد۔
تفضل حسین خان نام آور فرخ آباد که گاهی بگرایش روی و بی نیایش خوی نداشت ، هم از دور،
پیشانی به پیشگاه خسرو سود و در آن نیایش نامه که خامه فرسود، خود را به دیرین بندگی ستود۔ خان بهادر
خان نامجوی بیراهه پوی که در بریلی از روی لشکر گرد آوری به انداز سر لشکری گردن افراشت، یک سد
و یک زرین درم و پیل و اسپ سیمیں ستام[96] بدرگاه روان داشت ۔ چشم بد دور، فروزنده بهور[97]
نواب یوسف علی خان بهادر فرمانروای رامپور که از دیر باز در آن سرزمین به مرزبانی و شاه نشانی
نیاگان[98] خویش را جانشین است، و با جهانبانان انگلند در مهرورزی و یکدلی استواریِ پیمانش بدان
آئین است که دست روزگار در هزار سال بهزار گونه کشاکش آن را نیارد گسست ، چار ناچار
بفرستادنِ پیام خشک زبان همسایگان از گفتگو بست۔ در لکھنو ازان پس که لشکریان بند آرزم گسستند
و گیتی ستانان انگلند بگرمی رفتار سپند وار از سرِ آتش جستند و در بایستگاه های دگر به گروهِ خویش پیوستند
واندی[99] از سران باچندی از کهتران در بیلی گارد که در لکھنو نام آورد جائیست نشستند، و از پر دلی در
بروی دشمن و دوست بستند۔ کاردان بسیار دان شرف الدوله که بروزگار اورنگ نشینی خاقان اود،
دستور گفته میشد، به برُش[100] دید از بود و نبودِ آن گروه اندک شمارهٔ فراوان شکوه، کودکی ده ساله را از
فرزندانِ واجد علی شاه بسروری برداشته، بر چار بالشِ نازنشاند، و او را دستور خسرو هند خود را پیشکار و
دستیار دستور خواند۔ نام آورِ هما بدام آور را نازم که تا روی به کارسازی آورد، یکی را از گزیدگان
با پیشکشی بایسته گسیل[101] کرد۔ فرستاده آمد، و دو روز از رنجِ راه آسود، و بارگاه رفت، و دو توسن آهو
تگ ، و دو پیل الوندرگ، و یکسد و بست و یک دُرست[102] و زرین کلاهی به رنگارنگ گهرنا پسوده[103]
آموده گزراند، و جفتِ بازو و بند الماس پیوند از بهر بانوان بانوی مشکوی فرستاد۔ پنداری این
فرّه[104] و فرتاب[105] بخانه روشن کردن چراغ همی مانست و روزگار از بهر رساندن چشم زخم چشم در راه

این بارنامه[۱۰۶] داشت۔ دمیکه شهر یار از پیشکش او دکام یافت، کارنامهٔ آیینهٔ وسکندر برهم خورد و هنگامهٔ جم و جام انجام یافت۔ بخت که درغوغائی سپاه سر از خواب گران برداشته بود بچشم نیم باز باز فروخفت۔ نی نی اختر بخت خسرو در بلندی بجائی رسید که رُخ از خاکیان نهفت۔

جائی که ستاره شوخ چشمی وَرزَد　　افسر[۱۰۷] افسار[۱۰۸] وگرزن[۱۰۹] ارزان ارزد
خرشید ز اندیشهٔ جا در گردش[۱۱۰]　　بر چرخ نه بنی که چسان می لرزد

روزی که این ناخجسته مرد میانجی گری[۱۱۱]، وشاه رهی پروری کرد، فردای آن که دوشنبه بست و چارم ماه تازیان و چاردهمین روز از ستمبر بود، سایه نشینان دامن کوه بدان فرّ وشکوه بر کشمیری دروازه ریختند که سپاه سیاه چرده را از گریز گزیر نماند۔

مئی گرز دهلی برون بُرد داد　　ستمبر ستم بُرد و آورد داد
پس از چار ماه و پس از چار روز　　فروزنده شد مهر گیتی فروز
تهی گشت دهلی ز دیوانگان　　بمردی گرفتند فرزانگان

هرچند از یازدهم مئی تا چهاردهم ستمبر چهار ماه و چهار روزه درنگ است، پن[۱۱۲] از انجا که اندازهٔ بست و کشاد کار بدین رنگ است، که شهر بروز دوشنبه از دست رفت، وهم بروز دوشنبه فراچنگ آمد، میتوان گفت که از دست رفتن و بدست آمدن شهر همان دریکروز بوده است، کوتاهی سخن پیروزی یافتگان وسر پنجهٔ دشمن تافتگان هم بدان راسته بازار که پیش رُوی پیش رُوی داشتند شتافتند و کشتند هر کرا در رهگزر یافتند۔ از بلند پایگان و فرزانگان شهر کس نبود که سرای را در فرونه بست و به نگهبانی گوهر شهوار آبرو نه نشست۔ از ان سیاه زشت سرشت که در شهر جا داشتند بسیاری را اندیشه به گریز داندکی رارگ گردان به ستیز رهنمون شد۔ همانا آواره چند و تباره[۱۱۳] چند با شیر مردان شهر کشای آویختند و بگمانِ خود خون دیگران، و بدانستِ من آبروی شهر ریختند، دوسه روز در شهر از کشمیری دروازه تا چار[۱۱۴] سو هر سر راه رزمگاه ماند و اجمیری دروازه وترکمان دروازه و دهلی دروازه، این سه در بند بدست این سُو یه سپاه ماند۔ ماتمکدهٔ این مرده دل به پهنائی[۱۱۵] شهر درمیان کشمیری دروازه دهلی دروازه بوده است، چنانکه دوری هر دو دروازه ازین کوچه بیک اندازه بوده است با آن که کوچه را در

فراز کرده اند، هنوز آنمایه دلیری می گنجد که در میکشایند و برون میروند، و سامان خور و آشام می آورند. گفتم که هزبران خشمگین دمیکه در شهر پا گزاشته اند، کشتن بینوائی چند و سوختن سرائی چند روا داشته اند. آری در جایگاهی که آنرا بجنگ گیرند کار بر مردم همچنین تنگ گیرند. بوادید این خشم و کین، همه را از بیم، رنگ برروشکست، از نامداران و خساران، و دوربینان و پرده نشینان آنمایه که کس نیارد شمرد از راه آن هر سه دروازه بدر رفتند، و در آبادوچه [116] ها و گورگاه [117] های برون شهر دم گرفتند، تا کدام هنگام از بهر بازگشت اندشیده باشند یا در آنجا نیز نیاسوده بشبگیر [118] وایوار [119] بمرز و بوم دیگر رسیده باشند. نامه نگار کردار گزارانه دل در بر تپید و نه پای از جای جنبید، نرفتم و گفتم که چون گنهگار نیستم بسرزنش سزاوار نیستم، نه انگلسیان بیگناه کش و نه آب و هوای شهر ناخوش، مرا چه افتاده که در اندیشه های تباه، 'رفتم' و 'افتادن و خیزان براه افتم'، در گوشۂ بی توشه باخامۂ سیه جامه همزبانم، و هم از مژه شورابه بار، و هم از رگِ خامه خونابه فشان.

پر تهید ستم و بی برگ خدایا تاچند　　　　بسخن شاد شوم کاین گہراز کان منست

فرمانیکه در نا آغاز [120] روز رفت، برنگردد، ولاد [121] برآن که هر آفریده راهمدران گاه سرنوشت نوشته، و هر نادرفرتاش [122] را فراخور آن ساز سرشت سرشته اند، رم و آرام ما نیز هم از روی آن فرازمان [123] است، هرآئینه آن به که نه از بیدلان و بیجگران باشیم، و چنانکه کودکان هر بازیچه را بشادی نگرند نیرنگ شگفت آور روزگار، هزار رنگ را در پیرانه سرے بخوشنودی نگران باشیم. آدینه روز که بست و هشتم ماه ماتم [124] و هژدهمین روز از ستمبر بود هنگام چاشت در آن گونه که این چنبر واژگونه [125] پایه از پایه های گژدم [126] بر کنارۂ خاوری داشت بخشنده سُور [127] درخشنده هُور در یکی از پایه های پائین خوشه [128] گرفت، و بر چشم جهان بین جهانیان از تیرگی، بیدادرفت. درین پنج روز روسیاهان گم کرده راه از بیرون و درون شهر چون گرازان گریزان رفتند و کشور گیران، شهر وارگ سرتاسر گرفتند، غوغای زد و گشت و گیرودار، تا بدین کوچه نیز رسید و همه را از بیم دل دو نیم شد. باید دانست که این کوچه جز یک راه و بیش از ده دوازده خانه وارندارد، و چاه درین کوی نیست. بیشتر از زن و مرد بدین نورد که زن را بچه در آغوش است و مرد را پشتواره بر دوش، بدر زدند. تنی چند که بجا

مانده اند، به همداستانی من که از سخن پزیری گزیر نداشتم، ودراز درون، بستند و پیرامن آن سنگ بسنگ بهم پیوستند تا کوچه چنان که سر بسته بود در بسته نیز شد۔

جان اگر خسته تر از تن بودم نیست شگفت

زانکه دل تنگ تر از گوشهٔ زندان منست

درین بستگی کشایش پدید آمد رُوداد این که مهر چهر کیوان ایوان، بهرام رام، راجه نرندر سنگھ بہادر فرمانروای پٹیاله درین یورش باکشور کشایان همراز، وسپاهش از آغاز بالشکرِ انگریزی درتگ وتاز انباز بوده است، وتنی چند از ویژگان راجه که بسر کارش درنوکری از پایه برتر ان وبشهر در توانگری از نام آورانند، همانا حکیم محمود خان وحکیم مرتضٰی خان وحکیم غلام الله خان که از تخمهٔ ونژاد مینو نشیمن حکیم شریف خانند، درین کوچه میمانند، آستان در آستان و بام در بام، دو رویه، تا دور شارستان [129] اینان ونامه نگار از ده سال همسایه دیوار بدیوار یکی از آن خجسته آیینانست۔ نخستین کس از آن سه تن، باگروهی از پیوستگان وپردگیان به آئینِ نیای خویش، درشهر جاهمندانه بسر می برد، و آن دوتن دیگر در پٹیاله به همدمی وهم نشینی راجه کامرانی می کنند۔ چون کشایش دهلی دلنشین بود، راجه را از راه رهی پروری، بازور آزمایانِ نبرد پیای، پیمان این بود که چون به بهروزی پیروزی گزینند، پاسبانان بردرِ این کوی نشینند، تا لشکریان انگلند که آنان را گوره خوانند، به کاخ وکوئی آسیب نرسانند۔ درسپردنِ راهِ سخن از آن که رهروگامی چند به پهناره [130] سپرد و بازرُدی براه آورد گزیر نیست۔ درهمه شهر از پانزدهم ستمبر هر خانه دهر کلبه را درفراز است، وفروشندگان وخرندگان ناپیدا، گندم فروش کجا که دانه خرند، گازرکو که جامه بهر شستن بوی سپرند، گرا [131] را کجا جویند که موی سرسترد، پاکار [132] را کجا یابند که پلیدی ببرد، باری درآن پنجر در چنانکه گفتم میرفتند، وآب همیشه ونمک وآرد گاه گاه اگرمی یافتند بهمی آوردند۔ سپس آن فرجام برخاست، ودروازه سنگ سبت وآئینهٔ دلها زنگ بست گردید۔

هنگام گرم سازی کوشش بجا نماند

خون همچنان به آتش سوزان برابراست

خوش و ناخوش از خورش هر چه یخنی [۱۳۳] بود خورده شد و آب بدان کوشش که پنداری چاه بناخن کنده اند آشامیده آمد۔ دیگر در کوزه و سبو آب و در مرد و زن تاب نماند۔ روزگار گزشتن روز به شکیب و دست بهم دادنِ آب و دانه بفریب، سپری گشت و دو شبا روز در تشنگی و گرسنگی گزشت۔

فریاد ازان خواری و بی برگ و نوائی   فریاد ازان زاری و خونا به فشانی
فریاد ز آوارگی و بی سروپائی   فریاد ز بیچارگی و خسته درونے

سیومین روز چنانکه در آن هنجار سخن سروده آمد، پاسداران از سپاه مهاراجه آمدند، و نشستند، وکوچه نشینان از بیم در آمدن یغمائیان رستند" هر چه بادا باد" گویان رفتند و از سرهنگان دستوری [۱۳۴] برون شد گرفتند۔ چون پاسبانی از دوستی بود به از دشمنی، خواهش بدین گونه روائی گرفت که تا سرِ بازار چارسو [۱۳۵] میتوان رفت آنسوی چارسو کشتنگاه و بیمناک راه است۔ از سومهٔ [۱۳۶] پاس بیرون و به هراس رهنمون، فرو ماندگان بند از دروازه برداشتند، آبکش [۱۳۷] و مشک و خیک [۱۳۸] فرگفت [۱۳۹] سیمرغ و شهپرش داشت، از هر خانه مردی و از چاکران من دو تن رفتند، چون آب نوشین دور بود، و دورمی بایست رفت، ناکام آب نیم شور در خُم و سبو آوردند، تا آن آتش که نام و گرش تشنگی است بدان" نمک آب" فرونشست، برون روندگان و آب آورندگان می گفتند، که درین کوی که ما را ازین پیش برفتن روی نیست، لشکریان کلبهٔ چند را در شکسته اند، نه آرد در انبان [۱۴۰] دیده اند و نه روغن در آوند [۱۴۱]، گفتم روزی خوار آن به که سخن از آوند و انبان و روغن و آرد نیارد روزی ما بر کسی است که ما را فرونگزارد، سپاس ایزدی بخشش ناگزاردن اهریمنی است درین روزها که ما بر آنیم که زندانیانیم و بدرستی که زندانیانه زندگی میگزرانیم، نه کس می آید تا گفتارش بگوش خورد، و نه خود برون میرویم، تا دیده دید نیها نگرد۔ هر آئینه می توانیم گفت، که گوشهای ما کر است و چشم های ما کور، و بیرون ازین گومگوی و کشمکش، نان ما شیرین [۱۴۲] است و آب ما شور۔ روزی ناگهان ابر آمد و باران بارید، چادری بستیم و خمی زیر آن نهادیم و آب گرفتیم۔ گویند ابر آب از دریا بردارد و بر روی زمین فرو بارد، این بار ابر گرانمایه هماسایه آب از چشمه زندگی آورد، هر آئینه انچه سکندر در بادشاهی جُست این تلخکام شورابه آشام در تباهی یافت۔

غالب نبود کو تہی از دوست ہمانا　　　　ز انسان دہدم کام کہ بسیار ندانم

گاہ آنست کہ بدان آئین کہ سخن برون ازین نوردنزود بر سن تابی آواز چشی در تار گفتار اندازم، دپارۂ از کار و بار و ماندو بود خویشتن آشکار سازم۔

مرہم ز داغ تازہ بزخم جگر نہم

پیکان زدل بکاوش نشتر بر آورم

امسال سر آغاز شست و دو یمین سال است کہ درین کہن خاکدان خاکبازی واز پنجاہ سال درورزش شیوہ سخن جانگدازی میکنم۔ درپنج سالگی پدرم عبداللہ بیگ خان بہادر را کہ ہمر روانش از جہان آفرین فروان آفرین باد، چراغ ہستی فردمرُد۔ گرامی اُودَر [143] من نصراللہ بیگ خان بہادر مرا پسر خواند و بہ ناز پرورد۔ چون پیکر پذیرفتن من شمار نہمین سال پذیرفت، بخت بیدار من ہمانا ہم او در دہم خداوندگار من بہ در از خواب نیستی خفت، ستودہ جاہمند بسروری چہار سد سوار با جرنیل لارڈ لیک بہادر پیوند، پیمان جانفشانی داشت، واز بخشش آن جہانستانِ جہان بخش درنزد یکی آگرہ بردو پرگنہ دسترس فرمان رانی و مرزبانی داشت۔ پس از وی ہر دو پرگنہ بسرکار انگریزی باز گشت، و بہر من و برادر من، کہ با من از یک پدر و یک مادر است، اندک مایہ زری بجائے آن جاگیر سرمایۂ آرامش و ناز گشت۔ چنانکہ درین سال کہ یک ہزار و ہشت سد و پنجاہ و ہفت نویسند، تاپایان اپریل از گنجینۂ کلکتری دہلی یافتہ ام از مئی خود آن گنجدان را در فراز و مرا کار با بخت ناساز، و دل در اندیشہ ہای دور دراز است پیش ازین تنہا زنی داشتم و پسری و دختری نبود، کمابیش پنجاہ سال است کہ دو کودک بی مادر دبی پدر، ہم از دودۂ [144] آن زن، کہ خون منش بگردن، بفرزندی برداشتہ ام و با آن شیرین گفتاران نوسخن آمدہ از مہر آمیزشی چون شیر و شکر داشتہ ام، اینک درین درماندگی بامنند و گل و گوہر گریبان و دامنند۔ برادر کہ دو سال از من کوچک است، درسی سالگی خرد بباد داد و دیوانگی و کالیوگی [145] گزید۔ سی سال است کہ آن دیوانۂ کم آزار، تیز وش مست و بی ہوش میزید، خانہ وی از خانۂ من جداست، و کمابیش دوری دو ہزار گام درمیان، زن و دخترش با فرزندان

وکنیزان زندگی در گریختن پنداشتند، وخانهٔ خداوند دیوانه را باخانه وکاچال[146] ودربانی کهن سال و کنیزی پیر زال بجا گزاشتند، کس فرستادن وآن سه تن وکالا را بدینجا آوردن، اگر جادو دانستمی نتوانستمی، این خودگران اندوهی دیگر و بردل از بار این اندوه کوهی دیگر است۔ دو کودک نازنین نازپرورد، شیر وشیره خواهند ومیوه وثره جویند ودست به روائی خواهش نرسد۔ ہی ہی چه جای این گفتن است، تازنده‌ام سگالش درآب ونان وچون بمیریم درخاک وخشت سخن است۔ من همه دربند آنم که برادر بشب چون خفت وبروز چه خورد، ونا آگهی بدان پایه که نمی توانم گفت زنده است یا بسختی مرده۔

نه همین نالهٔ و فغان بلبم من و جان آفرین که جان بلبم

انچه گفته‌ام جانگزاست وانچه نگفته‌ام روان فرساست۔ از کارآگهان چشم دارم که گوش بفریاد نهند وچون بشنوند داد دهند، درپایان زندگی که نه به بهانهٔ روشنی ونه به نشانهٔ پرتو افگنی همانا از روی فرو مردن سوز واز راه سر آمدنِ روز، چراغ بامداد وآفتاب لب بام را مانم، دوسال است که در ستایش دارای دادگرای گیتی آرای وشهنشاهِ سپهر پایگاه ستاره سپاه ملکهٔ وکٹوریا چکامه[147] نگاشتم و بسر رشتهٔ یامی راست که از دهلی به بمبئی واز انجا به لندن میرود، به پیشگاه خداوند هنر پسند ودادور نام آور لارڈ الن برا بهادر، که بروزگارِ گورنری بامن از مهرگستری آئین روان پروری داشت، روان داشتم۔

راه[148] سخن کشودم اگر خود نشد که بخت را هم به بزم بانوی گیتی ستان دهد

این نگار ازان چکامه نشانی دلنشین است، و چکامه را پیاوند[149] و پیوند[150] همین است۔ کرا در اندیشه میگزشت که این چنین کار دشوار بدین آسانی سره خواهد گشت۔ پس سه ماه، ناگاه پیک پی فجسته از کارگاه یام خرامان وگل بدامان آمد ونوازشنامه آن سهی سرو بوستان سروری آورد، نامه انگریزی ونگارش بدین مهرانگیزی که چکامه بمارسید وما بهران که پیش شهنشاه برند، نزد نزدیکان بارگاه فرستادیم۔ براین نوید شادمانی جاوید وپاسخ فرخ سی روز نگزشته بود که نامی نامهٔ سرور دل بدست آور مستر[151] رنگتن بهادر همچنان در سررشتهٔ یام درگیرنده بدین پیام آمد که درباره آن چکامه که از لارڈ الن برا بهادر بما رسیده، فرمان آنست که سخن پیوند آرزومند آئین نگاهدارد، ودر گزارش آرزو، بمیانجی گری فرمانده هند، روئی نیاز بدین درگاه آرد، فرمان پذیرانه نیایش نامهٔ بنام نامی گرامی شهنشاه

انگلند بہ پیشگاہ سکندر ورفریدون فر لارڈ کنینگ نواب گورنر جنرل بہادر فرستادہ آمد، ودر آن پوز شنامہ از آزو آرزو بدین انداز نشان دادہ آمد، کہ خسروان روم و ایران و دیگر کشور گیران را باسخن گستران وستایش گران در بخشایش و بخشش رنگارنگ شمار رفتہ، ودہن بہ گہر انباشتن وپیکر بزر سختن، و دہ دادن وگنج فشاندن، بکار رفتہ، این سخن گسترِ ستایش گر مہر خوانی از زبانِ شہنشاہ، وسراپایے [152] بفرمان شہنشاہ، ونان ریزۂ از خوان شہنشاہ، میخواہد ہمانا پایخوانِ [153] مہر خوان [154] وسراپا درتازی گفتار خطاب وخلعت، وچم [155] نان ریزہ درانگریزی زبان پنسن تواند بود۔ والا کار فرما نواب گورنر جنرل بہادر بپاسخ مژدۂ درمان وفرّہ فرمان فرستاد، وآگہی داد کہ نیایشنامہ رسید وبہ انگلستان روانی گزید۔ دل از انگیختن [156] سرخوشی چندان بخویشتن بالید کہ خود درتن وتن در پیرہن نتواست گنجید، پس از چہار ماہ بخشایش، نامۂ نگاشتۂ کلکِ مشکبار فرزانۂ جہاندار، ہمایون خوی فرخ تبار، مستر رسل [157] کلرک بہادر کہ بپاسخ نگارش منست، سازِ امیدواری وآرزو شماری افزود۔ دانم کہ اگر آرامش داد [158] از ہندرم نخوردی واز دستِ سپاہیان خداناشناس، ناسپاس، دادکدہ ہا برہم نخوردی، ازگلستان انگلستان فرمان بابرگ وساز رسیدہ بودی، ودل ودیدۂ من چشم [159] روشنی گوی ہمدگر گردیدہ بودی۔ اینک آن ہمایون نامہ ہا کہ سیاہۂ [160] آرزوی سرجوش من وکماہہ [161] بازوی خرد وہوش منست، بامن است، وپرکالۂ چند از جگر کہ در جوشِ گریہ از مژہ بردن ریختہ ام، بہر نشانِ خون پالائی، مرا در دامن است ؎

نی کشتۂ زخمِ ناوک و شمشیرم   نی خستۂ ناخن پلنگ و شیرم
لب می گزم وخون بزبان می لیسم   خون میخورم دز زندگانی سیرم

چہارشنبہ سی ام ستمبر روز ہفدہم از کشایش شہر دبستگی دروازہ کوچہ آگہی آوردند کہ یغمائیان برخانہ برادر ریختند، وگرد از کوچہ وکاشانہ انگیختند۔ میرزا یوسف خان دیوانہ وآن فرتوت مرد وپیرہ زن را زندہ گزاشتہ اند۔ وآن زن ومرد سالخورد [162] بہمپای ودستیاری ودہندو، کہ درین گریز اگر یزاز جای دگر آمدہ درآنجا دم گرفتہ اند، درسرانجام آب ونان کوشش دریغ نداشتہ اند۔ نہفتہ مباد کہ درین شہرآشوب گیرودار چنان کہ درہر کوچہ وبازار اشتلم را یک ہنجار نیست سپاہیان را نیز درخونریز و

انداز و انگیز یک رفتار نیست۔ اگر آزرم در سرزنش است فراخور خوی و منش است۔ دانم که درین تاخت فرمان همه آنست۔ که هر که گردن نهد از سرخونش درگزرند، واندوخته ببرند، و هر که چیره[163] شود، در نوردِ سرمایه ستانی جانش نیز شکرند[164] هر آئینه برگشتگان گمان میرود که گردن کشیده اند، تا سر بردوش ندیده اند۔ آوازه نیز همین است که بیشتر کالاهی ربانیده و جان نمی گزایند، کمتر و آنهم دردوسه کوچه نخست سراز تن و سپس بار از زمین برداشته اند و کشتن پیران و کودکان و زنان روا نداشته اند۔ خرام خامه درنگارش نامه چون بدینجا رسیده انجام[165] از رفتار باز ماند، مگر بانگ بر توسن زنم، تا گام پیش نهد، خدارا ای خدا پرستان دادستائی[166] ستم نکوه[167]، اگر در ستایش داد، و نکوهش ستم، زبان شما بادل یکی است، کردار هندستانیان یادآورید، که بی آن که دشمنی را از پیش مایه و کین را از نخست برایهٔ بوده[168] باشد، و همه کس داند که خداوند کشتی گناه است، بر خداوندان خود تیغ آختند و زنان بیچارهٔ و کودکان درخورد گهواره راتن از روان پرداختند۔ اینک انگلستانیان را نگرید که چون از روی کین خواهی بجنگ برخاستند و بهر گوشمال گنهگاران لشکر آراستند، از انجا که از شهریان نیز دلی پُر داشتند، جای آن بود که پس از چیره دستی در شهر دهلی سگ و گربه را زنده نمی گزاشتند، آنچنان خشمی که پنداری آتش در جگر زبانه میزد فروخوردند، و براندام زنان و کودکان تار موی نیازردند۔ هم از بهر جدا[169] شناس بیگناه از گناهگار است که بجان و جامه و جاز نهار نداده اند، و هیچ کس را جز کسی که از بهر بازپُرس سوی خودش خوانده اند بار نداده اند۔ از فرو ماندگان شهر بسیاری را برون رانده اند و اندکی همچنان در بند بیم و امید فرو مانده اند۔ در بارهٔ بیابان گردانِ پیغوله نشین هیچ فرمان نیست، مگر دردِ برون رفتگان و درون تفتگان را درمان نیست کاش درونیان و بیرونیان را زمرگ و زیست یکدیگر آگهی بودی تا بیتابی و پراگندگی روی نمودی۔ اینمایه خود از بهر دانستن بسند است که هر کس هر جا که هست، مستمند است، اگر پاشکستگان بادم سرد اندور بدر جستگان هرزه گرد همه را دل پُر از درداست و همه را از بیم مرگ سرخ رخ زرد، پنجم اکتو بر روزِ اندوه اندوز دوشنبه چاشتگا بان ناگاهان گورهٔ چند از راه دیواری که بدروازهٔ "سنگ بست" پیوسته است، فراز بای برآمده، از آنجا بجستنِ در کوچه فرود آمدند، چون دور باش سپاهیان راجه نرندر سنگه بهادر سودمند نیفتاد، از دیگر خانهای کوچک چشم پوشیده

جائی کہ نامہ نگار بود آمدند، از روی خوبی خوی خویش از ہمہ کالا دست برداشتند، ومرا با آن دو کودک فرخ دیدار و دو سہ غمخوار و تنی چند از ہمسایگان نکو کردار۔

گرفتند و بردند بگزاشتند

از کوچہ دور تر از دو تیر پرتاب و آنہم برنج و آہنج و تب و تاب نرفتہ ام۔ پیش اندازہ دان و دانشور کرنیل برون بہادر، کہ این سوی چار سوی بکاشانۂ قطب الدین سوداگر فرود آمدہ است، بُردند۔ با من بہ نرمی و مردمی سخن گفت، واز من نام واز دگران پیشہ پرسید، و بہ خوشنودی ہمدران زود سوی آرامشجا پدرود گرد۔ یزدان را سپاس گزاردم و بر آن خجستہ خوی آفرین خواندم و باز آمدم، چہار شنبۂ ہفتم اکتوبر در چہار مین پاس از روز بست و یک بانگ توپ شنیدن را نواخت و دانستن را بشگفت زار انداخت، خدایا آمدن لفٹننٹ گورنر بہادر ہفدہ آواز، و رسیدن نواب گورنر جنرل بہادر نوزدہ آواز شگون دارد، بست و یک نوای ہوش فزای راشوہ [170] چیست۔ روز دیگر ہیچ از سو لیس [171] نکاست و بر آگہی نفزود۔ مگر گمان کنیم کہ ہموار ساز ندنمان نشیب و فراز کشور را در جای وگر بر سرکشان پیروزی روزی گردیدہ است۔ نہان ممانا و کہ ہنوز سرکشان گروہا گروہ، فرسنگ درفرسنگ و کردہ در کردہ در بریلی و فرخ آباد و لکھنؤ بشور انگیزی و ہرزہ ستیزی آمادہ اند، و دلی کہ خون باد، بہ پیکار بستہ، و دستی کہ بریزاد، بدینکار کشادہ اند، دیگر در سرزمین سُوہنہ و نُوہ میواتیان بدان بی راہ روی شور برداشتہ اند کہ پنداری دیوانگان را بند زنجیر گسستہ است۔ وتُلا رام نام پرخاشخری بکچند در ریواڑی ہنگامہ آرا ماندہ، سپس برہمو تی دیو با میو پیوستہ است، این گروہ را در آن دشت و کوہ جداگانہ با جہانداران، سر جنگ و ستیز است، گوئی آب و خاک ہند ہر سو کارگاہ باد تند و آتش تیز است۔ درین ماتم آور [172] جاور کہ آغاز آن فراموش است وانجام آن ناپدید، اگر جز گرستن بہ نگرستن سری داشتہ باشد، روزنِ دیدہ بخاک انباشتہ یاد جز روز سیاہ ہیچ نیست کہ گویم دیدہ آن دید و برش [173] دید از ین پندار، روز سیاہ خود چنبری است، کہ در تار کی آن ہیچ نتوان دید، بر آمدن از خانہ و پا نہادن بر آستانہ پیمودن زمین بازار و کوی واز دو رنگرستن چار سوی۔ بیرون ازان روز کہ سرہنگان فرنگ بیرونم بردہ اند، رُوی نمودہ است۔ گوئی دانش گنجور گنجہ از زبان من ہمی گوید۔

ندانم که گیتی چسان میرود
چه نیک و چه بد در جهان میرود

ازین دردهای دارومگزین وزخمهای مرهم مپزیر، آن می بایدم اندیشید، که من مرده ام و مرااز بهر بازپرس، انگیخته اندو بکیفر کردارهای نکوهیده سرازیر در چاه دوزخ آویخته اند، ناچار جاودان درین بند خستهٔ وزشندی باید زیست ـ

آه گر باشد همین امروز من فردای من

سرتاسر این نگارش یا آنست که برمن همیرود، یا آن خواهد بود که شنیده می شود، اگر آن گفته ام که شنفته ام کس گمان نبرد که من ناراست شنوده باشم یا کاست [174] است سروده باشم، از گیرود ار بخدای پناهم و به راستی رستگاری میخواهم، دیده بیکار است و دل در بند ولب خاموش و دریوزه ٔ آگهی از درز بانها به کشکول گوش، بداگدائی [175] وانگاه بدین بیسروپائی، واین که فرجام کار بادشاه و بادشاهزادگان، که رُدگاه [176] داستان کشایش شهر بایستی نخست نگاشته ام، نیزلاوبرین [177] است که مرااندرین نامه شنیدن سرمایهٔ گفتار و هنوز سخنهای ناشنیده بسیاراست ـ هر آئینه آن میجویم که چون ازین تنگنا برون پویم، رازهای ناشنیده از هر سوفراز آرم، وراز دانانه روی به نبشتن راز آرم، امید که نگرندگانِ نگارش درپسی وپیشی رُویدادازروی داد خرده برمن نگیرند۔ نوزدهم اکتوبر همان دوشنبه که نامش از سایهٔ روزهای هفته همی باید سترد، بادی چون اژدرآ در فشان جهان را درخویش فرو بُرد، همانادرپاس نخستنِ آن روز دربان دژم روی، ژولیده موی، مژدهٔ مردنِ برادرآورد میگفت که ان گر مرد راه نیستی پنج روز بهمدمی تپ سوزنده زنده ماند، وشباهنگام در دل شب توسن ازین تنگنا برون جهاند۔ از آب وآبچین [178] بگزر، ومُرده شوی وگورکن مجوی، از سنگ وخشت مپرس، واز آژده [179] و آژند [180] مگوی و بگوی که چگونه روم وکجا برم، ودر کدام گورگاه بخاک سپرم، از پرنیان ودیبا تا کرپاس نازیبا هیچ چیز در بازار نمی فروشند۔ مزدورانِ زمین کنندهٔ به بیل وکلند [181] کارکننده گوئی هیچگاه در شهر نبوده اند، هندوهمی تواند مرده رابدریا برد، برلب آب درآتش سوزاند، مسلمانان راچه زهره که دو سه کس همپای یکدیگر دوشادوش براهی گزرند، چه جای آن که مرده رااز شهر بردن برند، همسایگان به

تنہائی من بخشوند، بسرانجام کار کمر بستند یکی را از سپاہیان پٹیالہ پیشاپیش و دو تن را از چاکران من باخویش گرفتند و رفتند، و تن مردہ شستند و در دو سہ چادر پیچید کہ از ینجا بردہ بودند پیچیدند و بہ نماز گاہے کہ بہ پہلوی آن کاشانہ بود زمین کندند و مردہ را در آنجا نہادند و مغاک بخاک انباشتند و برگشتند ۔

دریغ آن کہ اندر ورنگ سہ بیست	سہ دہ شاد و سی سال ناشاد زیست
تہ خاک بالین زخشتش نہ بود	بجز خاک در سرنوشتش نہ بود
خدایا برین مردہ بخشایشی	کہ نادیدہ در زیست آسایشی
سروشی بدل جوئی او فرست	روانش بجاوید مینو فرست

این فروہیدہ [182] سرشت نکوہیدہ [183] سرنوشت، کہ شست سال خوش و ناخوش و از آنمیان سی سال ہوشمند و سی سال بیہش زیست، در ہوشمندی خشم فروخوردن و در بیہشی نیاز ردن آئین داشت و در بست و نہمین شب از ماہ صفر سال یکہزار و دو سد و ہفتاد و چہار جامہ گزاشت [184] ۔

ز سال مرگ ستم دیدہ میرزا یوسف	کہ زیستی بجہان در ز خویش بیگانہ
یکی در انجمن از من ہمی پژوہش کرد	کشیدم آہی و گفتم دریغ دیوانہ

اندیشہ سخن رسان بہ آرش [185] این نگارش رسائی باد کہ " دریغ دیوانہ " باندازِ اندازہ کہ فراخورِ ہنجار است، یکہزار و دو سد و نود در شمار است و انچہ پس از کشیدن آہی کہ ہر آئینہ شانزدہ میتوان کاست، باز میماند ہمان یکہزار و دو سد و ہفتاد و چہار است، کہ درین ہنگام درکار است ۔

بنام آنکہ پوزش درخور اوست
بہر جا سرفرود آری در اوست

نام آورانِ از داد و دانش بہرہ ور امین الدین احمد خان بہادر و محمد ضیاء الدین خان بہادر راہمدران ہفتہ کہ شہر بردستِ سپاہ انگریز کشایش یافت ۔ اندیشہ پاسا [186] در آرزوی بہ باد بگزاشتن شہر گرایش یافت ۔ با فرزندان و پردگیان و سہ پیل و کما بیش چہل تگاور [187] تاور پویہ درگشتند، و سوی پرگنہ لوہارو کہ بہ نشامندی " جاوید تمغا " جا گیر ایشانست، رہ سپر گشتند نخست بہ مہرولی [188] گزار افتاد و در آن فروغ بار گورستان بنہ و بار کشودن، و دو سہ روز آسودن روی داد ۔ در آن ورنگ

لشکریان یغماپیشه بُنگاه را فرو گرفتند، و جز رخت تن هر چه بود ستدند و رفتند. مگر آن هر سه پیل که
همرهان مهرکیش و همدمانِ به اندیشِ بسرآغازِ آن آشوب بدر برده بودند، از بهر نشان زیان زدگی
چون سه خرمن سوخته بجا ماند، اشتلم یغما دیدگان، و آزار دستبرد کشیدگان، به بیسروسامانی چنانکه دانی
سوی دُوجانه[۱۸۹] ره نورد شدند. نامدار پسندیده کردار حسن علی خان بهادر از راه مردی و جوانمردی
پذیره[۱۹۰] شد و خانه خانهٔ شماست گویان به دُوجانه بُرد. درازی گفتار پیشکش[۱۹۱]، ستوده سرور، در
سروری باهمسران آن کرد که خسرو ایران در خسروی با همایون همان کرد. صاحب کمشنر بهادر دهلی پس
از آگهی سوی خود خواند، بشهر رسیدند و فرمانروا را دیدند، داور لختی به پیغاره[۱۹۲] سخن راند، چون آزرم
آمیز پاسخ شنفت، دیگر هیچ نگفت. در ارک، ایوانی به پهلوی ایوان خانسامانی نشان داد، و در آن
جایگاه بفرود آمدن فرمان داد، پاسِ همواری راهِ گزارش نگزاشت که کردار گزار سرگذشت ویرانی این
خانمان می نگاشت. چنان دان که در مهرولی بر خداوندانِ خانه دستِ یغما دراز گشت و در دهلی خانه
های بی خداوند پامال ترکتاز گشت. هر چه انجا با خویش برده بودند، جز نیم جانے که به دوجانه بُردند،
همه روزی یغمائیان شد، وانچه در خانه و کاشانه و کاخ و کوخ بیرون از سنگ و خشت و کلوخ هر چه بود،
بتاراج رفت، نه از سیمینه و زرینه نام و نشان ماند، و نه از گستردنی و پوشیدنی باندازهٔ تار موی درمیان
ماند. ایزد بر بیگناهان به بخشاید، و این آغازِ ناساز را خجسته انجامشی و این آزردگی را رامشی پدید
آید. هماناشنبهٔ هفدهم اکتوبر بود که این دو فرزانهٔ یگانه در شهر گام زدند و چنانکه گفتم، در ارک دم از
آرام زدند، پس از دو سه روز از ین روداد بر سپاه فرمان رفت، تا رفتند و عبدالرحمن خان مرزبان جهجر را
بدانسانکه بزه مندان را آوردند، و در ارک بگوشهٔ ایوانی که آنرا دیوان عام نامند، جا دادند، مرز و بوی
که مرا این مرز را بود، به چنبر جهانداری و باج ستانی سرکار انگریزی در آمد. روز آدینه سی ام اکتوبر احمد
علی خان شهریاری[۱۹۳] فرخ نگر را چنانکه آن یکی را آورده بودند، آوردند و در ارک دهلی بگوشهٔ جداگانه
نشستنگهش ساختند، شهر فرخ نگر نیز دستزدِ چابکدستان خانه برانداز شد، واندوخته های شهریان
بباد رفت. دوشنبه دوم نومبر بهادر جنگ خان کنارنگ[۱۹۴] بهادر گڈھ و دادری گرفتار آمد، و در ارک
بجائی که نشاندند، نشست. شنبه هفتم نومبر در آن سران که در ارک جا بجا و دراز هم گرجا دارند، از

آمدن راجہ ناہر سنگھ بہادر مرزبانِ بلب گڑھ یک کس در شمار افزود۔ راز پژوہ فرارسد کہ مرزبانی پیرامنِ دہلی کہ درفرمان بری بہ اجنٹی دہلی ہمی پیوندو از روزہای ہفتہ در شمار بیش وکم نیست، جھجر، بہادر گڈھ، بلب گڈھ، لوہارو، فرخ نگر، دوجانہ پاٹودی، ہمین ہفت جاست۔ فرمانداہان پنج سرزمین درارکِ دہلی چنانکہ گفتم جا گزین، وآن دو تای دیگر در پاٹودے ودوجانہ ناوکِ بیم را نشانہ، تادگرچشم جہان بین اینان از روزگار چہ بیند وکار آنان بکدام ہنجار پایان گزیند۔ بی آنکہ گویم نہان مماناد، نہان نمی تواند ماند کہ مظفر الدولہ سیف الدین حیدر خان وذوالفقار الدین حیدر خان کہ حسین مرزا مہر خوان اوست، درین ہنگامہ چون دیگر آبمند ان بازنان وفرزندان از شہر برون رفتہ اند۔ وخانہ ہا پُر از دربایست ہای گرانمند [195] بجا گزاشتہ راہ بیابان گرفتہ اند، ماندن جای این دو روشن گہر کاخی چندوایوانی چند است، ہمہ بایکدگر بہم پیوستہ، چنانکہ اگر آن ہمہ زمین را پیمایش درآری، اگر نہ با شہری بادہی برابر شماری، شارستانی بدین بزرگی درآن گونہ کہ سرتاسر از آدم زاد تہی بود، بجاروب تاراج رفت ورُوب یافت، درت ومرت [196] وتارو [197] مارشد۔ مگر از کالای سُبک بہائے گران سنگ پردہ ہای ایوان وکِلہ [198] وسایبان وزیلو [199] ودیگر گستردنی مانندآن درآن ماندنجای بجای ماند، ناگاہ بشی کہ آبستن روز گرفتاری راجہ ہرسنگھ بود، درآن رخت آتش درگرفت، وزبانہ زد، وچوب وسنگ ودرودیوار را سوخت۔ آن سہیت [200] باختر سوی سرائے من بدان نزدیکی است کہ در آن نیمشب فروغ آتش فروزان از فراز بام ہمی نگرستم، وگرمی دود بچشم ورخ من میرسد، واز آن رو کہ درآن دم باد برین [201] می وزید، خاکستر بسراپای من ہمی افتاد، آری سرود خانۂ ہمسایہ گلبانگ رہ آورد دارد [202]، آتشِ خانۂ ہمسایہ، خاکستر چرا نبارد جنبش خامۂ گردار گزار کہ برفتار مور نیم مردہ ماند۔ از نامہ چہ مایہ گردتواند انگیخت، کہ نگرستن آنرا دریابد، از شاہزادگان بیرون ازین نتوان سرود کہ اندی را اژدہای مرگ بدہانِ زخم گلولۂ تفنگ فروبرد، وچندی را در خم بند چا [203] ثُو [204] بہ کشایش رسن روان در تن افسرد، افسردۂ چند از آنمیان زندان نشین اند، وشمردۂ چند از آن دودمان آوارۂ روی زمین، بربادشاہ ارک آرامگاہ کہ ماتم زدۂ تاب وتوانست، فرمان گیرودار بہ انداز بازپرس روانست۔ دہ کیای جھجر وبلب گڈھ، وچار بالش آرای فرخ نگر راجداجدا بروزہای جداگانہ بہ گلو

آویختند، گوی بدانسان گشتند که کس نیارد گفت که خون ریختند. در ماه جنوری آغاز سال یک هزار دهشت سد و پنجاه و هشت هندوان فرمان آزادی و فراز[۲۰۵] مان آبادی یافتند و از هر جایگاهی که در آن بودند، سوی شهر شتافتند. مسلمانان از خانمان آواره را بسکه از رستن سبزه در در و دیوار خانه های[۲۰۶] آنان سبز است، هردم از زبان سبزهٔ سر دیوار این نوا بگوش میخورد که جای مسلمانان سبز[۲۰۷] است. مگر فرماندهٔ شهر را از گفتار راز گویان ناساز خوی در دل گذشته باشد که کاشانهٔ پزشکان[۲۰۸] راجه نرندر سنگه بهادر فراهم آمد نگاه و پناه جای مسلمانان است، و نشگفت[۲۰۹] که از هنگامه گرم سازان هرزه تاز یکدوتن در آن انجمن باشند. بدین اندیشه روز سه شنبه دوم فروری با گروهی از سرهنگان بدان جایگاه روی آورد، خداوندانِ خانه را با شست کس دیگر از زنهار جویان آرمیده درون با خویش بُرد. اگرچه شبا روزی چند همه را بند اور نگاه داشت، پن آبروی آبمندان نیز نگاهداشت پنجم فروری روز آدینه حکیم محمود خان و حکیم مرتضی خان با او در زادهٔ خویش عبدالحکیم خان که حکیم کالی مهر خوان اوست، فرمانِ باز گشت یافتند، و آدینهٔ دگر دوازدهم فروری تنی چند دیگر و شنبه سیزدهم فروری سه کس دیگر باز آمدند، و از نیمه فزون تر در نوا خانهٔ[۲۱۰] ماندند، از این آشوب که در همسایه خاست، و درین هراهر[۲۱۱] که در کوی افتاد، این درویشِ دلریش را نیز دل بجای نماند، با آنکه در آن داو گیر با من پژوهشی نرفت، هنوز آن بروز دو دله[۲۱۲] بودن، و بشب دلشاد نغنودن که نه بیجاست. همچنان بجاست همدرین ماه فروری فروری که از ین فرهنگ[۲۱۳] تا فروردین که روزگارِ روز افزونی فرهٔ فروزندهٔ مهر است، همه یکماهه راه مهر سپهر است، آوازهٔ آمد آمد مهربان داور، مهر پیکر، پروین لشکر، سر جان لارنس صاحب چیف کمشنر بهادر بلندی گرفت، از آنجا که آئین من باداورانی که بهر فرماندهی بدین کشور ویژه[۲۱۴] بدین شهر گرایند، روان داشتن چگامه های[۲۱۵] ستایش آمود است، در ستایش آن والا شکوه چامه[۲۱۶] در گیرنده[۲۱۷] به چشم روشنی فرجام پیروزی، و روان افزائی بادِ نوروزی، سرانجام دادم. و روز آدینه نوزدهم فروری بسررشتهٔ پام فرستادم. شنبه بستم فروری هنگام شام بست و یک بانگ توپ "دیو غریو" "نهنگ آهنگ" و پگاه یکشنبه مژدهٔ گشایش شهر لکهنو بدین رنگ شنیده آمد، که شانزدهم فروری فرزنده اختر آسمان سروری سپه سالار نام آور کمندران چیف بهادر روز [illegible] بدان روش بر سپه رویان ستیز جوی

سپہ راند کہ سپہری سپہبد آنمایہ دستت [۲۱۸] مرنجاد گفت، وچندان آفرین باد خواند، کہ لبش بتخالہ زد، و
زبان از جنبش باز ماند، جہان را بہ آبادی مژدہ و جہانیان را بہ آزادی نوید کہ آرزوی آزادان و نیک
نہادان بر آمد، و بدان و بد گہران را در آنجا نیز روز و روزگار سر آمد، و گر رہ شنودہ شد کہ بہ نو آوردن
توپ دمیدن سورنای [۲۱۹] شادیانہ چیرہ دستی بود، گردان سپاہ "پیروزی دستگاہ" در نوردِ این ناوردِ بر
شہر دست نیافتہ اند، دلیرانہ بہ تیغ زنی و دشمن افگنی شتافتہ اند، و پس از کشتن و خستن زی [۲۲۰] بنگاہ جلو
تافتہ اند، روز گیتی فروز چار شنبہ بست و چارم فروری بہنگام ہمایون چاشت ؎

بوستانِ داد را آزاد سرو　　آسمانِ جاہ را تا بندہ ماہ

فرخ روی، فرخندہ خوی چیف کمشنر بہادر ستارہ سپاہ بہ نشانِ سُمِ رخش سرزمینِ دہلی را
آسمان آسا ستارہ زار ساخت، و سیزدہ آوازِ توپ دلہای خستہ را بہ نوید مرہم مہر و آزرم نواخت ؎

فرمانفرمای شہ نشان باز آمد　　در کالبد شہر روان باز آمد
زین شادی و خوشدلی کہ رو داد بشہر　　گوئی کہ مگر شاہجہان باز آمد

شنبہ بست و ہفتم فروری چون روز شب گشت و ازان شب سہ بہرہ گزشت، دو دِل داد
خواہان بر ماہِ شب افروز بد انسان راہ گرفت، کہ نگرندگان بیخواست فغان برداشتند کہ ماہ گرفت [۲۲۱]
ہم بروز شنبہ کہ نشان دادہ آمد، فرجامِ دور باش برخاست داد پژوہان رنجور را بار، و آرزومندان
آزور [۲۲۲] راز نہار دادند، تا دانی کہ درین شہر زندان از شہر بیرونست و نواخانہ [۲۲۳] اندرون، درین
ہر دو جا آنمایہ مردم را بہم در آوردہ اند کہ پنداری پیکر در پیکر ہمی خزد، شمارۂ آنان کہ ازین ہر دو
بندیخانہ در روزہای جداگانہ بہ پیچش ریسمان جان باختہ اند، فرشتۂ جانستان داند، مسلمان در شہر از
ہزار کس افزون نیابی، و نامہ نگار نیز در آن ہزار یکی است، دیگر از آن انبوہ کہ راہِ گریز پیمودہ اند،
اندکی را در دُور گردی چنان پندار، کہ خود ازین سرزمین نبودہ اند، و بسیاری از گران پایان گردا گرد شہر
بہ دو کروہی و چہار کروہی در پیغولہ [۲۲۴] و مغاک [۲۲۵] و گومہ [۲۲۶] و کازہ [۲۲۷] چون بخت خود غنودہ
اند، درین "گریوہ گزین" گروہ یا بود و باش شہر را خواستار اند، یا خویشاوندان گرفتاران، یا
ارزانش [۲۲۸] خوار اند. ہمانا حُسن داران، ہر آئینہ داد نامہ ہای مردم از خواہشِ رستگاری، و آرزوی

آرامش، ودریوزهٔ روائی رَستاد[229] بیرون نیابی، ودسہ ہزار درخواہ[230] از کاغذی[231] پیرہنان بہ دادگاہ فراہم آمد، دادخواہان چشم براہ اند و گوش برآواز تا چہ بینند و چہ شنوند۔ مرا نیز دل از آرزوی پاسخ آن نیایش نامہ وستایش نامہ، کہ بہنجار یام روان داشتہ ام، نہ رَستہ است، و درین جا "بفرود آمد نجای" داور رفتن و داور را دیدن از رہگزر اندیشہ ہای، ہیچ در ہیچ پیکر بستہ است۔ کوتاہی سخن، آزار ہاست کہ پنداری خار ہاست، اگر روی براہ آوری در راہ نگری، و اگر بنشینی بہ پیرہن بینی، ہنوز شکیبائی بر بیتابی چیرگی[232] داشت کہ روز دوشنبہ ہشتم مارچ آن نامہ بہر گونہ نگارشی کہ درنورد[233] آن بود بمن باز رسید، پیشانی نامہ بجنبش خامہ از پیش گاہ داور فرہنگ آموز بدین فرمان فروغ اندوز کہ نامہ را سوی فرستندہ باز گردانند، تا بمیانجی[234] گری داور شہر بما باز فرستد۔ ہمہ گفتند و من نیز دانستم، کہ این سود آمود پاسخ نشانیست امید فزای، و از پذیرفتن آگہی بخش۔ ہر آئینہ آن نامہ بفرمان نشانمند را بہ افزودن نگارشی کہ ہمی شایست بہ نگاہ جای سرور داد گستر شہر آرای شہریان پرور، فرزانہ چارلس سانڈرس صاحب کمشنر بہادر فرستادم، و نامۂ ویژہ[235] بنام نامی ستودۂ نامور در گیرندہ بخواہش یافتن دیرینہ پنسن، با آن نامہ ہمراہ ساختم، چہارشنبہ ہفدہم مارچ از پیشگاہ فرمانروا دربارۂ نخستین شادخواست[236] فرمان رسید کہ فرستادن این نامہ کہ جز ستایش و چشم روشنی[237] ہیچ ندارد بہیچگونہ ناگزیر نیست۔ من نیز اندیشیدم کہ درین چنین ہنگام و ہنگامہ مہر و آرزم و لابۂ و لاغ چون گنجد من کہ شکم بندہ ام مرا نان ہمی باید، بینم کہ آن دو یمین آرزو بلکہ ام فرمان درخور آید۔[238] شامگاہ پنجشنبہ ہژدہم مارچ آوازِ "روان توانا ساز" توبمودہ رسانی فیروزی در گنبد فیروزہ رنگ پیچید، و بدست آمدن لکھنؤ و پہن گشتن سپاہ کینہ خواہ انگریزی در آن شارستان[239] چنانکہ دلخواہ بود، و دلنشین گردید، آبادی آن شہر در ودر بند و بارہ و بار ندارد، ہمانا دیواری از انبوہ آنسوبہ سپاہ بودہ باشد، کہ زور آوران این سوی را سنگ راہ بودہ باشد، دمی کہ آن دیوار نااستوار بہ تُند باد کوشش مردان کار از ہم ریختہ باشد، ہر آئینہ خرام پیادہ و سوار گراز ہر رہگزار انگیختہ باشد۔ آری فرّ ایزدی ہر کرا شہریاری بخشد، ہم تاب جہانستانی افزاید و ہم فرتاب جہانداری بخشد، ناگزیر ہر کہ گردن از فرمانہا ن پیچد، سرش درخور کفش است و ستیزہ زیردست باز بردست، ہمان مُشت است و درفش۔ جہانیان را

سزد کہ با خداوندانِ بخت خداداد، بہ خشنودی سر فرود آرند، و برونِ فرمان جہانداران را پذیرفتنِ فرمان جہان آفرین انگارند، چون دانستیم کہ تیغ و نگین و بخت و تخت بخشیدۂ کیست، دیگر سرکشی و ناخوشی از بہر چیست و زمزمہ سنج شیراز را میرم کہ درین پردہ، ہوش فزا نوائی وارد ے

چہ کند بندہ کہ گردن نتہد فرمان را

چکند گوی کہ تن در ندہد چوگان را

از بست و دوم مارچ در دل دیوانہ ہمی خلد کہ گیتی فرور دینے ونوروزی داشت وآن روز جہان فروز را ہمدرین روزیادی[۲۴۰] و فردای[۲۴۱] این روزنشان می یافتیم، امسال مگر این شہر شہر خاموشان است کہ از آمد آمد نو بہار ہیچ گلبانگ نمی شنویم، کسی نمی گوید کہ این سال از سالہای دوازدہ گانۂ ترکان کدام است، و برابر گشتن روز و شب را در شب و روز چہ ہنگام است۔ اگر ہُو دل[۲۴۲] بندان را خار از خاک رُست، و روز نامچہ، جہان گردی خسر و روز از نگار سادہ ماند، دروغگوئی چند کہ کم گیرو دروغی چند نا شنیدہ پندار، مہر پیمودن برّہ[۲۴۳] فراموش نکردہ است کہ سبزہ نرد ید، وگل نشگفد، آری آفرینش را نہجار برنگردد و چرخ جز بہ ہر نیز[۲۴۴] گردشی کہ مراو راست، از لا درہ[۲۴۵] نہ نوردد، برخویشتن ہمی گریم نہ برگلزار، از بخت گلہ می سنجم، نہ از نو بہار ے

جہان از گل و لالہ پُر بوی و رنگ	من و گوشۂ و دامنی زیر سنگ
بہاران و من ماندہ بی برگ و ساز	درِ خانہ از بی نوائے فراز

می نالم وی سگالم کہ روزگار بی پرواست، اگر من کہ در کنج اندوہ روے بدیوار دارم، سبزہ وگل نگرم، و مغز خود را بوی گل نہ پرورم، از بہار چہ کاہد، و از باد کہ تاوان خواہد۔ در ماہ اپریل کہ دو بہرہ از فرور دین[۲۴۶] و یک بہرہ از اردی بہشت[۲۴۷] است، کسانیکہ از جرگہ[۲۴۸] حکیم محمود خان در نوا خانہ باز ماندہ بودند از بند رستند، و از دام بدر جستند، ہر یکی راہ خویش گرفت وآن سرہ[۲۴۹] مرد ناز پرورد باہمہ خویشان و خویشاوندان و پردہ نشینان و فرزندان، سوی پٹیالہ رفت، گویند ہنوز در کرنال روز را شب ہمی آرد، تا سپس چہ در سر دارد۔ سرآغاز مئی شنیدن را بہ نوازشِ این آوازہ نازش روی داد کہ دلیران سپاہ کینہ خواہ مراد آباد را کہ گزرگاہ بداندیشان بود بہ تاورد، نوردا ز ہم کشادند وآن شہر را بہر

که دلیران سپاه کینه خواه مرادآبادرا که گذرگاه بداندیشان بود، به ناورد، نورد، از هم گسستند وآن شهر را به گستردن داد بسرچشمهٔ دانش خداداد، نواب یوسف علی خاں بهادر فرخ نژاد دادند. همیدون آن جهانگیری سزاوار وجهانداری درخور در آن سرزمین از روی فرمان پذیری، فرمان همیر اند، امید که جاودان فرمانروا مانند. دیگر سرایند که کوبه[250] انگیزی لشکر اژدر شکر[251] کوه شگاف، پیش از آن که شور در آن رود بار[252] افکند خس وخاشاک تردامنان هرزه ستیز از بریلی برکنار افگند، چون چنین است زودا[253] که برگرانجانی چند که از هر سنگ لاخ[254] بجا مانده جابجا در شهر و روستا[255] مردم را آسوده نمی گزارند، و در رهگذر رهروان را همی آزارند، روزگار سراید، وکشور هند سرتاسر بسایهٔ پرچم دارایان دادگستر در آید. سیزدهم جون روز یکشنبه نزدیک به انجامیدن روز فرمانفرمای شهر، بهادر جنگ خان را که درارک گرفتار رانه همی ماند نزد خود خواند، امیدوارانه شتافت تا فرمان یافت که به مژدهٔ جان بخشی و نوید بخشش یکهزار روپیه ماهانه شادمان گردد وسوی لاهور ره نوردد وپس روزگار آزادانه زندگانیست، و در آن شهر فرجامِ ماند و بود جاودانی است، هر آئینه در آئینه پیکر این رُوداد سزاوار آنست که از بند دریغ دروغ جاه ودستگاه آزاد، وبدین آزاد زیستن خشنود ودلشاد باشد. بهرام[256] روز بست ودوم جون هنوز هنگام فرمان رائی[257] ستاره روز نگذشته بود وخسرو روز که هر روزش بر نیزه همگردانند از کنارهٔ خاور ''نیزه بالا'' بلند نگشته بود که خروشِ توپ آسمان غریو،[258] آشوب هم شمارهٔ روزهای گذشتهٔ ماه جون دلهای دوستان را به انداز سرخوشی وشادمانی از جا برانگیخت، وخاکستری سوزنده تر از آتش بر سر وروی دشمنان ریخت. نوید کشایش شهر گوالیار و بدست آمدن آن سنگین دژ[259] که جگر گوشهٔ زمین است ولختِ دل کوهسار، از آن رُو که از فرگاه[260] جهان آفرین پروانهٔ نیستی سرکشان آورد، هم بهر فرماندهان وهم برای فرمانبران از روشنی چراغ آرزو نشان آورد. پیکر پیدای این رودادآنست که سرکشان گوالیار را گرفتند ودستانندهٔ باج وسا[261] دمهاراجه جیاجی راو شهر وشهریاری فروهشت، و به آگره رفت، واز جهانبانان انگلیه یاوری جست، وسپاهی گران به یاریگری یافت، وبه زاد[262] بوم شتافت تا پیروزی روزی شد همانا از روی هرگونه واگویه[263] سرانجام گمرایان هرسُو یه جُز آن نیست که چون در گریز اگریز از هرسو بگوالیار رو آورده اند و در ینجا این چنین شکست نمایان خورده اند.

ہمیدون [۲۶۴] روزی چند خستہ وژند [۲۶۵] بہ رہزنی ور ہرو آزاری سو بسوز مین نو دند، و پایان کار جا بجا بخواری کشتہ گردند، بارگیانِ دشت پیمای رادر بیابانہائے بی گیاہ سینہ برزمین سای بنی و بار آن گروہ رادر گزرگاہ ہا آب، گل اندای یابے، باز کشور ہند بدانسان بخس و خار گردد کہ گوشئہ راغ بسر سبزی انگارۂ [۲۶۶] باغ ہر رنگزار ور آبادی نمایۂ بازار گردد۔ نامہ نگار را خود شصت و سہ سال از زندگانی گذشت، و ازین گونہ گون گداز شبہای پنہان پیداست، کہ اکنون از روزگار چشم داشتِ بیشی در نگ بیجاست، ناچار آواز دلنواز جادو نوای شیراز کہ از من برروانِ روشنش درود باد، یادی کنم، و بدانسان کہ ماتمزدہ از ماتمزدۂ دیگر اندرز پذیرد، بدین زمزمہ خود را اگر شاد نتوان گفت باری از بندِ رنج آزادی کنم ؎

دریغا کہ بی مابسی روزگار	بُردید گل و بشگفد نوبہار
بسی تیر ودیماہ واردی بہشت	بیاید کہ ماخاک باشیم وخشت

بدرستی کہ راستی نہفتن شیوۂ آزادگان نیست، من نیم مسلمان کہ ہم از بند پیوند آئین و کیش آزادم، وہم از رنج شکنج بدنامی خویش وارستہ، پیوستہ خوی آن داشتمی کہ بشب جز فرنج ہیچ نخوردمی، و اگر آن نیافتمی خوابم نبردی، درین ہنگام کہ بادہ فرنگ در شہر بسیار گران است و من پُر تہیدست، اگر جوانمرد خدادوست خداشناس دریادل مہیس داس بفرستادن بادۂ شکری ہندی کہ در رنگ بافرنج برابر و در بوی از آن خوشترستی، بر آتشِ دل آب نزدی، جان نبردمی و از جگر تشنگی مُردمی ؎

از دیر دلم دایہ زہر در می جُست	از بادۂ ناب یکدو ساغر می جُست
فرزانہ مہیس داس بخشید بمن	آبی کہ برای خود سکندر می جُست

از داد نتوان گذشت و دیدہ را نا گفتہ نتوان گذاشت، این نکوی دوست در بارۂ آبادی مسلمانانِ شہر کوشش دریغ نداشت چون سرنوشت آسمانی بدان یار نبود درستی کار دشوار نمود۔ آبادی و آزادی "ہندو گروہ" ہمہ دانند کہ از روی آزرمِ مہربان داوران رُخ نمودہ است، باری بہ اندیشی و کارسازی این بہی پسند نیکی گزین را درین آرامش داد [۲۶۷] بار [۲۶۸] بودہ است، کوتاہی سخن، نیک بخت کسی است، نیکی بمردم رسانندہ و روزگار بہ نای و نوش خوش گزرانندہ، با آنکہ پای پیوند کہن

مہربانی می دہد، دیگر از آشنازادگان و شاگردانِ مَن ہیرا سنگھ کہ برنائی [۲۶۹] نیک نہاد نیک نام
است۔ درراہِ پاسِ مہر تیزگام است، ہمی آید واندوہ می رُباید، دیگر از مردم این شہر نیمہ ویران نیمہ
آباد، شیو جی رام برہمن برہمانژاد، کہ جوان خردمند ومرا بجای فرزند است، این درویش دلریش را
کمتر تنہا میگزارد، و بہ اندازۂ تاب وتوان خویش فرمانبری وکارسازی بجا ہمی آرد۔ پسرش بال مکند
کہ نوجوان نیک خوی پارساست، نیز ہمچون پدر خویش درفرمان پذیری چُست، و در اندوہ گساری
یکتاست۔ از دوستانِ دُور دست آن سپہر مہر راماہ دو ہفتہ شیوازبان ہرگوپال تفتہ کہ دیرین ہمدم وہم
آواز من است، وازان رو کہ درسخن آموزگارِ خودم ہمیگوید، سخنش با آنہمہ خوبی خداداد سرمایہ نازمن
است، سخن کوتاہ آزادہ مردیست، ہمہ تن مہر سراپا آزرم، واو را بسخن فروغ وسخن را بوی ہنگامہ گرم، بس
کہ از مہر جادرون جانش دادہ ام۔ ''میرزا تفتہ'' مہر خوانش دادہ ام، از میرٹ سفتہ [۲۷۰] زربمن
فرستاد وچامہ ونامہ پیوستہ میفرستد، این سخن کہ گزاردن آن ناگزیر نبود ویژہ [۲۷۱] از بہرآن آوردم کہ
سپاس مہرورزی ومردی ناگزاردہ نماند، ونیز چون دوستان را این دستان بدست افتد، دریابند کہ شہر
از مسلمان تہی است، شبانہ خانہ ہائے این مردم بی چراغ است وروزانہ روزنِ دیوار ہابی دود۔۔۔
غالب شہر آشنائے، ہزار دوست کہ در ہر کاشانہ یگانہ ودر ہر سرائے آشنائے داشت، درین تنہائی جز
خامہ ہمنوای وی وجز سایہ کس ہمپای وی نیست۔

اکنون منم کہ رنگ بردیم نمیرسد　　　　تا رخ بخونِ دیدہ نشویم ہزار بار
در پیکرم ز دردو دریغ است جان ودل　　　　در بسترم ز خارۂ و خاراست پود و تار

اگر در شہر این ہر چہار تن نیز نیستی [۲۷۲] ہیچ کس گواہ بیکسی من نیز نیستی شگرفکارے روزگار
رامیرم، کہ درین تاراج کہ بشہر در ہیچ خانہ از کاہ وکاہ وخاک [۲۷۳] نیز بجانہ ماند، باآنکہ خانۂ من از
دراز دستی یغمائیان برکرانہ ماند، سوگند میتوانم خورد کہ جز آنچہ پوشند وگسترند، ہیچ درسرانہ ماند، کشائش
این گرہِ دشوارکشای، وپیکر ہویدای این راستی دروغ نما آنست کہ دران ہنگام کہ سیہ چُردگان شہر را
فرو گرفتند کدبانوئی [۲۷۴] آنکہ بمن گوید، چیزہائے گران ارز، از زیور ورخت، ہرچہ داشت نہانی در
خانہ کالیصاحب پیرزادہ فرستاد، تادرآنجا درنہانخانہ نگاہ داشتند، ودربگل انباشتند، چون لشکرآرایان

شہر را کشودند و لشکریان فرمانِ یغما یافتند، رازدان آن راز با من درمیان نہاد، کار از دست رفته بود، و رفتن و آوردن را گنجائی نمانده، تن زدم[275] و خود را بدان فریفتم که چون رفتنی بود نیک است که از خانهٔ من نرفت ۔ ایدون که این جولائی ماه پانزدہم است و دیرین پنسن سرکار انگریزی را سر رشته باز یافت گم است، بفروختن آن گستردنی و پوشیدنی جان و تن ہمی پرورم، گوئی دیگران نان میخورند و من جامه ہمیخورم، ترسم که چون پوشیدنی ہمه خورده باشم، در برہنگی از گرسنگی مرده باشم از آن جا گی[276] خواران که از پیش با منستند، درین رستاخیز دو سه تن از من نگستند، ہر آئینه اینان را نیز ہمی باید پرورد، و داد آنست که آدم را از آدمی گزیر نیست، و کار بے کارگزار از پیش نتوان برد، بیرون ازین گروه، خواہندگان دگر که از پیش بچیدنِ خوشه ور بودنِ بہره خوی دارند، درین ناخوش ہنگام نیز به نوای جانگزای ناخوشتر از خروش خروس بے ہنگام ہمی آزارند، اکنون که فشار آزارہای تنانی[277]، و گدازشِ رنجائے روانی، روان و تن را بہم برزد، ناگاه در دل فرود آمد، که به آراستنِ این بازیچه نگارش نام چند توان پرداخت ۔ ہمانا درین کشاکش پایانِ کار یا مرگ است یا دریوزه، در نخستین پیکر از آن نگزیرد[278]، که این داستان جاودان از کران بر کران و از انجام بی نشان ماند، و نگرندگان را افسرده دل کند، در دومین پیکر پیداست که سرگذشت جز آن نخواہد بود، که از آن کوی به دور باش سربازار آزار دادند، و از آن در به بانگی دانگی فرستادند، و خود اینہا تا کجا توان سرود، و در بند رسوائی خویش باید بود ۔ کہن پنسن اگر بدست آید نیز زنگ از آئینهٔ نمی زداید و اگر فراچنگ نیاید برآبگینه جز سنگ نیاید ۔ و شگفت تر آن که در ہر دو نیرویش[279] از آنجا که آب و ہوای اینجا خسته را نیک نمی پرورد، ہر آئینه از شہر باید رمید و در آبادانی دگر ماند و بود گزید ۔ از مئی سال گذشته تا جولائی سال یک ہزار و ہشت سد و پنجاه و ہشت رو داد نبشته ام، و از یکم اگست خامه از دست فرو ہشته ام، کاش درباره آن خواہشہای سه گانه ہمانا مہرخوان، و سراپای و ماہانه، چنانکه ہم درین نگارش از آن گذارش آگہی داده ام و اینک چشم نگران بدان دوخته، و دل پر امید بدان نہاده ام، از فرگاه شہنشاه فیروز بخت مہر دیہیم، سپہر تخت، جمشید شید[280]، فریدون فر، کاؤس کوس، سنجر سنج[281]، سکندر در، آن که فرمانروای روم از وی سپاس گزار، بجاماندن آبروی تخت و دیہیم است، و لشکر آرای روس را در اندیشه ترکتاز سپاہش دل از بیم

دونیم است، اگر ستارهٔ روز بدین سگالش که در جهانسوزی ناخشنودی اوست براین نمی ورزد، چرا همه روز دمبدم برخویش همی لرزد، در ماه دو هفته، بدین اندیشه که در گیتی فروزی گمان بخششی اوست، از گستاخی خویش زنهار [۲۸۲] نمیخواهد، چرا هرشب از بیم همی کاهد۔

خداوند تیغ و نگین و نشان[۲۸۳] / شهنشاه شاهی ده، شه نشان[۲۸۴]

خردمند فرخ رُخِ نیک خوی / ز نوشیروان برده در داد گوی

درخشان درفشی که جمشید داشت / ندانی که از بهر جاوید داشت

بدان داشت تا اندرین روزگار / سُپارد بدین نامور شهریار

ز خسرو ترنج زر و هفت گنج / ره آوردِ شاه است بی دست رنج

خود آن تخت کش باد بُردی بدوش / به شه پیشکش کرده "فرخ سروش"

نه بینی که در کوه از مغز سنگ / برآید همی گوهر رنگ رنگ

بود مهر را چشم بر افسرش / وگرنه چه کار است با گوهرش

گر آهنگ گوهر فشانی کند / چنان در فشاندن روانی کند

که آن گوهر آرد اگر در شمار / شود سوده انگشتِ گوهر شمار

ز بیم سپاهش که گاهِ نبرد / برآرد ز دریا و کهسار گرد

بکوه اژدها و بدریا نهنگ / دهد جان در آب و زند سر بسنگ

ز فرو شکوهِ نمایان او / خدیوان گیتی گدایان او

به افروزش و بخشش بی دریغ / درخشنده خرشید و بارنده میغ

به فرگفتِ[۲۸۵] بخشش خرد وَر نواز / بفرتابِ[۲۸۶] دانش خرد مند ساز

به بخشش شگرف و بدانش رسا / جهاندار فرزانه وکتوریا

که یزدان پاکش نگهدار باد / درنگش درین بزم بسیار باد

از روی فرمان روائیَ فرمان روائی در رسد، تا چون از بخشش جهان داور بهره برگرفته باشم، هنگام رفتن از جهان ناکام نرفته باشم۔

چون نگارش بدین نشان پیوست تن زدم، داستان نمی خواهم

این نامہ را پس از انجامیدن دستنبوے نام نہادہ آمد و دست بدست و سُوی بسُوی فرستادہ آمد، تا دانشوران را روان پرورد و سخن گستران را دل از دست بُرد، امید کہ این دانش دستنبوے بہ دست یزدانیان گلدستۂ رنگ و بوی، و در دیدۂ اہرمن منشان آتشین گوی باد۔

تراج ۲۸۷

زینسان کہ ہمیشہ در روانی مائیم سرچشمۂ راز آسمانی مائیم

لختی ز دساتیر بود نامۂ ما

ساسان ششم بہ کاروانی مائیم

تمام شد

اس کتاب کو بغیر اجازت مہتمم مفید خلایق کے کوئی صاحب چھاپنے کا ارادہ نہ کریں فقط

قطعۂ تاریخ

آغاز کتاب از میرزا حاتم علی بیگ مہر متخلص سلمہ اللہ تعالیٰ

اسد اللہ خان غالب مہر حبّذا زد رقم چہ دستنبو

نامہ خود سال خویش داد نشان یدِ بیضا ستم چہ دستنبو

۱۸۵۷ء

قطعہ تاریخ

انجام کتاب از میرزا تفتہ سلمہ اللہ تعالیٰ

انجام کتاب از میرزا تفتہ سلمہ اللہ تعالیٰ

کتابی زد رقم غالب کہ آنرا　　بجان و دل جہانی گشت طالب
نوشتم تفتہ سال اختتامش　　بیا بنگر چہ دستنبوے غالب

۱۸۵۷ء

حواشی

۱　مادہ
۲　آلہ
۳　قانون
۴　قانون
۵　توجہ
۶　بہ واو مفتوحہ تاثیر
۷　چت
۸　معلق
۹　زہرہ
۱۰　مشتری
۱۱　مریخ
۱۲　زحل
۱۳　بفتحتین مطرب
۱۴　حقیقت
۱۵　صفت
۱۶　بروزن نسیم مخفف
۱۷　مابہ الامتیاز یعنی تفرقہ
۱۸　بہ سین مفتوح وہم
۱۹　بہ بائے فارسی مفتوح ورائے مفتوح بہ سین زدہ و تائے مضموم، ابابیل

۲۰ ضحاک، دس عیب والا

۲۱ جزا

۲۲ سزا

۲۳ (ترجمہ) کن یعنی ہو جا۔

۲۴ سرطان، نام برج۔

۲۵ نمونہ

۲۶ بہ بائے موحدہ قدیم

۲۷ بہ دال بے نقط اسم آتش

۲۸ بروزن سمند افسردہ و غمزدہ

۲۹ بہ فائے مفتوحہ بہ رازدہ وزائے موقوفہ حکمت

۳۰ علویان

۳۱ بروزن درم نحس و شوم و بد

۳۲ حال

۳۳ درعلاج عاجز

۳۴ تباہ کردن کار

۳۵ تاریخ نگاری

۳۶ ترجمہ مایہ دراصل بہ سین است

۳۷ بروزن ورک قلعہ کہ درمیان حصار باشد

۳۸ بہ میم مضموم و کاف مضموم محل قصر

۳۹ دیوان خاص

۴۰ خاکہ

۴۱ تخرجہ

۴۲ ناگاہ

۴۳ قلعہ

۴۴ فصیل

۴۵ بھونچال

۴۶ نیست

۴۷ بجیم

۴۸ بکسر و لام مفتوح عنان یعنی باگ

۴۹ بمیم مکسور جمع مہ بمعنی بزرگ

۵۰ تکواز

۵۱ بہر دو فتحہ محلّہ

۵۲ سڑک

۵۳ قبرستان

۵۴ عیب

۵۵ نمک حرامان

۵۶ بکسرۂ کاف تازی، زمیندار

۵۷ بیحد

۵۸ چھرا

۵۹ محصول

۶۰ صف در صف

۶۱ بجلی

۶۲ عکس

۶۳ دزد

۶۴ خودنمائی

۶۵ پھیچورا؟

۶۶ ڈاک

۶۷ مضراب

۶۸ نودہ

۶۹ بفتحہ یائی پارسی طعنہ

۷۰	چاند گہن
۷۱	دیوان خاص
۷۲	بہ کاف عربی مفتوح مانگی
۷۳	پہاڑی
۷۴	مغرب
۷۵	بدال مکسور قلعہ
۷۶	اژدہا
۷۷	بدال مضموم رعد
۷۸	لڑائی ۲۰۵
۷۹	اُولا
۸۰	برج ثور برکھ
۸۱	جوزا متبن
۸۲	خانہ تابستانی ہوادار
۸۳	اندوختی
۸۴	جانب دار
۸۵	شدت
۸۶	ببای فارسی مفتوح لیکن
۸۷	جہت
۸۸	بہ فادرای مفتوحہ وسین وبای موقوفہ شہتیر
۸۹	خاتم بندی
۹۰	غلام
۹۱	حال
۹۲	بہ دال مضموم زن حایض
۹۳	بہ رائے مکسور پلید
۹۴	سیتلا کی منہ داغ

۹۵ ٹوا امنکا تا ہوا

۹۶ بہ سین مکسور ساز اسپ

۹۷ بہ واؤ معروف سورج

۹۸ اجداد

۹۹ مراوف چندی

۱۰۰ قطع نظر

۱۰۱ بکاف فارسی مضمون مرخص

۱۰۲ اشرفی

۱۰۳ اچھوتا

۱۰۴ شکوہ

۱۰۵ کرامت

۱۰۶ رونق

۱۰۷ تاج

۱۰۸ پوزی

۱۰۹ بہر دو فتح تاج

۱۱۰ تغیر حال

۱۱۱ ایلچی گری

۱۱۲ بہ فتحہ بای فارسی لیکن

۱۱۳ بجوت

۱۱۴ چوک

۱۱۵ عرض

۱۱۶ لبستی

۱۱۷ قبرستان

۱۱۸ سفر شب

۱۱۹ بفتحۂ الف سفر روز

۱۲۰	روز ازل
۱۲۱	بنا
۱۲۲	بہ واو وفای مفتوح ممکن الوجود
۱۲۳	حکم
۱۲۴	ماہ محرم
۱۲۵	آسمان
۱۲۶	برج عقرب
۱۲۷	خوشی
۱۲۸	برج سنبلہ کنیان
۱۲۹	عمارت
۱۳۰	عرش
۱۳۱	حجام
۱۳۲	خاکروب
۱۳۳	ذخیرہ
۱۳۴	اجازت
۱۳۵	چوک
۱۳۶	حد
۱۳۷	سقا
۱۳۸	خای مکسور پکھالی
۱۳۹	حکم
۱۴۰	بورایا گون
۱۴۱	ظرف
۱۴۲	قحط
۱۴۳	بہر دو فتحہ چچا
۱۴۴	خاندان

۱۴۵ پاگل پن

۱۴۶ اثاث البیت

۱۴۷ قصیدہ

۱۴۸ این شعر ہم از ان قصیدہ است

۱۴۹ قافیہ

۱۵۰ ردیف

۱۵۱ صاحب بہادر سکرتر وزیر اعظم

۱۵۲ خلعت

۱۵۳ ترجمہ

۱۵۴ خطاب

۱۵۵ بہ جیم فارسی مکسور معنی جمع کرنا

۱۵۶ مسٹر سل کلرک بہادر درین وقت بجای مستر زز گمّن بہادر منصوب شدہ بودند

۱۵۷ انتظام

۱۵۸ تہنیت

۱۵۹ فہرست

۱۶۰ تعویذ

۱۶۱ بواو معدولہ پیروکہن

۱۶۲ مقابلہ کرنا

۱۶۳ بہ فتحہ کاف وکسرۂ شین یعنی شکار کنند

۱۶۴ مرکب

۱۶۵ انصاف کی تعریف کرنے والے

۱۶۶ ظلم کے بُرا کہنے والے

۱۶۷ سبب

۱۶۸ تفرق

۱۶۹ بہ ہر دو فتحہ سبب

۱۷۰ به سین مفتوح و واو مکسور به یاز دہ پیغمبر ے

۱۷۱ بروزن باور، حال

۱۷۲ قطع نظر

۱۷۳ صیغۂ ماضی از کاستن و بمعنی دروغ مستعمل

۱۷۴ بسیار بد

۱۷۵ دیباچہ

۱۷۶ بنا

۱۷۷ رومال

۱۷۸ چونا

۱۷۹ گارا

۱۸۰ کدال

۱۸۱ خوب

۱۸۲ بد

۱۸۳ مُرد

۱۸۴ بہ کسرہ سین معنی

۱۸۵ حفظ وضع

۱۸۶ مرکب

۱۸۷ وہی است ہفت کروہ از شہر دہلی دور کہ در آنجا مزار خواجہ قطب الدین است

۱۸۸ پرگنہ ایست در جاگیر حسن علیخان بہادر

۱۸۹ استقبال کرنے والا

۱۹۰ برطرف و موقوف

۱۹۱ بہ بای فارسی مفتوح طعنہ

۱۹۲ بہ کاف عربی مفتوح حاکم شہر

۱۹۳ حاکم

۱۹۴ بیش قیمت

۱۹۵ ویران

۱۹۶ ویران

۱۹۷ بہ کاف مکسور و میم مشدد شامیانہ

۱۹۸ بہ زائے مکسور ولام مضموم شطرنجی

۱۹۹ بروزن سعید عمارت

۲۰۰ پچھوا ہوا

۲۰۱ سوغات

۲۰۲ عدد مجہول

۲۰۳ بہ ضمہ تائے قرشت پھانسی

۲۰۴ حکم

۲۰۵ بیشتر گیاہ میرویدہ

۲۰۶ جائے فلانے سبزاست یعنی جائے فلانے خالیست

۲۰۷ حکماء

۲۰۸ عجب نیست

۲۰۹ حوالات

۲۱۰ بلڑ

۲۱۱ متفکر

۲۱۲ درمیان، وسط

۲۱۳ خصوصاً

۲۱۴ قصیدہ

۲۱۵ غزل

۲۱۶ محوے، مشتمل

۲۱۷ دعا

۲۱۸ شہنائی

۲۱۹ بروزن کی جہت وطرف

۲۲۰ چاند گہن ہوا

۲۲۱ بروزن ناسور حریص

۲۲۲ حوالات

۲۲۳ ٹیلا

۲۲۴ گڑہا

۲۲۵ خانۂ کاہ وعلف

۲۲۶ خانۂ گل

۲۲۷ خیرات

۲۲۸ بہین مضموم روزینہ

۲۲۹ درخواست

۲۳۰ دادخواہ

۲۳۱ غلب

۲۳۲ ملفوف

۲۳۳ توسط

۲۳۴ خاص

۲۳۵ خواہش

۲۳۶ تہنیت

۲۳۷ اختلاط وانبساط

۲۳۸ عمارتہاے بسیار

۲۳۹ بہ دال مکسور روز گذشتہ

۲۴۰ روز آئندہ

۲۴۱ بہ بای مضموم ودال مفتوح رصد

۲۴۲ حمل میکھ

۲۴۳ بروزن تبریز تعین وتقرر

۲۴۴ بہ فتحہ ہرگز

۲۴۵ مدت

۲۴۶ ماندن آفتاب درحمل

۲۴۷ مدت ماندن آفتاب درثور

۲۴۸ بجیم مکسور (مجمع)

۲۴۹ گہرا آدمی

۲۵۰ موج لہر

۲۵۱ بہ شین مکسور و کاف مفتوح شکار کنندہ اژدہا

۲۵۲ جائیکہ جوی ہادر دو با باشند

۲۵۳ بہت جلد

۲۵۴ جای کہ سنگ بسیار بود

۲۵۵ گانو

۲۵۶ بسکون میم سہ شنبہ

۲۵۷ رائی ستارہ روز نگزشتہ بود یعنی ربّ الساعت آفتاب بود

۲۵۸ رعد

۲۵۹ حضرت، درگاہ

۲۶۰ خراج

۲۶۱ مولد و مسکن

۲۶۲ چرچا

۲۶۳ الحال

۲۶۴ بہر دو فتح غم گین و پژمردہ

۲۶۵ خاکہ

۲۶۶ بسکون شین انتظام

۲۶۷ دخل

۲۶۸ نوجوان

۲۶۹ بندوی

۲۷۰ خصوصاً

۲۷۱ بہ ہر دو تحتانی مجہول نبودی

۲۷۲ بمعنی اصلی خود است یعنی مُتی نہ بمعنی ہیچ

۲۷۳ بی بی

۲۷۴ خموش شدم

۲۷۵ نوکران

۲۷۶ جسمانی

۲۷۷ گریز نباشد

۲۷۸ ہر دو تقدیر و ہر دو حال

۲۷۹ بستین مکسور و یای معروف روشنی

۲۸۰ بسین مفتوح بھانچ

۲۸۱ پناہ

۲۸۲ رایت

۲۸۳ نشانندۂ شاہ

۲۸۴ حکم

۲۸۵ کرامت

۲۸۶ بروزن سراج آمین

۲۸۷ باید دانست کہ دساتیر نامہ چند است کہ بر پیغمبران پارس در زبان آسمانی از آسمان فرود آمدہ است و ساسان پنجم آزادر زبان پارسی نا آمیختہ بہ تازی ترجمہ کردہ است و ساسان پنجم خاتم ساسانیان است بعد ازوی ساسان برنخاستہ است نگارندۂ نامہ چنانکہ آئین سخنوران است فخریہ خود را ساسان ششم ہمیگوید۔

دستنبو کا اردو ترجمہ

میں اس کتاب کا آغاز کرتا ہوں اس خدا کے نام سے جو طاقت بخشنے والا ہے جو چاند، سورج اور دن رات کا خالق ہے

دیباچہ

عظیم طاقت کا مالک ہے وہ شہنشاہ جس نے نو آسمانوں کو بلند کیا اور سات ستاروں کو روشنی عطا کی۔ بڑا صاحب علم ہے وہ خدا جس نے جسم کو روح سے سرفراز کیا اور انسان کو حکمت و انصاف (کی دولت) بخشی۔ جس نے مادے اور وسائل کی مدد کے بغیر سات (زمینوں) اور نو (آسمانوں) کو پیدا کیا مشکل اور آسان کاموں کا بن جانا، (اس سلسلے میں راستے کی) معمولی یا غیر معمولی رکاوٹوں کا دور ہونا (ان سب امور کو) ان کی رفتار و اثرات سے متعلق کیا۔

(خدا نے) ان ضابطوں کو اس طرح مرتب نہیں کیا ہے کہ یہ اجرام جو باہم متضاد ہیں (مختلف صفات رکھتے ہیں) ایک دوسرے سے دور دور رہتے ہیں، اور (کبھی) ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں، طاقت کے باوجود فرمان برداری نہ کریں اور قوت کارفرمائی اور صلاحیت تاثیر کے باوصف فرمان (قدرت) کے تابع نہ ہوں۔

تم آسمانوں اور ستاروں کے راز (جاننے) کا کیا دعویٰ کرتے ہو۔ تم تو ابھی تک چیت

اور پٹ کے فرق س واقف نہیں ہو۔ ستاروں کی پرستش نہ کرو (ان کو دنیا کے کاموں
میں مطلق صاحب اختیار نہ مانو) کیونکہ ایک آفتاب (خدا) بھی موجود ہے جس کی
روشنی (کائنات کی تمام) ظاہر و پوشیدہ چیزوں کو حلقے میں لیے ہوئے ہے۔

اگر زہرہ و مشتری میں (سعد ہونے کے لحاظ سے) فائدہ پہنچانے کی کچھ صلاحیت ہے (تو ہو) اور زحل و مریخ میں (نحس ہونے کے اعتبار سے) نقصان رسانی کی خاصیت ہے تو ہوا کرے۔ جو لوگ واقفِ حقیقت ہیں، وہ جانتے ہیں کہ نحوست و برکت، اور مسرت و غم کا سرچشمہ کہاں ہے ستارے ایک عادل شہنشاہ کے ملازم ہیں (اس) عدالت کے سپاہی کبھی حلقۂ انصاف سے قدم باہر نہیں نکالتے ہیں۔ مل جل کر کام کرنے اور کارسازی (تعمیل حکم) کے علاوہ ان کو کسی چیز سے تعلق نہیں۔ اگر ان میں سے کسی نے سخت گیری کے (وسیلے سے) الجھے ہوئے کاموں کو سلجھانا چاہا۔ یا کسی نے نرمی کے (ذریعے) سے ہنگامۂ (زندگی) کی رونق افزائی کی۔ تو یہ سب (زندگی کو) بنانے سنوارنے، اور مشکلوں کو حل کرنے) کے مختلف انداز ہیں۔ ظلم یا بے نیازی نہیں۔

"مغنی ساز کے تاروں پر مضراب سے ضرب لگاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس سے اس کا
مقصد کیا ہوتا ہے۔ مسرتیں مصیبتوں کے پردے میں چھپی ہوئی ہیں۔ دھوبی غصے
میں آکر کپڑے کو پتھر پر نہیں مارتا۔"

درحقیقت کسی چیز کا فنا ہونا کسی دوسری چیز کے وجود کا سبب بنتا ہے۔

حقیقتہً آرام و تکلیف اور بلندی و پستی ساری چیزیں (خدا کی طرف سے) انسان کو ملتی ہیں۔ اس لیے وہ سب فائدے اور بہبودی کا وسیلہ بن جاتی ہیں اور ان سے مسرتیں حاصل ہوتی ہیں۔ دولت مند کسی محتاج کو چند پیسے دے یا ہزاروں روپے، ریشم کے تھان عطا کرے یا کمبل (ہر صورت میں) سخاوت اور درویش پروری ہے۔ قدرت کے عطیات کو اچھائی بُرائی کے خانوں میں تقسیم کرنا یا کمی بیشی (کا الزام رکھنا) کج خیالی و کم فہمی ہے۔

یہ دنیا کی بے حقیقت چیزیں جو (فنا کے طاقت ور تھپیڑوں کے) سامنے ہیچ ہیں۔ کیا ان کے لیے یہ بخشش (خداوندی) کچھ کم ہے، کہ وہ موجود ہیں۔

لیکن یہ (دقیق) باتیں کم نظر اور کم معرفت لوگوں کی رسائی ذہن سے باہر ہیں اور اظہار بیان کی وہ طاقت بھی ختم ہوگئی۔ مجبوراً میں چند سیڑھیاں نیچے اُترتا ہوں (آسان انداز بیان اختیار کرتا ہوں اور) انہیں کہی ہوئی باتوں کو صاف اور سادہ انداز میں کہتا ہوں۔ آسمان کی گردش چکی کی رفتار کی مانند ہے۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ چکی کو چلانے والا ضرور ہوتا ہے۔ پھر تم یہ کیوں نہیں سمجھتے ہو کہ آسمان کو گردش میں رکھنے والا بھی کوئی ہے۔ آسمان کے چرخے میں ستاروں کی صلاحیتِ نفع رسانی و اذیت دہی کے تاروں سے بنی ہوئی پونی لگی ہے جس سے چند پردے تیار کر کے اہل دنیا کی نگاہوں کے سامنے ڈال دیئے گئے ہیں۔ صاحبان معرفت اور واقفان اسرار ان پردوں کے باوجود دیکھ لیتے ہیں کہ ہر کام کا کرنے والا خدا ہی ہے۔

جب یہ مسلّم ہے کہ آسمان کی گردش حکم خدا کے تابع ہے تو پھر آسمان جو کچھ دے ہم اس کو ظلم کیسے کہہ سکتے ہیں۔

سبحان اللہ! کتنا عظیم ہے وہ خدا جو وجود عطا کرتا ہے اور عدم کو ختم کرتا ہے جو ظلم کو ختم کرنے والا اور انصاف کی روشنی کو پھیلانے والا ہے۔ وہ انصاف (کی طاقت) سے طاقتوروں کا زور گھٹا دیتا ہے اور اپنے کرم سے کمزوروں کو طاقت بخشتا ہے۔ ابابیل کے کنکروں کی ضرب سے فیل سوار خودسروں کا خاک میں مل جانا، یا ایک مچھر کا نمرود کو موت کے بستر پر سلا دینا کیا تھا؟ یقیناً یہ وہ نشانیاں ہیں جن سے اس کی (بے پناہ) قوت وقدرت کا اظہار ہوتا ہے۔ ورنہ مجھ کو بتاؤ کہ یہ دو مختلف قسم کی تباہیاں جو مختلف زمانوں نازل ہوئیں۔ یہ کس ستارے کی نگاہِ ستم کو کرشمہ تھیں۔

ضحاک جمشید سے تخت و تاج چھین لیتا ہے۔ سکندر دارا کا سینہ چاک کر دیتا ہے۔
عفریت حضرت سلیمان کے ہاتھ سے انگوٹھی اڑا لے جاتا ہے۔ جو دیو اور پریوں پر حکمرانی کرتے تھے۔ تم جزا و سزا کے اسرار سے واقف نہیں ہو۔ بس آسمانوں اور ستاروں کو ہر چیز کا ذمے دار سمجھتے ہو۔''

خدا جس طرح کائنات کو عدم سے وجود میں لایا ہے۔ اسی طرح ہر موجود کو فنا بھی کرسکتا ہے۔ وہ خالق جس نے ایک لفظ کن سے سارے عالم کو پیدا کیا اگر وہ اس عالم کو فنا کردے تو کس

کی مجال ہے کہ چون و چرا کر سکے۔

تمہید:

اس زمانے میں ہر راگ کا آہنگ اور ہر چیز کا قاعدہ ہی بدل گیا۔ سپاہی سردار سے منحرف ہو گئے۔ سخن طرازی سے کیا فائدہ، کہنا چاہیے کہ زمانہ ہی بدل گیا۔ منجمین کا خیال ہے کہ جس زمانے میں ایران کے آخری شہنشاہ یزدجرد کی محفل عیش عربوں کے حملوں سے درہم برہم ہو گئی تھی۔ اس وقت زحل و مریخ دونوں برج سرطان میں جمع تھے۔ آج کل بھی برج سرطان زحل و مریخ کا مسکن معلوم ہوتا ہے۔ یہ بغاوت، لڑائی، ظلم، خوں ریزی اور ذلت اسی (قرانِ نحس کے) اثرات ہیں (لیکن) جو لوگ شناسائے حقیقت ہیں۔ وہ اس بات کو کیسے تسلیم کر سکتے ہیں۔ ایران پر عرب کا حملہ (بالکل دوسری چیز تھی۔ وہ) تو ایک ملک پر دوسرے ملک کے لوگوں کی فوج کشی تھی۔ لیکن یہاں تو فوج نے اپنے سرداروں سے بغاوت کی ہے۔ ایران کی قدیم داستانوں سے ان دو لڑائیوں کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔

جنگ عرب و ایران اور غدر کا مقابلہ

ایران پر (عرب کا) حملہ مذہبی بنیاد پر تھا۔ ایران جو علم و حکمت کے لحاظ سے ویران ہو چکا تھا، ایک نئے مذہب کی برکتوں سے معمور ہو گیا اور اس کی بدولت آگ کی (پرستش اور) غلامی سے نجات پائی۔ لیکن (ہندوستان میں) جہاں سوال صرف قانون کا ہے، ہندوستان والے کس نئے آئین کی حفاظت کا سہارا لے کر (اپنے اس فعل پر) خوشی کا اظہار کر سکتے ہیں۔

اہل ایران نے آتش پرستی سے منہ موڑ کر خدا پرستی کا راستہ دیکھا لیکن ہندوستان والے منصف حاکموں (انگریزوں) کا دامن ہاتھ سے چھوڑ کر درندہ صفت انسانوں کے دام میں گرفتار ہو گئے۔ تم نہیں دیکھتے ہو کہ دامَن و دام اور دادو دَو میں زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ انگریزی حکومت کے علاوہ کسی دوسری حکومت میں انصاف کی اُمید رکھنا بالکل نادانی ہے۔ عربوں کے تازیانے سے جو زخم لگے تھے وہ مبارک مذہب (اسلام) ان زخموں کا مرہم بن گیا تھا۔ اگر ان مصیبتوں کے بعد زمانہ امن و راحت کی دولت بخشتا، تو مصیبت زدہ غم و آلام کو بھول

سکتے تھے۔ اگر کسی واقفِ راز و صاحب نظر کے خیال میں اس قیامت کے بعد کوئی راحت ملنے والی ہوتو بتائے اور میرے غمگین اور خوف زدہ دل کو تسکین بخش کر ممنون کرے (امن و انتظام کے ذمہ دار) ملازمین حاکموں سے بغاوت کریں۔ سپاہی افسروں کو قتل کریں اور خوشیاں منائیں۔ اور ان کو ذرا بھی پشیمانی نہ ہو۔

اے واقفانِ اسرار و عارفانِ سود و زیاں یہ سارا ہنگامہ خدا کا قہر ہے۔ ایران کی وہ جنگ اس قدر مایوس کن اور تباہ کار نہیں تھی۔

ساز سے پریشان نغمے اس لیے بلند ہو رہے ہیں کہ عالم اضطراب میں مضراب سے
تاروں کو بے طرح چھیڑ رہا ہوں۔

میں اس قدر نافہم نہیں ہوں کہ ستاروں کو روشن ہونے کے باوجود بے نور کہہ دوں۔ آسمان کو عظیم و بلند ہونے کے باوصف بے سر و سامان سمجھوں، مخلوقِ آسمانی کی کارگزاریوں کو جھوٹ سمجھوں۔ یا ان دو منحوس ستاروں (زحل و مریخ) کے ایک برج میں جمع ہونے سے آج بھی انہیں پُر آلام حالات کی توقع کروں جواب سے ایک ہزار سال پہلے (جنگ عرب و ایران کے زمانے میں) واقع ہوئے تھے۔

میں جو زمانے کے ہاتھوں ناقابل علاج مصیبتوں میں گرفتار ہوں۔ یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ اس زمین پر بسنے والے جنہوں نے برجِ سرطان کو نہیں دیکھا ہے اور جو زحل و مریخ کے نام ہی سے واقف ہیں۔ ناشنیدہ اور ان دیکھی باتوں میں نہ اُلجھیں بلکہ یہ سمجھ لیں کہ زمانے نے جس کے سینے میں ماضی و مستقبل کے راز محفوظ ہیں اور اچھے لوگوں کے کام کو بگاڑنا اس کی پرانی عادت ہے۔ اس امر کو روا نہ رکھا کہ غیر فوج کی دستِ بردسے دانایانِ فرنگ کو نقصان پہنچائے بلکہ اس نے اس گروہ (انگریز) پر اسی کی ہر جانب سے آنے والی افواج کو مسلط کر دیا۔

اس کتاب کے پڑھنے والے یہ سمجھ لیں کہ میں نے جس کی قلم کی جنبش سے کاغذ پر (الفاظ کے) موتی بکھر جاتے ہیں۔ انگریزی حکومت کے نان و نمک سے پرورش پائی ہے اور بچپن سے ان فاتحینِ عالم کے دستر خوان کا ریزہ چیں ہوں۔ سات آٹھ سال ہوئے کہ بادشاہ دہلی

نے مجھ کو بلایا اور مجھ سے فرمایش کی کہ میں تیموری خاندان کے بادشاہوں کی تاریخ لکھوں۔ جس کے عوض ۶۰۰ روپیہ سالانہ وظیفہ دیا جائے گا۔ میں نے اس خدمت کو قبول کرلیا اور کام میں مشغول ہوگیا۔ کچھ عرصے کے بعد بادشاہ کے استاد کا انتقال ہوگیا اور اصلاحِ شعر کا کام بھی مجھ سے متعلق کر دیا گیا۔

ملازمت قلعہ کا ذکر

میں بوڑھا اور کمزور تھا۔ نیز گوشۂ تنہائی میں بیٹھے رہنے اور آرام کرنے کا عادی ہو چکا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ بہرے پن کی وجہ سے بارِ خاطرِ حاضرین ہو جاتا تھا، کوئی بات کر رہا ہے اور میں اس کے ہونٹوں کی جنبش پر نظر جمائے ہوئے ہوں۔ مجبوراً ہفتے میں ایک دو بار قلعے میں جاتا تھا۔ اگر بادشاہ محل سے برآمد ہوتے تھے تو کچھ دیر حاضر خدمت رہتا تھا ورنہ دیوان خاص میں کچھ دیر حاضر خدمت رہتا تھا ورنہ دیوان خاص میں کچھ دیر بیٹھ کر چلا آتا تھا۔

اس مدت میں جتنا کام مکمل ہو جاتا۔ اس کو اپنے ساتھ لیے جاتا تھا یا کسی کے ہاتھ بھیج دیتا تھا۔ یہ تھا میرا تعلق اور میرا کام۔ لیکن یہ تیز رفتار آسمان اس خیال میں محو تھا کہ ایک نئے انقلاب کا خاکہ مرتب کرے اور میرے اس سکون و آرام کو جس میں آسایش و فراغت کا کوئی حصہ نہیں تھا اور جو ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک تھا، تباہ کر دے۔

(یہ آسمان ایسا ظالم ہے) کہ دشمن ہو یا دوست ہر ایک اس کی تیغ بے پروائی سے زخمی رہتا ہے۔

۱۱ رمئی ۱۸۵۷ء

اس سال جس کا مادۂ تاریخی بہ رعایتِ تخرجہ ''رستخیز بے جا'' ہے اور اگر صاف صاف پوچھو تو ۱۶ ررمضان ۱۲۷۳ھ کو پیر کے دن دوپہر کے وقت مطابق ۱۱ رمئی ۱۸۵۷ء اچانک دہلی کے قلعے اور فصیل کی دیواریں لرز اٹھیں۔ جس کا اثر چاروں طرف پھیل گیا۔ میں زلزلے کی بات نہیں کر رہا ہوں۔ اس دن جو بہت منحوس تھا، میرٹھ کی فوج کے کچھ بدنصیب اور شوریدہ سر سپاہی شہر

میں آئے۔ نہایت ظالم و مفسد اور نمک حرامی کے سبب سے انگریزوں کے خون کے پیاسے۔ شہر کے مختلف دروازوں کے محافظ جو ان فسادیوں کے ہم پیشہ اور بھائی بند تھے بلکہ کچھ تعجب نہیں کہ پہلے ہی سے ان محافظوں اور فسادیوں میں سازش ہوگئی ہو شہر کی حفاظت کی ذمہ داری اور حق نمک ہر چیز کو بھول گئے۔ ان بن بُلائے یا مدعو کردہ مہمانوں کو خوش آمدید کہا۔ ان مدہوش سواروں اور اکھڑ پیادوں نے جب دیکھا کہ شہر کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اور محافظ مہمان نواز ہیں۔ دیوانوں کی طرح ادھر اُدھر دوڑ پڑے۔ جدھر کسی افسر کو پایا اور جہاں ان قابلِ احترام (انگریزوں) کے مکانات دیکھے۔ جب تک ان افسروں کو مار نہیں ڈالا اور ان مکانات کو بالکل تباہ نہیں کر دیا اُدھر سے رُخ نہیں پھیرا۔

کچھ مسکین گوشہ نشین جن کو انگریزی حکومت کی مہربانی سے کچھ نان و نمک میسر تھا۔ شہر کے مختلف علاقوں میں ایک دوسرے سے دُور زندگی کے دن گزار رہے تھے (ایسے مسکین و صلح پسند) جو تیر و تبر کے فرق سے ناواقف تھے اور اندھیری راتوں میں چوروں کے شور غل سے ڈر جاتے تھے جن کے ہاتھ تیر و تلوار سے خالی تھے۔ سچ پوچھو تو ایسے لوگ ہر گلی کوچے اور شہر کے ہر حصے میں ہیں۔ یہ وہ لوگ نہیں جو لڑائی کے ارادے سے کمر کس کر تیار ہوسکیں۔ اس کے باوجود (کہ ایسے صلح پسند و خیر خواہ شہر کے ہر حصے اور ہر گلی کوچے میں تھے) اس وجہ سے کہ تیز بہنے والے پانی کو خس و خاشاک سے نہیں روکا جا سکتا۔ اپنے آپ کو مجبور سمجھ کر ہر شخص غم گین و ماتم زدہ اپنے گھر میں بیٹھ رہا۔

مجبوری و خانہ نشینی

انہیں غم زدہ لوگوں میں سے ایک میں بھی ہوں۔ میں اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا کہ شور و غوغا سنا۔ چاہتا تھا کہ کچھ معلوم کروں کہ اتنے میں شور مچ گیا کہ اندرون قلعہ صاحب اجنٹ بہادر اور قلعہ دار قتل کر دیئے گئے۔ ہر طرف سے پیادوں اور سواروں کے دوڑنے کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ زمین ہر طرف گل اندا موں (انگریزوں) کے خون سے رنگین ہوگئی۔ باغ کا ہر گوشہ ویرانی اور بربادی کے سبب سے بہاروں کا مدفن بن گیا۔

انگریزوں کے قتل پر اظہار افسوس

افسوس وہ پیکر علم وحکمت، انصاف سکھانے والے خوش اخلاق و نیک نام حاکم! اور صد افسوس وہ پری چہرہ نازک بدن خاتونیں جن کے چہرے چاند کی طرح چمکتے تھے اور جن کے بدن کچی چاندی کی طرح دمکتے تھے! حیف وہ بچے جنہوں نے ابھی دنیا کو (اچھی طرح) دیکھا بھی نہیں تھا جن کے ہنس مکھ چہرے گلاب و لالہ کے پھولوں کو شرماتے تھے، اور جن کی خوش رفتاری کے سامنے ہرن اور کبک کی رفتار بدنما معلوم ہوتی تھی۔ یہ سب ایک دم قتل وخون کے بھنور میں پھنس کر (بحر فنا میں) ڈوب گئے۔

(فنا کی) چنگاریاں برسانے والی وہ موت، شعلے جس کا سرمایہ ہیں جس کے ہاتھوں لوگ غم زدہ رہتے ہیں اور ماتمی لباس پہننے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اگر ان مقتولین کے سرہانے آہ و زاری کرے اور اس غم میں سیاہ پوش ہو جائے تو روا ہے۔ اگر آسمان (اس غم میں) غبار کی طرح منتشر ہو جائے اور زمین گرد باد کی طرح اپنی جگہ چھوڑ دے تو بجا ہے۔

> اے موسم بہار! بسمل کی طرح خاک وخون میں مل جا۔ اے زمانے! اندھیری رات کی طرح تاریک ہو جا۔ اے آفتاب (اس غم میں) اپنے رخساروں کو (پیٹ کر) نیلا کر لے۔ اور اے چاند (غمگین) زمانے کے دل کا داغ بن جا۔

خدا خدا کر کے وہ منحوس دن ختم ہوا۔ ہر طرف گھرا اندھیرا پھیل گیا۔ ان سیاہ باطنوں اور بے رحم قاتلوں نے شہر میں جا بہ جا پڑاؤ ڈالا۔ اندرون قلعہ شاہی باغ کو گھوڑوں کا اصطبل بنایا اور نشیمن سلطانی کو خواب گاہ۔ رفتہ رفتہ دور دور کے شہروں سے خبریں آئیں کہ مختلف فوجوں کے باغیوں نے ہر چھاؤنی میں افسروں کو قتل کر دیا ہے — (اور نمک حراموں نے کھلم کھلا بغاوت کا شور مچا رکھا ہے) گروہ کے گروہ خواہ سپاہی ہوں یا زمیندار، سب یک دل ہو گئے اور کسی طے شدہ پروگرام کے بغیر دور ونزدیک ہر جگہ ایک ہی کام کے لیے کمر بستہ ہو گئے۔ اور پھر کیسی مضبوطی سے کمریں کسی تھیں کہ صرف اس دریائے خون کی موجیں ہی ان کو کھول سکتی تھیں جو کمروں سے گزر جائے۔ (مختلف مقامات کے لوگ کسی قرارداد کے بغیر جس طرح ایک ہی کام یعنی قتل وخون میں

لگ گئے تھے اس سے) ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جس طرح جھاڑو کی بہت سی سینکوں کو ایک ہی بند سے باندھا جاتا ہے۔ اسی طرح گنتی شمار سے باہر ان لڑنے والوں کی کمریں بھی ایک ہی '' کمر بند '' سے بندھی ہوئی ہیں۔

باغیوں کی مذمت

بے شک ہندوستان کو آرام و آسائش سے اس حد تک خالی کرنے لیے کہ اگر ان چیزوں کو ڈھونڈھا جائے تو ایک گھاس کے تنکے کے برابر بھی نشان نہ ملے۔ ایسی ہی جھاڑو کی ضرورت تھی۔ بہت سے لشکر سرداروں کے بغیر تیار ہو گئے۔ بہت سی فوجیں افسروں کے بغیر لڑائی کے لیے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ توپیں، گولہ بارود، چھرے، غرض سارا سامان انگریزوں سے حاصل کیا۔ لڑائی کے سارے طریقے انگریزوں سے سیکھے اور انہیں سکھانے والوں اور مالکوں سے لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔

دل لوہے یا پتھر کا ٹکڑا نہیں ہے۔ کیسے نہ بھر آئے آنکھیں رخنۂ دیوار نہیں ہیں کہ آنسو نہ بہائیں۔ حکم رانوں کی موت کا غم منانا چاہیے اور ہندوستان کی ویرانی پر رونا چاہیے۔ شہر حاکموں سے خالی اور بندہ ہائے بے خداوند سے بھرا ہوا۔ جیسے باغ، باغبان سے خالی اور درختان بے ثمر سے پر ہو۔ لٹیرے ہر قسم کی پابندیوں سے اور سوداگر محصول ادا کرنے کی ذمہ داریوں سے آزاد۔ گھر ویرانے معلوم ہوتے ہیں اور مکانات (لوٹ مار کرنے والوں کے لیے '' خوان مفت '' کا حکم رکھتے ہیں۔ جو لوگ گم نامی کے گوشوں میں چھپے ہوئے تھے وہ گروہ در گروہ خنجر بہ کف اپنی آرائش اور بے شرمی کا مظاہرہ کرتے پھرتے ہیں۔ امن پسندانہ اور نیک نہاد لوگ گھر سے بازار تک آتے ہوئے راستے میں بیسیوں جگہ عاجزی اور مغلوبیت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں۔ لٹیرے دن میں دلیری کے ساتھ لوٹ مار میں مصروف ہیں اور رات میں ریشمی بستروں پر محو خواب۔

شرفا کی تباہی

بڑے بڑے عالی خاندان لوگوں کے گھروں میں چراغ جلانے کے لیے تیل نہیں۔ اندھیری رات میں جب پیاس کی شدت بڑھتی ہے۔ بجلی چمکنے کے منتظر رہتے ہیں کہ یہ دیکھیں کہ

کوزہ کہاں رکھا ہوا ہے اور پیمانہ کدھر ہے۔

(زمانے کی اس) بے نیازی و بے امتیازی کو کیا کہوں کہ وہ کم رتبہ لوگ جو سارا دن مٹی بیچنے کے لیے زمین کھودتے تھے۔ ان کو مٹی میں سونے کے ٹکڑے مل گئے۔ اور جن لوگوں کی محفل میں رات میں آتش گل سے چراغ روشن رہتے تھے اندھیرے گھروں میں ناکامی و نامرادی کے غم میں مبتلا ہیں۔

کوتوال شہر کی زن و دختر کے علاوہ ساری نازنینانِ شہر کا زیور بزدل اور سیہ کار رہزنوں کے قبضے میں ہے۔ (زیور و آرائش سے معرّا ہونے کے بعد) ان نازنینوں جو ہلکا سا اندازِ ناز باقی رہا تھا۔ اس کو ان نو دولت گدا زادوں نے چھین لیا کہ ان کی خودنمائی کے کام آئے۔ جو محبت کرنے والے پہلے نازنینانِ گل اندام کی ناز برداری کرتے تھے اب ان بدخصلتوں کے ناز اٹھانے پر مجبور ہیں ان بے سروپا لوگوں کے دماغوں میں غرور اس حد تک سما گیا ہے کہ اگر ان کی حرکات کو دیکھو تو معلوم ہوگا کہ کچھ بگولے چکر کھاتے پھر رہے ہیں اور چھچھورے ہر وقت اس طرح ناز خودنمائی میں محو رہتے ہیں گویا پانی کی سطح پر کچھ تنکے بہے چلے جا رہے ہیں۔ بڑے بڑے عالموں اور نام وروں کی آبرو مٹی میں ملا دی گئی اور جن لوگوں کے پاس نہ دولت تھی نہ عزت، وہ بے اندازہ زر و جواہر اور عزت و آبرو کے مالک ہیں۔ جس کا باپ گلیوں کی خاک چھانتا پھرتا تھا وہ ہوا کو اپنا خادم سمجھ رہا ہے۔ جس کی ماں پڑوسی کے گھر سے آگ مانگ کر لاتی تھی وہ آگ پر حکم چلانے کا مدعی ہے کمین آگ اور ہوا پر حکومت کرنا چاہتے ہین اور ہم ان پریشان حال لوگوں میں سے ہیں جو صرف سکون و آسائش کے چند لمحوں اور انصاف کے خواہش مند ہیں۔

میرا درد بھرا حال تمہارے نزدیل ایک قصہ ہے اور بس۔ لیکن اس کو سُن کر ستاروں کی آنکھوں سے اشکِ خون جاری ہو جائیں گے۔

ڈاک کا انتظام درہم برہم ہو گیا۔ جس کے سبب سے بہت سے کام رک گئے۔ ہر کاروں نے آنا جانا بند کر دیا۔ ڈاک میں پیام بجنسہ پہنچانے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ ہاں خطوط کی آمد و رفت کا قاعدہ ہے۔ مگر اس محکمے کی ایک اور شاخ (ٹیلی گراف) ہے کہ نہ مضراب کی جنبش بلکہ

جنبش کی مضراب ہے، جو اس سے پیدا ہوتی ہے ہزاروں پیام (خبریں) اندر سے باہر نکلتے ہیں۔

غدر کی مذمت

(جو لوگ) مذہب اور قانون کے بے حد پابند ہیں۔ انصاف کو نظر انداز نہ کریں اور بتائیں کہ اس سارے انتظام کا درہم برہم ہو جانا، خدا کی بخشی ہوئی دولت کا لٹ جانا۔ ڈاک کا نظام درہم برہم ہو جاتا اور دوستوں کے حالات معلوم نہ ہوتا۔ کیا یہ ساری باتیں اس لائق نہیں کہ ان کا ماتم کیا جائے اور آنسو بہائے جائیں۔ بڑے بڑے بہادروں کا یہ حال ہو جائے کہ وہ اپنے سائے سے ڈریں، سپاہی، بادشاہ اور درویش ہر ایک پر حکومت کرنے لگیں۔ کیا یہ صورت، حال لائق افسوس نہیں؟ ان روح فرسا مصائب پر آنکھیں آنسو نہیں بہائیں گی؟ اور کیا اس نوحہ گری پر لعن طعن کرنا، اس ماتم سرائی پر طنز کرنا، اور اس گریہ وزاری پر ہنسنا جائز ہے؟ اور کیا ان پُر آلام حالات سے اظہار بیزاری کو ضعفِ ایمان اور نادرستی مذہب سمجھا جائے گا؟ ؎

میں شعر وسخن کے جواہر سے کیا دل لگاؤں جب کہ آہ گرم سے میرے دل پر ہزاروں آبلے پڑ گئے ہیں۔ میرا دل بُجھ چکا ہے۔ اور توئی اس حد جواب دے چکے ہیں۔ کہ اب مجھ کو نہ سزا کا غم ہے نہ جزا کی خوشی۔

بادشاہ کی مجبوری

اس سرگذشت پر مصیبت کا مارا ہوا یہ اسیر قید بستر (تنہائی) اس روداد غم کو پھر شروع کرتا ہے۔ جب پہلی بار وہ گم راہ جنگ جو آئے۔ تو جو خزانہ وہ اپنے ساتھ لائے تھے۔ خزانے میں جمع کر دیا اور اپنے سر شاہی آستانے پر جھکا دیئے۔ جلد ہی زمانے نے کچھ ایسا انتظام کیا کہ ہر طرف سے فوجیں جمع ہونا شروع ہو گئیں اور اس سرزمین (دہلی کی طرف روانہ ہو گئیں۔ بادشاہ جب فوج کا انتظام نہ کر سکا۔ فوج نے انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بادشاہ مجبور ہو کر رہ گیا۔

فوج نے بادشاہ کو اپنے حلقے میں لے لیا۔ جیسے چاند کو گہن لگ جائے۔ وہ نظر نہیں آتا۔ گہن تو چودھویں رات کے چاند کو لگتا ہے۔ بادشاہ اس چاند کی طرح تھا جس کو گہن لگ گیا ہو۔ وہ ماہ کامل نہیں تھا۔

قیدیوں کی رہائی

میں نے اس بات کا ذکر نہیں کیا حالانکہ یہ بات بیان کرنے کے لائق تھی کہ یہ شہرت طلب جنگ جُو جس مقام سے چلے وہاں کے قید خانے کا دروازہ کھول دیا اور قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ وہ پُرانے پُرانے قیدی جنہوں نے نئی نئی آزادی پائی تھی۔ شاہی دربار میں آئے۔ سجدہ کیا اور کسی علاقے کی صوبیداری چاہی۔ آقاؤں سے بھاگے ہوئے غیر وفادار غلاموں نے آستانِ شاہی کو بوسہ دیا اور کسی سرسبز علاقے کی حکومت کے طلبگار ہوئے۔ کوئی نہیں کہتا ہے اور میں بھی یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ہر خواہش مند کو حاضر ہونے کی اجازت اور ہر پناہ مانگنے والے کو پناہ کیوں دے دی جاتی ہے؟ بس یہ زمانے کی بوالعجبی ہے۔

تعداد فوج

اب دہلی کے اندر اور باہر تقریباً پچاس ہزار سواروں اور پیادوں کی فوج پڑی ہوئی ہے صاحبانِ علم و دانش انگریزی حکام کے قبضے میں اس وسیع شہر کا کوئی علاقہ نہیں ہے۔ صرف شہر کے جانب مغرب ایک پہاڑی پر ان کا قبضہ ہے۔ یہ پہاڑی شہر سے کچھ زیادہ دُور نہیں ہے۔ (انگریزوں نے) نہایت ہنر مندی سے اس جگہ پر مورچہ قائم کر کے ایک مضبوط قلعہ سا بنا لیا ہے اور اس کے چاروں طرف کئی اژدہا صفت، رعد خروش توپیں لگا دی ہیں اور استقلال کی مدد سے اس عالم پریشانی میں اطمینان (کی دولت) حاصل کر لی ہے۔

انگریزوں کی مورچہ بندی

شہر کی فوج نے جو میگزین اسی شہر سے حاصل کیا تھا۔ اس میں سے چند توپیں شہر کی فصیل پر جما دی ہیں اور اس طرح اپنے آپ کو جنگجو سرداروں کا حریف فرض کر لیا ہے۔ توپوں اور بندوقوں کے دھویں سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کالی گھٹا چھائی ہوئی ہے اور اس سے اولے برس رہے ہیں۔ رات دن دونوں طرف سے گولہ باری ہوتی ہے۔ جیسے اوپر سے پتھر برس رہے ہوں۔ مئی جون کی گرمیاں ہیں۔ دھوپ کی تیزی روز بروز بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ آفتاب برج ثور و جوزا میں بے طرح آتش افروزی میں مشغول ہے۔ معلوم ہوتا ہے کو دبھی اسی آگ میں بُھنا جا رہا ہے۔

جو لوگ سرد و ہوادار مکانوں میں آرام و آسائش کے ساتھ رہتے تھے دن بھر دھوپ میں جلتے ہیں اور راتیں انہیں جلتے ہوئے پتھروں پر پیچ و تاب کے عالم میں بسر کرتے ہیں۔ اسفندیار اس میدان جنگ میں ہوتا تو روئیں تن کے باوصف اس کی ہمت و جواں مردی ہوا ہو جاتی۔ اگر رستم اس داستان کو سُن لیتا تو جی چھوڑ دیتا (شہر کی فوج کے) مختلف مقامات سے آئے ہوئے سپاہی دن چڑھے شیر دل انگریزوں سے لڑنے کے لیے جاتے ہیں اور سورج ڈوبنے سے پہلے ہی واپس آجاتے ہیں۔ بیرونِ شہر کی داستانِ شب و روز تو یہ تھی۔ اندرونِ شہر (کیا ہو رہا تھا اس سلسلے میں) ایک دن کا قصہ سننے کے لائق ہے۔

> میرے ساز کے تاروں میں وہ نغمے پنہاں ہیں جن سے چنگاریاں برستی ہیں۔ میں ڈرتا ہوں کہ مغنّی ان کی زد میں نہ آجائے۔ میری زبان پر وہ داستان ہے جس سے میرے دل پر خنجر چلنے لگتے ہیں۔

ایک شخص جس کے دماغ میں فرماں روائی و تکبر کے خیالات بھرے ہوئے تھے۔ در پردہ اپنے آقا اور مربی کا دشمن بن گیا۔ اس خیال سے کہ ”اگر یہ واقف کار اور راز داں زندہ رہے گا تو میں نے جو خزانہ (ناجائز طریقوں سے) جمع کیا ہے اس کا راز کھل جائے گا۔“ ہمیشہ نقصان پہنچانے کی تدبیریں سوچتا تھا اور یہ بات مشہور کر کے کہ ”حکیم احسن اللہ خاں انگریزوں کے خیر خواہ اور طرفدار ہیں۔“ فوج کے افسروں کو ان کی طرف سے بھڑکاتا رہتا تھا۔

حکیم احسن اللہ خاں

ایک دن کچھ لوگ (حکیم احسن اللہ خاں کو) قتل کرنے کے لیے ان کے محل پر چڑھ دوڑے۔ حکیم صاحب اس وقت قلعے میں بادشاہ کے پاس تھے۔ چند آشفتہ سر قلعے میں گئے۔ اور حکیم صاحب کو گھیر لیا۔ بادشاہ نے انتہائے محبت و بندہ پروری سے (حکیم صاحب کو بچانے کے لیے) اپنے آپ کو ان پر گرا دیا۔ اس طرح حکیم صاحب بچے۔ جان تو بچ گئی لیکن یہ فتنہ اس وقت تک ختم نہیں ہوا جب تک کہ ان کا سارا گھر تباہ نہیں ہو گیا۔ (حکیم صاحب کا) گھر (جو خوبصورتی و آرائش میں) نگار خانۂ چین کی طرح تھا لوٹ لیا گیا۔ ایوان کی چھت کو آگ لگا دی گئی۔ چھت

کے شہتیر اور منقش تختے جل کر راکھ ہو گئے۔ دیواریں سیاہ پڑ گئیں۔ گویا وہ محل اس غم میں سیاہ پوش ہو گیا تھا۔

آسمان کی مہربانی سے دھوکا نہ کھانا۔ یہ بے وفا جس شخص کو آغوشِ محبت میں جگہ دیتا ہے
اس کو کشمکش وعذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔

بُرے سے بُرا غلام اپنے آقا سے اس طرح پیش نہیں آسکتا۔ بہ شرط یہ کہ وہ ولد الحیض نہ ہو۔ یہ خبیث، نمک حرام جس کے منہ پر چیچک کے داغ ہیں۔ بے حیائی کے سبب سے جس کی آنکھیں پھیل گئی ہیں اور دہانہ فراخ ہو گیا ہے۔ اپنے آپ کو زہرہ ومشتری کی طرح سمجھتا ہے۔ ہر طرف کولہے مٹکاتا ہوا انداز دکھاتا ہوا گزرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ خوش خرامی میں کبک وتدرو کو شرماتا ہے۔ میں نے اس کا نام اس لیے نہیں لکھا کہ ایک گدازادہ گُم نام ہے۔ میں اس پر لعنت بھیج کر جو داستان کہہ رہا تھا اس کو پھر شروع کرتا ہوں۔

تفضّل حسین خاں

فوجیں ہر طرف سے آ آکر جمع ہو رہی تھیں۔ بادشاہ کا نام لگا ہوا تھا۔ اس وجہ سے دور دور کے سردارِ فوج اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ فرخ آباد کے نامور (سردار) تفضّل حسین خاں نے جن کو کبھی بادشاہ سے علاقہ نیاز مندی نہیں تھا۔ دُور ہی سے آستانِ شاہی کو سجدہ کیا اور خط میں اپنے آپ کو نیاز مند قدیم لکھا۔

خان بہادر خاں

خان بہادر خاں نے جو گمراہ شہرت طلب تھا اور جو بریلی میں کچھ لشکر جمع کر کے سردار بن بیٹھا تھا۔ ایک سو ایک اشرفیاں نقرئی ساز وسامان سے آراستہ ہاتھی اور گھوڑا بارگاہ شاہی میں بھیجا۔

نواب یوسف علی خاں

چشم بد دور خورشید نشان نواب یوسف علی خاں بہادر فرماں روائے رامپور نے جو اس علاقے میں باپ دادا کی جانشینی (کا حق ادا کر رہے) ہیں اور انگریزی حکومت کے ساتھ ان کا

رشتۂ دوستی اتنا مضبوط ہے کہ زمانہ ہزار برس میں بھی کسی طریقے سے اس کو نہیں توڑ سکتا۔ مجبوراً صرف زبانی پیام بھیج کر لوگوں کی زبان کو بند کیا۔

واقعاتِ لکھنؤ

لکھنؤ میں جب فوج نے (انگریزوں سے) رشتۂ تعلق توڑ لیا۔ (بیش تر) انگریز (دشمنی کی) اس آگ سے بچ کر دوسرے مقامات پر اپنے متعلقین کے پاس چلے گئے۔ لیکن (فوج کے) چند سرداروں نے کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر بیلی گارد میں قیام کیا جو لکھنؤ کا ایک مشہور مقام ہے اور بہادری کے ساتھ دروازے بند کر لیے۔

شرف الدولہ نے جو بڑے واقف کار، اور معاملات کو سمجھنے والے تھے اور جو نوابان اودھ کے زمانے میں وزارت کے عہدے پر سرفراز تھے۔ اس کم تعداد لیکن باشان وشوکت گروہ (انگریز) کو نظر انداز کر کے واجد علی شاہ کے دس سالہ لڑکے کو تخت حکومت پر بحال دیا اور اس کو شہنشاہِ ہندوستان کا وزیر اور اپنے آپ کو پیش کار اور نائب وزیر فرض کر لیا۔ اس نامور شخص (شرف الدولہ) نے گویا ہما کو گرفتار دام کر لیا تھا۔ جب یہ سارا کام مکمل کر لیا۔ ایک منتخب شخص کو مناسب پیش کش کے ساتھ (دہلی) روانہ کر دیا۔ قاصد آیا۔ دو روز آرام کی پھر بارگاہِ شاہی میں حاضر ہوا۔ دو صبارفتار گھوڑے، دو کوہ صفت ہاتھی، ایک سو اکیس اشرفیاں اور ایک سنہری کلاہ جو رنگ رنگ کے نایاب موتیوں سے مزین تھی، پیش کی۔ اور ایک جوڑ بازو بند جس میں ہیرے جڑے ہوئے تھے ملکہ کی خدمت میں محل میں بھیجا۔

یہ ساری شان وشوکت روشنی چراغ کی طرح (جلد ختم ہونے والی) تھی گویا زمانے کی نظر بد اسی رونق کی منتظر تھی۔ حکومت اودھ کی اس پیش کش کے بعد آئینہ وسکندر اور جام وجمشید کی ساری داستان ختم ہو گئی۔ (باغی) فوج کے شور وغل سے نصیب کی آنکھیں کھلی ہی تھیں کہ پھر مند گئیں۔ نہیں نہیں شہنشاہ کی قسمت کا ستارہ اتنی بلندی پر پہنچ گیا کہ دنیا والوں کی نگاہوں سے پنہاں ہو گیا۔

جب قسمت کا ستارہ گردش میں آجاتا ہے تو تاج کی بھی کوئی قیمت نہیں رہتی تم نہیں دیکھتے کہ تغیر کے خوف سے سورج آسمان پر کیسا کانپتا رہتا ہے۔

۱۴ر ستمبر

جس دن وہ سبز قدم قاصد آیا اور بادشاہ نے بندہ پروری فرمائی اس کے کل کو پیر کے دن قمری مہینے کی چوبیس اور ستمبر کی چودہ تاریخ کو پہاڑی کے دامن میں بیٹھے ہوئے (انگریزوں) نے شان وشکوہ کے ساتھ کشمیری دروازے پر ایسا حملہ کیا کہ کالوں کی فوج کو بھاگتے ہی بنی۔

مئی کے مہینے میں اگر انصاف دہلی سے اُٹھ گیا تھا تو ستمبر میں ظلم وستم کا دور ختم ہوگیا اور انصاف کا زمانہ واپس آگیا۔ چار مہینے چار دن کے بعد سورج آب وتاب کے ساتھ طلوع ہوا۔ دہلی دیوانوں سے خالی ہوگئی۔ عقل مند (انگریزوں) نے بہادری کے ساتھ اس پر قبضہ کرلیا۔

اگرچہ ۱۱ر مئی سے ۱۴ر ستمبر تک ۴ مہینے ۴ دن کا وقفہ ہے لیکن اس بنا پر پیر کے دن شہر (انگریزوں) کے ہاتھ سے نکلا تھا اور پیر ہی کے دن قبضے میں آیا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ شہر کا ہاتھ سے نکل جانا اور پھر قبضے میں آجانا یہ دونوں کام ایک ہی دن میں ہوئے۔ مختصر یہ کہ فاتحین نے راستے میں جس شخص کو پایا قتل کردیا۔ شہر کے عالی خان دان اور صاحب عزت افراد عزت وآبرو کی دولت کو بچانے کے لیے گھروں کے دروازے بند کرکے بیٹھ رہے۔

شہر میں بد باطن (باغیوں) کی جو فوج تھی۔ اس میں سے کچھ لوگوں نے بھاگ جانے کی ٹھان لی۔ اور کچھ لوگوں نے غرور میں آکر لڑنے کی تیاری کی خبیث اور آوارہ لوگوں کا یہ گروہ شیر دل فاتحین سے الجھ پڑا۔ یہ لوگ اپنے خیال میں تو دشمنوں کو قتل کررہے تھے۔ لیکن میرے خیال میں وہ شہر کی عزت وآبرو کو برباد کررہے تھے۔

دو تین دن تک کشمیری دروازے سے لے کر چوک تک تمام راستے میدان جنگ بنے رہے۔ دہلی دروازہ، ترکمان دروازہ، اجمیری دروازہ یہ تینوں دروازے اس فوج کے قبضے میں رہ گئے۔ مجھ مردہ دل کا غم کدہ (مکان) وسط شہر میں کشمیری دروازے اور دہلی دروازے کے درمیان ہے اور میرے مکان سے ان دونوں دروازوں کا فاصلہ برابر ہے۔ اگرچہ گلی کا دروازہ بند کرلیا گیا تھا لیکن ابھی اتنا حوصلہ باقی تھا کہ دروازہ کھول کر باہر چلے جاتے تھے اور کھانے پینے کا سامان لے آتے تھے۔

انگریزوں کی فتح اور مظالم

میں نے ابھی کہا کہ غضب ناک شیروں (انگریزوں) نے شہر میں داخل ہوتے ہی بے سروساماں لوگوں کو قتل کرنا اور مکانوں کو جلانا جائز سمجھا۔ ہاں جس مقام کو لڑ کر فتح کرتے ہیں لوگوں پر ایسی ہی سختیاں کی جاتی ہیں۔

اس غصے اور دشمنی کو دیکھ کو لوگوں کے منہ فق ہو گئے۔ بے شمار مرد عورتوں کے گروہ جن میں معمولی لوگ بھی تھے اور صاحب حیثیت بھی۔ ان تینوں دروازوں سے باہر نکل گئے۔ شہر کے باہر جو چھوٹی چھوٹی بستیاں اور مقبرے تھے ان میں پناہ گزیں ہو گئے۔ اس خیال سے کہ کسی مناسب وقت پر شہر میں واپس آ جائیں گے یا کسی دوسرے شہر میں چلے جائیں گے۔

میرے دل پر نہ خوف و دہشت کا اثر ہوا اور نہ پائے استقلال کو جنبش ہوئی۔ میں نے کہا کہ میں گناہ گار تو ہوں نہیں کہ سزا پاؤں۔ انگریز بے گناہوں کو قتل نہیں کرتے ہیں اور شہر کی آب و ہوا ناساز گار نہیں ہے۔ مجھے کیا پڑی ہے کہ ان بدخیالیوں کو دل میں جگہ دوں اور ادھر اُدھر بھاگتا پھروں۔

(اب) مکان کے ایک گوشے میں بے سروسامانی کے ساتھ بیٹھا ہوا ہوں۔ (اس تنہائی میں) قلم میرا رفیق ہے۔ آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں اور قلم سے دردناک الفاظ ٹپکتے ہیں۔

میں بالکل مفلس اور بے سروسامان ہوں۔ خداوندا! کب تک یہ سوچ سوچ کر خوش
ہوتا رہوں گا کہ یہ جواہر (کلام) میری ہی کان کے ہیں۔

ازل کا لکھا ہوا بدل نہیں سکتا۔ ازل میں قسمتیں لکھی جا چکی ہیں۔ ہر ایک کو نوشتہ قسمت کے مطابق سروساماں عطا کیا گیا ہے۔ مصیبتیں اور راحتیں اسی حکم ازل کا نتیجہ ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ بے دلی و بے جگری کو چھوڑ کر جس طرح بچے ہر تماشے کو خوشی کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ ہر لمحہ بدلنے والے زمانے کی حیرت فزا نیرنگیوں کو اس بڑھاپے میں خوشی کے ساتھ دیکھتا رہوں۔

۱۸ ستمبر

جمعہ کے دن محرم کی ۲۶ تھی اور ستمبر کی ۱۸ دن چڑھے دنیا کو خوشی بخشنے والا آفتاب عالم

تاب برج سنبلہ کے ایک درجے میں پہنچ کر کسوف میں آ گیا اور اہل عالم کی چشم جہاں بیں پر تاریکی نے ظلم ڈھایا۔ گمراہ باغی اندرون و بیرون شہر سے خنزیروں کی طرح بھاگنے لگے اور فاتحین نے شہر اور قلعے پر قبضہ کرلیا۔ کشت و خون اور پکڑ دھکڑ کی (آفت) اس گلی تک آ گئی۔ خوف سے لوگوں کے دل دہل گئے۔

کوچے کی در بندی

اس گلی میں صرف دس بارہ گھر ہیں اور راستہ ایک ہی طرف سے ہے (گلی اندر سے بند ہے) گلی میں کوئی کنواں نہیں ہے (اس گلی کے) زیادہ تر رہنے والے چلے گئے ہیں (اس طرح کہ) عورتیں بچوں کو چھاتی سے لگائے ہوئے تھیں اور مردوں کے کاندھوں پر سامان کی گٹھریاں تھیں۔ کچھ لوگ باقی رہ گئے تھے۔ ہم سب نے مل کر گلی کا دروازہ اندر سے بند کرلیا اور پتھر چن دیئے۔ گلی سر بستہ تو تھی ہی۔ در بستہ بھی ہوگئی۔

(ایک راستہ تھا وہ بھی بند ہوگیا)۔

میری روح جسم سے زیادہ جستجو درماندہ ہو تو تعجب کی بات نہیں۔ کیوں کہ نہ میرا دل قید خانے کے گوشے سے بھی زیادہ تنگ ہے۔

مہاراجہ پٹیالہ کی مدد

(اتفاقاً) اس مصیبت میں کام بننے کی ایک صورت پیدا ہوگئی فلک مرتبہ مریخ حشم راجہ نرندر سنگھ بہادر فرماں روائے پٹیالہ اس جنگ میں (انگریز) فاتحین کے ساتھ ہیں اور ان کی فوج شروع سے انگریزی لشکر کی مددگار ہے۔ راجہ کے چند ملازمین خاص جوان کی سرکار میں اونچے عہدوں پر ہیں اور شہر کے نامور اور قابل عزت لوگوں میں سے ہیں (میری مراد ہے) حکیم محمود خاں، حکیم مرتضیٰ خاں، حکیم غلام اللہ خاں (سے) جو حکیم شریف خاں جنت مکان کی اولاد میں ہیں۔ اس کوچے میں رہتے ہیں۔ دور تک ان کی دورویہ عمارتیں چلی گئی ہیں۔ میں دس سال سے ان میں سے ایک صاحب جاہ و ثروت کا پڑوسی ہوں۔ ان تین حضرات میں سے اول الذکر (حکیم محمود خاں) متعلقین اور اہل خانہ کے ساتھ اپنے بزرگوں کی طرح باعزت زندگی بسر کرتے ہیں اور

باقی دونوں حضرات پٹیالے میں راجہ کی مصاحبت میں کامیابی وکامرانی کے ساتھ رہتے ہیں۔

چونکہ دہلی کی فتح متوقع تھی۔ راجہ نے از راہِ بندہ پروری طاقت ور اور جنگ جو (انگریزوں) سے طے کرلیا تھا کہ جب (شہر) فتح ہوگا اس گلی کے دروازے پر محافظ مقرر کردیے جائیں گے تاکہ انگریز فوجی جن کرگورا کہتے ہیں گھروں کو نقصان نہ پہنچائیں۔

اثنائے کلام میں کبھی کبھی (مجبوراً) چند دوسری باتوں کا تذکرہ بھی آجاتا ہے۔ ان ضمنی باتوں کے بعد (میں) پھر اصل موضوع پر آتا ہوں۔ سارے شہر میں ۱۵ ستمبر سے ہر گھر کا دروازہ بند ہے۔ دکان دار اور خریدار دونوں غائب ہیں۔ نہ گندم فروش ہے کہ گیہوں خریدیں۔ نہ دھوبی ہے کہ کپڑے دُھلنے کو دیں حجام کو کہاں ڈھونڈھیں کہ سر کے بال تراشے اور مہتر کو کہاں سے ڈھونڈ کے کرلائیں کہ صفائی کرے۔ بہرحال جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے ان پانچ دنوں میں (گلی کے لوگ) باہر نکل کر پانی تو برابر لے آتے تھے کبھی کبھی آٹا وغیرہ بھی مل جاتا تھا۔ لیکن اس کے بعد یہ صورت حال ختم ہوگئی۔ (گلی کا) دروازہ پتھروں سے بند کرلیا گیا اور دلوں کے آئینے پر غم والم کا غبار چھا گیا۔

کوششوں کے سارے ہنگامے ٹھنڈے پڑ گئے۔ اب مصیبتیں خون کو آگ کی طرح

جلا رہی ہیں۔

پانی اور غلّے کا قحط

گھروں میں کھانے کا جس قدر سامان تھا رفتہ رفتہ ختم ہوگیا۔ پانی اگرچہ بے حد احتیاط سے پیا گیا لیکن آخر کار کوزے یا گھڑے میں ایک قطرہ نہیں رہا۔ عورتوں مردوں میں سے کسی میں برداشت کی طاقت نہیں رہی۔ صبر کے ساتھ دن گزارنے اور (اپنے آپ کو) سامان خورونوش حاصل کرلینے کا فریب دینے کا وقت بھی گزر گیا۔ دو شبانہ روز سب بھوکے پیاسے رہے۔

افسوس! یہ گریہ وزاری اور ذلّت ومحتاجی! اور صد حیف یہ بے چارگی و پریشان حالی اور

بے سروسامانی!

تیسرے دن جیسا کہ اس سے قبل ذکر آچکا ہے مہاراجہ (پٹیالہ) کی فوج کے سپاہی

آ گئے اور پہرہ دینے لگے۔ گلی کے رہنے والوں نے لوٹ مار کرنے والوں کے خوف سے نجات پائی۔ ''ہر چہ بادا باد'' کہتے ہوئے پہرہ داروں سے باہر جانے کی اجازت چاہی۔ یہ پہرہ از راہِ دوستی تھا نہ کہ از راہِ دشمنی۔ اس لیے یہ کہا گیا کہ چوک کے بازار تک جا سکتے ہیں۔ چوک کے آگے قتل و خون کا بازار گرم ہے اور راستہ پُر خطر ہے۔

مجبور و پریشاں حال لوگوں نے دروازہ کھول دیا۔ بھشتی یا مشک کا ملنا ناممکن تھا۔ اس لیے ہر گھر سے ایک مرد اور میرے ملازمین میں سے دو شخص گئے۔ میٹھا پانی دور تھا اور (اتنی) دور جا نہیں سکتے تھے۔ مجبوراً نیم شور پانی مٹکوں اور گھڑوں میں بھر لائے۔ اس طرح اس نمکین پانی سے وہ آگ بجھی جس کا دوسرا نام پیاس ہے۔

باہر جانے والے اور پانی لانے والے لوگ کہتے تھے کہ اس گلی میں جس سے آگے جانے کی ہم کو اجازت نہیں ہے۔ سپاہیوں نے کچھ مکانوں کے دروازے توڑ ڈالے۔ (ان گھروں میں) نہ تو بورے میں آٹا ملا، نہ برتن میں روغن، میں کہا اچھا بندہ وہ ہے جو برتن تھیلے، آٹے اور تیل کا ذکر نہ کرے۔ ہماری روزی تو ایسے (روزی رساں) کے ذمہ ہے جو ہم کو نظر انداز نہیں کرے گا۔ خدا کی بخشش کا شکر نہ ادا کرنا شیطنت ہے۔

آج کل ہم لوگ اپنے آپ کو قیدی سمجھ رہے ہیں اور حقیقت بھی یہ ہے کہ بالکل قیدیوں کی طرح زندگی گزار رہے ہیں۔ نہ تو کوئی آتا ہے کہ کوئی بات سننے کو ملے۔ نہ خود باہر جا (سکتے) ہیں کہ اپنی آنکھوں سے سارے واقعات دیکھیں۔ یقیناً ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے کان بہرے ہیں اور آنکھیں بے نور۔ اس کشمکش کے علاوہ نہ کھانے کو روٹی ہے نہ پینے کو پانی۔

ایک دن اچانک بادل آ گیا۔ پانی برسا۔ ہم نے (صحن میں) ایک چادر باندھ لی اور ایک مٹکا اس کے نیچے رکھ دیا۔ اور (اس طرح) پانی حاصل کیا۔ کہا جاتا ہے کہ بادل دریا سے پانی لیتا ہے اور زمین پر برساتا ہے (لیکن) اس بار یہ ہما صفت بادل پانی چشمۂ حیواں سے لایا۔ گویا سکندر نے جو چیز اپنی بادشاہت کے دور میں ڈھونڈھی تھی۔ مجھ پریشاں حال نے وہ دولت (آبِ حیات) (اس) تباہی و بربادی کے عالم میں پائی۔

اے غالب دوست کی طرف سے کبھی کوتاہی نہیں ہوتی (البتہ) وہ اس طرح کام بناتا ہے کہ ہم سمجھ نہیں پاتے ہیں۔

سوانح غالب

اس موقع پر میں چاہتا ہوں کہ کچھ اپنی زندگی اور اشغال کے متعلق بھی لکھوں۔ اس طرح کہ یہ سرگذشت سلسلۂ کلام سے غیر متعلق نہ ہونے پائے۔

میں نئے داغوں سے زخم ہائے جگر پر مرہم رکھ رہا ہوں۔ اور میں نشتر کی مدد سے دل سے پیکاں نکال رہا ہوں۔

اس سال میری زندگی کا باسٹھواں سال شروع ہوا (اتنی مدت سے) میں اس دنیا کی خاک چھان رہا ہوں اور پچاس برس سے شعر و شاعری میں مصروف جگر گدازی ہوں۔ میری عمر پانچ سال کی تھی کہ میرے والد عبداللہ بیگ خاں بہادر کا انتقال ہوگیا۔ خدا ان کی روح پر بے شمار رحمتیں نازل کرے۔ میرے چچا نصراللہ بیگ خاں بہادر نے مجھ کو اپنا بیٹا بنالیا اور لاڈ پیار سے پرورش کی۔ جب میری عمر نو سال کی ہوئی تو میرے چچا جو میرے سرپرست بھی تھے۔ موت کی گہری نیند سو گئے (گویا) میری قسمت سو گئی۔

(میرے یہ) لائق تعریف و صاحب جاہ و حشمت (بزرگ) چار سو سواروں کے سردار اور جنرل لارڈ لیک بہادر کے وفادار متعلقین میں سے تھے۔ اس فاتح اور سخی سردار کی مہربانی سے وہ آگرہ کے قریب دو پرگنوں کے حاکم اور مالک تھے۔ ان کے انتقال کے بعد (وہ) دونوں پرگنے انگریزی حکومت نے واپس لے لیے۔ اس جاگیر کے بجائے میرا اور میرے حقیقی بھائی کا کچھ وظیفہ مقرر کر دیا گیا جو میری آرام و آسائش کا ذریعہ تھا۔ چنانچہ اس سال یعنی ۱۸۵۷ء میں اپریل تک کا وظیفہ کلکٹری دہلی کے خزانے سے میں نے حاصل کیا۔ مئی سے اس خزانے کا دروازہ ہی بند ہوگیا (اب) میں بدنصیبی سے دوچار ہوں۔ اور دل طرح طرح کے خیالات پریشاں کا مسکن ہے۔

اس سے پہلے صرف بیوی تھی۔ نہ کوئی لڑکا تھا نہ لڑکی۔ تقریباً پانچ سال ہوئے کہ میں نے اپنی بیوی (جو میری تباہی کی ذمہ دار ہے) کے خاندان کے دو بے ماں باپ کے بچوں کو لے کر

پال لیا ہے۔ ان شیریں زبان بچوں سے مجھ کو بے انتہا محبت ہے۔ اس عالم بے چارگی میں (دونوں بچے) میرے ساتھ ہیں اور میرے دامن و گریباں کے پھول ہیں۔

مرزا یوسف

بھائی جو دو سال مجھ سے چھوٹا ہے۔ تیس سال کی عمر میں دیوانہ ہو گیا۔ تیس برس سے وہ اس طرح زندگی گزار رہا ہے کہ نہ کسی کو ستاتا ہے نہ شور غوغا کرتا ہے۔ اس کا مکان میرے گھر سے تقریباً دو ہزار قدم کے فاصلے پر ہے۔ اس کی بیوی اور لڑکیوں نے بچوں اور کنیزوں کے ساتھ بھاگ جانے ہی میں عافیت سمجھی۔ گھر کے فاتر العقل مالک اور سارے سامان کو ایک بوڑھے دربان اور ایک بڑھیا کنیز کے ساتھ چھوڑ دیا۔

اگر میں جادو جانتا ہوتا تب بھی (ان حالات میں) میں کسی کو بھیج کر ان تینوں آدمیوں کو نہ بلوا سکتا تھا نہ سامان منگوا سکتا تھا۔ یہ بہت بڑا غم ہے اور میرے دل پر اس کا بہت اثر ہے۔

وہ دونوں ناز پروردہ بچے پھل، دودھ، مٹھائی مانگتے ہیں۔ لیکن ان کی خواہش پوری کرنا میرے بس میں نہیں۔ افسوس! افسوس! اس ایک بات کو کیا کہوں جب تک زندہ ہوں روٹی اور پانی کی فکر رہے گی اور مرنے کے بعد کفن دفن کی۔ میں دن رات اس فکر میں رہتا ہوں کہ بھائی نے دن میں کیا کھایا (ہوگا) اور رات میں کیسے سویا (ہوگا) اور (حالات سے) ناواقفیت کا یہ عالم ہے کہ یہ بھی نہیں کہہ سکتا ہوں کہ (بھائی) زندہ بھی ہے یا مصیبتیں (اٹھاتے اٹھاتے) مر گیا۔

میرے ہونٹوں پر صرف آہ و فغاں نہیں ہے۔ خدا کی قسم (اس غم سے) میں جاں بہ
لب ہوں۔

جو حالات میں نے بیان کیے یہ دل دکھانے والے ہیں لیکن جو کچھ میں کہہ نہیں سکا ہوں وہ روح فرسا ہے جو لوگ حالات سے واقف ہیں میں ان سے توقع کرتا ہوں کہ وہ میری پُر درد داستان کو غور سے سنیں گے اور سُن کر انصاف کریں گے۔

قصیدہ در مدح ملکہ وکٹوریہ

میں اس بڑھاپے میں چراغ صبح اور آفتاب لب بام کی مانند ہوں۔ میرا مطلب چراغ

کی روشنی اور سورج کی نور افشانی سے نہیں ہے بلکہ جس طرح صبح کے وقت چراغ کا روغن ختم ہونے کے قریب ہوتا ہے اور اس کی روشنی ہلکی ہو جاتی ہے اور دن ڈھلے سورج کی چمک دمک ماند پڑنا شروع ہو جاتی ہے وہی میرا حال ہے۔ دو سال ہوئے کہ میں نے ملکۂ انصاف پسند، فلک رفعت ستارہ حشم ملکہ وکٹوریہ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا اور ڈاک سے جو دہلی سے براہِ راست بمبئی اور وہاں سے لندن جاتی ہے۔ آقائے ہنر پرور و حاکمِ نامور لارڈ الگن برا بہادر کے حضور میں بھیجا۔ جو گورنری کے زمانے میں از راہِ کرم میرے مربی تھے۔

راہِ سخن کشودم اگر خود نہ شد کہ بخت راہم بہ بزمِ بانوئے گیتی ستاں دہد

یہ شعر اسی قصیدے کا ہے: وہ قصیدہ اسی ردیف قافیے میں ہے۔ کسے خیال تھا کہ ایسا مشکل کام اس آسانی سے بن جائے گا۔ تین مہینے کے بعد اچانک ایک مبارک قدم قاصد اس سرو بوستان سروری (لارڈ الگن برا) کا نوازش نامہ لایا۔ یہ خط انگریزی میں تھا۔ نہایت محبت کے ساتھ لکھا تھا کہ قصیدہ ہمارے پاس پہنچ گیا اور ہم نے اس کو ملکۂ معظمہ کے سامنے پیش کرنے کے لیے متعلقین بارگاہِ شاہی کے سپرد کر دیا۔ اس پُر مسرت پیغام اور مبارک جواب کو تیس دن نہیں گزرے تھے کہ سردار مہربان مسٹر رزنگٹن بہادر کا گرامی نامہ ڈاک سے آیا، لکھا تھا کہ جو قصیدہ لارڈ الن برا بہادر کے واسطے سے ہمارے پاس پہنچا تھا۔ اس کے بارے میں یہ حکم ہے کہ سائل ضابطے کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی گزارشات فرماں روائے ہندوستان کے وسیلے سے ہماری بارگاہ میں پیش کرے۔

غالب کے تین مطالبات

حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ایک معروضہ شہنشاہِ انگلینڈ کے نام (لکھ کر) سکندر جاہ، فریدوں حشم لارڈ کیننگ نواب گورنر جنرل بہادر کے حضور میں بھیجا۔ اس گزارش نامے میں التماس و آرزو کو اس طرح پیش کیا گیا کہ روم، ایران اور دوسرے ممالک کے بادشاہوں نے شاعروں اور مداحوں کو طرح طرح سے نوازا ہے۔ موتیوں سے منہ بھر دینا، سونے میں تلوانا، گاؤں عطا کرنا، اور انعام دینا، غرض مختلف انداز رہے ہیں۔ اس مداح کی یہ خواہش ہے کہ ملکۂ معظمہ اپنی زبان (

مبارک) سے مہر خواں (خطاب) ارشاد فرمائیں۔ اپنے حکم سے سراپا (خلعت) بخشیں اور اپنے خوان سے چند نان ریزہ (روٹی کے ٹکڑے) عنایت فرمائیں۔ مہر خواں اور سراپا کا ترجمہ عربی میں خطاب اور خلعت ہوسکتا ہے اور نان ریزہ کو انگریزی میں پینشن کہہ سکتے ہیں۔

حاکمِ بلند مرتبہ نواب گورنر جنرل بہادر نے جواب میں میرے دلِ غم زدہ کو بشارت مداوا سے شاد فرمایا۔ (موصوف) نے لکھا کہ (وہ) ستائش نامہ انگلستان روانہ کردیا گیا۔ اس خبرِ مسرت اثر سے میں ایسا مسرور ہوا کہ جامے میں پھولا نہیں سماتا تھا۔

مایوس کن جواب

چار ماہ کے بعد میرے خط کے جواب میں فرخ شمائل، عالی نسب مسٹر رسل کلرک بہادر کے خامۂ مشک بار کا لکھا ہوا مودت نامہ (موصول ہوا) اس (جواب نے) امیدواری اور آرزو مندی کی مدت کو اور بڑھا دیا۔

میں جانتا ہوں کہ اگر ہندستان کا نظم و نسق (غدر میں) تباہ نہ ہوتا، اور ناخدا ترس اور ناشکرے سپاہیوں کے ہاتھوں عدالتیں نہ اجڑ جاتیں تو گلستانِ انگلستان سے ایسا فرمان صادر ہوتا جس سے مرادیں پوری ہوجاتیں اور میری آنکھیں اور میرا دل دونوں ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے۔

اب وہ مبارک خطوط جو میری پر جوش آرزوؤں کی فہرست ہیں اور میرے ہوش و خرد کے بازو کا تعویذ، میرے پاس ہیں۔ اور جگر کے چند ٹکڑے جو جوشِ گریہ میں آنکھوں سے ٹپکے ہیں۔ جگر خراشی و خوں فشانی کے نشان کے طور پر میرے دامن میں ہیں۔

> میں تیر یا تلوار کا زخمی نہیں ہوں۔ نہ پلنگ و شیر نے مجھے مجروح کیا ہے میں (شدتِ غم میں) اپنے ہونٹ کاٹتا ہوں اور زبان کو خون آلود کرلیتا ہوں۔ خون (جگر) کھاتا ہوں اور زندگی سے بیزار ہوں۔

مرزا یوسف کے گھر کی تاراجی

ستمبر کی اکتیسویں تاریخ کو بدھ کے روز شہر کی فتح اور گلی کا دروازہ بند کرنے کے ستر ہویں دن لوگ خبر لائے کہ لوٹ مار کرنے والے بھائی کے گھر پر چڑھ دوڑے۔ گلی اور گھر میں

لوٹ مار کی ۔ دیوانے مرزا یوسف خاں اور دونوں بڑھیا بدحوں کو زندہ چھوڑ دیا۔ اس بھاگڑ میں دو ہندو کہیں سے آ کر (گھر) میں پناہ گزیں ہو گئے ۔ بوڑھے دربان اور بڑھیا کنیز (ماما) دونوں نے ان ہندوؤں کی مدد سے کھانے پینے کا انتظام کرنے کی کوشش میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ۔

واضح ہو کہ اس پکڑ دھکڑ اور قیامت کے عالم میں جس طرح ہر کوچے اور بازار میں اس مصیبت کی صورت یکساں نہیں ہے۔ اسی طرح قتل کرنے اور لوٹ مار میں بھی سب سپاہیوں کا انداز ایک نہیں ہے۔ اگر کوئی (سپاہی) رحم کرتا ہے یا دوسرا سختی کرتا ہے۔ تو یہ ذاتی رحم دلی اور سنگدلی کا نتیجہ ہے۔

انگریزی سپاہیوں کی معقولیت اور امن پسندی کا اعتراف

میں جانتا ہوں کہ اس یلغار میں حکم یہ ہے کہ جو شخص اظہارِ اطاعت کرے اس کو قتل نہ کیا جائے ۔ مال چھین لیا جائے اور جو شخص مقابلہ کرے مال کے ساتھ ساتھ اس کی زندگی بھی چھین لی جائے۔ مقتولین کے متعلق یہ خیال ہے کہ انہوں نے یقیناً اطاعت نہیں کی ۔ اسی وجہ سے ان کو قتل کر دیا گیا ۔ مشہور بھی یہی ہے کہ عموماً سامان لوٹ لیتے ہیں۔ قتل نہں کرتے ۔ بہت کم ایسا ہوا ہے۔ اور وہ بھی صرف دو تین کوچوں میں کہ پہلے قتل کر دیا۔ پھر سامان لوٹ لیا (البتہ) بوڑھوں ، عورتوں ، اور بچوں کا قتل روا نہیں رکھا ہے۔

اس مقام پر پہنچ کر توسن خامہ رُک گیا۔ اب میں ایک پر زور آواز بلند کروں کہ سمندِ قدم آگے بڑھائے ۔ اے انصاف کی تعریف کرنے والے اور ظلم کو بُرا کہنے والے حق پرستو! اگر ظلم کی مذمت اور انصاف کی تعریف میں تمہاری زبان اور تمہارا دل ایک ہے تو خدا کے واسطے ہندوستانیوں کا طرزِ عمل یاد کرو۔ اس کے بغیر کہ پہلے سے دشمنی کی کوئی بنیاد ، اور عداوت کا کوئی سبب ہو (ان ہندوستانیوں نے) اپنے آقاؤں کے مقابلے میں تلوار اٹھائی ۔ بے چاری عورتوں اور گہوارے میں کھیلتے ہوئے بچوں کو قتل کیا (حالاں کہ) سب جانتے ہیں کہ اپنے آقا سے بے وفائی کا ناگناہ ہے (اس کے مقابلے میں) ان انگریزوں کو دیکھو جب دشمنی (کا بدلہ لینے) کے لیے لڑنے اٹھے اور گناہ گاروں کو سزا دینے ۔ کے لیے لشکر آراستہ کیا۔ چونکہ (وہ) شہر والوں سے بھی برہم

تھے۔تو موقع تو اس کا تھا کہ (شہر پر) قابض ہونے کے بعد کتے بلی (تک کو) زندہ نہ چھوڑتے۔ (لیکن انہوں نے) ضبط کیا۔(اگر چہ) ان کے سینے میں غصے کی آگ بھڑک رہی تھی۔عورتوں اور بچوں کو ذرا نہیں ستایا۔یہ جو گھر بار اور جان مال محفوظ رہنے کی ذمہ داری نہیں لی گئی ہے۔اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ بے گناہوں اور گناہ گاروں میں امتیاز رہے۔جن لوگوں کو باز پرس کے لیے بلایا گیا ہے ان کے سوا اور کسی کو حاضر ہونے کی اجازت نہیں دی ہے۔

شہر کے بیشتر لوگوں کو باہر نکال دیا ہے۔ کچھ لوگ بہ دستور امید و بیم میں گرفتار (شہر کے اندر) موجود ہیں۔ جو لوگ (شہر سے نکل کر) ویرانوں اور گوشوں میں مقیم ہوئے ہیں۔ان کے بارے میں ابھی کوئی حکم (صادر) نہیں ہوا۔جو لوگ (شہر سے) باہر نکل گئے ہیں یا جو شہر کے اندر مبتلائے پریشانی ہیں ان کے درد کا کوئی مداوا نہیں ہے۔کاش (شہر کے) اندر رہنے والے اور (شہر کے) باہر بسنے والے ایک دوسرے کی زندگی و موت سے واقف ہوتے کہ بے تابی و پریشانی نہ ہوتی۔بس یہ جاننا کافی ہے کہ جو جس جگہ ہے پریشان ہے۔شہر کے اندر رہنے والے مجبور لوگ ہوں یا باہر کے پریشاں حال۔سب کے دل درد سے بھرے ہوئے ہیں اور سب قتل عام کے خوف سے ہراساں ہیں۔

کرنل براؤن کے سامنے پیشی

۵/ اکتوبر کو پیر کا مصیبت آفریں دن (تھا) دو پہر کے وقت اچانک چند گورے اس چھت پر چڑھ گئے جو بند کردہ دروازے سے ملی ہوئی ہے (وہاں سے ایک چھت پر (اور چھتسے) کود کر گلی میں آ گئے۔راجہ نرندر سنگھ کے سپاہیوں کا روکنا (کچھ) مفید نہیں ہوا۔(نہیں روک سکے) دوسرے چھوٹے چھوٹے مکانات کو نظر انداز کر کے راقم الحروف کے گھر میں (گھس) آئے۔(ان گوروں نے) بھل منسی سے سامان کو ہاتھ نہیں لگایا۔مجھ کو ان دونوں بچوں، دو تین ملازمین اور چند نیک کردار پڑوسیوں کے ساتھ گلی سے دو فرلانگ سے کچھ زیادہ فاصلے پر حقیقت پسند، دانش ور کرنل براؤن کے پاس لے گئے۔ جو چوک سے اسی طرف قطب الدین سوداگر کی حویلی میں مقیم ہے۔(کرنل براؤن نے) مجھ سے بہت نرمی و انسانیت سے بات چیت کی۔ مجھ سے نام اور

دوسروں سے پیشہ پوچھا۔ خوش اسلوبی کے ساتھ اسی وقت رخصت کر دیا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اس خوش اخلاق (کرنل براؤن) کی تعریف کی اور چلا آیا۔

۷/اکتوبر

۷/اکتوبر کو شام کے وقت ۲۱/توپوں کی آواز نے (قوت) سامعہ کو نوازا۔ اور آگہی کو غرق حیرت کر دیا (میں سوچنے لگا کہ) لفٹنٹ گورنر بہادر کے آنے پر سترہ توپوں کی سلامی دی جاتی ہے۔ اور نواب گورنر جنرل بہادر کے آنے پر انیس توپوں کی۔ اکیس توپوں کی ہوش افزا سلامی کی کیا وجہ ہے۔ دوسرے دن بھی نہ اس ناواقفیت میں کوئی کمی ہوئی نہ معلومات میں کچھ اضافہ ہوا۔ میرا خیال ہے کہ ملک کے پست و بلند کو ہموار کرنے والے (انگریزوں) کو کسی دوسری جگہ باغیوں پر فتح حاصل ہوئی ہے۔

واضح رہے کہ ابھی باغیوں کے بہت سے گروہ بریلی، فرخ آباد اور لکھنؤ میں جگہ جگہ شورش پھیلانے اور بے فائدہ مقابلہ کرنے میں مصروف ہیں۔ اور ان کے دل، کہ خدا کرے خون ہو جائیں، اور ان کے ہاتھ کہ خدا کرے بے کار ہو جائیں، اسی کام (لڑائی) کے لیے کھلے ہوئے ہیں۔

میواتیوں کی شورش

ادھر سوہنہ اور نوہ کے علاقے میں میواتیوں نے بے طرح شورش پھیلا رکھی ہے جیسے دیوانے زنجیروں سے آزاد ہو گئے ہوں۔ تلا رام نامی ایک شورش پسند کچھ دن تک ریواڑی میں ہنگامہ آرا رہا۔ پھر شیطان کی رہنمائی سے میواتیوں سے مل گیا۔ یہ گروہ میدانوں اور پہاڑوں میں (انگریز) حاکموں سے برسر جنگ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی سرزمین پر ہر طرف تیز آندھیوں اور بھڑکتی ہوئی آگ کے ہنگامے بپا ہیں۔

ان غم انگیز حالات میں، جن کا آغاز زیادہ نہیں ہے اور جن کا انجام معلوم نہیں ہے، رونے کے علاوہ کچھ دیکھا ہو تو آنکھوں کے روزن خاک سے بھر جائیں، روز سیاہ (بدنصیبی) کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں۔ جس کے متعلق کہوں کہ آنکھوں نے اس کو دیکھا۔ اس سے قطع نظر کرتے

ہوئے (کہتا ہوں) کہ روزِ سیاہ (بدنصیبی) تو وہ چیز ہے جس کی تاریکی میں کچھ دیکھا ہی نہیں جاسکتا۔

خانہ نشینی

جس دن گورے مجھ کو پکڑ لے گئے تھے اس دن کے علاوہ چوکھٹ پر قدم رکھنا، گھر سے باہر نکلنا، گلی یا بازار میں چلنا، یا دُور سے چوک کو دیکھ لینا، نصیب نہیں ہوا ہے۔ گویا گنجہ کے دانشور (نظامی گنجوی) نے میری ہی زبان سے کہا ہے۔

میں نہیں جانتا ہوں دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ کیا اچھائی ہو رہی ہے کیا بُرائی۔

ان لاعلاج غموں اور مرہم بیزار زخموں (کے ہوتے ہوئے تو) مجھ کو یہ سوچنا چاہیے کہ میں مر چکا ہوں۔ مجھ کو باز پرس کے لیے اٹھایا گیا اور جزائے اعمال بد کے نتیجے میں دوزخ کے کنوئیں میں لٹکا دیا گیا ہے۔ مجبوراً اس قید میں بیچارگی پریشانی کے ساتھ ہمیشہ جینا پڑے گا۔

مجھ پر جو کچھ آج گزر رہی ہے اگر کل بھی یہی گزری (تو) آہ (کیا ہوگا)

کیفیت روزنامچہ نگاری

اس کتاب میں شروع سے آخر تک یا ان حالات کو ذکر ہے جو مجھ پر گزر رہے ہیں۔ یا ان واقعات (کا ذکر) ہوگا جو سننے میں آئے ہیں۔ میں نے جو شنیدہ حالات لکھے ہیں تو کوئی یہ خیال نہ کرے کہ میں نے جھوٹ باتیں سُنی ہوں گی یا کچھ کم کر کے لکھی ہوں گی۔ میں دارو گیر سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں اور سچائی میں نجات ڈھونڈھتا ہوں۔ آنکھیں بے کار ہیں، دل قید (غم) میں ہے اور لب ساکت ہیں۔ لوگوں کی زبانوں سے میرے کانوں کو معلومات کی بھیک ملتی ہے۔ کیسی بری ہے یہ گدائی! اور وہ بھی اس بے سروپائی کے ساتھ۔

اور یہ جو بادشاہ اور شاہزادوں کے انجام کے متعلق میں نے کچھ نہیں لکھا (حالانکہ ان واقعات کو) فتح شہر کی داستان کے دیباچے کے طور پر (آغاز ہی میں) لکھنا چاہیے تھا۔ اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ اس تحریر کے سلسلے میں میرا سارا سرمایہ سخن ہائے شنیدہ ہیں اور ابھی بغیر سُنی ہوئی

باتیں بہت ہیں۔ یقیناً جب میں اس جائے تنگ سے باہر نکلوں گا جو باتیں اب تک نہیں سُنی ہیں ادھر اُدھر سے جمع کروں گا اور تب واقف کاروں کی طرح یہ راز کی باتیں لکھوں گا، میں اُمید کرتا ہوں کہ اس تحریر کے پڑھنے والے (واقعات) داستان کی تقدیم و تاخیر پر از روئے انصاف، اعتراض نہیں کریں گے۔

۱۹/ اکتوبر

۱۹/ اکتوبر کو پیر کے دن نے 'جس کا نام ہفتے کے رجسٹر سے کاٹ دینا چاہیے، آتش فشاں اژدھے کی طرح دنیا کو نگل لیا۔ اسی دن صبح کے وقت وہ کمبخت دربان بھائی کے مرنے کی خوش خبری لایا۔ کہتا تھا کہ وہ گرم رفتار راہ فنا (یوسف مرزا، پانچ دن تیز بخار میں مبتلا رہا اور آدھی رات کے قریب اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔ پانی، رومال، غسال گورکن، اینٹ، چونے، گارے وغیرہ کا ذکر چھوڑو۔ یہ بتاؤ کہ میں کیسے جاؤں اور (میت کو) کہاں لے جاؤں۔ کس قبرستان میں سپرد خاک کروں۔ بازار میں اچھا بُرا کسی قسم کا کپڑا نہیں ملتا ہے۔ زمین کھودنے والے مزدور گویا کبھی شہر میں تھے ہی نہیں۔ ہندو اپنے مُردوں کو دریا کنارے لے جا کر جلا سکتے ہیں۔ (لیکن) مسلمانوں کی کیا مجال ہے کہ دو تین شخص ساتھ ساتھ راستے سے گزریں۔ چہ جائے کہ میت کو شہر سے باہر لے جائیں۔

مرزا یوسف کے کفن دفن کا انتظام

پڑوسیوں نے میری تنہائی پر رحم کیا اور (اس) کام کو انجام دینے کے لیے تیار ہوئے پٹیالے کے ایک سپاہی کو آگے کیا۔ میرے دو نوکروں کو ساتھ لیا اور چل دیئے۔ میت کو غسل دیا۔ دو تین سفید چادریں یہاں سے (گھر) لے گئے تھے۔ ان میں لپیٹا اور اس مسجد میں جو مکان کے برابر تھی زمین کھودی (قبر بنائی) میت کو اس میں رکھ دیا اور اس گڑھے کو پاٹ کر لوٹ آئے۔

افسوس کہ ساٹھ سال کی عمر میں (وہ) تیس سال شاد رہا اور تیس سال ناشاد قبر میں اس کو بالش خشت بھی نہ ملا۔ خاک کے علاوہ اور کچھ اس کی قسمت میں نہیں تھا اے خدا اس

مرنے والے پر رحم کر کہ اس نے زندگی میں آرام (کی صورت) نہیں دیکھی۔ اس کی
دل جوئی کے لیے کسی فرشتے کو بھیج اور اس کی روح کو بہشت میں داخل کر۔

یہ نیک سرشت لیکن بدقسمت شخص جس نے زندگی کے ساٹھ سال خوش و ناخوش گزارے۔ تیس سال ہوش مندی کے ساتھ اور تیس سال بے ہوشی (دیوانگی) کے عالم میں۔ زمانۂ ہوشمندی میں غصہ ضبط کرنا اور عالم دیوانگی میں کسی کو تکلیف نہ پہنچانا جس کا شعار تھا، ۲۹ رصفر ۱۲۷۴ھ کی شب میں مر گیا ہے۔

ایک شخص نے مجھ سے ستم نصیب میرزا یوسف کی تاریخ (وفات) پوچھی۔ جس نے اس
دنیا میں اپنے سے بے گانہ ہو کر زندگی گزاری۔ میں نے ایک آہ کھینچی اور کہا۔ ''دریغ
دیوانہ۔''

تاریخ وفات مرزا یوسف

واضح ہو کہ ''دریغ دیوانہ'' سے ۱۲۹۰ عدد حاصل ہوتے ہیں۔ اگر ان میں سے آہ کے ۱۶ عدد نکال دیے جائیں تو ۱۲۷۴ رہتے ہیں جو مطلوب ہیں۔

اس خدا کے نام کہ جس کے حضور میں معذرت کرنا ہی مناسب ہے۔ تم جہاں سر
جھکاؤ گے۔ اسی کا آستانہ ہوگا۔

فرماں روائے لوہارو کی تباہی

جس ہفتے انگریزی فوج نے شہر کو فتح کیا، اسی ہفتے نامورانِ دانش مند امین الدین احمد خاں بہادر، اور محمد ضیاء الدین خاں بہادر نے حفظ وضع کی خاطر اور امید بہتری پر شہر چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا۔ بیوی بچوں کے علاوہ تین ہاتھی اور چالیس گھوڑے ساتھ تھے۔ پرگنہ لوہارو کا رُخ کیا۔ جو ان کی آبائی جاگیر ہے۔ پہلے مہرولی گئے اور اس گورستان پُر انوار (مقبرہ) میں قیام کیا۔ دو تین روز آرام کی۔ اس دوران میں لٹیرے سپاہیوں نے قیام گاہ کو گھیر لیا۔ جو کپڑے پہنے ہوئے تھے ان کے علاوہ سارا سامان چھین لیا اور چلے گئے۔ البتہ تینوں ہاتھی جن کو وفادار اور خیر خواہ ہمراہی اس

لوٹ مار کے شروع ہوتے ہی نکال لے گئے تھے۔ تباہی ونقصان کے نشان کی حیثیت سے باقی رہ گئے جیسے تین جلے ہوئے خرمن ہوں۔

(یہ لوگ) لوٹ مار کی مصیبت اٹھا کر (اس) بے سروسامانی کے ساتھ جس کو تم اچھی طرح سمجھ سکتے ہو (ریاست) دوجانہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ (دوجانہ کے) نامور اور نیک کردار (فرمان روا) حسن علی خان بہادر نے از راہ انسانیت وفیاضی (ان کا) استقبال کیا۔ یہ کہہ کر کہ "میرا گھر بھی آپ ہی کا گھر ہے۔" ان سب کو دوجانہ لے گئے۔

قصہ مختصر سردار خوش خصال (حسن علی خاں) نے اپنے ہم سر (مہمانوں) کے ساتھ وہی سلوک کیا جو شاہ ایران نے ہمایوں کے ساتھ کیا تھا۔ صاحب کمشنر بہادر نے (ان حالات) سے واقف ہو کر اپنے پاس بلالیا (یہ لوگ) شہر میں آئے اور حاکم سے ملاقات کی۔ (صاحب کمشنر) نے کچھ دیر طعن وتشنیع کی (لیکن) جب نرم جواب سنا تو پھر کچھ نہیں کہا۔ قلعہ کے اندر ایوان خان سامانی کے پہلو میں ٹھہرنے کا حکم دیا۔

تسلسل کلام کی رعایت کی وجہ سے میں، اس خاندان کی تباہی کی داستان نہیں لکھ سکا ہوں۔ یوں سمجھو کہ مہرولی میں ان لوگوں کو لوٹا گیا اور دہلی میں ان کے مکانات جو مالکوں سے خالی تھے نذر غارت گری ہوئے۔ جو سامان یہ لوگ وہاں (مہرولی) اپنے ساتھ لے گئے تھے، لوٹ مار کرنے والوں کے حصے میں آیا۔ بس متعلقین زندہ دوجانہ پہنچے۔ اور جو سامان یہاں محلات میں تھا، سب لٹ گیا۔ بس اینٹیں پتھر باقی رہ گئے۔ نہ سیم وزر محفوظ رہا۔ نہ لباس وبستر کا ایک تار بچا۔ خدا (ان) کو اس مصیبت کے بعد آرام نصیب ہو۔

حاکم جھجھر اور حاکم فرخ نگر کی گرفتاری

یقیناً اکتوبر کی ۷ ارتاریخ تھی اور سنیچر کا دن کہ یہ دونوں دانشمندان یگانہ شہر میں آئے اور جیسا کہ میں نے (پہلے) کہا ہے قلعہ میں قیام کیا۔ اس واقعہ کے دو، تین دن کے بعد فوج کو حکم دیا گیا۔ فوج گئی اور جھجھر کے حاکم عبدالرحمن کو مجرموں کی طرح لائی۔ قلعہ کے اندر ایک ایوان کے

گوشے میں جس کو دیوان عام کہتے ہیں (ٹھہرنے کے لیے) جگہ دی گئی اور ان کی ساری جاگیر" انگریزی حکومت نے ضبط کر لی۔

۳۱ر اکتوبر کو جمعہ کے دن فرخ نگر کے حاکم احمد علی خاں کو اسی طرح (گرفتار کر کے) لائے۔ جیسے عبدالرحمٰن خان کو لائے تھے اور قلعہ دہلی میں ایک الگ جگہ ان کو ٹھہرایا گیا۔ فرخ نگر بھی تی دست تباہ کاروں کا نشانہ بنا اور شہر والوں کا مال واسباب لٹ گیا۔

حاکم بہادر گڑھ اور حاکم بلب گڑھ کی گرفتاری

۲ر نومبر کو پیر کے دن دادری اور بہادر گڑھ کے حاکم بہادر جنگ خاں گرفتار ہو کر آ گئے اور قلعہ میں جہاں ٹھہرایا گیا۔ ٹھہرے۔ ۱۷ر نومبر کو سنیچر کے دن راجہ ناہر سنگھ حاکم بلب گڑھ کے آ جانے سے قلعہ میں جو سردار مختلف مقامات پر ایک دوسرے سے دور مقیم تھے ان میں ایک اور اضافہ ہوا۔

واضح ہو کہ دہلی کی اجنٹی کے ماتحت جو جاگیریں ہیں۔ وہ شمار میں ہفتے کے دنوں سے کم یا زیادہ نہیں ہیں۔ (دہلی کے ماتحت سات جاگیریں ہیں) جھجھر، بہادر گڑھ، بلب گڑھ، لوہارو، فرخ نگر، دوجانہ، پاٹودی۔ ان میں سے پانچ جاگیروں کے حاکم جیسا کہ میں نے کہا قلعے میں موجود ہیں اور بقیہ دو جاگیردار پاٹودی اور دوجانہ میں خوف کے تیر کا نشانہ ہیں۔ دیکھو! ان کی جہاں بیں آنکھیں دنیا میں کیا دیکھتی ہیں اور کیا انجام ہوتا ہے۔

یہ بات پوشیدہ نہیں رہے گی کہ مظفر الدولہ سیف الدین حیدر خاں اور ذوالفقار الدین حیدر خاں جن کا لقب حسین مرزا ہے۔ اس ہنگامے میں دوسرے باعزت لوگوں کی طرح بیوی بچوں کے ساتھ شہر سے باہر چلے گئے۔ قیمتی سامان سے بھرے ہوئے گھر چھوڑ دیئے۔ اور صحرا نوردی اختیار کی۔ ان لوگوں کے کئی مکانات، محل اور ایوان ہیں باہم متصل۔ (اتنے وسیع کہ اگر (ان محلات و ایوانات کی) زمین کی پیمائش کی جائے تو شہر نہ سہی، ایک گاؤں کے برابر تو (رقبہ) ہوگا۔ اتنے بڑے بڑے محل اس عالم میں کہ ان میں کوئی آدمی تھا ہی نہیں لوٹ مار (کرنے

والوں کے ہاتھوں) صاف اور ویران ہو گئے۔

کچھ کم قیمت لیکن بھاری سامان جیسے ایوان کے پردے، شامیانے، سایبان، شطرنجیاں اور دوسرا فرش ان قیام گاہوں میں باقی رہ گیا تھا، اچانک ایک رات، جس کی صبح کو راجہ نابر سنگھ گرفتار ہوئے، اس سامان میں آگ لگ گئی۔ لپٹیں اٹھنے لگیں، لکڑی پتھر، دیواریں سب جل گئیں۔ یہ عمارت میرے مکان سے جانب مغرب اتنی قریب ہے کہ میں آدھی رات کو بھڑکتی ہوئی آگ کی روشنی چھت پر سے دیکھ رہا تھا اور دھوئیں کی گرمی میرے چہرے اور آنکھوں تک پہنچ رہی تھی۔ کیونکہ اس وقت پچھیاؤ چل رہا تھا راکھ میرے اوپر آ رہی تھی۔ ہاں پڑوسی کے گھر سے (بلند ہونے والے) نغمے سوغات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پھر پڑوسی کے گھر کی آگ راکھ کیوں نہ برسائے۔

شاہزادوں کی سرگذشت

راقم حالات کے قلم کی جنبش (اس واقعے کے اثر سے) جو نیم مردہ چیونٹی کی رفتار کے برابر ہے (سست ہے) (صفحہ) کاغذ پر (اس حالت) کی کیا عکاسی کر سکتی ہے کہ نگاہیں اس کو دیکھ سکیں۔ شاہزادوں کے متعلق اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ بعض کو گولی مار دی گئی (اس طرح) موت کے اژدھے نے ان کو نگل لیا۔ کچھ کی گردن میں پھانسی کا پھندا ڈال دیا گیا۔ (اس طرح) رسن دار کی کشاکش سے ان کی روح مختصر کر رہ گئی۔ چند افسردہ دل قید خانے میں ہیں اور بعض (عالم غربت میں) آوارہ و پریشان پھر رہے ہیں۔ کم زور و ضعیف بادشاہ پر مقدمہ چل رہا ہے۔

جاگیرداروں کا قتل

جھجھر، بلب گڑھ اور فرخ نگر کے جاگیرداروں کو علاحدہ علاحدہ مختلف دنوں میں پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ اس طرح (ان لوگوں کو) ہلاک کیا کہ کوئی کہہ نہیں سکتا کہ خون بہایا گیا۔

جنوری ۱۸۵۷ء

جنوری ۱۸۵۷ء کے آغاز میں ہندوؤں کو فرمان آزادی مل گیا اور (شہر میں) آباد

ہونے کی اجازت دے دی گئی۔ یہ لوگ (ہندو) جہاں جہاں تھے۔ شہر کی طرف چل پڑے۔ خانماں برباد مسلمانوں کے گھروں میں (خالی پڑے رہنے کے سبب سے) سبزہ اس قدر اگ آیا ہے کہ درو دیوار سبز ہیں۔ ہر لحہ سبزۂ سر دیوار کی زبان سے یہ صدا آتی ہے کہ مسلمانوں کی جگہ (بہ دستور) خالی ہے۔

حکیم محمود خاں کے متعلقین کی گرفتاری

شاید بدخصلت مخبروں کے کہنے سے حاکم شہر کا یہ خیال ہوا ہوگا کہ راجہ نرندر سنگھ بہادر کے طبیبوں کا مکان مسلمانوں کی جائے پناہ اور جمع ہونے کی جگہ ہے۔ کوئی تعجب نہیں کہ (ان) بے ہودہ گو ساز (مخبروں) میں سے ایک دو شخص اس محفل میں (موجود بھی ہوں۔ اس خیال سے ۲رفروری کو منگل کے دن (حاکم شہر) کچھ سپاہیوں کے ساتھ اس جگہ آیا۔ اور مکان کے مالکوں کو ساتھ دوسرے نیک دل پناہ گزینوں کے ساتھ اپنے ہمراہ لے گیا۔ اگرچہ کئی رات دن سب کو حوالات میں رکھا۔ لیکن باعزت لوگوں کی عزت کا بھی خیال رکھا۔

۵رفروری

۵رفروری کو جمعہ کے دن حکیم محمود خاں، حکیم مرتضٰی خاں اور ان کے بھتیجے عبدالحکیم خاں عرف حکیم کالے کو واپسی کی اجازت مل گئی۔ ۱۲رفروری کو جمعہ کے دن چند دوسرے اشخاص اور ۱۳رفروری کو سنیچر کے دن تین شخص اور واپس آ گئے (لیکن) نصف سے زیادہ حوالات میں رہ گئے یہ مصیبت جو پڑوس میں نازل ہوئی اور یہ ہنگا جو گلی میں برپا ہوا (اس کی وجہ سے) مجھ درویش غم زدہ کا دل بھی قابو میں نہیں۔ اس کے باوجود کہ اس داروگیر میں مجھ سے کوئی تعریض نہیں کیا گیا۔ ابھی تک (یہ عالم ہے) کہ دن بھر متفکر رہتا ہوں اور رات میں آرام کی نیند نہیں سو پاتا ہوں۔

قصیدہ در مدح سر جان لارنس

فروری کے پُر شوکت مہینے میں کہ زمانے سے ماہ فروردین تک (جو موسم بہار کا پہلا مہینہ ہے) جس میں آفتاب کی رونق و روشنی بڑھ جاتی ہے سورج کو ابھی (برج حمل تک پہنچنے کے

لیے) ایک مہینے کا سفر طے کرنا ہے۔ حاکم مہربان، خورشید طلعت، ستارہ حشم سرجان لارنس صاحب چیف کمشنر بہادر کے آنے کی خبر مشہور ہوئی۔ چوں کہ میرا یہ طریقہ رہا ہے کہ جو حاکم ہندوستان خصوصاً اس شہر (دہلی) میں آئیں ان کی مدح میں قصیدہ بھیجا جائے۔ اس بنا پر اس والا شکوہ (سرجان لارنس) کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھا۔ جو تہنیت فتح اور خیر مقدم نوروز پر مشتمل تھا اور ۱۹ رفروری کو جمعہ کے دن بہ ذریعہ ڈاک بھیجا۔

۲۰ رفروری۔ خبر فتح لکھنؤ

۲۰ رفروری کو شام کے وقت ۲۱ دیو آواز، نہنگ آہنگ توپوں کی آواز آئی اور اتوار کی صبح کو شہر لکھنؤ کی فتح کی خوشخبری اس تفصیل کے ساتھ سننے میں آئی کہ ۱۶ رفروری کو آسمان سروری کے اختر تابندہ، سپہ سالار نامدار کمانڈران چیف بہادر نے سیاہ رو، جنگ جو (باغیوں) پر اس طرح حملہ کہ آسمان کے سپہ سالار (مریخ) نے سلامت دست و بازو کی اتنی دعائیں دیں اور اس قدر تعریف کی کہ اس کے ہونٹوں پر بتخالے پڑ گئے اور زبان تھک گئی۔

دنیا کو آبادی کا مژدہ، اور اہلِ دنیا کو نوید آزادی! کہ آزاد اور نیک ذات لوگوں کا دور دورہ ہاں بھی ختم ہوگیا۔ پھر سننے میں آیا کہ توپوں (کی گرج) اور شہنائیوں کے نغمے (صرف) حصول طاقت کے شادیانے تھے۔ فتح نصیب فوج کے بہادر اس جنگ کے دوران میں شہر پر قابض نہیں ہوئے (بلکہ) دلیروں کی طرح دشمنوں کو قتل کرنے کے لیے دوڑ پڑے (دشمنوں کو) زخمی اور قتل کرنے کے بعد (اپنے) پڑاؤ کی طرف لوٹ آئے۔

۲۴ رفروری۔ آمد چیف کمشنر

۲۴ رفروری کو بدھ کے دن ایک پہر دن چڑھے مبارک وقت میں باغ انصاف کے سروِ آزاد آسمانِ رفعت کے ماہ تابندہ، فرخ طلعت، فرخندہ سیرت، ستارہ حشم چیف کمشنر بہادر نے اپنے توسن کے سموں کے نشانات دہلی کی سرزمین کو آسمان کی طرح ستارہ زار بنا دیا۔ اور تیرہ توپوں کی (سلامی کی) آواز نے خستہ دلوں کو مراہم مہر و محبت کی بشارت دی۔

حاکم شاہ نشاں (کیا) آئے کہ شہر کے (مردہ) جسم میں روح واپس آ گئی۔ شہر میں
مسرت کی ایسی (لہر) دوڑ گئی ہے جیسے (شہنشاہ) شاہ جہاں آ گئے ہوں۔

۲۷ر فروری

۲۷ر فروری کو جب سنیچر کا دن ختم ہوا اور رات آئی۔ رات کے تین پہر گزر گئے (اس وقت) مظلوموں کے دل کا دھواں چاند پر اس طرح چھا گیا کہ دیکھنے والے بے اختیار چلا اُٹھے کہ چاند گہن میں آ گیا۔ اسی سنیچر کو حکم دور باش ختم ہو گیا۔ انصاف چاہنے والے اور پریشاں حال لوگوں کو حاضر ہونے کی اجازت اور خواہش مندوں کو پناہ دے دی گئی۔

بے شمار لوگوں کو پھانسی

اس شہر میں قید خانہ شہر سے باہر ہے اور حوالات اندرون شہر ان دونوں میں بے شمار لوگوں کو بھر دیا گیا ہے (ان محدود مقامات میں کثرت تعداد کو دیکھ کر) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آدمی میں آدمی سمایا جا رہا ہے۔ ان دونوں قید خانوں کے جن قیدیوں کو مختلف دنوں میں پھانسی دے دی گئی ہے ان کی تعداد فرشتۂ موت ہی جانتا ہے۔ شہر میں ایک ہزار سے زیادہ مسلمان نہیں پاؤ گے۔ میں بھی ان میں سے ایک ہوں۔ جو لوگ شہر سے نکل کر چلے گئے ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگ اس قدر دُور نکل گئے ہیں گویا وہ اس سرزمین (دہلی) کے باشندے تھے ہی نہیں۔ بہت سے عالی مرتبہ لوگ شہر کے اردگرد دو دو، چار چار کوس پر ٹیلوں، گڑھوں، چھپروں اور کچے مکانوں میں اپنے نصیب کی طرح آنکھیں بند کیے ہوئے پڑے ہیں۔ اس ویرانہ نشین گروہ میں یا تو وہ لوگ ہیں جو شہر میں رہنے کے خواہش مند ہیں یا گرفتار شدہ لوگوں کے رشتہ دار ہیں یا خیرات خوار یعنی پنشن دار ہیں۔ لوگوں کی درخواستوں میں رہائی، آبادی اور اجرائے پنشن کے علاوہ اور کوئی (مضمون) نہیں پاؤ گے۔ داد خواہوں کی دو تین ہزار درخواستیں" عدالت میں پہنچ چکی ہیں۔ یہ انصاف طلب چشم براہ اور گوش بر آواز ہیں کہ کیا سننے اور دیکھنے میں آتا ہے۔

۸ / مارچ

میں بھی اس نیاز نامے اور ستایش نامے کے جواب کا منتظر ہوں جس کو میں نے بہ ذریعہ ڈاک بھیجا تھا۔ مختلف خیالات پریشاں کے سبب سے حاکم (شہر) کی جائے قیام پر جانے اور ملاقات کرنے کی کوئی صورت نہیں نکلی ہے۔ مختصر یہ کہ (ہر اعتبار سے) ایسی مصیبتیں ہیں گویا (ہر طرف) کانٹے ہی کانٹے ہیں۔ اگر باہر نکلو گے تو راستے میں (بچھے ہوئے) دیکھو گے۔ اگر گھر (ہی) میں بیٹھے رہو گے (تو معلوم ہوگا) کہ کپڑوں میں چھپے ہوئے ہیں۔ (کسی طرح سکوں نہیں ہے) ابھی تک صبر بے تابی پر غالب تھا کہ ۸ / مارچ کو پیر کے دن وہ خط ایک تحریر کے ساتھ میرے پاس واپس آ گیا۔ خط کی پیشانی حاکم دانش آموز کے اس فرمان سے منور تھی کہ خط فرستندہ کو واپس کر دیا جائے تاکہ وہ حاکم شہر کے توسط سے ہمارے پاس بھیجے۔ سب نے کہا اور میں نے بھی سوچا کہ یہ پُر فائدہ جواب امید افزا علامت ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میری (گزارشات) منظور ہو جائیں گی۔ وہ خط جس پر فرمان مسطور تھا۔ مناسب عبارت کے اضافے کے ساتھ سرور عادل رعایا پرور، دانش مند، چارلس سانڈرس صاحب چیف کمشنر بہادر کے حضور میں بھیجا اور ایک خط خاص طور پر نامور موصوف (چارلس سانڈرس کے نام منسلک کر دیا جو خواہش دیرینہ یعنی اجرائے پنشن سے متعلق تھا۔

۱۷ / مارچ کو بدھ کے دن فرماں روا کے حضور سے پہلی خواہش کے بارے میں یہ حکم صادر ہوا کہ یہ خط جس میں تہنیت کے سوا کچھ نہیں ہے اس کے بھیجنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے بھی سوچا کہ ایسے پُر آشوب حالات میں مہر و محبت اور مسرت و انبساط کی کیا گنجائش، میں تو بندۂ شکم ہوں مجھ کو تو روٹی چاہیے۔ دیکھوں اس دوسری خواہش کے بارے میں کیا حکم ہوتا ہے۔

۱۸ / مارچ فتح لکھنؤ

۱۸ / مارچ کو جمعہ کے دن شام کے وقت روح کو توانائی بخشنے والی آواز توپ آسمان کے نیلے گنبد میں گونج اٹھی۔ (جس سے) لکھنؤ کا فتح ہونا اور اس شہر میں کینہ خواہ انگریزی فوج کا حسب

دلخواہ پھیل جانا معلوم ہوا۔ اس شہر میں قلعہ، فصیل، دروازہ کچھ نہیں۔ یقیناً وہاں کے (باغیوں) کی فوج دیوار اس طرف کے بہادروں (انگریزوں) کا راستہ روکے ہوئے ہوگی جب وہ کم زور دیوار بہادروں کی کوشش کی آندھی سے گرگئی ہوگی تو بالیقین سواروں اور پیادوں کے چلنے سے ہر راستے سے گردوغبار بلند ہوا ہوگا۔ ہاں خدا اپنے فضل سے جس کو بادشاہت عطا کرتا ہے اس کو فتح کرنے کی طاقت، اور شان وشوکت بھی عطا کرتا ہے۔ اسی بنا پر جو شخص فرماں راوؤں کی نافرمانی کرتا ہے وہ اس قابل ہے کہ اس کے سر پر جوتے لگیں۔ محکوم کا حاکم سے لڑنا (ستالی) پر ہاتھ مارنا (اپنے آپ کو تباہ کرنا) ہے۔ دنیا والوں کے لیے مناسب ہے کہ جن لوگوں کو خدا نے خوش بختی عطا کی ہے ان کے سامنے سر جھکا دیں اور فرمارواؤں کے حکم کی تعمیل کو خدا کے حکم کی تعمیل سمجھیں۔ جب ہم کو یہ معلوم ہو گیا کہ خوش نصیبی حکومت اور طاقت کس کی بخشی ہوئی ہے تو پھر سرکشی اور بیزاری کیوں ہے نغمہ طراز شیراز (سعدی) نے اس بات کو کیسے اچھے انداز سے ادا کیا ہے۔

غلام کو (آقا کے) حکم کے سامنے سر نہیں جھکائے گا تو کیا کرے گا۔ گیند چوگان کی اطاعت کے علاوہ کر بھی کیا سکتی ہے۔''

۲۲ر مارچ سے مجھ دیوانے کے دل میں یہ بات کھٹک رہی ہے کہ دنیا میں فروردیں کا مہینہ اور نوروز کا دن بھی آتا ہے اور وہ روز جہاں افروز (نوروز) انہیں دو چار تاریخوں میں ہوتا تھا۔ امسال شاید شہر مردوں کا مسکن ہے کہ بہار کی آمد آمد پر نعرہ ہائے مسرت سننے میں نہیں آتے ہیں۔ کوئی نہیں کہتا ہے کہ یہ دن کے برابر ہونے کی ساعت کب آئے گی۔ اگر منجم مرگئے ہیں اور دن کے بادشاہ (آفتاب) کے سفر کا روزنامچہ تحریر (پیش گوئی آثار) سے خالی رہ گیا تو یہ سمجھو کہ چند جھوٹ بولنے والے کم ہو گئے اور یہ فرض کرلو کہ چند جھوٹی باتیں سُنی ہی نہیں۔ آفتاب برج حمل میں قیام (تحویل) کو بھولا نہیں ہے کہ سبزہ نہ اُگے اور پھول نہ کھلیں۔ اصول آفرینش بدلتے نہیں ہیں۔ آسمان مقررہ اصول گردش کے خلاف عمل نہیں کرسکتا۔

میں باغ پر نہیں اپنے اوپر آنسو بہا رہا ہوں۔ مجھے موسم بہار کی کوئی شکایت نہیں ہے اپنی بدقسمتی کا شکوہ کر رہا ہوں۔

دنیا لالہ کے پھولوں سے رنگین اور گلاب کے پھولوں کی خوشبو سے معطر ہے (لیکن)
میں ایک گوشے میں مجبور و بے سروساماں بیٹھا ہوا ہوں۔ بہار کا موسم ہے اور میں
بالکل بے سروسامان ہوں۔ مفلسی کے سبب سے گھر کا دروازہ بند ہے۔''

روانگی حکیم محمود خاں

میں روتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ زمانہ بہت بے پروا ہے۔ میں زاویہ نشین غم و آلام اگر سبزہ و گل کو نہیں دیکھوں گا اور دماغ کو پھولوں کی خوشبو سے معطر نہیں کروں گا تو بہار میں کیا کمی آجائے گی اور ہوا سے کون تاوان لے گا؟

اپریل کے مہینے میں جس میں دو ثلث ماہ فروردیں کے اور ایک ثلث ماہ اردی کا ہے، حکیم محمود خاں کے ساتھ جو لوگ قید خانے میں باقی تھے، رہا ہو گئے۔ ہر ایک نے اپنا راستہ لیا۔ وہ ناز پروردہ، صاف طینت (حکیم محمود خاں) سارے رشتے داروں، بیوی بچوں اور متعلقین کے ساتھ پٹیالے کی طرف چلا گیا۔ کہتے ہیں ابھی تک وہ کرنال میں مقیم ہیں۔ معلوم نہیں آئندہ کے لیے کیا سوچا ہے۔

فتح مراد آباد

مئی کے شروع میں کانوں کو یہ خبر سننے کا فخر حاصل ہوا کہ سپاہ کینہ خواہ کے بہادروں نے مراد آباد کو فتح کر لیا۔ جو بداندیش (باغیوں) کی گزرگاہ تھا اور اس شہر کو انصاف سے آراستہ کرنے کے لیے عالی نسب، سرچشمہ، علم و دانش نواب یوسف علی خاں بہادر کے حوالے کر دیا۔ آج کل (نواب یوسف علی خاں) جو دنیا کو فتح کرنے اور دنیا پر حکومت کرنے کے اہل ہیں، اس علاقے پر تعمیل حکم کے طور پر فرمانروائی کر رہے ہیں (اور مجھ کو) امید ہے کہ ہمیشہ فرماں روائی کرتے رہیں گے۔

فتح بریلی

اس کے علاوہ کہتے ہیں کہ کوہ شگاف اور اژدھا شکار فوج نے جب (بریلی و مراد آباد کے) اس علاقے پر یورش کی۔ تو بریلی کے گناہ گار) باغیوں کو اس طرح نکال باہر کیا جیسے طاقت ور

موجیں خس و خاشاک کو کنارے پر پھینک دیتی ہیں۔ اس صورت حال (کو دیکھتے ہوئے) توقع ہے کہ جو گراں جان (باغی) ادھر اُدھر باقی رہ گئے ہیں، شہروں گاؤں میں لوگوں کو پریشان کرتے ہیں اور راستہ چلنے والوں کو ستاتے ہیں، ان کا دور دورہ بھی جلد ختم ہو جائے گا۔ اور سارا ملک حاکمان عادل (انگریز) کے پرچم کے زیر سایہ آجائے گا۔

۱۳ رجوم۔ احوال بہادر جنگ خاں

۱۳ رجون کو اتوار کے دن شام کے وقت حاکم شہر نے بہادر جنگ خاں کو اپنے پاس بلایا۔ جو قلعہ میں نظر بند تھے وہ بڑی امیدوں کے ساتھ گئے۔ جاں بخشی اور ایک ہزار ماہانہ وظیفہ (مقرر کیے جانے) کی خوش خبری سنائی گئی اور حکم ہوا کہ لاہور کی طرف چلے جائیں۔ اس کے بعد آزادی کی زندگی بسر ہوگی اور اسی شہر (لاہور) میں رہنا ہوگا۔ بے شک ان حالات میں مناسب یہی ہے کہ وہ (بہادر جنگ خاں) جاہ دولت کے غم و افسوس سے آزاد ہو جائیں۔ اور اس آزادی پر مسرور مطمئن ہوں۔

فتح گوالیار

دن کا شہنشاہ (آفتاب) جس کا سر روزانہ نیزے پر گھمایا جاتا ہے ابھی اُفق مشرق سے بہ قدر یک نیزہ بلند نہیں ہوا تھا کہ ماہ جون کے گزرے ہوئے دنوں کی تعداد کے برابر رعد کی طرح گرجنے والی توپوں کی آواز بلند ہوئی۔ (۲۱ ضرب توپ سے مراد ہے) جس نے دوستوں کے دل کو مسرت و شادمانی سے معمور کر دیا۔ اور آگ سے زیادہ جلانے والی (غم کی) راکھ دشمنوں کے سر اور چہرے پر ڈال دی۔ گوالیار کا شہر فتح ہو جانے اور اس سنگین قلعہ کے ہاتھ آجانے کی خوش خبری جو زمین کا جگر گوشہ اور پہاڑ کا لخت جگر ہے، خدا کے دربار سے سرکشوں کی موت پروانہ لائی۔ (اس مژدہ پُر مسرت نے) حاکموں اور فرماں برداروں کو آرزوؤں کے چراغ جل اٹھنے (آرزوئیں پوری ہو جانے) کی بشارت دی۔"

یہ داستان یوں ہے کہ باغیوں نے گوالیار پر قبضہ کر لیا۔ فرماں روائے گوالیار مہاراجہ

جیا جی راؤ حکومت اور شہر دونوں کو چھوڑ کر آگرے چلے گئے۔ اور انگریزوں سے مدد چاہی (انگریزوں سے) امدادی فوج لے کر اپنے وطن کی طرف گئے اور فتح حاصل کی۔ (باغیوں نے) بھاگم بھاگ ہر طرف سے گوالیار کا رُخ کیا (تھا) یہاں ایسی شکست فاش ہوئی۔ اس معلوم ہوتا ہے کہ ان گمراہوں کا انجام یہ ہوگا کہ بدحالی و پژمردگی کے ساتھ ادھر اُدھر لوٹ کرتے پھریں اور آخر کار جگہ جگہ ذلت وخواری کے ساتھ مارے جائیں گے۔ ان کے صحرانورد گھوڑوں کو بے آب گیاہ میدانوں میں زمین پر پڑا ہوا (مردہ) دیکھو گے اور اس گروہ کے ساز وسامان کو گزرگاہوں میں بکھرا ہوا پاؤ گے۔ پھر ہندوستان خس وخار (ظلم وستم) سے ایسا پاک ہو جائے گا کہ جنگل کا ہر گوشہ باغ کی طرح سرسبز ہوگا۔ اور ہر رہ گزر بازار کی طرح پُر رونق نظر آئے گی۔

راقم الحروف کی زندگی کے ترسٹھ سال گزر چکے ہیں۔ ان طرح طرح کے روح فرسا غموں (کے سبب) سے ظاہر ہے کہ اب زمانے سے اور زیادہ فرصت (عمر) کی توقع بے جا ہے۔ مجبوراً سحر نگار شیراز (سعدی) رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار کو دہراتا ہوں اور جس طرح ایک غم نصیب دوسرے غم زدہ شخص سے نصیحت حاصل کرتا ہے۔ ان اشعار (کو پڑھ کر) اگر دل کو خوش نہیں کر سکتا ہوں تو کم سے کم قید رنج وغم سے آزاد تو کر ہی لوں گا۔

افسوس! ہمارے بغیر اس دنیا میں بار ہا بہاریں آئیں گے اور پھول کھلیں گے۔ تیر، دے اور اردی بہشت کے مہینے بار بار آئیں گے جب کہ ہم (قبر میں) خاک ہو چکے ہوں گے۔

فی الحقیقت سچی بات کو چھپانا اچھے لوگوں کا طریقہ نہیں ہے۔ میں نیم مسلمان مذہبی پابندیوں سے آزاد ہوں اور بدنامی ورسوائی کے رنج سے بے نیاز۔ ہمیشہ سے رات میں صرف ولایتی شراب پینے کی عادت تھی۔ ولایتی شراب نہیں ملتی تھی تو نیند نہیں آتی تھی۔ آج کل جب کہ انگریزی شراب شہر میں مہنگی ہے اور میں بالکل مفلس ہوں، اگر خدا دوست، خدا شناس، فیاض دریا دل مہیش داس دیسی شراب قند جو رنگ میں ولایتی شراب کے برابر اور بو میں اس سے بڑھ کر ہے بھیج کر آتش دل کو سرد نہ کرتے تو میں زندہ نہیں رہتا۔ اسی عالم جگر تشنگی میں مر جاتا۔

عرصے سے دل چاہتا تھا کہ کسی طرح میری آرزو پوری ہو جائے (آرزو یہ تھی کہ) شراب
ناب کے ایک دو ساغر مل جائیں۔ دانش مند مہیش داس نے مجھ کو وہ آب (حیات) بخش
دیا جس کو سکندر نے اپنے لیے ڈھونڈا تھا۔

یہ بات کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس نیکی پسند شخص (مہیش داس) نے (شہر میں)
مسلمانوں کی آبادکاری کے متعلق کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ چوں کہ خدا کی مرضی نہیں تھی۔ کوشش کار
گر نہیں ہوئی۔ سب جانتے ہیں کہ (شہر میں) ہندوؤں کا آزادی کے ساتھ رہنا مہربان حاکموں کی
محبت اور مہربانی کا نتیجہ ہے۔ بہرحال اس نیکی پسند بہی خواہ، (مہیش داس) کا اس انتظام میں دخل
رہا ہے۔ قصہ مختصر خوش نصیب شخص ہے۔ لوگوں کے ساتھ نیکی کرتا ہے۔ زندگی عیش و مسرت کے
ساتھ گزارتا ہے۔" اگرچہ مجھ سے بہت پرانی شناسائی نہیں ہے۔ اتفاقاً کبھی ملاقات اور بات
چیت ہو جاتی ہے اور کبھی کبھی کوئی تحفہ بھیج کر مجھ کو ممنون کرتا ہے۔

ہندو شاگردوں اور دوستوں کی امداد کا اعتراف

میرے دوسرے متعلقین اور شاگردوں میں سے ہیرا سنگھ، جو ایک نیک نام نوجوان،
اور تعلقات کا بہت خیال رکھنے والا ہے، (برابر) آتا رہتا ہے اور میرا غم غلط کرتا ہے۔ اس نصف
آباد نصف ویران شہر کے لوگوں میں سے عالی نسب شیو جی رام برہمن" جو ایک عقل مند نوجوان
ہے اور مجھ کو بیٹے کی طرح عزیز ہے۔ مجھ درویش غم زدہ کو بہت کم تنہا چھوڑتا ہے۔ فرماں برداری
اور کارسازی کی کوشش کرتا ہے۔ اس کا لڑکا بال مکند جو ایک پرہیزگار اور خوش اخلاق نوجوان ہے۔
اپنے والد کی طرح تعمیل حکم میں مستعد اور غم گساری میں یکتا ہے۔"

دُور دراز کے دوستوں میں سے ایک (ایک دوست) آسمان محبت کے ماہ کامل شیوا
بیان ہرگوپال تفتہ (بھی ہیں) جو میرے پرانے مونس و ہمدم ہیں اور اس بنا پر کہ مجھ کو اپنا استاد کہتے
ہیں ان کا کلام ساری خداداد خوبیوں کے ساتھ میرے لیے سرمایۂ ناز ہے۔ مختصر یہ کہ بہت اچھے
آدمی ہیں۔ سر تا پا محبت و اخلاص۔ شاعری سے ان کو فروغ (شہرت) حاصل ہے اور ان کے دم

سے شاعری کے ہنگامے گرم رہتے ہیں۔ انتہائے محبت سے میں نے ان کو اپنا جزو روح سمجھ لیا ہے اور ''مرزا تفتہ'' خطاب دیا ہے۔ انہوں نے میرٹھ سے ایک ہنڈی میرے پاس بھیجی۔ نیز غزل اور خط برابر بھیجتے رہتے ہیں۔

یہ باتیں جن کا لکھنا لازمی نہیں تھا، صرف اس لیے لکھیں کہ (ان لوگوں کی) فیاضی اور محبت کا شکریہ ادا ہو جائے۔ نیز اس لیے بھی (لکھیں) کہ جب یہ داستان دوستوں کے ہاتھوں میں آئے تو وہ سمجھ لیں کہ شہر مسلمانوں سے خالی ہے۔ راتوں کو ان لوگوں کے گھر چراغ سے محروم رہتے ہیں، اور دن میں دیواروں کے روزن دھوئیں سے۔ غالب جس کے شہر میں ہزاروں دوست تھے ہر گھر میں شناسا اور واقف کار موجود تھے۔ اس تنہائی میں قلم کے سوا کوئی اس کا ہم زبان اور (اپنے) سایہ کے علاوہ کوئی ساتھی نہیں ہے۔

> اب میر چہرے پر اس وقت تک آب و رنگ نہیں آتا ہے جب تک کہ ہزار بار اشک خوں سے چہرے کو تر نہ کروں۔ میرے جسم میں غم و افسوس جان و دل بن گئے ہیں اور میرے بستر کا تانا بانا کانٹوں سے (تیار ہوا) ہے۔

گھر کی تباہی

اگر شہر میں یہ چاروں شخص نہ ہوتے تو کوئی شخص میری بے کسی کا گواہ بھی نہ ہوتا۔ (گردش) روزگار پر رشک آتا ہے کہ اس لوٹ مار میں جب کہ شہر کے کسی گھر میں مٹی بھی نہیں بچی۔ اگرچہ میرا گھر لوٹ مار کرنے والوں کی دراز دستی سے محفوظ رہا۔ (لیکن) میں قسم کھا سکتا ہوں کہ بستر اور پہننے کے کپڑوں کے علاوہ گھر میں کچھ نہیں رہا۔ اس عقدۂ دشوار کا حل اور اس دروغ نما سچ کی حقیقت یہ ہے کہ جس وقت کالوں (باغیوں) نے شہر پر قبضہ کیا۔ بیگم نے مجھ سے کہے بغیر قیمتی چیزیں، زیور، وغیرہ جو کچھ تھا خفیہ طور پر کالے صاحب پیرزادہ کے یہاں بھیج دیا۔ وہاں تہ خانے میں محفوظ کر دیا گیا اور دروازہ مٹی سے پاٹ دیا گیا۔

جب فاتح (انگریزوں نے شہر کو فتح کیا اور سپاہیوں کو لوٹ مار کا حکم مل گیا تب بیگم نے

یہ راز مجھ سے کہا۔ وقت نکل چکا تھا (وہاں تک) جانے اور (سامان لانے کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔ میں خاموش ہو گیا اور دل کو سمجھا لیا کہ یہ چیزیں جانے والی ہی تھیں۔ اچھا ہوا کہ میرے گھر سے نہیں گئیں۔

تنگدستی و مجبوری

اب یہ جولائی کا پندرھواں مہینہ ہے۔ قدیم پنشن جو سرکار انگریزی سے (ملتی تھی) اس کے ملنے کا کوئی ذریعہ نہیں نکلا۔ بستر اور کپڑے بیچ بیچ کر زندگی گزار رہا ہوں۔ گویا دوسرے لوگ روٹی کھاتے ہیں میں کپڑے کھاتا ہوں۔ ڈرتا ہوں کہ جب کپڑے سب (بیچ کر) کھالوں گا عالم برہنگی میں بھوک سے مر جاؤں گا۔

اس قیامت میں پُرانے نوکروں میں سے دو، تین، نوکر میرے پاس سے نہیں گئے۔ ان کی بھی پرورش کرنا ہے۔ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ آدمی آدمی کے بغیر رہ نہیں سکتا۔ نوکر کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ اس گروہ (ملازمین) کے علاوہ دوسرے ضرورت مند جو ہمیشہ سے مجھ سے کچھ نہ کچھ فائدہ اٹھانے کے عادی ہیں اس بُرے وقت میں اپنی بھی روح فرسا آواز (سوال) سے مرغ کی صدائے بے ہنگام سے زیادہ تکلیف پہنچاتے ہیں۔

اب جب کہ جسمانی تکلیفوں کے دباؤ اور روحانی اذیتوں کی گداختگی نے جسم و جان کو تباہ کر دیا ہے۔ یکا یک دل میں خیال آیا کہ اس کھلونے کو آراستہ کرنے میں (جس کا نام تصنیف ہے) کب تک مشغول رہا جا سکتا ہے۔ یقیناً اس کشمکش کا انجام یا تو موت ہے یا بھیک مانگنا۔ پہلی صورت میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوگا کہ یہ داستان ہمیشہ کے لیے انجام و اختتام سے محروم رہے اور پڑھنے والوں کے دلوں کو افسردہ کرے۔

دوسری صورت میں (یہ بات) ظاہر ہے کہ اس ساری داستان میں اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا کہ فلاں گلی سے سر بازار دھتکار دیا گیا اور فلاں دروازے پر کچھ مل گیا۔ پھر یہ باتیں کب تک بیان کی جا سکتی ہیں اور اپنے آپ کو (کہاں تک) رسوا کیا جا سکتا ہے۔ باقی پنشن اگر مل گئی

تب بھی آئینہ (دل) سے زنگ (غم) صاف نہیں ہو سکے گا (قرض ادا نہیں ہو گا) اگر نہیں ملی، اس صورت میں شیشہ پتھر سے چور چور ہو جائے گا (تباہی یقینی ہے) اور سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں چونکہ یہاں (دہلی) کی آب و ہوا مصیبت زدہ لوگوں کو ساز گار نہیں آتی ہے۔ یقیناً شہر سے بھاگنا ہو گا اور کسی دوسرے شہر میں رہنا ہو گا۔

تفصیل وقائع دستنبو

مئی سال گذشتہ سے لے کر جولائی ۱۸۵۸ء تک کی روداد میں نے لکھی ہے۔ یکم اگست سے قلم ہاتھ سے رکھ دیا ہے۔ کاش میری ان تین خواہشوں یعنی خطاب، خلعت، اور پنشن کے اجرا کا حکم شہنشاہ فیروز بخت کے حضور سے آجائے جن کے متعلق میں نے اس تحریر میں بھی (کچھ) لکھا ہے میری آنکھیں اور میرا دل انہیں کی طرف لگا ہوا ہے وہ شہنشاہ کہ چاند جس کے سر کا تاج ہے۔ آسمان جس کا تخت ہے، جمشید نشان، فریدوں فر، کاؤس مرتبہ، سنجر شکوہ، سکندر، وہ شہنشاہ کہ شاہ روم اس بات کے لیے اس کا شکر گزار ہے کہ اس کے تخت و تاج کی عزت رہ گئی فرماں روائے روس کس دل اس کی لشکر کشی کے خوف سے دو نیم ہے۔ آفتاب اس خیال سے کہ (یہ) جہاں سوزی اس کی ناراضی کا سبب ہے اگر ڈرتا نہیں ہے تو پھر وہ کیوں ہر لمحہ کانپتا رہتا ہے اور ماہ کامل اس اندیشے سے کہ دنیا کو منور کرنے میں اس کی برابری کا احتمال ہے اگر اپنی گستاخی کی معافی نہیں چاہتا ہے تو پھر کیوں ہر رات خوف سے گھٹتا رہتا ہے۔

> وہ مالک تیغ و نگین و علم ہے۔ وہ شہنشاہ سلطنت بخش اور بادشاہ ساز ہے۔ صاحب دانش، فرخ طلعت اور نیک خو ہے۔ اس کا مرتبہ انصاف میں نوشیروان سے بلند تر ہے۔ جمشید کے پاس جو درخشاں علم تھا وہ اس لیے اس کو حفاظت سے رکھتا تھا کہ اس ملکۂ نام ور کے سپرد کر دے۔
>
> خسروی کی طرف سے تریخ زر اور اس کے ساتوں خزانے بغیر زحمت اٹھائے ہوئے ملکہ کو بہ طور تحفہ ملے ہیں۔

وہ تخت (سلیمان) جس کو ہوا اپنے کاندھوں پر لے جاتی تھی۔ فرشتۂ غیب نے ملکہ کے سامنے بہ طور پیش کش پیش کیا ہے۔

تم نہیں دیکھتے ہو کہ پہاڑوں میں پتھروں کے جگر سے گوہر رنگا رنگ برآمد ہوتے ہیں سورج کو اس کے تاج کا خیال رہتا ہے۔ ورنہ اسے موتیوں سے کیا کام۔

اگر وہ (ملکہ وکٹوریہ) موتی لٹانے کا ارادہ کریں اور لٹائیں تو (کثرت بخشش سے یہ حالت ہوگی کہ) اگر کوئی شخص ان موتیوں کو شمار کرنا چاہے گا تو شمار کرتے کرتے اس کی انگلیاں گھس جائیں گی۔

اس کی فوج کے خوف سے جو لڑائی کے وقت دریاؤں اور پہاڑوں کو تباہ کردیتی ہے۔ پہاڑوں میں اژدہے اور دریاؤں میں نہنگ سر پٹک کر مرجائیں گے۔

اس کی شان وشوکت کا یہ عالم ہے کہ بڑے بڑے بادشاہ (اس کے در کے) گدا ہیں۔

اس کی ضیا بخشی اور کرم بے دریغ کا یہ فیض ہے کہ یہ سورج روشن ہے اور بادل میں برسنے کی صلاحیت ہے۔

وہ کرم وفیاضی سے اہل علم ودانش کو نوازتی ہیں اور ان کی دانش مندی کی برکت سے دوسرے لوگ صاحب خرد ہو جاتے ہیں۔

ان کی سخاوت حیرت آفریں ہے اور ان کی عقل رسا۔ ان کا نام ملکۂ عالم وکٹوریہ ہے۔

خدائے پاک ان کا نگہبان رہے (خدا کرے) اس محفل (ہستی) میں ان کا قیام دیر تک رہے۔

اگر ملکۂ عالم کی بخشش سے میں کچھ حاصل کرلوں گا تو اس دنیا سے ناکام نہیں جاؤں گا۔

جب بات یہاں تک آپہنچی تو میں خاموش ہو گیا۔ میں داستان کہنا نہیں چاہتا ہوں۔

مکمل ہونے کے بعد اس کتاب کا نام دستنبو رکھا گیا (یہ کتاب) لوگوں کو دی گئی اور ادھر ادھر بھیجی گئی تاکہ صاحبان علم ودانش کی روح کو تسکین بخشے اور انشا پرداز (انداز نگارش پر) فریفتہ ہو جائیں۔ امید ہے کہ یہ مجموعۂ دانش (دستنبو) انصاف پسند لوگوں کی نگاہوں میں آتشیں

گیند۔ آمین

ہماری طبیعت جو ہمیشہ رواں رہتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم رازہائے آسمانی کا سرچشمہ ہیں۔ یہ کتاب دساتیری کا ایک حصہ ہے — اس کاروانی کے لحاظ سے (گویا) ہم ساسان ششم ہیں۔

غالب نما

ترتیب

صدیق الرحمٰن قدوائی
عبد القوی دسنوی

پیش لفظ

غالب نما کا کام دو سال قبل شروع کیا گیا تھا اور اس سلسلے میں میں نے اپنے بہت سے شاگردوں، دوستوں اور ساتھیوں کو زحمت دی تھی۔ بعض حضرات دہلی سے باہر تھے۔ لیکن انہوں نے بڑی خوشی سے اس تکلیف کو گوارا کیا۔ صدیق الرحمن قدوائی نے علی گڑھ اور رام پور سے، عبدالقوی دسنوی نے دیسنہ اور بمبئی سے اور محمود نیازی نے بریلی اور لکھنؤ سے بیش قیمت مواد جمع کر کے بھیجا۔ اراکین ادارہ اور طلبہ شعبۂ اردو نے دہلی کے کتب خانوں سے ریزہ چینی کی اور اس طرح غالب سے متعلق جتنی چیزیں مل سکیں، ان کو ایک لڑی میں پرو دیا۔ میں ان سب حضرات کا تہ دل سے ممنون اور شکر گزار ہوں۔ اس تصویر میں میرا کچھ نہیں ہے۔

"چشم نرگس کی، دہن غنچہ کا، حیرت میری"

البتہ جو غلطیاں اور خامیاں ہیں، وہ میری ہیں۔

غالبیات کے سلسلے میں مواد کی کمی نہیں ہے لیکن وہ ایک جگہ مجتمع نہیں ہے۔ دوسرے ہمارے یہاں جرائد و رسائل کے پورے فائل بھی محفوظ نہیں ہیں۔ اسی لیے غالب نما کی تالیف کی ذمہ داریاں بھی سخت ہیں۔ تاہم اس کی کوشش کی گئی ہے کہ غالب کی ایک تشریحی ببلوگرافی تیار ہو سکے۔ تاکہ تحقیقی کام کرنے والوں کو سہولت ہو اور نقش جادہ مل سکے۔ یہ "منقطع سلسلۂ شوق" نہیں ہے ہمارا ارادہ ہے کہ اس سلسلے کو آیندہ بھی جاری رکھیں۔

خواجہ احمد فاروقی

ایڈیٹر، اردوئے معلی

مقدمہ

ببلوگرافی مرتب کرنے کی روایت ہمارے ہاں ابھی تک تقریباً مفقود ہے۔ چنانچہ مختلف موضوعات پر تحقیقی کام کرنے والوں کے سامنے یہ ایک مستقل مسئلہ ہے کہ ان کے موضوع کے بارے میں جو کام کیا جا چکا ہے اس کا کس طرح پتہ لگایا جائے اور ان ذرائع تک کس طرح رسائی ہو جو مطالعہ میں ان کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔ اسی خیال نے ہمیں اس کام کی طرف متوجہ کیا جسے ''غالب نما'' کے نام سے پیش کیا جا رہا ہے۔

غالب کے بارے میں اتنا کچھ لکھا گیا ہے کہ ''غالبیات'' ایک مستقل موضوع بن گیا ہے اور روز بروز اس میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ غالب سے دلچسپی رکھنے والوں نے غالب سے متعلق بے شمار دستاویزات، مخطوطات اور قدیم مطبوعات کو دریافت کیا۔ ان کی حیات اور کارناموں کے بارے میں بھی نئے نئے خیالات و نظریات پیش کئے جاتے رہے۔ اختلافات، رونما ہوئے۔ غلط فہمیاں بھی پیدا ہوئیں اور دور بھی کی گئیں۔ مگر یہ سب چیزیں مختلف رسائل میں شائع ہوئیں پڑھی گئیں اور گم بھی ہو گئیں۔ ''غالبیات'' کا ذخیرہ جوں جوں بڑھتا گیا۔ بکھرتا بھی گیا اور بہت پچھلا پتہ ہو گیا۔ اس ذخیرہ کو دوبارہ دریافت کرنا اور ایک ''مجموعۂ خیال'' کی تالیف کرنا جو ابھی تک فرد فرد ہا

ایک اہم ادبی فریضہ تھا اور اسی اہمیت کے پیش نظر، یہ کام شروع کیا گیا۔ جو کچھ حاصل ہوا وہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اسے مکمل نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ غالب کے بارے میں بہت کچھ اور بھی لکھا گیا ہوگا۔ جو ابھی تک ہماری دسترس سے دور ہے مگر اس کی کوشش ضرور کی گئی کہ جہاں تک ہماری پہنچ ہو سکے غالب سے متعلق کوئی چھوٹی سے چھوٹی تحریر بھی نظر انداز نہ ہونے پائے۔ اس کام کو ابھی ختم نہیں سمجھنا چاہیے۔ اس سلسلے میں ہماری جستجو برابر جاری رہے گی۔ جس کا ماحصل بھی آئندہ پیش کیا جائے گا۔ غالب کے بارے میں جتنا مواد حاصل ہو سکا اسے ہم نے مختلف عنوانات کے تحت تقسیم کیا ہے۔ ہر عنوان کے ضمن میں مضامین کی ترتیب مصنفین کے ناموں کے اعتبار سے حروف تہجی کے مطابق کی گئی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ رسالے کا نام اور تاریخ اشاعت کا حوالہ درج ہے۔ اس کے علاوہ بیش تر مضامین کا خلاصہ بھی چند الفاظ میں تحریر کیا گیا ہے تا کہ ''غالب نما'' مضامین کی محض فہرست ہو کر نہ رہ جائے بلکہ ان کے مفہوم اور افادیت کا بھی اندازہ لگایا جا سکے۔

صدیق الرحمٰن قدوائی

حیات

☆ احمد شفیع فرید آبادی۔ ''مرقع عالم'' ہردوئی۔ اکتوبر ونومبر ۱۸۹۶ء

مرزا اسد اللہ خان غالب

یہ مضمون غالب کے انتقال کے سترہ برس بعد ایک ایسے شخص کی جانب سے شائع ہوا ہے جو غالب سے رشتہ داری کا مدعی ہے اور جس نے ان کے بزرگوں اور دوستوں سے معلومات بہم پہنچائی تھیں۔ اس مضمون میں بلّی اور کوچہ چیلان کے ایک نازک مزاج دوست کا جو لطیفہ درج ہے وہ کسی اور جگہ نقل نہیں ہوا۔ اس میں ان ''ستم ہائے عزیزاں'' کا بھی ذکر ہے جن سے تنگ آ کر غالب کلکتے کے سفر پر مجبور ہوئے۔ مقالہ نگار کا خیال ہے کہ غالب کا قصیدہ ؎

چہرہ اندوہ بگردد مژہ آغشتہ بخوں
خود گواہم کہ ز دہلی بچہ عنواں رفتم

لکھنؤ پہنچ کر لکھا گیا تھا۔

☆ اختر ہری چند ''آج کل'' فروری ۵۲ء

سوانح غالب .کلام غالب کے آئینے میں

☆ ادارہ "ماہ نو" کراچی۔فروری ۵۸ء

غالب اور ٹونک

غالب نے نواب وزیر محمد والی ٹونک کی مدح میں دو قصیدے لکھے تھے۔ ان کی تاریخوں کا تعین کیا گیا ہے۔غالب نے وزیر الدولہ کی وفات کے بعد جو خط رامپور تحریر کیا تھا۔اس کے عمل اور ردعمل سے بھی بحث کی ہے۔

☆ ادارہ "فروغ اردو" لکھنؤ فروری ۵۵ء

مرزا غالب کی سرگزشت خود ان کے قلم سے

مرزا کے حالات خود ان کے الفاظ میں مختلف عنوانات کے تحت بیان کیے گئے ہیں۔

☆ ادارہ "صلائے عام" نومبر و دسمبر ۲۶ء

غدر کا کچھ حال مرزا غالب کی زبانی

☆ ادارہ "معیار" بانکی پور، مارچ ۳۴ء

اقتباسات

دو اقتباسات درج کئے گئے ہیں۔ایک غیر مطبوعہ غزل ہے جو مولانا امتیاز علی عرشی کے مرتب کیے ہوئے دیوان میں شامل ہے۔اس کے علاوہ مرزا غالب کی گرفتاری کے سلسلے میں بمبئی سے چھپنے والے فارسی اخبار "احسن الاخبار" (۲۵/جون ۱۸۴۷ء و ۲/جولائی ۱۸۴۷ء) میں جو کچھ شائع ہوا تھا۔اس کا ترجمہ ہے۔دونوں اقتباسات "معیار" نے رسالہ اردو (اکتوبر ۱۹۳۵ء) سے نقل کیے ہیں۔

☆ اداراہ "سب رس" اپریل ۵۲ء

سرگزشتِ غالب

ڈاکٹر زور کی کتاب "سرگزشت غالب" پر تبصرہ

☆ برکاتی منظور الحسن "آج کل" ۵۵ء

غالبؔ کی ایک نادر فیصلہ کن تحریر

مدت سے یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ غالب نے وزیر الدولہ محمد وزیر خاں والی ٹونک کی مدح میں جو قصائد لکھے تھے ان کی تاریخ ارسال کیا ہے حسنِ اتفاق سے کتب خانہ ٹونک میں مقالہ نگار کو غالب کی رسید بطرز عرضداشت مل گئی۔ عیدالضحیٰ والے قصیدے کی تاریخ اس سے معلوم ہو جاتی ہے۔ یہ قصیدے ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ میں ارسال کیا گیا تھا۔

☆ **تنویر احمد علوی "آجکل" دہلی فروری ۵۳ء**

۱۸۵۷ء کا ہنگامہ اور خطوطِ غالب

غالب کے خطوط سے وہ اقتباسات پیش کیے ہیں جو ۱۸۵۷ء کے ہنگامے اور ان کی اس وقت کی زندگی پر روشنی ڈالتے ہیں۔

☆ **جوہر ٹونکی "نگار" لکھنؤ ستمبر ۵۱ء**

غالب اور ٹونک

غالب نے نواب وزیر الدولہ کو ایک قصیدہ لکھ کر بھیجا تھا۔ صلہ دینے میں نواب کو تامل ہوا تو غالب نے انہیں ایک قطعہ لکھ کر بھیجا جس کا صلہ انہیں حسب دلخواہ ملا۔ مقالہ نگار نے یہ قطعہ نقل کیا ہے ساتھ ہی نواب محمد علی خاں کے نام غالب کا وہ خط بھی پیش کیا ہے جو خنگی کا باعث ہوا۔ یہ خط "مکاتیب غالب" میں شامل ہے۔

☆ **حقی شان الحق "ماہ نو" کراچی فروری ۵۱ء**

غالب اور زبان خلق

مضمون نگار نے غالب سے متعلق لوگوں کے خیالات پر روشنی ڈالی ہے۔

☆ **حمید احمد خاں "ماہ نو" کراچی فروری ۵۰ء**

غالب اور کلکتہ

آگرہ اور دہلی کے بعد کلکتہ کا قیام غالب کی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس مضمون میں اس سے بحث کی گئی ہے۔

☆ **خلیق انجم "اردوئے معلیٰ" غالب نمبر۔ فروری ۶۰ء**

غالب کی قیام گاہیں

اکبر آباد، دہلی اور رامپور کے ان مکانات کا ذکر ہے جہاں غالب نے قیام کیا۔

☆ **رفیق بیگ مرزا ''اردو'' جولائی ۲۲ء**

مرزا غالب کا نسب نامہ

خواجہ قمر الدین راقم کی ایک تحریر شائع کی ہے جو انہوں ۱۹۰۵ء میں شرح دیوان غالب کے لیے لکھی تھی لیکن طبع نہ ہو سکی۔ اس میں مرزا کا حلیہ، نام و نسب، ابتدائی حالات، ''تلمذ اور تصانیف پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

☆ **سعیدہ ادھمی ''آج کل'' فروری ۵۵ء**

مرزا غالب کی خود نوشت سوانح عمری پر ایک نظر

☆ **سید احمد خاں ''ماہ نو'' کراچی فروری ۵۰ء**

مرزا اسد اللہ خاں غالب

آثار الصنادید کے پہلے ایڈیشن میں دوسرے مشاہیر کے تذکرے کے ساتھ غالب کا بھی تذکرہ لیکن دوسرے ایڈیشن میں یہ تذکرے نکال دیئے گئے۔ یہ مضمون سید احمد خاں کے لکھے ہوئے طویل تذکرے اور تبصرے کا اقتباس ہے۔

☆ **عبدالحق مولوی ''اردو'' اپریل ۴۳ء**

روداد مقدمۂ مرزا غالب

یہ مقالہ مذکورۂ بالا مقدمہ کی مفصل روداد ہے۔ مولوی صاحب نے تقریباً تین صفحات کے نوٹ کے ساتھ اس مقدمہ کی پوری مسل نقل کر دی ہے جہاں جہاں عبارتوں میں انہیں ابہام معلوم ہوا فٹ نوٹ کی صورت میں اس کی تشریح بھی کر دی گئی ہے۔

☆ **ع۔م۔ ٹونکی ''نگار'' لکھنؤ ستمبر ۵۱ء**

غالب اور ٹونک

۱۸۷۲ء میں غالب نے ایک فارسی قصیدہ نواب وزیر الدولہ کے ہاں بذریعہ عرضداشت بھیجا قطعہ عرضداشت بھی اس مضمون میں درج ہے اور ساتھ ہی والی رامپور کے نام

۱۸/جون ۱۸۶۵ء لکھا ہوا غالب کا ایک خط بھی شائع کیا گیا ہے جو نواب محمد علی خاں والی ٹونک کے ہاتھ لگا۔ اور انہوں نے ناخوش ہو کر غالب سے ترک تعلق کر لیا۔

☆ فاروقی۔ ڈاکٹر خواجہ احمد ''اردو ادب'' علی گڑھ ستمبر ۵۶ء

غالب کی وفات معاصر اخباروں میں

غالب کی وفات کا ذکر مندرجہ ذیل اخباروں کے حوالے سے کیا گیا ہے۔

۱۔ رسالہ اردو۔ اپریل ۱۹۳۵ء۔ ص ۲۴۷

۲۔ کارنامہ لکھنؤ۔ نمبر ۱۰۔ جلد ۵۔ ص ۶

۳۔ کارنامہ لکھنؤ۔ نمبر ۱۳۔ جلد ۵ ضمیمہ مورخہ ۲۹/مارچ ۱۸۶۹ء

۴۔ ''اخبار الاخبار'' مظفر پور ضلع ترہٹ۔ یکم جون ۱۸۶۹ء

۵۔ ''معارف'' اعظم گڑھ۔ نمبر ۵۔ جلد ۶۷۔ ص ۳۷۵

☆ فاروقی۔ ڈاکٹر خواجہ احمد۔ ''معاصر'' نمبر ۸ جلد ۲

غالب کے متعلق ایک قدیم مضمون

غالب کا ذکر دہلی اردو اخبار، احسن الاخبار، اخبار الاخبار، ذخیرۂ بال گوبند، وغیرہ مختلف قدیم اخبارات و رسائل میں اکثر جگہ ملتا ہے۔ رسالہ ''مرقع عالم'' ہردوئی (جلد ۷۔ نمبر ۱۰ و ۱۱۔ اکتوبر و نومبر ۱۸۹۴ء) میں نواب سید احمد شفیع صاحب بہادر رئیس فرید آباد۔ ضلع دہلی، مصنف ''تہذیب'' کا ایک مضمون ''مرزا اسد اللہ خاں غالب'' کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ مختصر تبصرے کے بعد اصل مضمون کا متن پیش کیا گیا ہے۔

☆ فاروقی۔ ڈاکٹر خواجہ احمد۔ ''معارف'' اعظم گڑھ۔ مئی ۵۹ء

غالب کا سکۂ شعر

مقالہ نگار کا ایک مضمون معارف نومبر ۱۹۵۸ء میں غالب کے سکہ شعر سے متعلق شائع ہوا تھا۔ فروری ۱۹۵۹ء میں مالک رام کا اسی سلسلے میں ایک مضمون شائع ہوا تھا۔ مدیر معارف نے اس پر ایک نوٹ لکھتے ہوئے مسامحت ہو گئی تھی۔ جسے خواجہ صاحب نے اس مقالہ میں دور کیا ہے۔

☆ فاروقی۔ڈاکٹر خواجہ احمد۔"معارف" اعظم گڑھ۔نومبر ۵۸ء

غالب کا سکۂ شعر

سنہ ستاون کے ہنگامے میں غالب پر سب سے بڑا الزام یہ تھا کہ انہوں نے بہادر شاہ کی شہنشاہی کے اعلان پر ایک سکہ شعر کہا تھا۔ مٹکاف نے جیون لال کے روز نامچہ کا ترجمہ انگریزی میں کرایا تھا۔ خواجہ حسن نظامی نے اسی روز نامہ کو انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرایا۔ ان میں غالب کا سکہ ندارد ہے لیکن اصل روز نامہ (قلمی) مملوکہ مٹکاف میں موجود ہے۔

جیون لال نے یہ بھی لکھا ہے کہ فتح آگرہ کی خوشی کے موقع پر غالب نے ایک قصیدہ بھی بہادر شاہ کی مدح میں پڑھا تھا۔

☆ فاروقی۔ڈاکٹر خواجہ احمد۔"آجکل" دہلی فروری ۵۶ء

غالب کا قیام آگرہ اور تذکرۂ سرور

مقالہ نگار نے مختلف خطوطِ غالب سے آگرہ کی مدت قیام کا پتہ لگایا ہے کیونکہ ان کی سیرت اور شخصیت کا اولین نقش آگرہ ہی میں صورت پذیر ہوا تھا۔

☆ کوثر چاند پوری "سہیل، گیا، مارچ ۵۹ء

غالب کا ماحول

غالب نے پیدائش سے موت تک جس ماحول میں زندگی بسر کی، اس کا بیان ہے۔ اور اس ماحول کا ان کی طبیعت، مزاج اور نثر و شعر پر جو کچھ اثر پڑا، اس سے بحث کی گئی ہے۔

☆ مالک رام، علی گڑھ میگزین۔غالب نمبر ستمبر ۴۹ء

مرزا غالب کے ذاتی حالات

غالب کی سیرت اور عادات و خصائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

☆ مالک رام "نوائے ادب" بمبئی جنوری ۵۲ء

ملا عبدالصمد: استاد غالب

علی گڑھ میگزین کے غالب نمبر (۱۹۴۹ء) میں قاضی عبدالودود نے "غالب کا ایک فرضی

استاد عبدالصمد کے نام سے ایک مقالہ لکھا تھا۔ مالک رام نے اپنے مضمون میں اس کی تردید کی ہے اور مختلف مآخذ کی مدد سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ عبدالصمد واقعی ایک تاریخی شخصیت تھا۔

☆ **مالک رام ''اردو'' جولائی ۵۲ء**

غالب اور دربار رام پور

۲۸ر جنوری ۱۸۵۷ء کو مرزا غالب نے مولانا فضلِ حق خیر آبادی کی تحریک پر نواب محمد یوسف علی خاں بہادر والی رام پور کی خدمت میں قصیدۂ مدحیہ بھیجا تھا۔ جس کے بعد نواب صاحب اور مرزا غالب میں خط و کتابت کا آغاز ہوا۔

☆ **محمد حامد۔ خواجہ ''سب رس'' نومبر، دسمبر ۵۸ء**

غالب کا قیامِ آگرہ اور سنہ ولادت

ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی کے مقالہ ''قیام آگرہ اور تذکرہ سرور'' سے بحث کرتے ہوئے ہوئے چند محققانہ اشارے کیے ہیں۔

☆ **محمد عتیق ''آج کل فروری ۵۲ء**

غالبؔ کی کہانی خود ان کی زبانی

خطوط کی روشنی میں غالب کے حالات زندگی اور سیرت و شخصیت کا ذکر ہے۔

☆ **محمد عتیق ''ماہِ نو'' کراچی جولائی ۵۲ء**

غالب کا ذکر ان کے معاصر اخبارات میں

غالب کا ذکر مختلف طریقوں سے جن جن اخبارات میں آیا تھا ان کا خلاصہ مضمون نگار نے یہاں پیش کیا ہے اور غالب کی وفات کی خبر اور قطعات تاریخ وفات جن اخبارات میں شائع ہوئے تھے ان کے نام لکھے ہیں اور قطعات جمع کیے ہیں۔

☆ **مرتضیٰ حسین ''آج کل'' اپریل ۵۰ء**

غالبؔ اور قید

واقعہ اسیری کے حالات اور غالب کے تاثرات پیش کیے گئے ہیں۔

☆ مہر غلام رسول علی گڑھ میگزین غالب نمبر ۴۸۔۴۹ء

مرزا غالب کا مقدمہ

قاطع برہان کے جواب میں قاطع القاطع کے مصنف مولوی امین الدین دہلوی کے خلاف غالب نے جو مقدمہ دائر کیا تھا اس کا مفصل بیان ہے۔

☆ مہر غلام رسول ''آج کل'' فروری ۵۷ء

احوال غالب کی گمشدہ کڑیاں

مقالہ نگار نے یہ بتایا ہے کہ غالب کا خاندان کب اور کن حالات میں دہلی سے آگرہ پہنچا۔

☆ مہر غلام رسول علی گڑھ میگزین غالب نمبر ۴۹ء

غالب کی خاندانی پنشن

غالب کی پنشن کے بارے میں مرزا فرحت اللہ بیگ کے مضمون سے جو غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی، مقالہ نگار نے اسی مقدمہ کی اہمیت مرزا کی ذاتی زندگی میں دکھائی ہے اور اس سلسلے میں مرزا کی کچھ نایاب اردو تحریروں، درخواستوں اور وکالت ناموں وغیرہ کا حوالہ دیا ہے۔

☆ مہر غلام رسول ''اردو'' اپریل ۳۶ء

غالب کا سفر کلکتہ

غالب کی تحریروں اور دوسرے مستند خارجی شواہد کی مدد سے غالب کے سوانح نگاروں کے اس بیان کو غلط ثابت کیا گیا ہے کہ یہ سفر انہوں نے ۱۸۳۰ء میں کیا تھا۔ ساتھ ہی مقالہ نگار نے کلکتہ کے دو سال کے دور قیام میں غالب کی سرگرمیوں اور سفر مذکور کے دوسرے پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

☆ نارنگ۔ ڈاکٹر گوپی چند ''اردو'' جنوری ۵۷ء

غالب اور ۱۸۵۷ء

سنہ ستاون کے ہنگامے میں غالب پر کیا گزری اور اس سے متعلق ان کا رویہ کیا تھا۔ غالب کے مکاتیب اور دستنبو کی روشنی میں ان کی سیرت سے بحث کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ غالب دراصل

مصلحت اندیش تھے اور بغاوت فرو ہونے کے فوراً بعد انہوں نے خود کو انگریزوں کا وفادار ظاہر کیا۔

☆ نارنگ۔گوپی چند ''نقوش'' لاہور۔اگست ۶۰ء

غالب اور حادثۂ اسیری

غالب کی گرفتاری اور قید کی خبریں اس زمانے میں اردو اخبار فوائد الناظرین اور احسن الاخبار میں شائع ہوئی تھیں۔لیکن اس حادثہ کے پورے حالات معلوم نہیں تھے۔مقالہ نگار نے غالب کے ایک معاصر شاعر گھنشام لال عاصی شاگرد شاہ نصیر کا ایک قطعۂ تاریخ اور وضاحتی نثر پیش کرتے ہوئے واقعہ اسیری کے حالات محققانہ طور پر بیان کیے ہیں اور متنازعہ فیہ امور سے بھی بحث کی ہے۔

احباب واعزہ

احباب و اعزہ

☆ ادارہ ''فیض الاسلام'' راولپنڈی۔ اپریل ۵۷ء

بزرگانِ دین

تعلقات کا ذکر واقعات کی روشنی میں کیا گیا ہے۔

☆ ادارہ ''معارف'' جون ۲۲ء

نواب علائی اور مرزا غالب

☆ آرزو مختار الدین احمد ''ماہ نو'' فروری ۵۳ء

غالب سے ایک ملاقات

عزیز الدین عزیز لکھنوی نے لکھنؤ سے کشمیر جاتے ہوئے ایک سفر میں غالب سے ملاقات کی۔ اس ملاقات کا حوالہ تو تین چار جگہ مل جاتا ہے مگر ماخذ نہیں کھلتا مقالہ نگار نے نوبت رائے نظر کے رسالہ ادیب کی مدد سے اس ملاقات پر ضروری تبصری کیا ہے۔

☆ آرزو۔ مختار الدین احمد آج کل دہلی فروری ۵۳ء

مرزا غالب سے ایک ملاقات

''سیر دہلی''، شیخ محمد ریاض الدین امجد کا مختصر سا سفر نامہ ہے جس کا دوسرا تاریخی نام ''سرور ریاض'' ہے۔ امجد ۱۲۷۷ھ میں اپنے مختصر قیام دہلی کے دوران مختلف بزرگوں سے ملے تھے جن میں غالب بھی تھے۔ ان سے دو ملاقاتیں ہوئیں۔ اس مضمون میں ان دونوں ملاقاتوں کا مختصر حال درج ہے۔ اب تک جن لوگوں سے مرزا کی ملاقات کا حال معلوم ہوا ہے۔ اس میں یہ ملاقات اور اس کے اندراجات سب سے قدیم ہیں۔

☆ آرزو۔ مختار الدین احمد آج کل دہلی فروری ۵۸ء

فغانِ بے خبر میں غالب کا ذکر

خواجہ غلام غوث بے خبر کے مختصر حالاتِ زندگی۔ بے خبر اور غالب کے تعلقات کی تفصیل اور بے خبر کے اردو رقعات، تقریظوں اور خطبوں وغیرہ کے مجموعے ''فغان بے خبر'' میں غالب، غالب کے تلامذہ اور ان کے احباب کے نام لکھے ہوئے خطوں کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔

☆ آرزو۔ مختار الدین احمد ''آج کل'' اگست ۵۱ء

غالب اور مفتی میر محمد عباس

غالب اور مفتی میر محمد عباس کے درمیان جو خط و کتابت ہوئی تھی اس کی روشنی میں ان کے باہمی تعلقات کی تصویر پیش کی گئی ہے۔ اور ''تجلیات'' کے حوالے سے مفتی میر محمد عباس کے حالات زندگی پر سرسری روشنی بھی ڈالی ہے۔ مقالہ میں غالب کیا یک نایاب خط کا اقتباس درج ہے اور مفتی عباس کی مثنوی ''خطاب فاصل'' کا بھی ذکر ہے۔ جس کے چند اشعار جو غالب سے متعلق ہیں درج کیے گئے ہیں۔

☆ آزاد۔ ابوالکلام ''شاہراہ'' دہلی فروری۔ مارچ ۵۹ء

نواب کلب علی خاں اور مرزا غالب

نواب کلب علی خاں اور غالب کے تعلقات بیان کرتے ہوئے اس زمانے کے متعدد

حالات وواقعات کا ذکر کیا گیا ہے۔

☆ آفاق حسین ''برہان'' مئی ۴۷ء

منشی نبی بخش حقیر اور غالب

☆ اختر جونا گڑھی۔احمد میاں۔نوائے ادب بمبئی اکتوبر ۵۴ء

مرزا غالب اور میر مینائی

غالب نے اپنے خط کے ساتھ منشی شیو نرائن کو امیر مینائی کی غزلیں بھیجی تھیں اور سفارش کی تھی کی وہ انہیں رسالہ معیار الشعراء میں چھاپ دیں۔مقالہ نگار نے اس خط سے غالب اور امیر کے دوستانہ تعلقات پر استدلال کیا ہے اور ''ہنگامۂ دل آشوب'' سے ایک قطعہ نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ قطعہ ''قاطع برہان'' کے مناقشے کے سلسلے میں امیر مینائی نے غالب کی حمایت میں لکھا تھا۔

☆ حافظ۔احمد علی خاں ''معارف'' اپریل ۲۲ء

سراج الدین ظفر اور مرزا غالب کی زندگی کا ایک گمشدہ ورق

☆ جمیل نقوی ''ماہ نو'' کراچی۔فروری ۵۱ء

غالب اور سر سید

سرسید نے سب سے پہلے اپنی تصنیف ''آثار الصنادید'' میں مرزا غالب کے مختصر حالات زندگی اور مرزا کی تصانیف نظم ونثر کے جستہ جستہ نمونے پیش کیے تھے۔مضمون نگار نے سرسید اور غالب کے تعلقات کا مختصراً ذکر کیا ہے۔

☆ حمید احمد خاں علی گڑھ میگزین غالب نمبر۔ستمبر ۴۹ء

امراؤ بیگم

مقالہ میں مرزا غالب کی شریک حیات امراؤ بیگم کی سیرت اور ان کی گھریلو زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

☆ حمیدہ سلطان ''برہان'' فروری ۶۰ء

نواب زین العابدین خاں عارف

عارف کے حالات زندگی بیان کیے گئے ہیں۔

☆ حمیدہ سلطان ''برہان'' مارچ ۴۱ء

مرزا غالب اور نواب یوسف علی خان ناظم

مقالہ میں نواب یوسف علی خاں والی رامپور سے مرزا غالب کے روابط پر محققانہ انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

☆ حمیدہ سلطان ''برہان'' نومبر ۴۳ء

نواب عالیؔ مرحوم

نواب علاء الدین خاں علائیؔ کے چوتھے بیٹے اور غالب کے عزیز عمیر الدین خاں عالیؔ کے حالات زندگی اور مذاق شعری پر مختصر تبصرہ۔

☆ حمیدہ سلطان ''برہان'' جنوری ۴۲ء

مرزا باقر علی خان کاملؔ

بنیادی بیگم کے پوتے مرزا باقر علی خان کے حالاتِ زندگی بیان کیے گئے ہیں۔ جنہوں نے مرزا غالب کی آغوشِ محبت میں پرورش پائی تھی۔

☆ حمیدہ سلطان'' برہان'' مارچ ۴۲ء

نواب الٰہی بخش خاں معروفؔ

مرزا غالب کے خسر نواب الٰہی بخش خاں معروفؔ کے خاندانی حالات ان کی سیرت، شاعری اور ذوقؔ و غالب سے ان کے تعلقات سے مفصل بحث کی گئی ہے۔

☆ حمیدہ سلطان'' برہان'' مارچ ۴۳ء

غالباور نواب امین الدین احمد خاں بہادر

لوہارو کے ایک ممتاز رکن اور مرزا غالب کے عزیز نواب امین الدین احمد خاں بہادر کی زندگی کے حالات اور غالب سے ان کے تعلقات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

☆ زیدی۔نذیر حسین ''العلم'' کراچی اپریل'' تا جون ۵۹ء

غالب اور نواب حامد علی خاں

خطوطِ غالب کے حوالے سے نواب حامد علی خاں کے حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

☆ شاہد صدیقی آج کل۔فروری ۵۹ء

غالبؔ اور عارفؔ

عارف کے حالات زندگی اور ان کے کلام پر تبصرہ۔

☆ شجاعت علی سندیلوی فروغ اردو۔جون ۵۹ء

حالیؔ اور غالب

حالیؔ اور غالب کے باہمی تعلقات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

☆ ظہیر الدین مدنی۔ڈاکٹر معاصر (۴)

غالب کے گجراتی احباب و تلامذہ

سیاحؔ، میاں داد خاں، نواب غلام بابا خاں میر ابراہیم علی خاں کے مختصر حالات زندگی پیش کیے گئے ہیں۔

☆ عبدالودود قاضی علی گڑھ میگزین غالب نمبر تمبر ۴۹ء

غالب کا ایک فرضی استاد

مقالے میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ عبدالصمد ایک فرضی نام تھا اور غالب نے بہ تقاضائے مصلحت اس نام کو تجویز کر کے اسے اپنا استاد کہا ہے۔

☆ علی ہاشم ''اردوئے معلیٰ'' جلد ۳، نمبر ۴، اکتوبر ۱۹۰۴ء

حضرت مولانا شاد مدظلہٗ

۱۲۷۴ھ یا ۱۲۷۵ھ میں جب شادؔ عظیم آبادی کی عمر ۱۳ برس کی تھی۔لفظ'' گیت'' کے مذکر یا مؤنث ہونے پر پٹنہ کے بعض حضرات میں گفتگو ہوئی فریق مخالف اس لفظ کو مذکر نہ

مانتے تھے۔ چنانچہ شاؔد نے ایک خط جناب مرزا دبیرؔ مرحوم کی خدمت میں تحریر کیا۔ جب کئی ہفتہ تک جواب نہ آیا تو ایک منظوم خط جناب مرزا اسد اللہ خاں غالب کی خدمت میں بھی بھیجا۔ غالب نے اس نظم کو بہت پسند کیا اور مندرجہ ذیل جواب لکھ بھیجا:

''اورنگ نشین فصاحت زیب وسادہ بلاغت سلامت۔ نظم دل پسند یافتم و برسائی ذہن وقاد گرامی عش عش با گفتم۔ این کہ لفظ گیت بروزن صیت معمول ہندوستان را از یں گم کردہ راہ حقیقت فرمودی نہ آن چناں ست کہ دریں مہر گوش اسد اللہ مرزا دبیر سلمہٗ اللہ القدیر بپاسخ آں نہ گراید...... وضیعان این جاند کرش خوانند۔ زیادہ عشق۔ خاکپائے اللہ غالب مغلوب۔''

☆ **فاروقی۔ ڈاکٹر خواجہ احمد'' آج کل'' فروری ۵۲ء**

غالب اور آزردہ

غالب اور آزرؔدہ کے تعلقات پر روشنی ڈالنے کے بعد غالب کے خطوط کی مدد سے یہ ثابت کیا ہے کہ آزرؔدہ کے انتقال کے بعد غالب کا رویہ ان کے خاندان کے لوگوں سے بدل گیا۔ (نیز ملاحظہ ہو'' کلاسیکی ادب'' از ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی)

☆ **فاروقی۔ ڈاکٹر خواجہ احمد'' معارف'' مارچ ۵۶ء**

خوب چند ذکاء اور مرزا غالب

خوب چند بن بھوانی چند بن رائے سلامت رائے متوطن سکندر آباد، ساکن دہلی المتخلص بہ ذکاء مؤلف عیار الشعراء اور غالب کے تعلقات پر ایک محققانہ مضمون۔

☆ **فاضل لکھنوی۔ مرتضیٰ حسین'' نگار'' ستمبر ۵۰ء**

غالب اور مفتی محمد عباس

عزیز لکھنوی نے مفتی محمد عباس کی سوانح عمری'' تجلیات'' میں غالب کے کچھ خطوط درج کیے ہیں اور مفتی صاحب نے جو جواب دیئے تھے انہیں بھی شامل کیا ہے۔ ان خطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا غالب کو مفتی صاحب سے عقیدت تھی اور مفتی صاحب بھی مرزا کے مخلص تھے۔

☆ مالک رام نوائے ادب۔ بمبئی جنوری ۵۵ء

مرزا غالب اور امیرؔ مینائی

قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی کے مضمون متعلقہ غالب و امیرؔ کی غلطیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا ہے۔ پیش کردہ قطعہ امیر مینائی کا نہیں بلکہ محمد امیر۔ امیرؔ لکھنوی کا ہے۔ اس کے علاوہ غالب نے امیر مینائی کا کلام معیار الشعراء میں چھاپنے کی سفارش دوستی کی بنا پر نہیں بلکہ زمانہ سازی کی وجہ سے کی تھی۔

☆ مالک رام آج کل فروری ۵۹ء

نواب علی بہادر خاں

حالات زندگی پیش کیے گئے ہیں

☆ مالک رام نوائے ادب بمبئی۔ اپریل ۵۹ء

مرزا یوسف

غالب کے چھوٹے بھائی مرزا یوسف کے حالات زندگی پیش کیے گیے ہیں اور ان کی بیوی کی پنشن کا حال بیان کیا گیا ہے۔

☆ مسعود احمد، پروفیسر محمد ''برہان'' جون ۶۰ء

حضرت غمگین شاہ جہاں آبادی

غالب کے خطوط کے حوالے سے حضرت غمگیںؔ سے ان کے تعلقات کا ذکر کیا ہے۔

☆ مقیت الحسن نوائے ادب بمبئی۔ اپریل ۵۹ء

نساخ اور مرزا غالب

نساخ اور غالب کے تعلقات پر روشنی ڈالی گئی ہے اور غالب کے انتقال پر نساخ کے کہے ہوئے بعض قطعات تاریخ پیش کیے گئے ہیں۔

☆ وقار خلیل ''آج کل'' مارچ ۱۹۵۱ء

تذکار غوثیہ اور غالب

حضرت سید غوث شاہ قلندر پانی پتی قدس سرہ کے مجموعہ ارشادات ''تذکار غوثیہ'' میں غالب سے متعلق بھی بہت سی باتیں ملتی ہیں۔ ان سے غالب کے اخلاق اور سیرت پر روشنی پڑتی ہے۔

تلامذہ

☆ خورشید عبدالسلام۔آجکل ۱۵رنومبر ۴۳ء

غالب کا ایک ہندو شاگرد

غالب کے مختلف ہندو شاگردوں، بہاری لال مشتاقؔ، ہرگوپال تفتہؔ، بال مکند بےصبرؔ وغیرہ کے حالات زندگی بیان کیے گئے ہیں۔

☆ اختر جوناگڑھی نوائے ادب بمبئی۔جولائی ۵۰ء

مرزا غالب کا ایک شاگرد

غالب کے ایک غیر معروف شاگرد میر فخرالدین حسین خاں، سخنؔ دہلوی کے حالات زندگی بیان کرتے ہوئے ان کے کلام سے بھی بحث کی گئی ہے۔

☆ عابد علی سیّد فروغ اردو لکھنؤ ستمبر ۵۵ء

غالب کا غیر معروف شاگرد:سخنؔ دہلوی

سخن دہلوی کے غالب سے تعلقات اور ان کی شاعری کا مختصر اذکر کیا گیا ہے۔

☆ عبدالحق، مولوی اردو۔ جولائی ۱۹۳۶ء

میرن صاحب

مولوی صاحب نے میرن صاحب سے اپنی ملاقات کا حال اور ان کی شخصیت و مشاغل کے بارے میں اپنے ذاتی تاثرات بیان کیے ہیں۔ غالب کے بعض مکاتیب کا حوالہ دے کر میرن صاحب سے ان کے تعلقات پر بھی ضمناً اظہار خیال کیا گیا ہے۔

☆ عبدالماجد دریا آبادی معارف جنوری ۲۵ء

مرزا غالب کا ایک فرنگی شاگرد آزاد فرانسیسی

☆ عرشی۔ امتیاز علی خاں نگار اکتوبر ۱۹۴۲ء

مرزا غالب کی اصلاحیں

یوسف علی خاں ناظم اور عباس علی خاں بیتاب کی غزلوں پر غالب کا انداز اصلاح بتایا ہے۔

☆ فاروقی۔ ڈاکٹر خواجہ احمد۔ اردوئے معلیٰ شمارہ اول غالب نمبر ۱۹۶۰ء

غالب کا ایک شاگرد — مولانا بیدل

مقالہ نگار نے غالب کے ایک غیر معروف شاگرد مولانا عبدالسمیع بیدل کے حالات زندگی بیان کیے ہیں اور ان کی تصانیف نظم ونثر سے سیر حاصل بحث کی ہے۔

☆ فاروقی۔ ڈاکٹر خواجہ احمد۔ اردوئے معلیٰ شمارہ اول غالب نمبر ۱۹۶۰ء

غالب اور بے صبؔر

بال مکند بے صبؔر کے قلمی کلیات کا تعارف کراتے ہوئے بے صبر کی حیات اور شاعری پر روشنی ڈلی گئی ہے۔

☆ فاروقی، نثار احمد نقوش لاہور، خاص نمبر دسمبر ۵۹ء

تلامذۂ غالب پر ایک نظر

''تلامذۂ غالب'' مالک رام کی تصنیف ہے جس میں غالب کے (۱۴۶) شاگردوں

کے حالاتِ زندگی اور ان کے کلام کا انتخاب شامل ہے اس کی ترتیب و تالیف میں بڑی محنت کی گئی ہے لیکن بعض تسامحات رہ گئے ہیں جس پر تبصرہ نگار نے روشنی ڈالی ہے۔

☆ **ماتھر، ایس۔ آج کل فروری ۵۵ء**

مرزا غالب کا ایک گمنام شاگرد

مقالہ نگار نے غالب کے ایک غیر معروف ہندو شاگرد گو بند سہائے نشاط کے حالات بیان کیے ہیں۔

☆ **مالک رام اردو ادب۔ علی گڑھ اپریل ۵۲ء**

تلامذۂ غالب

فدا، فگار، فنا، فوق، کاشف، کرامت۔ مائل، مجروح، محمود، محو، مغلوب، مفتوں، منصور، مونس، میکش، ناظم، نشاط، نیر، رخشاں کے حالات پیش کیے گئے ہیں۔

☆ **مالک رام۔ اردو ادب، جون ۵۲ء**

تلامذہ غالب

فدا، فگار، فنا، فوق، قدر، کاشف، کرامت، مائل، مجروح، محمود، محو، مشتاق، مغلوب، مفتوں، مقصود، منصور، مونس، میکش، وحوی، میکش، نادم، ناظم، نامی لکھنوی، نامی مونگھیری، نشاط، نیر، رخشاں، وفا سہوانی، وفا جہانگیر نگری، ولی، ہشیار اور یکتا کا ذکر کیا گیا ہے۔

☆ **مالک رام۔ اردو ادب، جنوری واپریل ۵۱ء**

تلامذۂ غالب

اس مقالہ میں ان شاگردوں کا ذکر ہے۔ رائے بہادر منشی شیو نرائن آرام، آزر، رائے بہادر ماسٹر پیارے لال آشوب، آگاہ حکیم مظہر احسن خاں احسن رامپوری

☆ **مالک رام۔ الحمرا، نومبر ۵۶ء**

غالب کے ہندو شاگرد

مقالہ نگار نے غالب کے ۱۶ ہندو شاگردوں کا ذکر کیا ہے۔

☆ **مالک رام، اردو ادب، جنوری ۵۲ء**

تلامذۂ غالب

ظفرؔ، ظہیرؔ، عارف، عاشقؔ (ماسٹر شنکر دیال اکبر آبادی) عاشقؔ (منشی محمد اقبال حسین دہلوی) عاشقؔ (محمد عاشق حسین خاں اکبر آبادی) عاقلؔ، عالمؔ، عرشؔ، عزیزؔ، علائیؔ کا ذکر کیا گیا ہے۔

سیرت اور شخصیت

☆ احتشام حسین۔ مجموعہ: ادب اور سماج

غالب کی بت شکنی

مقالہ نگار نے بتایا ہے کہ کلام غالب میں بت فروشی اور بت پرستی بھی ہے اور بت شکنی بھی۔ لیکن بت شکنی کا جذبہ سب سے زیادہ شدید اور واضح ہے۔

☆ احتشام حسین۔ زمانہ ۴۸ء

غالب کا فلسفۂ تصوف

مقالہ نگار نے بتایا ہے کہ غالب کا تصوف عمل کا بجائے علم پر موقوف ہے۔ غالب نے وجدان اور عقل دونوں کے ذریعے سے زندگی کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔

☆ اختر۔ جاں نثار۔ علی گڑھ میگزین۔ مارچ ۴۱ء

غالب کا مسلک

مضمون نگار کا خیال ہے کہ اگرچہ غالب نے وہابیہ عقائد کے خلاف اور مولوی فضل حق کی تائید میں ایک مثنوی لکھی۔ لیکن عملاً اور ذہناً وشاہ اسمٰعیل کی بت شکنی سے قریب تھے۔ تصوف بھی ان کے کلام میں صرف روایتی نہیں بلکہ اس بہانے اور کہیں کہیں طنز کے پیرایے میں انہوں نے مروجہ عقائد اور اداروں کے بارے میں اپنی آزادخیالی کا اظہار کیا ہے۔

☆ **اعجاز انصاری۔ زمانہ۔ نومبر ۳۹ء**

غالب اور رشک

غالب کے مضامین رشک کا ذکر کیا گیا ہے۔

☆ **اقبال انصاری۔ زمانہ۔ جون ۴۱ء**

مرزا غالب کی بے اعتدالیاں

غالب کی ان آراء پر تنقید کی گئی ہے جو انہوں نے قتیل، واقف، فاخر، مظہر، خان آرزو وغیرہ کے متعلق ظاہر کی ہیں۔

☆ **باقر ڈاکٹر محمد۔ الحمراء لاہور۔ جون ۵۲ء**

غالب کی شخصیت

غالب کے اشعار کی مدد سے ان کی شخصیت کی تصویر کھینچی گئی ہے۔

☆ **جلال الدین احمد۔ ماہِ نو کراچی۔ فروری ۵۱ء**

مرد قلندر

غالب کی قلندرانہ طبیعت اور ان کی شخصیت کی ہر دلعزیزی اور دل کشی سے بحث کی گئی ہے۔

☆ **حسن نظامی، خواجہ۔ منادی، مارچ ۵۶ء**

غالب کا خلیہ

اس مضمون میں خواجہ صاحب نے مرزا کا حلیہ، ان کا مذہب، کلام، غدر کی تاریخ،

غالب کی باتیں وغیرہ عنوانات کے تحت غالب کی شخصیت کو پیش کیا ہے۔

☆ حسن (وارثی)۔ مشرب کراچی۔ مقالات نمبر

غالب کا اصلی مزاج

مقالہ نگار نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ غالب کے فارسی کلام کے گہرے مطالعہ کے بغیر غالب کے بارے میں صحیح رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔

☆ حسینی علی عباس۔ زمانہ تمبر ۲۶ء

غالب کا مذہب

اس مضمون میں ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ غالب مذہباً شیعہ تھے۔

☆ خلیل الرحمن (اعظمی)۔ مجموعہ: فکروفن

غالب اور عصر جدید

عصر جدید کے شاعر اپنے زمانے کی لائی ہوئی مصیبتوں کا شکار ہیں۔ ان کی بنیاد کمزور ہے اور نئے زمانے نے انہیں سوائے احساس شکست کے کچھ نہیں دیا۔ نئے شاعر اپنے اندر وہ سکت نہیں پاتے کہ فضا میں دور تک پرواز کر سکیں۔ اس کے برعکس غالب کی شخصیت اپنی بنیاد کے اعتبار سے مضبوط تھی اس لیے وہ سارے آلام کو سہ گئی۔

☆ رزمی علیگ۔ جام نو، کراچی۔ اکتوبر ۵۵ء

غالب اور قنوطیت

غالب کے اشعار پیش کر کے یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے کہ وہ از حد قنوطی تھے۔

☆ زور، ڈاکٹر محی الدین قادری۔ نگار۔ تمبر ۲۶ء

غالب کی ذہنیت

☆ سجاد، ڈاکٹر سیّد۔ اردو، اکتوبر، ۳۹ء

غالب کے متعلق ۱۸۶۸ء کا ایک انگریزی خط

غالب نے مولوی امین الدین مؤلف ''قاطع قاطع'' کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کا

جو مقدمہ چلایا تھا۔ یہ خط اس کے بارے میں ہے۔ بظاہر اس کا مقصد انصاف طلبی ہے۔ لیکن دراصل غالب کی حمایت میں اسی زمانے کے ایک انگریزی اخبار "Mofussilite" میں شائع ہوا تھا۔ راقم نے اپنا اصل نام ظاہر نہیں کیا۔

☆ سراج الحق مچھلی شہری۔ نگار۔ جون ۲۹ء

مرزا غالب کا مذہب

یہ مسلّم ہے کہ غالب ایک سنّی خاندان میں پیدا ہوئے۔ وہ توحید وجودی کو اسلام کا اصل اصول جانتے تھے۔ مذہبی اعمال کی قید سے ضرور آزاد تھے۔ مگر تمام عبادات و فرائض اور واجبات میں سے انہوں نے دو چیزیں لے لی تھیں۔ ایک توحید اور دوسرے نبیؐ اور اہل بیت کی محبت، اور اسی کو وسیلہ، نجات سمجھتے تھے۔

☆ سرور، آل احمد۔ ادب لطیف لاہور۔ جولائی ۵۵ء

غالب اپنی شخصیت کے آئینے میں

غالب کی شخصیت میں توانائی اور برتری کا احساس ہوتا ہے۔ ان کو اپنے حسب ونسب پر فخر ہے۔ ان کی شخصیت کی دلفریبی کی وجہ یہ ہے کہ اس میں شکست و فتح، طربیہ والمیہ، نغمہ و نالہ سب کا احساس ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان کا کلام ایک جام جہاں نما معلوم ہوتا ہے۔

☆ سرور۔ آل احمد۔ اردو ادیب علی گڑھ۔ جولائی تا دسمبر ۵۲ء

غالب کا ذہنی ارتقاء

غالب کی شاعری و شخصیت کی ہمہ گیری اور ان کے رنگِ کلام کے متعلق کچھ اشارے

☆ شاداں بلگرامی، اولاد حسین۔ اورنٹیل کالج میگزین

مذہبِ غالب

غالب کو اہل تشیع ثابت کیا گیا ہے۔

☆ شوکت سبزواری۔ مصنف علی گڑھ۔ اکتوبر ۴۵ء

غالب کا نظریہ اقدارِ اخلاق

☆ شوکت سبزواری۔ نگار۔ ستمبر ۴۹ء

غالب کی شخصیت

غالب بڑی شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی عظمت کا راز ان کی غیر معمولی فکری صلاحیتوں میں ہے۔ ان کی شخصیت فعلی ہے۔ انفعال غالب کے نزدیک زبونی ہمت ہے۔

☆ شیدا۔ راجندر ناتھ۔ آج کل۔ فروری ۵۲ء

غالب کا شعور۔ ایک مطالعہ

مقالہ نگار نے غالب کے شعور کا تجزیہ کیا ہے۔ غزلیات غالب میں عینیت اور انفرادیت کا تلاش کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔ غالب کی نظر اصل زندگی پر مرکوز نہیں تھی۔ ان کی حقیقی دنیا خیالات کی دنیا تھی۔ یہ مضمون ان کی کتاب ''مطالعہ اور جائزہ'' میں شامل ہے۔

☆ عبداللہ ڈاکٹر سید۔ ماہ نو کراچی۔ ستمبر ۵۴ء

مرزا غالب کا حاسّہ انتقاد

مقالہ نگار کی رائے ہے کہ غالب نے تنقید میں انتقادی شعور سے کام لیا ہے جو علم سے زیادہ وجدان سے تعلق رکھتا ہے۔ ان کے وجدان کے صحت مند ہونے سے انکار نہیں لیکن کبھی کبھی اشتعال میں دلیل وانصاف کا دامن چھوٹ جاتا ہے۔

☆ عبدالمالک آروی۔ نگار: مارچ ۳۹ء

غالب کی اخلاقی کمزوریاں

غالب کی اخلاقی کمزوریوں نے ان کا شعری اور ادبی پلّہ بہت کچھ سبک کردیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی فلسفہ طرازیوں اور شاعرانہ نکتہ سنجیوں کے لحاظ سے اگر ایک طرف احترام کے مستحق ہیں تو دوسری طرف اپنی بدزبانی، اعوجاج طبع اور خود پرستی کے باعث حد درجہ قابل الزام بھی۔

☆ عبدالودود قاضی۔ علی گڑھ میگزین ۴۸۔۴۹ء

غالب کی راست گفتاری

اس سے شاید ہی کسی کو انکار ہو کہ غالب نے خودستائی میں بخل سے کام نہیں لیا۔ اپنی جن خوبیوں کو انہوں نے اجاگر کر کے دکھایا ہے ان میں ''راست گفتاری'' بھی ہے۔

مقالہ میں غالب کی مختلف تحریروں سے محققانہ انداز میں آخرالذکر خوبی کی تلاش کی گئی ہے۔

☆ عبدالودود، قاضی۔ علی گڑھ میگزین غالب نمبر ۴۹ء

غالب بہ حیثیت محقق

مرزا کی تحقیقی صلاحیت سے بحث کرتے ہوئے ان کی متعدد غلطیاں گنائی گئی ہیں۔

☆ عزیز۔ نگار۔ دسمبر ۲۶ء

غالب کی ذہنیت پر ایک نظر

یہ مقالہ ڈاکٹر زور کے مقالے کی تردید میں لکھا گیا ہے۔

☆ عزیزالرحمن (جامعی)۔ برہان۔ جون ۵۰ء

مرزا غالب کی شاعری اور ان کی شخصیت

☆ فاروقی ڈاکٹر خواجہ احمد۔ مجموعہ کلاسیکی ادب

غالب کی عظمت

غالب غیر معمولی شخصیت کے حامل تھے۔ ان کی عظمت کا راز ان کی رنگارنگی، ان کی دلکش انفرادیت، ان کی انسان دوستی، اور ان کی آفاقیت میں پوشیدہ ہے۔ وہ بڑے شاعر ہوتے ہوئے بھی ایک بھرپور انسان تھے۔

☆ کیفی، برج موہن دتاتریہ۔ اردو، اکتوبر ۳۴ء

یادگارِ غالب

انجمن یادگار غالبکی تشکیل کا ذکر کیا گیا ہے۔

☆ مالک رام۔ ادبی دنیا لاہور نومبر ۴۶ء

توقیتِ غالب

اس مضمون میں غالب کی زندگی کے اہم واقعات اور کتابوں کی اشاعت کی تاریخیں پیش کی گئی ہیں۔

☆ م۔ر آج کل فروری ۱۹۵۲ء

سوالاتِ عبدالکریم

''قاطع برہان'' کے جواب میں بہت سی کتابوں کے علاوہ ''محرق قاطع برہان'' بھی ہے جس کے جواب میں دوسری کتابوں کے علاوہ ''سوالات عبدالکریم'' بھی لکھی گئی۔ مضمون نگار نے اس کتاب کا تعارف کرایا ہے اور بتایا ہے کہ یہ سوالات پورے نہیں تو بڑی حد تک خود مرزا کے لکھے ہوئے ہیں۔

☆ م۔ر۔آج کل۔فروری ۵۳ء

سوالاتِ عبدالکریم کے دو صفحے

سوالاتِ عبدالکریم کے دو صفحات کا عکس پیش کیا گیا ہے۔

☆ مسعود جاوید۔ چراغ راہ۔ جولائی ۵۱ء

غالب کی ایک اور زاویۂ نگاہ سے

مقالہ نگار کی رائے ہے کہ غالب نے جن کی مذہبی تربیت ناکافی تھی مروجہ اسلامی تصورات کا مذاق اڑایا جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کا بچپن ایک انحطاط پذیر امیرانہ ماحول میں گزرا تھا اور وہ فطرتاً آزادہ رو تھے۔

☆ مقبول حسین احمد پوری۔ معارف۔ اکتوبر ۳۰ء

عیش مایوسی اور مرزا غالب

☆ مہتا۔ دیال پرشاد۔ زمانہ۔ ستمبر ۳۷ء

مرزا غالب اور تصوف

مضمون نگار کے خیال میں غالب کو تصوف سے فطری لگاؤ تھا۔ انہوں نے اپنے

مشاہدات مجازی اصطلاحات کے ذریعے اپنے کلام میں بیان کیے ہیں۔

☆ **مہر غلام رسول۔ نگار۔ اپریل ۵۳ء**

مرزا غالب نقاد کی حیثیت سے

مرزا غالب کو بہ حیثیت نقاد پیش کیا گیا ہے۔ مقالہ نگار کے خیال میں وہ ترقی پسندانہ رجحانات رکھنے والے نقاد تھے۔

☆ **نعمی ابوالحسن۔ الحمراء لاہور۔ جون ۵۲ء**

غالب کی شخصیت

غالب کی شخصیت مثالی نہیں تھی۔ ان میں کمزوریاں بھی تھیں۔ مختلف خصوصیات جو ان کی شخصیت کی تعمیر کرتی ہیں۔ مختصراً ان پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

☆ **نیاز فتحپوری۔ نگار۔ اگست ۳۹ء**

غالب کا مذہب

مقالہ نگار کے خیال میں غالب مزہباً شیعہ تھے۔ غالب اخلاق کے فلسفہ میں زیادہ تر ضرورت اور مصلحت کا پابند تھا۔ اس لیے ہوسکتا ہے۔ کہ " ماورالنہری " والی رباعی محض بادشاہ کو خوش کرنے کے لیے لکھ دی ہو۔

☆ **ہاشمی، سید۔ اردو جلد پنجم۔ ص ۵۹۹**

غالب کا فلسفہ

غالب کے فلسفیانہ افکار کو متن مدارج میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا شوقِ تماشا یا صحیفۂ کائنات کا مطالعہ دوسرا شوقِ تحیر یا گمشدگی، اور تیسرا یہ نتیجہ کہ اس دید و تماشا کا حاصل کچھ نہیں۔ اس منزل پر غالب وحدت وجود کی طرف زیادہ مائل نظر آتے ہیں۔ آخر میں کہا گیا ہے کہ غالب نے اجتماعی اور قومی زندگی کے معاملات و مسائل پر نہیں سوچا۔

تصانیف نثر

☆ ادارہ۔صلائے عام مارچ ۲۷ء

نثر اردو حضرت غالب

☆ اشرف ڈاکٹر محمد۔اردو معلی۔غالب نمبر ۱،۶۰ء

غالب اور شاھان مغل کا تاریخی نظریه

غالب کی تصنیف مہر نیمروز میں ''ترکی نظریہ تاریخ'' ملتا ہے۔

☆ جمیل الدین۔سید۔نوائے ادب بمبئی جنوری اپریل جولائی ۵۵ء

دستنبو کا ایک خاص نسخه

خطوط غالب کی روشنی میں دستنبو کی غایت تصنیف۔ نفس مضمون اور زبان سے بحث کرنے کے بعد دستنبو کے ایک خاص نسخے کا تعارف کرایا ہے۔

☆ جمیل الدین۔سید نوائے ادب جولائی۔اکتوبر ۵۱ء جنوری ۵۲ء

مهر نیمروز کا ایک خاص نسخه

مہر نیمروز کے موضوع اور غالب کے تاریخ نویسی سے بحث کرنے کے بعد اس کتاب کے اس خاص نسخے کا تعارف کرایا گیا ہے جو مرزا غالب نے نواب وزیر الدولہ والی ٹونک کی خدمت میں بھیجا تھا۔ اس میں غالب نے بعض لغات کے معنی اپنے قلم سے لکھ دیئے ہیں اور کئی جگہ کتابت وطباعت کی غلطیوں کی تصحیح کے علاوہ کہیں کہیں لفظی ترمیم بھی کی ہے۔ مقالہ کے آخر میں ''فہرست اصلاح غالب'' بھی درج کردی گئی ہے۔

☆ سالک۔ عبدالمجید۔ علی گڑھ میگزین غالب نمبر ۴۸۔۴۹ء

رسالہ لطائفِ غیبی اور مرزا غالب

مقالہ نگار نے اس مضمون میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ لطائف غیبی کے مصنف میاں داد خاں سیاح نہیں بلکہ غالب تھے۔

☆ صالحہ عابد حسین۔ شاعر خاص نمبر ۵۹ء

غالب کی نثر

غالب کے نثری رسالے 'لطائف غیبی'، 'تیغ تیز' اور 'نامۂ غالب' کو پیش کرنے کے بعد غالب کے خطوط پر بحث کی گئی ہے۔

☆ صدیقی ڈاکٹر عبدالستار، علی گڑھ میگزین غالب نمبر ۴۹ء

دھلی سوسائٹی اور غالب

دہلی کی قدیم انجمن '' دہلی سوسائٹی '' اور اس کے رسالے پر بیش قیمت معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں۔ اس مقالہ میں مرزا غالب کا وہ مضمون بھی شامل ہے جو انہوں نے ۱۱ راگست ۱۸۶۵ء کو سوسائٹی کے دوسرے جلسے میں پڑھا تھا۔

☆ عبدالمالک آوری۔ علی گڑھ میگزین غالب نمبر ۴۹ء

رسالہ لطائف غیبی اور غالب

مقالہ نگار کے خیال میں ''لطائف غیبی'' غالب کی تصنیف ہے۔

☆ **عبدالودود، قاضی علی گڑھ میگزین غالب نمبر ۴۹ء**

فرہنگِ غالب

فرہنگ غالب مرتبہ عرشی پر تبصرہ۔

☆ **عبدالودود۔ قاضی۔ معاصر (۳)**

ایک رسالہ از مرزا غالب

آغاز: ''اضعفِ بندگان ربّ کریم، عبدالکریم منشی سعادت علی صاحب کی خدمت با برکت میں عرض کرتا ہے کہ میں ''محرق قاطع برہان'' کو دیکھ کر آپ کی فارسی دانی بلکہ ہمہ دانی کا معتقد ہوا۔''

خاتمہ: ''راقم آثم محمد فضل اللہ عفی عنہ نزدیک خاکسار'' ہم چنین است نجف علی عفی عنہ''

☆ **عرشی۔ امتیاز علی۔ شاعر۔ خاص نمبر۔ ۵۹ء**

غالب کی چند اردو تحریریں

مقالہ نگار کو رضا لائبریری میں غالب کی چند تحریریں حاصل ہوئی ہیں جو اردو میں ہیں انہیں پر مقالہ نگار نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

☆ **عرشی۔ امتیاز علی۔ آج کل دہلی ۵۷ء**

غالب اور برہانِ قاطع

برہان قاطع کے اس نسخہ کا تعارف جس کو سامنے رکھ کر غالب نے قاطع برہان ترتیب دی تھی۔ برہان کے آخری باب پر غالب کے اعتراضات کا خلاصہ اور اس کی علمی اہمیت پر تبصرہ۔

☆ **قریشی۔ ڈاکٹر وحید۔ سویرا لاہور۔ ۵۷ء**

یادگارِ غالب۔ ایک تحقیقی مطالعہ

بعض کتابوں میں ''یادگار غالب'' کے بعض بیانات سے اختلاف کیا گیا ہے۔ انہی اختلاف کو اس مضمون میں پیش کیا گیا ہے۔

☆ **مالک رام۔ نگار لکھنؤ۔ جولائی ۶۰ء**

گلِ رعنا

مولوی سراج الدین احمد کی فرمائش پر غالب نے کلکتہ میں ''گل رعنا'' کے نام سے ایک انتخاب مرتب کیا۔ مضمون نگار کو اس کا ایک مکمل نسخہ ایک دوست نے تحفۃً دیا ہے۔ اس مضمون میں اسی نسخہ کا تفصیلی تعارف ہے۔

☆ **مالک رام۔ نگار۔ جولائی ۶۰ء**

غالب کی فارسی تصانیف

مضمون نگار نے کلیات غالب۔ 'سبد چیں' سبد باغ دودر، مثنوی دعاء صباح، پنج آہنگ، مہر نیم روز، دستنبو، کلیات نثر غالب، قاطع برہان اور درفش کاویانی کا تعارف کرایا ہے۔

☆ **مرتضیٰ حسین۔ اورنٹیل کالج میگزین فروری ۱۹۵۲ء**

غالب کی نادر کتابیں

مندرجہ ذیل کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱۔ رقعات بے نظیر مرزا نوشہ　　۲۔ نگارستانِ سخن

۳۔ انشائے اُردو　　۴۔ مثنوی ترجمہ دعائے صباح

☆ **مقصود حسین خاں۔ العلم کراچی۔ جولائی ۵۳ء**

مرزا غالب

غالب کے متعلق چند اختلافی رائیں پیش کرنے کے بعد غالب کی نثر نگاری پر تبصرہ کیا ہے۔

☆ **مہر۔ غلام رسول۔ آج کل۔ فروری ۵۸ء**

پنج آہنگ

☆ مہیش پرشاد۔ مولوی۔ علی گڑھ میگزین غالب نمبر ۴۹ء

برھان قاطع اور قاطع برھان

مقالہ میں ان ادبی ہنگاموں کا ذکر کیا گیا ہے جو مرزا کی تصانیف پر ملک کے فارسی دانوں نے اٹھائے تھے۔ اعتراضات، جوابات اور جواب الجواب میں جو کتابیں تصنیف کی گئیں ان کی تفصیلات درج کی گئی ہیں۔

☆ مہیش پرشاد۔ مولوی۔ سب رس۔ حیدرآباد۔ جون ۵۱ء

تصانیفِ مرزا غالب کی ابتدائی اشاعتیں

گل رعنا، سیر باغ دودر، میخانۂ آرزو غالب کی غیر مطبوعہ تصانیف ہیں۔ دیوان اردو کلیاتِ نظم فارسی: پنج آہنگ۔ مہر نیمروز، دستنبو، قاطع برہان۔ مثنوی گہر بار۔ نامۂ غالب۔ تیغ تیز۔ سبد چیں۔ عود ہندی۔ اردوئے معلیٰ۔ دیوان غالب اردو۔ نسخہ حمیدیہ۔ مکاتیب غالب متفرقاتِ غالب نادراتِ غالب مآثر غالب کے نفسِ مضمون کا ذکر کرتے ہوئے ان کی مختلف اشاعتوں کی تفصیل درج کی ہے۔

☆ نارنگ۔ ڈاکٹر گوپی چند۔ پگڈنڈی امرتسر سالنامہ ۵۶ء

یادگار غالب

سوانح عمری کی حیثیت سے ''یادگار غالب'' کا تحقیقی مطالعہ

☆ نذیر احمد شمس العلماء۔ معارف نمبر ۵۔ جلد ۱۷

مرزا غالب کے بچپن کی ایک تحریر

خاں صاحب مشفق، مہربان خداداد خاں صاحب وولی داد خاں صاحب سلامت، از اسد اللہ خاں عرف مرزا نوشہ، بعد سلام معلوم فرمایند کہ چوں آں صاحباں با جناب والدہ صاحب قبلہ وکعبہ حضرت عشت النسا بیگم صاحبہ مدظلہ (ظلہا) العالی ہم بطریق رہن حویلی وہم بسبیل دستگرداں طرح داد وستد درمیان دارند، بلحاظ امیر ناگزیر لازم لغو سبشری است، دمجی خود ازیں جانب می خواہند، لہٰذا نوشتہ می بود کہ خدائے جہاں آفریں جناب بیگم صاحبہ قبلہ یعنی والدہ صاحبہ را تادیر گاہ دارد، بذاتِ خود

مالک آں ہر دو حویلی اند، و دیگرے را در آں ہیچ گونہ شرکت و انبازی نیست، و اگر احیاناً خدا نخواستہ باشد امر ناگزیرے کہ لازمِ ذاتِ انسانیت پیش خواہد آمد، آنچہ از املاک مملوکہ و مقبوضہ جناب ممدوحہ بہ تصرف این گنہ گار خواہد آمد، از آں مجموع اول ادائے قرضہ آں صاحبان کردہ خواہد شد و اگر تا کہ وجہ قسمت آں مجموعہ بادائے قرضہ آن صاحبان کفایت نخواہد، بقیہ قرضہ آن صاحبان از نزد خود ادا خواہم کرد۔ لیکن این معنی بخاطر باشد کہ چون جناب والدہ صاحبہ نوشتن و خواندن می دانند لہذا قرار دادہ آنست کہ ہر تمسک مہری جناب والدہ صاحبہ کہ بہ دست خط جناب ممدوحہ خواہد شد" از پایۂ اعتبار ساقط متصور خواہد شد۔

خلاصہ این کہ آن صاحبان ہر زرے کہ بجناب والدہ صاحبہ قبلہ بسبیل قرض، بسند تمسک مہری جناب ممدوحہ حاصل کردہ نزد خود دارند، ہر تمسک کہ این چنین خواہد بود، از مندرجہ آں اگر حسب اتفاق بذمہ جناب ممدوحہ باقی خواہد ماند از جناب ممدوحہ ادائے آں زر خواہ از املاک متروکہ خواہ از جائداد خاص خود من کل الوجوہ بذمہ من خواہد بود، ہرگز درین امر تردد نفرمایند و این خط را کہ من بہ دست خود در حالت ثبات حواس بے جبر و اکراہ و برضائے خود نوشتہ ام، دستاویز کامل شناسند، فقط نگاشتہ سی ام جنوری ۱۸۲۱ء"

مربع مہر

عرف مرزا نوشہ
اسد اللہ خاں
۱۲۱۹ھ

غالب سے متعلق تصانیف

☆ یادگارِ غالب۔ الطاف حسین حالی

"مرزا غالب کی زندگی کے حالات اور اقسام نظم و نثر اردو کا انتخاب اور ہر ایک قسم پر جداگانہ ریمارکس۔"

پہلا باب، مرزا کی لائف۔ دوسرا باب، مرزا کے کلام پر ریویو اور اس کا انتخاب، تیسرا باب، دیوان ریختہ کا انتخاب۔ نثر اردو پر ریویو اور اس کا انتخاب۔

شیخ مبارک علی تاجر کتب اندرون دروازہ لوہاری۔ لاہور

☆ آثارِ غالب۔ شیخ محمد اکرام

مرزا غالب کی زندگی اور تصانیف کا تفصیلی مطالعہ جدید علم نفسیات و فن تنقید کی روشنی میں۔

تاج آفس محمد علی روڈ۔ بمبئی

☆ سرگزشت غالب ۔ ڈاکٹر سید محی الدین زور

مرزا غالب کی حیات، کارناموں اور اعزہ و احباب کا ایک مجمل تذکرہ۔

ادارہ ادبیات جدید حیدرآباد۔ دکن

☆ ادبی خطوط غالب ۔ مرتبہ مرزا عسکری

ایسے خطوط کا مجموعہ جن میں مرزا غالب نے نکات ادبیہ حل کیے ہیں۔ اشعار کے معنی سمجھائے ہیں اور شعرا کے متعلق رائے زنی کی ہے۔ دیباچہ بھی شامل ہے جس میں مرزا غالب کے مکتوب الیہم کے حالات مع نمونۂ کلام درج ہیں۔

ادارہ فروغ اردو۔ ۷ ۱۳ امین آباد پارک لکھنؤ

☆ نادر خطوط غالب ۔ مرتبہ سید محمد اسمٰعیل صاحب رسا ہمدانی

یہ خط غالب کے بہار کے تین شاگردوں کے نام ہیں۔ جن میں ۲۳ خط کرامت ہمدانی کے نام ہیں۔ ۳ خط حضرت صفیر بلگرامی کے نام ہیں اور ایک خط حضرت صوفی منیر، بہاری کے نام ہے۔ ان خطوط سے مرزا غالب کا کیریکٹر۔ ان کی اصلاحیں، ظرافت اور شوخی طبع کا حال معلوم ہوتا ہے۔ مرتب نے مکتوب الیہم کے حالات اور نمونہ کلام بھی پیش کیا ہے۔

کاشانۂ ادب لکھنؤ

☆ متفرقات غالب ۔ سید مسعود حسین ادیب رضوی

مرزا غالب کے غیر مطبوعہ مکتوبات و منظومات کا مجموعہ۔ خطوط کی مجموعی تعداد ۴۹ ہے جو سراج الدین احمد، مرزا احمد بیگ مرزا ابوالقاسم، ادارہ جام جہان نما اور شیخ ناسخ کے نام ہیں۔

ہندوستانی پریس۔ رامپور

☆ مکاتیب غالب ۔ امتیاز علی خاں عرشی

غالب کے ان خطوط و عرائض کا مجموعہ جو نواب فردوس مکاں نواب خلد آشیاں اور بعض اور وابستگان دربار کی خدمت میں لکھے گئے۔ عرشی صاحب کا مقدمہ اور حواشی بھی شامل ہیں۔

مطبع سرکاری رامپور

☆ Ten Gems From Ghalib شہاب الدین رحمت اللہ۔ بی۔اے

غالب کے دس شعروں کا انگریزی میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ ہر صفحہ پر غالب کے خیال کو مصور کر کے اس کے نیچے اصل شعر اور پھر ترجمہ لکھ دیا گیا ہے۔

☆ غالب ۔ غلام رسول مہر

مصنف نے جگہ جگہ دلائل سے سابق تذکرہ نگاروں کے بیانات کی تردید و تصحیح کی ہے۔ غالب کی زندگی اور شاعری پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

عالم گیر الیکٹرک پریس لاہور

☆ غالب اور اس کی شاعری۔ احمد دین احمد صاحب

'' پہلے اگر غالب کی شاعری کو مشرقی اصول کی کسوٹی پر پرکھا جاتا تھا تو اب مغربی اصول اس پر چسپاں کیے جارہے ہیں۔ موجودہ مضمون بھی جو ایک نوجوان فارغ التحصیل طالب علم کا لکھا ہوا ہے۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔''

سٹیر بک ایجنسی ۔ الہ آباد (معارف اپریل ۳۰ء)

☆ غالب۔ ڈاکٹر عبداللطیف

'' ڈاکٹر صاحب نے غالب کے تذکرہ کی تحقیقات ہی میں اپنا پورا زور صرف کر دیا ہے اور غالب کی نفس شاعری پر جو کچھ لکھا ہے وہ بے اثر۔ عاجلانہ اور غیر منطقیانہ ہے۔ وہ جس صورت سے بھی ہو بجنوری مرحوم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ غالب کے قوم پرست ہونے کا جہاں تک سوال ہے اس سے کامل اتفاق ہے۔''

(معارف جنوری ۲۹ء)

☆ فلسفۂ کلام غالب ۔ پروفیسر سید شوکت سبزواری

اس کتاب میں غالب کے حکمیاتی تصورات، نظریۂ حیات، اخلاقی اقدار، فن اور نظریہ جمال وغیرہ پر مختلف پہلوؤں سے روشنی ڈالی گئی ہے اور غالب کی فلسفیانہ حیثیت کو پیش کیا گیا ہے۔
قومی کتب خانہ۔ بریلی

☆ محاسنِ کلامِ غالب۔ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری

غالب کی شاعری پر تنقیدی روشنی ڈالی گئی ہے۔اومحاسن کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

انجمن ترقی اردو۔علی گڑھ

☆ مطالعۂ غالب۔مرزا جعفر علی خاں اثر لکھنوی

غالب اور میر کی شاعری پر روشنی ڈالتے ہوئے غالب کے چالیس اشعار کی تشریح کی گئی ہے۔دوسرے شارحین کی تشریحات سے بھی بحث کی گئی ہے۔آخر میں کلامِ غالب کا انتخاب بھی دیا گیا۔

دانش محل امین الدولہ پارک لکھنؤ

☆ خطوطِ غالب۔غالب غلام رسول مہرؔ

مکاتیب رامپور اور منشی نبی بخش حقیرؔ کے نام خطوط کو اس مجموعے میں چھوڑ دیا گیا ہے اس کے علاوہ جس قدر خطوط دستیاب ہوئے ہیں۔انہیں تاریخ وار ترتیب دیا گیا ہے۔مقامی اور تاریخی تلمیحات کی تشریح بھی کر دی گئی ہے اور مکتوب الیہ کے نام بھی لکھ دیئے گئے ہیں۔مرتب نے خطوطِ غالب کی خصوصیات پر مقدمے میں تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔

کتاب منزل لاہور

☆ تلامذۂ غالب۔مالک رام

غالب کے شاگردوں کے حالاتِ زندگی اور ان کی شاعری پر تنقید اور کلام کے نمونے پیش کیے گئے ہیں۔اس کتاب میں غالب کے اکثر شاگردوں کی تصاویر بھی شامل ہیں۔

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔اردو بازار۔دہلی

☆ دیوانِ غالب مع شرح۔جوش ملسیانی

شرح کلامِ غالب کے ساتھ ان کی زندگی اور شاعری پر تبصرہ بھی شامل ہے۔

آتما اینڈ سنز کشمیری گیٹ۔دہلی

☆ بیان غالب۔ جناب آغا محمد باقر

شیخ مبارک علی تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور

☆ شرح دیوان غالب۔ مولانا علی حیدر

نظم طباطبائی۔

☆ شرح دیوان غالب۔ بیخود موہانی

☆ شرح دیوان غالب۔ حسرت موہانی

☆ شرح دیوان غالب۔ آسی لکھنوی

☆ شرح دیوان غالب۔ نظامی بدایونی

☆ شرح دیوان غالب۔ قاضی سعید احمد

☆ شرح دیوان غالب۔ سہا

☆ ترجمانِ غالب۔ (شرح دیوان غالب)۔

سید شہاب الدین مصطفیٰ۔ چیچل گوڑہ حیدر آباد (دکن)

☆ ذکر غالب۔ مالک رام

مغربی طرز کی سوانحی عمری جس میں مناسب اور ضروری معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ کتاب میں تین باب ہیں۔ سوانح حیات، تصانیف اخلاق و عادات۔ ہر ایک باب میں ذیلی سرخیوں کی مدد سے موضوع پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی

☆ انتخاب خطوط غالب۔ مرتبہ: ڈاکٹر عبادت بریلوی و مشرف انصاری

غالب کے حالاتِ زندگی اور مکتوب نگاری پر ایک مضمون بھی شامل ہے۔

اردو مرکز لاہور

☆ دیوانِ غالب۔ مرتبہ مالک رام

مرتب کا ایک مبسوط مقدمہ بھی شامل ہے۔

آزاد کتاب گھر، دہلی

☆ دیوان غالب۔ مرتبہ شفیع الدین نیر

☆ دیوان غالب۔ مرتبہ طاہر ایڈیشن

☆ دیوان غالب۔ مرتبہ فرید ایڈیشن

☆ دیوان غالب۔ مرتبہ سردار جعفری (۱)

(۱) ہندی اردو دونوں رسم الخط میں، مرتب کے مبسوط مقدمہ کے ساتھ

ہندوستانی ٹرسٹ۔ بمبئی

☆ فرہنگ غالب۔ امتیاز علی خاں عرشی رامپوری

☆ نکات غالب۔ نظامی پریس

☆ روح کلام غالب۔ ظفر بیگ

☆ دیوان غالب صاحب۔ فیاض حسین

☆ مرقع چغتائی۔ (دیوان غالب) عبدالرحمن چغتائی

☆ نقشِ چغتائی۔ (دیوان غالب) عبدالرحمن چغتائی

☆ دیوان غالب۔ امتیاز علی خاں عرشی

☆ سرگزشتِ غالب۔ بشیر حسین

☆ نادراتِ غالب۔ مرتبہ آفاق حسین فاقی (مشہور پریس۔ کراچی)

☆ احوالِ غالب۔ مرتبہ ڈاکٹر مختار الدین آرزو (انجمن ترقی اردو۔ علی گڑھ)

☆ نقدِ غالب۔ مرتبہ ڈاکٹر مختار الدین آرزو (انجمن ترقی اردو۔ علی گڑھ)

☆ میاں داد خاں سیاح۔ ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی۔ حالات زندگی اور شاعری پر تبصرہ

اعجاز پرنٹنگ پریس حیدرآباد دکن

☆ غالب کی شاعری۔ مرزا عسکری

☆ افکار غالب۔ خلیفہ عبدالحکیم

☆ مرقع غالب ۲۔ مرتب خیر بہوروی

☆ (۴) غالب کی تمام عکسی وقلمی تصویریں مرتب نے جمع کی ہیں۔

☆ صحیفۂ غالب۔ شیخ عبدالرحمن طارق

☆ درس غالب۔ محمد حنیف (اردو معلیٰ اکادمی لاہور)

☆ خطوط غالب۔ مہیش پرشاد (ہندوستانی اکیڈمی۔ الہ آباد)

☆ غالب شکن۔ یگانہ چنگیزی (آرمی پریس دیال باغ۔ آگرہ)

☆ انتخاب غالب۔ مرتبہ: محمد عبدالرزاق

بہ قول مرتب غالب نے اپنے اشعار، خطوط لطائف اور نقلوں کا ایک مختصر مجموعہ خود مرتب کیا تھا اس کے طبع ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ غالب نے یہ مجموعہ پنجاب کے فینانشل کمشنر مکلوڈ صاحب کی نذر کیا تھا۔ غالب نے لکھا ہے۔ ''یہ کتاب اگر ان کے حکم سے چھاپی جائے گی۔ تو صاحبان تازہ وارد ولایت کے پڑھنے کے کام آئے گی۔''اس کا مسودہ پروفیسر ضیاء الدین ایل۔ ایل۔ ڈی۔ (دہلی کالج) کے کتب خانے میں دست یاب ہوا۔ تھا۔ اس میں ایک دیباچہ اور ایک خاتمہ ہے۔ ۳۲ مختلف اشعار دو نقلیں ہیں۔ ایک لطیفہ اور دس خطوط ہیں۔ بہ قول مرتب ''ایک لطیفہ اور دس خطوط ہیں۔ بہ قول مرتب'' ایک خط بالکل نیا ہے اور لطیفہ بھی نیا معلوم ہوتا ہے۔'' یہ مجموعہ ۱۳۴۵ھ میں طبع ہوا۔

چشتیہ پریس حیدر آباد۔ دکن

مکاتیب

☆ آرزو۔ مختار الدین احمد۔ علی گڑھ میگزین غالب نمبر ۴۸۔ ۴۹ء

نوادرِ غالب

غالب کی نظم و نثر کی ایسی تحریریں اس مضمون میں جمع کی گئی ہیں جو غالب کی مطبوعہ تصانیف میں نہیں ہیں۔ یہ تحریریں پرانی کتابوں، شعرا کے تذکروں اور قلمی بیاضوں سے حاصل کی گئی ہیں۔

☆ آرزو۔ مختار الدین احمد۔ آج کل جون۔ ۵۰ء

نوادرِ غالب

قاضی نورالدین مؤلف مخزن شعراء اور صاحب عالم مارہروی کے نام مرزا کے تین خط پیش کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد ایک نایاب مخمس ظفر کی غزل پر تظمیں ہے اور کچھ متفرق اشعار درج ہیں۔

☆ آرزو۔ مختار الدین احمد۔ آج کل۔ فروری ۵۲ء

غالب کا ایک غیر مطبوعہ خط اور چند اصلاحیں

غالب کے ایک قدرداں چودھری عبدالغفور کا کچھ کلام۔ ایک قصیدہ اور آٹھ نو قطعات جن پر غالب کی اصلاحیں موجود ہیں۔ پیش کیے گئے ہیں۔ ساتھ ہی چودھری صاحب کے نام غالب کا ایک خط بھی درج ہے۔

☆ آرزو۔ مختار الدین احمد۔ آج کل۔ مئی ۵۲ء

غالب کے تین غیر مطبوعہ خطوط

غالب کے یہ وہ تین خطوط ہیں جنہیں امتیاز علی خاں عرشی نے علی گڑھ میگزین غالب نمبر کی طبع ثانی کے لیے بھیجا ہے۔ یہ تینوں خطوط نواب کلب علی خاں والئی رامپور کے نام ہیں جو علی الترتیب ۱۸۶۶ء، ۱۸۶۷ء۔ ۱۸۶۸ء میں لکھے گئے مرزا غالب کے یہ تینوں خط بہت اہم ہیں اور ان سے کاتب سے زیادہ مکتوب الیہ کی سیرت اور شخصیت پر روشنی پڑتی ہے۔

☆ آرزو۔ مختار الدین احمد۔ اردو ادب جولائی تا دسمبر ۵۲ء

غالب کا ایک غیر مطبوعہ فارسی مکتوب

میاں سید ابن حسن خاں مجد الدولہ سید نیاز حسن خاں بہادر شیر جنگ کے لڑکے تھے۔ جو غالباً اودھ میں کسی ممتاز عہدے پر متمکن تھے مقالہ نگار نے ان کے دو فارسی مکتوب مرزا غالب کے نام اور غالب کا ایک مکتوب ان کے نام دریافت کیا ہے جو ان کی ایک غیر مطبوعہ فارسی کتاب ''برہان اودھ'' برہان اودھ'' کے آخر میں درج ہے۔

غالب کے خط کی اہمیت یہ ہے کہ اس سے ان کے زمانہ قیام لکھنؤ کا تعین ہو سکتا ہے آخر میں ان تینوں خطوں کا متن درج کر دیا گیا ہے۔

☆ آرزو۔ مختار الدین احمد۔ نگار۔ جولائی۔ ۵۲ء

غالب کے چند نایاب خطوط

سید فرزند احمد صفیر بلگرامی کے نام غالب نے پانچ خطوط لکھے تھے۔ ان خطوط کو صفیر نے اپنی کتاب ''جلوۂ خضر'' میں نقل کیا ہے۔ ان میں جو نام اور تشریح طلب باتیں آئی ہیں ان کی تشریح

کر دی گئی ہے۔

☆ آفاق دہلوی۔ نگار۔ مئی ۴۷ء

غالب کے غیر مطبوعہ خطوط

مقالہ نگار نے منشی نبی بخش حقیر کے نام غالب کے خطوط کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ مرزا نے دسمبر ۱۸۴۸ء یا جنوری ۱۸۴۹ء میں منشی جواہر سنگھ جوہر کے نام ایک خط لکھا تھا جس سے مرزا کی اردو مکتوب نگاری کا آغاز ہوا۔

☆ آفاق حسین دہلوی ماہ نو۔ کراچی فروری ۵۵ء

مکتوبات غالب و مجروح

مقالہ نگار کے پاس غالب و مجروح کے مکاتیب کا ایک مجموعہ ہے۔ جس میں غالب، مجروح کی مراسلت کے علاوہ غالب کے دیگر غیر مطبوعہ مکاتیب بھی ہیں۔ جن میں سے ایک نواب یوسف علی خاں والی رامپور، ایک آغا محمد حسین، ایک مولانا محمد علی کے والد علی بخش اور ایک میرن صاحب کے نام ہے (یہ مجموعہ زیور طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔)

☆ ابو مسلم صدیقی۔ ادبی دنیا لاہور۔ جولائی ۴۲ء

غالب کے اردو خطوط کی امتیازی خصوصیات

غالب اردو خطوط نویسی کی طرف کیوں مائل ہوئے۔ اس سے بحث کرتے ہوئے اس کی ادبی سوانحی اور تاریخی اہمیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

☆ اثر۔ محمد علی خاں۔ آج کل ستمبر ۵۱ء

مرزا غالب کے تین خط

مالک اخبار دبدبہ سکندری رام پور کے نام غالب کے تین خطوں کی نقل پیش کی ہے۔ یہ خطوط اخبار مذکور کی جلد ۲۴ نمبر ۴۳ میں یکم جولائی ۱۸۸۹ء میں چھپ چکے ہیں لیکن ان کی نقلیں چونکہ مکاتیب غالب کے کسی مجموعے میں نہیں ہیں۔ اس لیے اثر رامپوری نے انہیں شائع کر دیا ہے۔

☆ احتشام حسین، سید۔ آج کل۔ فروری ۴۲ء

مرزا غالب کے چار خط نئے مکتوب الیہ کے نام

یہ خطوط مولوی نعمان احمد کے نام ہیں (نیز ملاحظہ ہو'' ذوق ادب اور شعور'' از سید احتشام حسین)

☆ ادارہ۔معارف نمبر ۶ جلد ۱۰ دسمبر ۲۲ء

رقعہ مرزا غالب بنام نواب علاء الدین خاں مرحوم علائی

مطلع: خوشی ہے یہ آنے کی برسات کے

پئیں بادہ ناب اور آم کھائیں ....الخ

☆ ادارہ۔معیار۔مارچ ۳۶ء

مرزا غالب کے غیر مطبوعہ خطوط

(بنام منشی سیل چند)

یہ خطوط غلام رسول مہر کی مرتب کردہ کتاب'' نامہ غالب'' میں نہیں ہیں۔

۱۔ منشی صاحب سعادت مند و اقبال نشان عزیز از جان منشی چند کو فقیر غالب کی دعا پہنچے۔کیوں صاحب ہم تم کو اپنا فرزند سمجھیں اور تمہارا یہ حال کہ مراسم فرزندی بجا نہیں لاتے خط لکھنا تم نے یک قلم موقوف کر دیا۔اور بھائی بے تکلف لکھتا ہوں کہ مجھ میں اب دم نہیں ہے۔طاقت باقی ہے نہ حواس درست ہیں۔آج کے نواب صاحب کے خط میں دو جگہ غلطیاں ہوئیں مجھ سے۔لکھنا کچھ چاہتا ہوں لکھ کچھ جاتا ہوں۔بھیا اب تو یہ نوبت پہنچی ہے۔کہ آج بچا کل مرا۔کل بچا پرسوں مرا۔اس خط کا جواب مجھ کو جلد لکھو اور اس میں لکھو کہ احسان حسین خاں اور ان کے بھائی مظفر حسین خاں جو لکھنؤ سے آئے ہیں۔نواب صاحب کی سرکار سے ان کا کیا درماہہ مقرر ہوا ہے اور تعظیم و توقیر کا کیا رنگ ہے۔دربار میں جو آتے ہیں تو بیٹھتے کہاں ہیں۔

اس خط کے جواب کا طالب۔غالب

۲۔ برخوردار نور چشم منشی سیل چند میر منشی کو بعد دعا کے معلوم ہو کہ اگلے مہینے میں اگست ۱۸۱۸ء کی تنخواہ کی ہنڈوی جو تم نے مجھے بھیجی تھی اس کا روپیہ ابھی تک نہیں پتا۔میں تو جس

دن ہنڈوی آتی ہے اسی دن یا اس کے دوسرے دن اپنے مختار کے ہاتھ، کہ وہ بھی مہاجن ہے بیچ ڈالتا ہوں مگر اس مختار کار کو جس کے ہاں ہنڈوی آتی ہے، اس نے روپیہ اب تک نہیں دیا۔ ۸ ستمبر کو وہ ہنڈوی بیچ کر روپیہ میں نے لیے لیا تھا اور آج اٹھارہ ہے۔ مختار کار کو روپیہ۔ اس نے اب تک نہیں دیا۔ جس سے تم نے ہنڈوی لکھوائی ہے اس کو تاکید کرو کہ یہاں کے مہاجن کو روپیہ دینے کی تاکید لکھے تاکہ مختار کار کا روپیہ پٹ جائے۔ غالب

۳۔ منشی صاحب سعادت منداقبال نشان منشی سیل چند صاحب۔ میر منشی سلمہ اللہ تعالیٰ بعد دعائے دوامِ حیات اور ترقی درجات معلوم فرمائیں۔ اگرچہ از روئے خطوط حضور صحت و عافیت حضور معلوم ہوئی ہے لیکن یہ کہیں سے نہیں سُنا کہ غسل صحت کیا یا کس دن کریں گے۔ آپ سے فقیر کا سوال ہے کہ مجھ کو لکھیے کہ حضرت غسل صحت کس دن فرمائیں گے اور اگر موافق میری آرزو کے نہا چکیں ہوں تو غسل کی تاریخ سے اطلاع دیجیے۔

خیر و عافیت کا طالب۔ غالب

۲۵ دسمبر ۱۸۶۴ء

☆ ادارہ نوائے ادب۔ ماہ نو کراچی فروری ۵۳ء

غالب کا عکسِ خط

غالب کی خود نوشت فارسی کلیات کے ایک صفحہ اور مطبع دار السلام دہلی والے مطبوعہ کلیات کے ایڈیشن کے حاشیہ کے تین مصرعوں کا عکس پیش کیا گیا ہے۔

☆ ادارہ۔ ہندوستانی ادب۔ حیدرآباد دکن اگست ۵۷ء

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد دلّی

مرزا غالب کے خطوط کی مدد سے ۱۸۵۷ء کے بعد کی دلّی کے حالات پیش کیے گئے ہیں۔

☆ ادارہ۔ معارف نمبر ۶۔ جلد ۳۵

ادبی خطوط غالب۔ مرتبہ مرزا عسکری

اردو خطوط نویسی میں غالب کا پیش رو غلام غوث بے خبرؔ

مرزا اسد اللہ خاں غالب اردو خطوط نویسی کے باوا آدم کہے جاتے ہیں حالانکہ اردو میں خط لکھنے کی ابتدا خواجہ غلام غوث بے خبر نے کی ہے۔ مضمون نگار نے بے خبر کا تعارف کراتے ہوئے ان کی خطوط نویسی کی خوبیاں بتائی ہیں۔

☆ اعجاز جاوید۔نیا دور۔اگست ۷۵ء

دلّی کی کہانی غالب کی زبانی

مرزا غالب نے اپنے خطوط میں ۱۸۵۷ء کی دہلی کا اکثر ذکر کیا ہے۔ مضمون میں بعض خطوط کے اقتباسات پیش کیے گئے ہیں۔

☆ ایڈیٹر ۔اردو اورنگ آباد فروری ۲۹ء

مرزا نوشہ غالب کا آخری خط

ایڈیٹر نے یہ خط جناب صفدر مرزا سے حاصل کی ہے تاریخ درج نہیں اور نہ ہی مکتوب الیہ کا نام ہے۔

☆ ایڈیٹر ۔اردو اورنگ آباد۔اپریل ۳۲ء

مرزا غالب کے دو غیر مطبوعہ خطوط

ایک خط کسی عبدالحق کے نام ہے جو ان کے خط کے جواب میں ہے۔ دوسرا خط کسی شہزادے کی شادی کے متعلق ہے۔

☆ برنی۔ضیاء الدین۔معارف نمبر ۳۔جلد ۱۹

غالب و صہبائیؔ کے خطوط

☆ رضوی۔وقار احمد۔صبا حیدر آباد۔۵۷ء

غالب بہ حیثیت صاحب طرز انشا پرداز

غالباً گرچہ ایک انحطاط پذیر ماحول میں زندہ رہے تاہم ان کی فکر میں توانائی اور تازگی

ہے اور ان کا تخیل بلند اور بے باک ہے۔ ان کی منفرد شخصیت۔ ظرافت و بذلہ سنجی۔ نفسیاتی گہرائی۔ شوخی بیان اور ان کے EGO (ایگو) ہی کی بنا پر اردو ادبیات عالیہ میں ان کا مقام ایک صاحب طرز انشا پرداز کی حیثیت سے بہت ممتاز ہے۔

☆ رضوی۔ وقار احمد۔ نیا دور۔ اپریل ۵۷ء

غالب

غالب کے دل گداختہ نے صرف شمع سخن ہی کو فروغ نہیں دیا بلکہ وہ انشائے اردو میں بھی ایک صاحب طرز ادیب کی حیثیت رکھتے ہیں ان کے خطوط سے اردو نثر کی تاریخ میں ایک اہم باب کا آغاز ہوتا ہے

☆ رفعت۔ مبارز الدین۔ اردو ادب۔ ستمبر ۵۸ء

غالب اپنی اردو نثر کے آئینہ میں

غالب کی اردو نثر میں قدر و قیمت متعین کرنے کے بعد ان کی نثر کی سادگی و پرکاری کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی خصوصیات کا تذکرہ کیا ہے۔

☆ رفعت۔ مبارز الدین۔ نگار۔ اپریل ۵۹ء

غالب کا ایک غیر مطبوعہ خط

غالب کا یہ خط حبیب اللہ ذکا، تالیطی کے نام ہے جو ان کے دوستوں اور شاگردوں میں سے تھے۔

☆ شاداں کاظم علی۔ مشرب، کراچی مقالات نمبر ۵۸ء

غالب کے کچھ اور خطوط

صفیر بلگرامی کے شاگرد نواب تجمل حسین خاں عرف سلطان نے ''مرقع فیض'' کے نام سے ایک تذکرہ مرتب کیا ہے۔ جس میں صفیر کے چند شاگردوں کے حالات لکھے ہیں۔ صفیر بلگرامی کے سلسلے میں غالب کے وہ پانچ خطوط بھی نقل کیے گئے ہیں جو صفیر کے نام تھے۔ ''خطوط غالب'' میں غلام رسول مہر نے ان میں سے دو کا ذکر کیا ہے۔ لیکن عبارت مختلف ہے۔ مضمون میں

یہ پانچوں خط نقل کر دیئے گئے ہیں۔

☆ شمس بریلوی۔آج کل۔سالنامہ ۴۹ء

مرزا غالب مرحوم

ایک غیر مطبوعہ ادبی خط اور اصلاح غزل صدیقی۔ڈاکٹر عبدالستار۔ہندوستانی جنوری ۳۴ء

غالب کے خطوں کے لفافے

☆ صدیقی۔ڈاکٹر عبدالستار۔ہندوستانی۔اکتوبر تا دسمبر ۳۳ء

کچھ بکھرے اوراق۔خطوط غالب

☆ عباسی۔اقرار احمد۔علی گڑھ میگزین ۵۹ء

غالب خطوں کے آئینہ میں

اس مضمون کے ذریعے غالب کی شخصیت کے وہ پہلو پیش کیے گئے ہیں جن کے نقوش مجموعی طور پر ان کے خطوط میں تلاش کیے جا سکتے ہیں۔طور پر ان کے خطوط میں تلاش کیے جا سکتے ہیں۔اور جن کے بنانے میں سماجی حالات اور تقاضوں کا گہرا اثر ملتا ہے۔

☆ عبداللہ۔ڈاکٹر سید۔اردو اپریل ۴۲ء

مرزا غالب کے دو غیر مطبوعہ خط

۱۔ پہلا خط ایک خط کے جواب میں ہے۔جس کے لکھنے والے کوئی صاحب ،عبدالحق ہیں اور دوسرا خط مرزا صاحب کا جواب ہے غالباً ملکہ معظمہ کے نام ہے۔

۲۔ دوسرا خط کسی شاہزادے کی شادی کے متعلق ہے۔ممکن ہے شاہزادہ جواں بخت کی شادی سے متعلق ہو۔

☆ عبدالودود۔قاضی۔آج کل۔اگست ۵۳ء

غالب کے خطوط صفیرؔ بلگرامی کے نام

مقالے میں غالب کے پانچ اور خط شائع کیے گئے ہیں جو انہوں نے صفیر بلگرامی کے نام، جو غالب

کے دوست اور صاحب عالم مارہروی کے شاگرد تھے، لکھتے تھے۔ یہ پانچوں خط صفیرؔ کی زندگی میں شائع ہو گئے تھے۔ اس کے علاوہ اور کوئی خط شائع نہیں ہوا۔ ان کی وفات کے بہت دن بعد ان کے پوتے سید وصی احمد بلگرامی نے اپنے طویل مقالے س ش ص میں جو "ندیم" گیا کے بہار نمبر بابت ۱۹۲۵ء میں چھپا تھا، دو خط درج کیے۔ جن میں سے ایک کی نسبت ان کا بیان ہے کہ صفیرؔ نے غالبؔ کو لکھا تھا اور دوسرا ان کے دعوے کے مطابق غالب کی طرف سے اس کا جواب ہے۔ مقالہ ہذا میں یہ دونوں خط درج ہیں مقالہ نگار نے ان دونوں خطوں کو جعلی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

☆ عرشی۔ امتیاز علی خاں۔ ماہ نو۔ فروری ۵۰ء

غالب کے فارسی خطوط۔ ایک نئی تحقیق

پنج آہنگ کا آہنگ پنجم مرزا غالب کے فارسی خطوط پر مشتمل ہے لیکن مطبوعہ نسخوں میں اور بعض نو یافتہ اصلوں میں بے حد فرق ہے۔ شائقین غالب کو چاہیے کہ غالبؔ کے فارسی خطوط کی اصلیں تلاش کرنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کریں۔

☆ فاروقی ڈاکٹر خواجہ احمد۔ اردو معلی دہلی غالب نمبر شمارہ اول فروری ۱۹۶۰ء

غالب کے چند غیر مطبوعہ فارسی رقعات حضرت غمگین کے نام

حضرت غمگیںؔ کی شخصیت اور شاعری کا ذکر کرنے کے بعد غالب سے ان کے تعلق کو بیان کیا گیا ہے اور ان خطوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے جو غالب و غمگیںؔ نے تحریر کئے تھے۔ یہ فارسی خطوط غیر مطبوعہ ہیں اور غمگیںؔ اکادمی، گوالیار میں محفوظ ہیں۔

☆ فاروقی۔ ڈاکٹر خواجہ احمد۔ آج کل اپریل ۵۴ء

چند نادر خطوط

غالب کا خط بنام حضرت سید ابو محمد جلیل الدین حسین المشتہر شاہ فرزند علی زاہدی، فردوسی نیزی المتخلص بہ صوفی تلمیذ غالب مرحوم: "زبدۂ اولاد حضرت خیر الانام قبلہ و کعبہ مجموعۂ اہل الاسلام حضرت پیر و مرشد عالی مقام کی خدمت میں فقیر غالبؔ کی بندگی قبول ہو۔ اپنے ابوا آباد کے غلام کو

آپ نے اتنا کیوں بڑھایا کہ وہ بے چارہ شرم سے پانی پانی ہوا جاتا ہے۔ کافی تھا اوراق اشعار کو بھیج دیتا اور حک واصلاح کی اجازت دینی.....''

محمد حسین خاں نبیرۂ غالب کا غیر مطبوعہ خط بنام منشی سیل چند مورخہ ۱۷ دسمبر ۱۸۷۲ء

''جناب برادر صاحب مشفق مہربان، کرم فرمائے مخلصاں سلامت پس از سلام نیاز و تمنائے ملاقات بہجت آیات۔ واضح برروئے خاطر عالی ہو کہ بندے نے ایک عرضی اپنے عذر علالت و پریشانیِ حال کی پیش گاہ سرکار ابد قرار ارسال کی ہے....''

محمد حسین خاں خلف مرزا نوشہ غالب

☆ فاروقی۔ عبداللطیف۔ کاروان ادب۔ ۵۹۔۶۰ء

غالب کی مکتوب نگاری

☆ فاضل۔ مرتضیٰ حسین۔ آج کل۔ مارچ ۵۱ء

غالب کے تین خط اور ایک تحریر

غالب کے تین خطوط نقل کیے ہیں دوسرا خط مفتی میر عباس حسین کے نام ہے جو اردوئے معلیٰ میں شائع ہو چکا ہے اور تیسرا اسید محمد کے نام ہے جو کسی مجموعۂ مکاتیب میں نہیں۔

☆ فاضل۔ مرتضیٰ حسین۔ اورنٹیل کالج میگزین۔ فروری ۵۲ء

غالب کی نادر کتابیں

۱۔ رقعات بے نظیر مرزا نوشہ طبع ۱۸۵۲ء

۲۔ نگارستانِ سخن طبع ۱۸۶۳ء

۳۔ انشائے اردو۔ مرتبہ محمد حسین آزاد لاہور طبع ۱۸۷۲ (اس میں غالب کے گیارہ خطوط شامل ہیں۔)

۴۔ مثنوی ترجمہ دعائے صباح۔ پہلا ایڈیشن

۵۔ قصیدہ در مدح لارڈ ایلگن

☆ فرخ حیدر۔ سید۔ ادب۔ لکھنؤ۔ دسمبر ۳۱ء

غالب کا ایک غیر مطبوعہ خط

مرزا یوسف علی خاں کے نام غالب کے ایک خط کا ذکر کیا گیا ہے جس میں تذکیر و تانیث کی بحث ہے۔

☆ فریدہ ناز۔ ادیب علی گڑھ اگست ۵۹ء

مکاتیب غالب کی اہمیت

غالب کے خطوط کی اہمیت مسلّم ہے۔ اس مضمون میں مختلف پہلوؤں سے غالب کے خطوط کی ادبی، سوانحی اور تہذیبی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

☆ فقیہہ۔ عبدالرحمٰن۔ کاروانِ ادب شمارہ ۹، ۵۷، ۵۸ء

غالب کے خطوط

خطوط کا ادب میں درجہ متعین کرنے کے بعد مرزا کے اردو خطوط کی خوبیوں پر تبصرہ ہے۔

☆ قدرت (نقوی)۔ ماہِ نو کراچی۔ فروری ۵۹ء

غالب کے خطوط کی تاریخیں اور ترتیب

مکاتیب غالب کا تحقیقی مطالعہ۔

☆ کیفی برج موہن دتاتریہ۔ آج کل ستمبر ۵۲ء

غالب اور اردو خطوط نویسی

رسالہ محب ہند میں ماسٹر رام چندر کا مضمون ''طریقہ خط و کتابت'' چھپا تھا۔ غالب اس سے متاثر ہوئے ہوں گے اور اس سے سادہ نثر لکھنے کی ترغیب ملی ہوگی۔

☆ گیان چند ڈاکٹر۔ اردوئے معلی دہلی۔ غالب نمبر شمارہ اول ۱۹۶۰ء

غالب اور بھوپال

مضمون نگار کی تفتیش کے مطابق مالک رام نے دیوان غالب میں ایک ایسی غزل شائع کی ہے جو غالب کی نہیں بلکہ محمد ابراہیم خلیل صاحب کی ہے جو انہوں نے مذاقاً غالب سے منسوب کر کے پہلی اپریل ۱۹۳۷ء کو ماڈل اسکول بھوپال کے رسالہ گوہر تعلیم میں شائع کی۔

مضمون نگار نے نسخہ حمیدیہ کے مخطوطے کے بارے اپنی تحقیق کی تفصیل لکھی ہے یہ مخطوطہ ابھی تک دست یاب نہ ہو سکا۔ اسے مولوی انوارالحق نے مرتب کیا تھا۔ اوراسی کو سامنے رکھ کر ڈاکٹر بجنوری نے مقدمہ لکھا تھا۔

☆ مالک رام۔ جامعہ دہلی۔ فروری ۴۲ء

غالب کی اردو خطوط نویسی کے آغاز کی تاریخ

مضمون میں بحث کی گئی ہے کہ غالب نے اردو میں خط لکھنا کس زمانے سے شروع کیا۔ آخر میں مضمون نگار نے کہا ہے کہ ۱۸۴۹ء میں غالب کے لکھے ہوئے اردو خطوط ملتے ہیں۔

☆ مالک رام۔ جامعہ دہلی۔ مارچ ۴۲ء

نادر خطوط غالب (مرتبہ رسا ہمدانی) پر ایک نظر

جناب رسا نے میرزا کے شائع شدہ خطوط میں سے ادھر اُدھر کے ٹکڑے لے کر یہ خطوط خود لکھے ہیں اور انہیں شائع کر دیا ہے۔ گویا مرزا نے یہ خطوط ان کے پردادا جناب کرامت ہمدانی مرحوم کے نام لکھے ہیں۔ مضمون نگار نے کتاب مذکور کے اقتباسات کے ساتھ "اردوئے معلیٰ" اور "عودِ ہندی" کے خطوط کے اقتباسات اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کیے ہیں۔

☆ مالک رام۔ سب رس۔ ستمبر۔ ۵۹ء

غالب کے ایک فارسی خط کی تاریخ

غالب کے ایک بچپن کے خط پر تاریخ سی۔ ام ۱۸۴۰ لکھی ہے۔ مقالہ نگار نے اس کو ۱۸۴۰ء مانا ہے۔

☆ مرتضیٰ حسین۔ نگار۔ جون ۱۹۳۸

غالب کے ایک اور خط کا انکشاف

غالب کی زندگی ہی میں ان کے خطوط کے دو مجموعے تیار ہو چکے تھے لیکن یہ خط کہیں بھی درج نہیں۔ البتہ" اودھ اخبار" ۲۵ر مارچ ۱۸۶۳ء میں چھپا تھا۔ جو منشی نولکشور کے نام ہے۔ اس تاریخی خط میں مرزا نے اپنی خلعت یابی کی تاریخ اور اپنی ضعیفی اور قدر دانی حکام کا تذکرہ کیا ہے۔ منشی جی پہلے پہل ۱۸۶۳ء میں غالب سے ملے۔ غائبانہ تعارف ۱۸۶۰ء سے تھا۔

☆ مرتضیٰ حسین بلگرامی آج کل فروری ۱۹۵۷ء

۱۸۸۳ء کے دو خط متعلق بہ غالب

مقالہ نگار نے ۱۸۸۳ء کے دو خط آرزو بلگرامی اور صفیر بلگرامی کے درج کیے ہیں۔ آرزو کے خط میں غالب کو اردو زبان کے اعتبار سے کسی مبتدی شاعر لکھنؤ سے کم مگر فارسی میں بلند پایہ دکھایا گیا ہے۔ یہ خط صفیر کے نام ہیں۔ انہوں نے اس کا جواب دیا ہے اور غالب کی فارسی نظم ونثر کی تعریف کے ساتھ لکھنوی اور دہلوی زبان سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے غالب کی اردو شاعری کی خصوصاً اردو نثر کی تعریف کی ہے۔

☆ مسیح الزماں۔ مجموعہ: "تعبیر، تشریح، تنقید"

غالب کے خطوط

غالب کے خطوط کا مختصراً جائزہ لیتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ ان کی زبان ایسی شگفتہ اور دلکش ہے کہ ان کے پڑھنے میں افسانوں کا لطف ملتا ہے یہ خطوط اردو ادب کا لازوال سرمایہ ہیں اور دہلی اور دوآبے میں ان سے جدید نثر نویسی کا آغاز ہوا۔

☆ مفتوں احمد۔ علی گڑھ میگزین غالب نمبر ۴۹ء

غالب کے خطوط

مکتوب نگاری میں مرزا کی خاص روش انداز تخاطب اور طرز بیان کی جدتوں پر تبصرہ کیا گیا ہے۔

مفتوں احمد۔ آج کل۔ جون ۱۹۴۹ء

خطوط غالب

غالب کے خطوط کے طرز تحریر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ غالب فسانۂ عجائب کے اسلوب کو پسند نہیں کرتے تھے اور قصہ باغ و بہار کے دلدادہ تھے۔ اس لیے اس کی دلنشین زبان سے وہ متاثر ہوئے۔

☆ مقصود حسین خاں۔ العلم کراچی۔ جولائی ۵۳ء

مرزا غالب

غالب سے متعلق چند اختلافی رائیں پیش کرنے کے بعد غالب کی نثر نگاری پر تبصرہ کیا ہے اور حسب منشا غالب سے قبل غالب کی اردو نثر کا جائزہ لیا ہے۔ اس قسط میں خواجہ گیسو دراز وغیرہ ہم سے لے کر تحسین کی نوطرز مرصع تک ذکر ہے اور ان کی اہمیت دکھائی گئی۔

☆ مہر۔ غلام رسول۔ ماہ نو کراچی۔ فروری ۵۳ء

جنگِ آزادی کی کہانی مکاتیب غالب میں

۱۸۵۷ء کے اہم تاریخی واقعہ کا نقشہ غالب کے مکاتیب سے جستہ جستہ اقتباسات لے کر تیار کیا ہے۔ ان اقتباسات کے ساتھ ساتھ مقالہ نگار نے مفید تبصرے بھی پیش کیے ہیں۔

☆ مہیش پرشاد، مولوی۔ زمانہ جنوری ۳۴ء

رقعاتِ غالب میں کاٹ چھانٹ

عود ہندی اور اردوئے معلّٰی کے فرق کا ظاہر کیا گیا۔

☆ مہیش پرشاد۔ مولوی۔ فطرت۔ ستمبر ۳۴ء

مرزا غالب کے فارسی خطوط

ان مطبوعات کا ذکر کیا گیا ہے جن میں مرزا کے فارسی خطوط شائع ہوئے۔

☆ **مہیش پرشاد۔ مولوی الناظر۔ فروری ۳۵ء**

مرزا غالب اور خطوط کی تاریخیں

☆ **مہیش پرشاد مولوی۔ زمانہ۔ مئی و جون ۴۹ء**

مرزا غالب کا ایک غیر معروف خط

☆ **مہیش پرشاد مولوی۔ اردو ادب جنوری و اپریل ۵۱ء**

خطوط بنام غالب مع جوابات

۱۔ میر مہدی مجروحؔ کے نام مرزا کا وہ خط جس میں مجروحؔ نے مرزا سے ''لفافے میں خط رکھنا فراموش کر گئے۔'' والی شکایت کی ہے۔ اور پھر مرزا کا جواب ہے۔

۲۔ جناب مفتی سید محمد عباس صاحب کا خط غالب کے نام، شروع میں مفتی صاحب کے مختصر سوانح حیات درج کیے ہیں اور اس کے بعد مرزا کا جواب ہے۔

۳۔ تیسرا خط قاضی عبدالجمیل 'جنوں' کا ہے اور مرزا کا جواب۔

☆ **نارنگ۔ ڈاکٹر گوپی چند۔ اردوئے معلی شمارہ اول غالب نمبر۔ ۱۹۶۰ء**

غالب کا ایک نیا خط

غالب کے ایک غیر معروف شاگرد۔ منشی محمد سخاوت حسین مدہوشؔ بدایونی کے حالاتِ زندگی بیان کیے ہیں اور ان کے نام غالب کے ایک نئے خط کا متن پیش کیا گیا ہے۔ یہ خط رسالہ سراج سخن شاہ جہان پور (فروری ۱۸۹۴ء) میں شائع ہوا تھا۔

☆ **نقوی۔ حنیف احمد۔ شاعر بمبئی۔ مارچ ۵۶ء**

غالب کے خطوط کی نفسیات

غالب کے خطوط اس دور کے تاریخی واقعات اقتصادی حالات اور طرزِ معاشرت کے

بارے میں بہت کچھ معلومات بہم پہنچاتے ہیں۔ ان کے خطوط سے کلام غالب کے بعض پیچیدہ اشعار کے مطالبہ سمجھنے میں بھی مدد ملتی ہے۔

☆ وقار عظیم۔ سید۔ ساقی۔ جنوری ۴۳ء

غالب کے خطوط اور ان کی احباب پرستی

مرزا کے خطوط کی روشنی میں ان کے خلوص و محبت اور دوست نوازی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

شاعری

☆ ابواللیث (صدیقی) ڈاکٹر۔ ماہِ نو۔ کراچی۔ اتحاد نمبر۔ نومبر ۵۵ء

نقش ہائے رنگ رنگ

غالب بہ حیثیت ایک اردو شاعر کے ہمارے ادب میں بلند مقام رکھتے ہیں لیکن ان کا فارسی کلام اس سے بہتر اور بلند مرتبہ ہے۔ مضمون نگار نے غالب کی فارسی شاعری کا غیر جانبدارانہ جائزہ لیا ہے۔

☆ ابوالکلام آزاد۔ مجموعہ: مضامین ابوالکلام جلد ۲

مرزا غالب مرحوم کا غیر مطبوعہ کلام

اس مضمون میں مصائب غدر اور مرزا غالب پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک قصیدے کا تفصیلی تعارف کرایا گیا ہے۔ یہ قصیدہ نواب سعید الدین احمد خاں صاحب رئیس دہلی کے قلمی نسخہ سے حاصل کیا گیا۔

☆ ابو محمد سحر۔ نگار لکھنؤ، جون ۵۹ء

غالب کا فلسفہ

مقالہ نگار کی رائے میں غالب کا بلند تخیل ان کے فلسفیانہ مزاج کی دین ہے۔

☆ اثر لکھنوی۔ زمانہ۔ ۱۹۲۴ء

میر و غالب

دونوں کی ہم طرح غزلوں کا موازنہ۔

☆ اثر جلیلی۔ نگار، مارچ ۵۶ء

اقبال اور غالب

دسمبر ۵۵ء میں فرقان صاحب کا ایک مضمون نگار میں ''اقبالؔ اور غالب'' کے عنوان سے شائع ہوا جس میں انہوں نے اقبالؔ کی تنقیص کی تھی۔ یہ مضمون اسی کا جواب ہے۔ اس میں اقبالؔ اور غالب کی شخصیتوں کو تاریخ اور اپنے عہد کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے اور جا بجا فرقان صاحب کے خیالات پر ناقدانہ تبصرہ بھی کیا گیا ہے۔

☆ اثر لکھنوی۔ ادب لطیف۔ ستمبر اکتوبر ۵۲ء

پھر وہی میر و غالب کا قضیہ

ادب لطیف لاہور بابت مارچ ۵۲ء میں ڈاکٹر سید عبداللہ کا مضمون ''میرؔ و غالب کی ہم طرح غزلیں'' نکلا تھا۔ اثرؔ صاحب نے اس سے اپنے اختلافات بیان کیے ہیں۔

☆ اثر۔ مرزا جعفر علی خاں ماہِ نو۔ فروری ۵۵ء

غالب کے بعض اشعار کے مطالب

غالب کے پانچ اشعار کی تفصیل کے ساتھ تشریح کی گئی ہے۔

☆ اثر لکھنوی۔ آج کل۔ دسمبر ۴۸ء

غالب کی فلسفہ

شوکت سبزواری کی کتاب پر تنقید کرتے ہوئے ان کے بعض بیانات سے اختلاف کیا گیا ہے۔

☆ احتشام حسین۔اردو ادب۔جولائی ۵۰ء

غالب کا تفکر اور اس کا پس منظر

غالب کا دور تاریخ ہند میں ایک عبوری دور کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ سر سے پاؤں تک جاگیردارانہ تصور تہذیب میں غرق تھے۔اس کے باوجود مجموعی طور پر تاریخ جس طرف جارہی تھی۔ غالب کے یہاں اس کی سمت اشارے ہی نہیں ملتے بلکہ اس کا خیر مقدم بھی۔

''آئین اکبری'' کی مذمت میں اور آئین انگلستان کی تعریف میں جو اشعار غالب نے لکھے تھے۔ان کو مصنف نے انقلابی نظم قرار دیا ہے۔اسی طرح ان کے خیال میں قصائد کے مدحیہ اشعار پڑھ کر غالب کو خوشامد پسند سمجھنا درست نہ ہوگا۔

☆ احتشام حسین۔شاعر بمبئی جون ۵۹ء

اردو ادب غالب کے عہد تک

ابتدا سے لے کر غالب کے زمانے تک اردو ادب کے ارتقا کا سرسری جائزہ لیا گیا ہے۔

☆ احتشام حسین۔فروغ اردو۔جنوری فروری ۵۶ء

ذوق و غالب

غالب اور ذوق میں جو معاصرانہ چشمکیں رہتی تھیں۔ان کو بیان کیا گیا ہے۔

☆ احتشام حسین۔زمانہ کانپور۔ستمبر ۴۸ء

غالب کا فلسفۂ تصوف

غالب بھی صوفیوں کی طرح حقیقت اعلیٰ میں مل جانا چاہتے تھے اور اپنی بے حقیقت زندگی کو اس طرح روح اکبر کا ایک جز بنالینا چاہتے تھے جو سب سے بڑی حقیقت ہے۔

☆ احتشام حسین۔مجموعہ: تنقید اور عملی تنقید

غالب کا تفکر

غالب کی شاعری اپنے سارے غم واندوہ کے باوجود ہمارا قیمتی تہذیبی سرمایہ ہے جس

میں غالب کی شخصیت کی رعنائی نے زندگی سے رس نچوڑے ہیں اور آلام روزگار سے ٹکر لینے کی کوشش نے توانائی پیدا کردی ہے۔

☆ احتشام حسین۔ نیساں۔جنوری ۳۴ء

غالب کا فلسفۂ محبت

غالب کے فلسفۂ محبت پر تبصرہ۔

☆ اختر اورینوی۔اردو اورنگ آباد۔جولائی ۴۱ء

غالب کا فن اور اس کا نفسیاتی پس منظر

مضمون نگار نے اس مضمون میں غالب کے ماحول اور اس کے فن پر بحث کی ہے۔نیز عہد ماقبل اور مابعد سے غالب کا تعلق واضح کیا ہے۔

☆ اختر اورینوی۔مجموعہ:قدر و نظر

اردو شاعری اور غالب

غالب کی شخصیت اور شاعری پر مختصراً روشنی ڈالی گئی ہے۔

☆ اختر تلہری۔تسنیم۔جولائی ۳۱ء

موازنہ میر و غالب پر ایک تنقیدی نظر

☆ اعظمی۔شعیب۔آج کل۔مئی ۵۸ء

غالب اور شاعرانہ تعلّی

مقالہ نگار کی رائے میں غالب کی شاعرانہ تعلّی صرف مبالغہ نہ تھی بلکہ حقیقت اور واقعیت کا مرقع تھی۔

☆ اختر تلہری۔مجموعہ:شعروادب

موازنۂ مومن و غالب پر ایک تنقیدی نظر

مضمون نگار نے نگار ''مومن نمبر'' پر تبصرہ کرتے ہوئے مومن اور غالب کی شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ مومن کے کمال کی حدیں جہاں ختم ہوتی ہیں وہاں سے

غالب کے کمال کی حدیں شروع ہوتی ہیں۔

☆ **اختر تلہری۔فروغ اردو لکھنؤ۔جنوری ۵۷ء**

غالب کی ترکیب۔ "ضروری الاظہار"

غالب کی اس ترکیب پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے۔مقالہ نگار نے اس کو صحیح بتایا ہے۔

☆ **اختر جوناگڑھی۔زمانہ۔نومبر ۴۴ء**

غالب کا ایک شعر

غالب کے مندرجہ ذیل شعر کے شاعرانہ محاسن پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اسی مفہوم کے عربی اور فارسی اشعار سے اس کا موازنہ کیا ہے۔

کرے ہے قتل لگاوٹ میں تیرا رو دینا
تری طرح کوئی تیغ نگہ کو آب تو دے

☆ **ادارہ۔آج کل۔فروری ۱۹۵۷ء**

دیوانِ غالب کے عکس

رضا لائبریری اور صولت لائبریری رامپور کے شکریے کے ساتھ دیوان غالب کے تین ایڈیشنوں (۱۸۴۱ء۔ ۱۸۴۷ء۔ ۱۸۵۷ء) میں سے مختلف صفحوں کے عکس شائع کیے ہیں۔صفحہ ۳۰ پر غالب کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ایک فارسی قصیدے کا بھی عکس ہے۔

☆ **ادارہ۔صلائے عام دہلی۔اپریل ۱۹۱۷ء**

مرثیہ مرزا نوشہ

غالب کا مرثیہ نقل کیا گیا ہے۔پہلا مصرعہ ہے۔

ہاں اے نفسِ بادِ سحر شعلہ فشاں ہو

☆ **ادارہ۔صلائے عام دہلی۔دسمبر۔۱۹۱۲ء**

غالب کا فارسی مخمس

مخمس کا پہلا مصرعہ ہے۔

خواہم از بند بزنداں سخن آغاز کنم

☆ ادارہ۔ صلائے عام۔ ستمبر ۱۹۱۴ء

غالب کا غیر مطبوعہ قصیدۂ اردو اور "نقاد" آگرہ

رسالہ ''نقاد'' آگرہ نے اپنی ایک اشاعت میں غالب کے ایک غیر مطبوعہ قصیدے کے پیش نظر لکھا تھا۔ ''اگر یہی کلام غالب ہے تو اس کا غیر مطبوعہ رہنا ہی اچھا تھا۔ ''نقاد'' کے اسی تبصرہ پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔

☆ ادارہ (صلائے عام)۔ صلائے عام اپریل ۱۹۲۶ء

غالب کی اردو شاعری کا رنگ

☆ ارتضیٰ حسین۔ سید نگار۔ اپریل ۴۵ء

غالب کی طنزیات

غالب کے کلام میں طنز کا استعمال کس کس طرح سے پایا جاتا ہے۔ مضمون نگار نے اس سے بحث کی ہے۔

☆ آرزو مختار الدین احمد۔ علی گڑھ میگزین ستمبر ۴۹ء

نوادرِ غالب

مرزا کی نظم و نثر کی وہ تحریریں جمع کی گئی ہیں جو ان کے دیوان اور نثر کے مجموعوں میں شامل نہیں ہیں۔ ان میں مندرجہ ذیل چیزیں شامل ہیں۔

الف: مرزا غالب کے تین خطوط جو قاضی نور الدین حسین، صاحب عالم مارہروی، اور صوفی منیری کے نام ہیں۔

ب: غالب کی دو نثریں جو ایک کمیاب نسخہ ''رقعات غالب'' سے ماخوذ ہیں۔

ج: اردو کا ایک مخمس جو بہادر شاہ ظفر کی ایک غزل کی تضمین ہے۔ یہ مخمس ۱۰ اپریل ۱۸۵۳ء میں دہلی اردو اخبار میں شائع ہوا تھا۔

د: ایک فارسی کا مخمس جس میں مرزا نے قدسی کی ایک مشہور نعتیہ غزل کی تضمین کی ہے۔

و: مرزا کی تین غزلیں جن میں سے پہلی ایک قدیم مجموعہ "منتخب چمن بے نظیر" ۱۲۲۸ھ سے ماخوذ ہے۔اس کا مطلع ہے۔

کب رہا ہے اب ہمیں حور و بشر کا امتیاز
دیکھ کر جاتا رہا تجھ کو نظر کا امتیاز

دوغزلیں قادرنامہ سے لی گئی ہیں۔جن کے مطلع ہیں:

۱ صبح سے دیکھے ہے رستہ یار کا جمعہ کے دن وعدہ ہے دیدار کا
۲ شعر کے پڑھنے سے کچھ حاصل نہیں مانتا لیکن ہمارا دل نہیں

و: مختلف تذکروں میں شائع شدہ ۱۱۶ اشعار بھی دیئے ہیں۔

☆ آرگس۔نگار فروری ۱۹۲۸ء

غالب بے نقاب

مرزا غالب نے متقدمین کے کلام سے سرقے کی حد تک فائدہ اٹھایا ہے۔

☆ آزردہ سیتاپوری۔ مخزن لاہور۔مارچ تا جولائی ۱۹۱۸ء

آتش و غالب

مرزا یاس نے رسالہ "خیال" بابت ماہ نومبر ۱۹۱۵ء میں غالب و آتش کی شاعری کا مقابلہ کرتے ہوئے آتش کو ترجیح دی تھی۔مضمون نگار نے بھی غالب اور آتش کی شاعری کا موازنہ کیا ہے۔اور آتش کی عظمت کا اقرار کیا ہے۔

☆ ا۔ز۔لکھنوی۔زمانہ۔مارچ ۱۹۳۵ء

اردو فارسی شاعری

☆ اسد ملتانی ماہ نو۔ستمبر ۱۹۵۰ء

غالب کا ایک غیر مطبوعہ قطعہ

دہلی میں حوض قاضی سے لال کنواں بازار کو جاتے ہوئے بائیں طرف ایک کوچہ پڑتا ہے جس کے دروازے پر "پھاٹک ڈپٹی اکرام اللہ خاں" کی تختی لگی ہوئی ہے اس دروازے کے

اوپر کے دور میں سنگ مرمر کی ایک چھوٹی سی لوح نصب ہے جس پر خوش نما خط میں غالب کا ایک فارسی قطعہ تاریخ درج ہے جو غالباً غیر مطبوعہ ہے۔

☆ انصاری۔ اسلوب احمد۔ اردو ادب۔ جون ۵۶ء

غالب کی شاعری کے چند بنیادی عناصر

غالب کی شاعری کے مختلف پہلوؤں سے بحث کرتے ہوئے ان کی انفرادیت کے بنیادی عناصر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

☆ آسی۔ عبدالباری نگار۔ جنوری ۲۸ء

موازنہ مومن و غالب

مقالہ نگار نے مومن و غالب کی شاعری کا موازنہ کیا ہے۔

☆ آسی۔ عبدالباری نگار۔ جنوری ۳۲ء

مرزا غالب کی شوخیاں اور شوخ نگاریاں

یہ ایک طویل مضمون ہے ۱۵۲ صفحاتِ نگار پر مشتمل ہے۔

یہ مضمون کی ان ذیلی سرخیوں کے تحت تقسیم کیا گیا ہے۔ فقرہ چست کرنا یا آوازہ کسنا۔ پھبتی۔ ریختی۔ لطیفہ۔ تمہید میں مندرجہ بالا چیزوں سے بحث کرنے کے بعد تمدنی و معاشرتی زندگی میں غالب کی شوخیاں دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے بعد ''غالب شوخیاں اردو نظم میں'' کی سرخی سے ان کی اردو شاعری کے اس پہلو کو واضح کیا گیا ہے۔ تیسرے حصہ میں ''مرزا کی فارسی نظم میں ظرافت'' اور آخری حصہ میں ''لطائف غالب'' ہے جس میں ان کے لطیفے جمع کیے گئے ہیں۔

☆ آسی۔ عبدالباری۔ فیض الاسلام۔ راولپنڈی ستمبر ۵۵ء

مومن اور غالب

غالب کے فارسی اشعار کا مختصر انتخاب۔ ان کے حالات زندگی اور ایرانیوں کی نظر

میں ان کی عظمت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

☆ آغاز اشہر لکھنوی۔ الناظر۔ ۱۹۳۵ء

غالب آئینہ خانۂ شبنمستان میں

غالب کے اس شعر پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ ؎

کیا آئینہ خانے کا وہ نقشہ تیرے جلوے نے
کرے جو پرتو خورشید عالم شبنمستان کا

☆ آفتاب احمد رودلوی۔ علی گڑھ میگزین مارچ ۳۹ء

غالب

مقالہ نگار نے ابتدا میں غالب کی شاعری کو تین ادوار میں تقسیم کر کے ہر دور کی خصوصیات محرکات اور ماخذوں پر روشنی ڈالی ہے۔اس کے بعد کلام غالب کے بعض امتیازی اوصاف اور غالب کے فلسفیانہ افکار سے بحث کی ہے۔

☆ آفتاب احمد۔ نیا دور۔ جون ۱۹۵۹ء

غالب کے اردو قصیدے

مالک رام نے ''اردو کلام غالب'' کے آخر میں ۴ نئے قصیدے درج کیے ہیں۔ مقالہ نگار نے انہیں پر تبصرہ کیا ہے۔

☆ افسوس شیر علی۔ نیرنگ خیال۔ جون ۱۹۳۲ء

غالب کا ایک شعر

قمری کف خاکستر و بلبل قفس رنگ الخ

☆ افسر امروہوی۔ نگار لکھنوی۔ مئی ۱۹۳۰ء

مرزا غالب اور مصحفیؔ

کلام غالب اور کلام مصحفیؔ کی شعری خوبیوں پر بحث کی گئی ہے۔ کلام غالب کے بعض

شعری محاسن جو ہمیں مسحور کرتے ہیں، ان میں سے اکثر مصحفی کے ہاں بھی پائے جاتے ہیں۔

☆ افضل صدیقی۔ مشرب کراچی، فروری ۵۴ء

شہر آشوب غالب

بس کہ فعال ما برید ہے آج....الخ

☆ انتظار حسین۔ ادبی دنیا لاہور۔ مئی ۱۹۴۶ء

☆غالب کی مزاحیہ شاعری پر ماحول کا اثر

غالب کے یہاں مزاح زندگی کے گہرے شعور کا نتیجہ ہے۔ اس کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر نظر تھی۔

☆ انجم۔ بختیار احمد۔ خیابان پشاور۔ مئی ۱۹۶۰ء

☆غالب کی فارسی شاعری

غالب کی فارسی شاعری کے محاسن کا ذکر کیا گیا ہے۔

☆ اسد علی انوری فرید آبادی۔ ''جامعہ'' دہلی مئی ۴۲ء

☆دیوان غالب اردو کا ایک نایاب نسخہ

دیوان غالب کی پہلی اور دوسری اشاعت سے متعلق شیخ محمد اکرام، ساحل بلگرامی، غلام رسول مہر، مالک رام کی کوششوں کا جائزہ لینے کے بعد ۱۸۴۷ء میں مطبوعہ اردو دیوان غالب کا تعارف کراتے ہیں۔ مقالہ نگار کے نزدیک دیوانِ غالب کا پہلا ایڈیشن ۱۸۴۲ء، دوسرا ۱۸۵۱ء تیسرا ۱۸۴۷ء اور چوتھا ۱۸۶۱ء میں شائع ہوا۔ ۱۸۴۷ء والا دہلی میں چھاپا گیا تھا۔ اس کے سرورق پر عبارت ہے کہ یہ نسخہ خود مرزا غالب کی تصحیح اور مقابلے کے بعد'' در مطبع دار السلام دہلی واقع حوض قاضی میںیہ اقل العباد عنایت حسین در ماہ مئی ۱۸۴۷ء باہتمام نور الدین احمد لکھنوی حلیہ انطباع پوشید'' کل صفحات ۹۸، سائز ۲/۱ ۹ انچ × ۶ انچ۔ مقالہ نگار کا دعویٰ ہے کہ اس نسخہ کی اطلاع

آج تک کسی نے نہیں دی۔

☆ بادشاہ حسین۔ حیدرآبادی۔ عالمگیر لاہور۔ جولائی ۳۰ء

گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھئے

اس مضمون میں غالب کے اس شعر کی تشریح کی گئی ہے۔

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں

☆ باقر مہدی۔ قومی آواز لکھنو۔ غالب نمبر۔ ۲۲ فروری ۵۳ء

غالب کا رقیب

پہلی بار غالب کی شاعری میں رقیب کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ غالب کی یہ پہلو دار شخصیت کا کرشمہ تھا کہ ان کا رقیب بھی عام انسان کی صورت میں نظر آتا ہے۔ اس مضمون میں فیض کی مشہور نظم ''رقیب'' کا رشتہ بھی غالب کے رقیب کے تصور سے منسلک دکھایا گیا ہے۔

☆ برکاتی۔ منظور الحسن۔ آج کل۔ فروری ۵۱ء

یادِ غالب

غالب کا ایک قطعہ۔

☆ بسمل۔ غلام سجاد۔ علی گڑھ میگزین، دسمبر ۳۹ء

تعبیراتِ غالب

غالب کے مندرجہ ذیل اشعار کی تشریح و تعبیر کی گئی ہے:

۱۔ نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا

۲۔ شمار سبحہ مرغوب بت مشکل پسند آیا

۳۔ دہر میں نقش وفا وجہ تسلی نہ ہوا

۴۔ جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار

۵۔ کہتے ہو نہ دیں گے ہم دل اگر پڑا پایا

۶۔ دل مرا سوزِ نہاں سے بے محابا جل گیا

۷۔ شوق ہر رنگ رقیب سر و ساماں نکلا

۸۔ دھمکی میں مر گیا جو نہ باب نبرد تھا

۹۔ ستائش گر ہے زاہد اس قدر جس باغِ رضواں کا

۱۰۔ نہ ہوگا یک بیاباں ماندگی سے ذوق کم میرا

۱۱۔ سراپا رہنِ عشق و ناگزیر الفتِ ہستی

۱۲۔ محرم نہیں ہے تو ہی نوا ہائے راز کا

۱۳۔ بزم شاہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا

۱۴۔ شب کہ برق سوزِ دل سے زہرہ ابر آب تھا

۱۵۔ ایک ایک قطرے کا مجھے دینا پڑا حساب

۱۶۔ بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا

☆ **بیتاب جگیشور رورما۔ زمانہ۔ اگست ۱۹۳۱ء**

فلسفۂ غالب

فلسفہ غالب، فارسی و اردو اشعار کی روشنی میں۔

☆ **بیخود موہانی۔ سید محمد۔ ادب جنوری ۱۹۳۱ء**

غالب کی ایک غزل

غالب کی ایک غزل

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے

جوشِ قدح سے بزم چراغاں کیے ہوئے

اس غزل کی تشریح ''حل'' اور وجوہ ''بلاغت'' کے ذیلی سرخیوں کے ساتھ کی گئی ہے۔

بعض اشعار کے سلسلے میں طباطبائی کی تشریح سے بھی بحث کی گئی ہے۔

☆ **بیدار۔ عابد رضا قومی زبان۔ اپریل ۵۹ء**

غالب کا عجز سخن

غالب کے اردو کلام کی افہام و تفہیم کے اس سلسلے کی جو حالی سے شروع ہوا تھا'' ایک کڑی ہے۔ مضمون نگار نے مختلف اشعار پیش کرتے ہوئے مرزا کے عجز سخن کا ذکر کیا ہے۔

☆ **پشپ۔ پروفیسر۔ تعمیر سری نگر جنوری فروری ۶۰ء**

غالب کا طنز و مزاح

غالب کا طنز و مزاح ایک ایسی شخصیت کا آئینہ دار ہے جو غم دل اور غم روزگار کی کشاکش پیہم میں پروان چڑھی ہو۔ غالب کے طنز و مزاح پر مضمون نگار نے اُن کے اشعار، خطوط کے اقتباسات اور آب حیات کے لطیفوں کی مدد سے روشنی ڈالی ہے۔

☆ **پنڈتا۔ کے۔ اے۔ تعمیری سری نگر۔ جولائی ۵۹ء**

معرکۂ غالب و داغ (قسط اول و دوم)

شہاب مالیر کوٹلوی کے مضمون'' دیوان غالب اور گلکدۂ داغ کی سیر'' کے جواب میں یہ مضمون لکھا گیا ہے۔

☆ **جعفری (محمد حسن) ہمایوں۔ جون ۴۹ء**

غالب کی شاعری پر دلّی کے اثرات

مضمون میں بتایا گیا ہے کہ غالب کس طرح دلّی کے بدلتے ہوئے حالات یہاں کے علماء اور مذہبی تحریکوں اور یہاں کے شعراء سے متاثر ہوئے۔

☆ **حسن عسکری پلکھنوی۔ آج کل اپریل ۵۲ء**

غالب خیام کی چند رباعیاں اور غالب کے فارسی اشعار پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ غالب نے خیام کے بعض تصورات کو اپنی شاعرانہ خصوصیات کے رنگ میں ڈبو

کر پیش کیا ہے۔

☆ حسن عسکرہ پلکھنوی۔ اردوادب۔ اکتوبر تا دسمبر ۵۴ء

میرو غالباور تاریخی حقیقتیں

میر وغالب کے کلام کے حوالے سے تاریخی حقیقتوں کو پیش کیا گیا ہے۔

☆ حسن عسکری پلکھنوی۔ اردوادب اکتوبر تا دسمبر ۵۴ء

برق چشم عرفیؔ اور غالب

غالب نے کہا ہے:

''عرفی شیرازی کی نگاہ کی بجلی نے میری چال کے بے تکے پن کو جلا خاک کر دیا۔'' یہ مضمون اسی کی تفسیر ہے۔

☆ حسن عسکری پلکھنوی۔ اردوادب۔ جون ۵۵ء

ذوق کے ماحول میں غالب

ذوقؔ کے دیوان میں ایسے اشعار کی افراط ہے جن سے اُن کی توہم پرستی ثابت ہوتی ہے۔ مگر غالب کے زیادہ تر اشعار ان کی عقل پرستی پر دلالت کرتے ہیں۔ اس طرح ذوقؔ و غالب کے فن میں فکری اعتبار سے بڑا فرق ہے۔

☆ حفیظ سید۔ م۔ زمانہ مارچ ۱۹۴۵ء

غالب کی شاعری میں واقعات کا پرتو

مقالہ نگار کے خیال میں کلام غالب کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ شاعر نے اپنے بیشتر حکیمانہ اور فلسفیانہ خیالات خود اپنی زندگی کے واقعات سے اخذ کیے ہیں۔ مقالہ نگار نے ایسے بہت سے اشعار کی نشان دہی کی ہے جو غالب نے اپنی زندگی کے بعض اہم واقعات اور محرکات کے زیر اثر کہے ہیں۔

☆ حفیظ سید۔ م۔ نیادور نومبر ۱۹۵۹ء

غالب کی شاعری میں آپ بیتی

مقالہ نگار کے خیال میں غالب کا کلام ان کی زندگی کا آئینہ ہے۔ مرزا کے دیوان سے ایسے اشعار منتخب کیے گئے ہیں جن سے ان کی زندگی کے کسی واقعہ پر روشنی پڑتی ہے۔

☆ **حمید احمد خاں۔ ہمایوں۔ فروری ۴۹ء**

غالب کی شاعری میں حُسن و عشق

غالب کی شاعری میں عمر کے ساتھ ساتھ تصورِ حُسن و عشق کے سلسلے میں جو تبدیلی ہوئی ہے اس کا جائزہ لیا گیا ہے۔

☆ **حمیدہ سلطان۔ ماہ نو کراچی۔ جنوری ۵۰ء**

غالب کی شاعری میں عورت کا تصور

اس مضمون میں غالب کے اشعار کی روشنی میں ان کی مثالی محبوبہ کی لفظی تصویر کھینچی گئی ہے اور غالب کے جذبہ رشک پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ غالب عشق مازی کے قائل ہونے کے باوجود ہوس کار نہیں تھے۔ مقالہ نگار نے اپنی نانی اماں اور نواب معظم زمانی بیگم سے یہ سُنا تھا کہ مرزا کی ایک شاگرد پردہ نشین خاتون تھیں۔ ان کے انتقال نے مرزا کی صحت پر بُرا اثر ڈالا۔ ہوسکتا ہے ان کے کلام کی رعنائی کا کچھ تعلق اسی پردہ نشین سے ہو۔

☆ **خاور قریشی۔ مشرب کراچی۔ ستمبر ۵۵ء**

غالب کا ایک شعر

غالب کے مندرجہ ذیل شعر کی تشریح کی گئی ہے۔

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

☆ **داؤدی۔ خلیل الرحمٰن۔ روح ادب (چھٹے سال کا تیسرا شمارہ)**

ادبیات غالب میں اضافہ

ایک فارسی تضمین پیش کی گئی ہے جو اب تک شائع نہیں ہوئی۔ تضمین اس عنوان سے ہے۔
''خمسہ نواب اسد اللہ خاں صاحب تخلص غالب عرف مرزا نوشہ۔ کیستم کہ تا بخروش

آوردم بے ادبی۔ الخ"

☆ داؤدی۔ خلیل الرحمٰن۔ ماہ نو۔ فروری ۵۹ء

دیوانِ غالب اردو

مضمون نگار نے دیوان غالب کے ایک نادر مخطوطے کا تعارف کراتے ہوئے اس کی اہمیت اور کلام غالب کی اشاعت پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

☆ دسنوی۔ بشیر الحق۔ نگار۔ فروری ۱۹۲۳ء

کلام غالب غیر مطبوعہ

یہ غالب کا ایک غیر مطبوعہ فارسی قطعہ ہے جسے مقالہ نگار نے اپنے ایک دوست کی بیاض سے حاصل کر کے نگار میں شائع کیا ہے۔ پہلا شعر یہ ہے۔

بیا کہ قاعدۂ آسماں بگردانیم
قضا بہ گردشِ رطل گراں بگردانیم

☆ رضوی۔ اعجاز حیدر (جونپوری)۔ کارواں۔ اکتوبر ۴۹ء

کلام غالب میں فلسفیانہ عنصر

غالب کے کلام میں مابعد الطبیعات کا عنصر زیادہ ہے۔ اس کا جائزہ لیا گیا ہے اور فلسفۂ جدید سے بعض مسائل کا مقابلہ کیا گیا ہے۔

☆ رضوی حبیب احمد۔ مخزن لاہور۔ مارچ ۱۵ء

غالب

غالب کی مندرجہ ذیل غزل کے اشعار کی شرح کی گئی ہے۔

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

☆ رضوی۔ مسعود حسن۔ زمانہ۔ مارچ و اپریل ۴۶ء

مرزا غالب کی ایک ہنگامہ خیز مثنوی

یادگار غالب میں بادشاہ کی صحت یابی پر درگاہ حضرت عباس لکھنؤ میں علم چڑھانے کا جو واقعہ لکھا گیا ہے۔ مقالہ نگار نے اسے کئی حیثیتوں سے غلط بتایا ہے اور تحقیق کر کے اصل واقعات پیش کیے ہیں۔ ساتھ ہی اس مثنوی کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ بہادر شاہ ظفر نے اپنی صفائی میں غالب سے کہلا کر لکھنؤ بھیجی تھی۔ اور پھر جس کے جواب میں متعدد مثنویاں لکھی گئیں۔

☆ رضوی۔ مسعود حسن۔ الناظر دسمبر ۳۴ء

مرزا غالب کا کچھ غیر مطبوعہ کلام اور اس کی شان نزول

مضمون نگار نے اپنے کتب خانے کی ایک قلمی بیاض کے حوالے سے مرزا کے کچھ خطوط اور غزلوں کا تذکرہ کیا ہے۔

☆ رضوی شمیم۔ ریاض کراچی۔ ۵۵ء

کیا غالب فلسفی تھے

مقالہ نگار کی رائے میں غالب فلسفی تھے۔

☆ رفیق مارہروی۔ مخزن۔ فروری ۲۹ء

غالب کے دو شعر

☆ زیبا۔ شجاع احمد۔ برگِ گل۔ ۵۴۔ ۵۳ء

اردو غزل اور غالب

مقالہ نگار کی رائے میں ڈاکٹر بجنوری نے غالب کے کلام کی جو تعریف کی ہے۔ اس میں نہ مبالغہ ہے اور نہ بے جا عقیدت۔

☆ ساحل بلگرامی نگار، دسمبر ۴۱ء

غالب کی ایک مشہور رباعی

دکھ جی کو پسند ہو گیا ہے غالب الخ

☆ سجاد۔ سیّد۔ مجلہ عثمانیہ، جون ۲۹ء

قادر نامۂ غالب

مرزا غالب کی ایک نظم پیش کی گئی ہے جو انہوں نے بچوں کے لیے لکھی تھی۔

☆ سرخوش۔ شیر علی۔ مخزن فروری ۱۹۲۹ء

عنقائے معانی

غالب کے چند اشعار کے مطالب کے سلسلے میں مضمون نگار نے ثاقب کانپوری سے اختلاف کیا ہے۔

☆ سرور۔ آل احمد۔ علی گڑھ میگزین غالب نمبر ۴۹۔ ۴۸ء

غالب کی عظمت

غالب کے آرٹ اور ان کے فکر و نظر کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کی عظمت کے راز کو بتایا گیا ہے۔

☆ سرور۔ آل احمد۔ اردو۔ اورنگ آباد۔ اپریل ۴۱ء

غالب

غالب کا زمانہ کیسا تھا۔ ان کی شاعری اساتذہ اردو فارسی کے ان کے کلام پر اثرات پر بحث کی گئی ہے۔

☆ سروری۔ عبدالقادر۔ نوائے ادب بمبئی، جنوری ۵۰ء

غالب کی اخلاقی شاعری

غالبؔ کے کلام میں اخلاق اور موعظت کے اشعار جس پایہ کے ملتے ہیں۔ اردو کے بہت کم شاعروں کے کلام میں ملتے ہیں۔

☆ سروری۔ عبدالقادر۔ نوائے ادب بمبئی اپریل ۵۰ء

غالب کی اخلاقی شاعری

یہ مضمون کی دوسری اور آخری قسط ہے۔

☆ سعید طاہر۔(صدیقی) آج کل غالب نمبر فروری ۵۹ء

غالب کی شاعری میں جنت کا تصوّر

غالب کے تصور بہشت کا جائزہ لیا گیا ہے۔

☆ سبزواری۔شوکت۔نگار اکتوبر ۱۹۴۴ء

فلسفۂ کلام غالب

غالب کو فلسفی اور صوفی شاعر ثابت کیا ہے۔

☆ سبزواری۔شوکت۔آج کل ۱۵ر مئی ۴۹ء

میر و غالب

☆ سبزواری۔شوکت۔خاور ڈھاکہ نومبر ۵۲ء

غالب کی فکری شاعری

غالب کے چند فلسفیانہ اشعار پیش کر کے یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ وہ ایک کامیاب فلسفی شاعر تھے۔

☆ سبزواری۔شوکت۔ماہ نو کراچی۔فروری ۵۴ء

غالب کے اردو کلا م کی اشاعت

ماہرین غالب نے ان کے اردو دیوان کی چار اشاعتوں کا ذکر کیا ہے۔مضمون نگار کا دعویٰ ہے کہ پانچواں ایڈیشن بھی غالب کی زندگی ہی میں مطبع مفید خلائق آگرہ سے چھپا تھا۔

☆ سلیم جعفر۔زمانہ تمبر ۱۹۴۱ء

انتخاب دیوان غالب

مصنف نے مولانا محمد حسین آزاد کے اس بیان کی تردید کی ہے کہ غالب نے اپنے کلام کا انتخاب مولوی فضل حق اور مرزا خاں عرف مرزا خانی سے کرایا تھا۔

☆ سہا علیگ۔ علی گڑھ میگزین جون ۲۱ء

کلام و متعلقاتِ کلام غالب

مضمون نگار نے کلام غالب کی متداول شرحوں پر ایک مختصر نوٹ کے ساتھ اپنی مؤلفہ شرح میں سے ذیل کے اشعار کی شرح نمونے کے طور پر نقل کی ہے۔

۱۔ نقش فریادی ہے کہ کس کی شوخیِ تحریر کا — الخ

۲۔ مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی — الخ

۳۔ ترے خیال سے روح اہتزاز کرتی ہے — الخ

۴۔ باوجودِ یک جہاں ہنگامہ پیدائی نہیں — الخ

☆ سیفی۔ فضل الدین۔ ہمایوں۔ اگست ۴۳ء

غالب کی جدّت پسندی

☆ شارب ردولوی۔ نیا دور۔ دسمبر ۵۷ء

غالب کا عشق

غالب کی عشقیہ شاعری کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

☆ شعلہ۔ عطا محمد۔ نقوش لاہور۔ دس سالہ نمبر جون ۱۹۵۸ء

غالب کی شاعری

غالب کی شاعری کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ وہ فلسفی شاعر نہیں تھے۔

☆ شوکت بلگرامی۔ اردو معلیٰ۔ جولائی ۱۹۱۰ء

مرزا غالب کا ایک شعر

مضمون نگار نے اپنے ایک بزرگ کے حوالے سے (جو غالب سے ملے تھے) مندرجہ ذیل شعر کی تشریح خود غالب کی زبان میں کی ہے۔

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

☆ شوکت میرٹھی۔ صلائے عام دسمبر۔ ۱۵ء

حضرت غالب دهلوی علیه الرحمة کا نازک کلام

غالب کے چند اشعار کی تشریح۔

☆ شوکت میرٹھی۔ صلائے عام دہلی جنوری ۱۶ء

حضرت غالب کے دو شعروں کا حل

☆ شوکت۔ سید احمد حسن (میرٹھ) مخزن ستمبر 1915ء

مرزا غالب کانازک کلام

غالب کے چند اشعار کی تشریح کی گئی ہے۔

☆ شوکت۔ سید احمد حسن۔ مخزن فروری ۱۶ء

حضرت غالب کا شگفته کلام

غالب کی شگفتگی کلام پر تبصرہ کیا گیا ہے۔

☆ شہاب مالیر کوٹلوی۔ آج کل۔ اکتوبر ۵۷ء

غالب کا ایک شعر

مالک رام کے ایک مضمون سے اختلاف کیا گیا ہے۔

☆ شہاب مالیر کوٹلوی۔ آج کل۔ فروری ۵۹ء

دیوانِ غالب اور گلکدۂ داغ کی سیر

غالب اور داغ کے اشعار کا تقابلی مطالعہ

☆ شہباز (ہاشمی) علی گڑھ میگزین۔ غالب نمبر ۴۸۔ ۴۹ء

کیا غالب کا کلام الهامی هے؟

مقالہ نگار کی رائے میں غالب صوفی شاعر نہیں تھے۔ اس لیے ان کا کلام الہامی نہیں ہو سکتا۔

☆ شیدائی۔ اسد الحق۔ ساقی کراچی جون ۵۷ء

مرثیۂ غالب پر ایک نظر

حالی کے مرثیہ غالب پر اس حیثیت سے نظر ڈالی گئی ہے کہ یہ منظوم تنقید اور سیرت نگاری کی اولین مثال ہے۔

☆ صدیقی۔حبیب احمد۔اردو ادب جنوری تا مارچ ۵۲ء

غالب کی اصلاحیں خود اپنے کلام پر

غالب نے اپنے اشعار میں جو ترمیمیں کی ہیں۔ان کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

☆ صدیقی۔حبیب احمد۔نگار ستمبر ۵۲ء

نسخۂ حمیدیہ

مقالہ نگار کی رائے میں مفتی محمد انوار الحق مؤلف نسخہ حمیدیہ نے باوجود مخالفت کے اس کو شائع کر کے غالب کے کلام کے مطالعہ کو اور زیادہ دلچسپ بنادیا ہے۔آخر میں کچھ ایسا کلام پیش کیا گیا ہے جو اس نسخہ میں شامل نہیں۔

☆ صدیقی حبیب احمد۔اردو ادب جولائی ۵۱ء

نسخۂ حمیدیہ

مقالہ نگار کی رائے میں نسخہ حمیدیہ کی اشاعت سے غالب کی عظمت گھٹنے کے بجائے بڑھ گئی ہے۔غالب کے مذہبی عقیدے پر بھی اس سے روشنی پڑتی ہے۔

☆ صدیقی۔حبیب احمد۔زمانہ ستمبر ۴۵ء

مومن و غالب

سید اعجاز حسین سہسوانی کی تصنیف ''مومن و غالب'' کے ان اعتراضات سے بحث کی گئی ہے۔جو مؤلف نے غالبؔ پر کیے ہیں۔

☆ صدیقی حبیب احمد۔نگار۔جون ۴۳ء

سید امداد امام اثر اور غالب

امداد امام اثر کے بعض بیانات سے اختلاف کیا ہے۔

☆ صفی مرتضیٰ۔ سید۔ نیا دور اپریل ۱۹۵۶ء

غالب کے بادہ و ساغر

بادۂ ساغر سے متعلق بعض تشریحات۔

☆ ضیا احمد (بدایونی) علی گڑھ میگزین۔ اکتوبر ۳۳ء

غالب کے کلام پر ناقدانہ نظر

مقالہ نگار نے مندرجہ ذیل اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ غالب کے اشعار دوسروں کے اشعار کا ترجمہ ہیں۔ تکرار مضامین بہت ہے۔ فارسیت زیادہ ہے۔

☆ ضیا۔ اے۔ کے مشرب۔ کراچی اردو ادب نمبر

غالب کے اشعار میں غدر کے تاثرات

غالب کے اشعار کی مدد سے واقعۂ غدر سے متعلق ان کے تاثرات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

☆ طالب کاشمیری زمانہ۔ جون ۳۱ء

مرزا غالب اور دیگر شعرا

☆ عارف کانپوری۔ اردوئے معلیٰ جلد ۲۰۔ نمبر ۹ ستمبر ۲۹ء

وزنِ رباعی غالب

نظم طباطبائی نے غالب کی ایک رباعی کے مصرعے ثانی کو ساقط الوزن بتایا ہے۔ مضمون نگار نے اس رائے سے اختلاف کیا ہے۔

☆ عثمانی۔ ضمیر الدین احمد۔ برگ گل کراچی ۵۵۔۵۶ء

غالب کی اردو شاعری پر سیاست کا اثر

غالب کے دور میں ہندوستان کی جو سیاسی حالت تھی اسے ان کے کلام اور خطوط کی مدد سے پیش کیا گیا ہے۔

☆ عبادت بریلوی۔ علی گڑھ میگزین غالب نمبر ۴۹ء

غالب کی عشقیہ

☆ عبادت بریلوی ماہ نو کراچی۔فروری ۵۵ء

غالب اور غم دوراں

☆ عبادت بریلوی۔آج کل۔فروری ۵۸ء

غالب کے تغزل کا سماجی پھلو

☆ عبادت بریلوی سویرا لاہور شمارہ ۲۲۔۵۷ء

غالبکے تغزل میں شوخی کا پھلو

☆ عباسی۔علی حماد آج کل۔جولائی ۴۶ء

غالب اور قنوطیت

☆ عبدالحق مولوی۔اردو جولائی ۱۹۲۸ء

مرزا غالب کی خود خوشت سوانح عمری کاایک ورق

ایک تشریحی نوٹ کے ساتھ وہ اشتہار شائع کیا گیا ہے جو تذکرۂ مظہر العجائب (مؤلفہ مولوی انوار الحق) کی بابت ''نیر راجستھان'' جلد ۲ نمبر ۵۱ میں شائع ہوا تھا۔

☆ عبدالستار۔ڈاکٹر قاضی۔علی گڑھ میگزین ۱۹۵۹ء

غالب کا غم

غالب کے تصورِ غم کا جائزہ لیا گیا ہے۔

☆ عبداللطیف۔شیخ علی گڑھ میگزین ۴۶ء

غالب کااقبال پر لسانی اثر

☆ عبداللہ۔ڈاکٹر سید۔مجموعہ: بحث و نظر

غالب کی غزل

غالب کی غزلوں کے امتیازی عناصر سے بحث کی گئی ہے۔

☆ عبداللہ ڈاکٹر سید۔ماہ نو کراچی۔اگست ۵۵ء

غالب۔پیش روِ اقبال

اقبال کی شاعری اور فکر پر غالب کے اثرات سے بحث کی گئی ہے۔

☆ عبداللہ۔ ڈاکٹر سید۔ ادب لطیف۔ مارچ ۵۲ء

میر و غالب کی چند ہم طرح غزلیں

☆ عبدالماجد دریا آبادی۔ ادیب، جنوری ۱۳ء

فلسفۂ غالب

غالب کی شاعری اور فلسفیانہ حیثیت پر تبصرہ کیا گیا ہے

☆ عبدالمالک آروی۔ علی گڑھ میگزین۔ غالب نمبر ۴۹ء

غالب کا الہام شعر و ادب

غالب کی شاعری سے مفصل بحث کی گئی ہے۔

☆ عبدالمالک آروی۔ نگار۔ اکتوبر ۲۸ء

غالب بے نقاب کے حجابات اور جناب آرگس

آرگس کے مضمون پر تبصرہ کیا گیا ہے۔

☆ عبدالمالک آروی۔ ایشیا۔ فروری ۵۰ء

غالب کا الہامِ شعر و ادب

غالب کی نثر اور شاعری کے بعض پہلوؤں پر تبصرہ کیا گیا ہے۔

☆ عبدالودود۔ قاضی فکر و نظر علی گڑھ۔ اپریل ۶۰ء

غالب کے اشعار فارسی کا ایک مجموعہ

کتب خانہ دانش گاہ علی گڑھ میں نواب محمد اسمٰعیل خاں مرحوم نبیرۂ شیفتہ کی جو دی ہوئی کتابیں ہیں ان میں سے ایک غالب کے اشعار فارسی کا مجموعہ ہے۔ کاتب کا نام درج نہیں ہے۔ مضمون نگار نے اس نسخہ کا تعارف کرایا ہے۔

☆ عبدالودود۔ قاضی معاصر (۱۲)

دیوانِ غالب کے دو نسخے

نسخہ حمیدیہ اور نسخہ شیرانی سے بحث کی گئی ہے۔

☆ عبدالودود۔ قاضی۔ اردوئے معلی۔ غالب نمبر ۶۰ء

غالب کے کلیات نظم فارسی کا ایک قدیم نسخہ

خدا بخش لائبریری کے قدیم ترین نسخہ کلیات نظم فارسی کا تعارف کرایا گیا ہے۔

☆ عبدالودود۔ قاضی۔ علی گڑھ میگزین۔ غالب نمبر تمبر ۴۹ء

آثار غالب

مرزا کے غیر معروف اور غیر مطبوعہ اردو فارسی خطوط اور تحریریں

☆ عرشی۔ امتیاز علی خان۔ نگار لکھنو۔ مئی ۴۱ء

غالب کی ایک غیر معروف فارسی مثنوی

غالب کی اس فارسی مثنوی کا ذکر ہے جو انہوں نے اپنے حقیقی بھانجے مرزا عباس بیگ کی فرمائش پر لکھی تھی۔ یہ مثنوی دعاء الصباح'' کا ترجمہ ہے۔

☆ عرشی۔ امتیاز علی خاں۔ علی گڑھ میگزین غالب نمبر ۴۹ء

غالب کی شعر گوئی اور ان کے دواوین

مرزا غالب کی اردو اور فارسی شاعری کو مختلف ادوا غالبر میں تقسیم کر کے مفصل بحث کی گئی ہے۔

☆ عرشی۔ امتیاز علی خان۔ اردو معلی۔ غالب نمبر ا۔ ۶۰ء

مرزا غالب کی کچھ نئی فارسی تحریریں

غالب نے برہان قاطع کے علاوہ خان آرزو کی کتاب موہبت عظمیٰ۔ لالہ ٹیک چند بہار کے رسالہ'' ابطالِ ضرورت'' اور سیالکوٹی مل وارستہ کی مصطلحاتِ شعرا پر بھی اختلافی نوٹ لکھے ہیں۔ غالب کی ان ہی تحریروں کو پیش کیا گیا ہے۔

☆ عرشی۔ امتیاز علی خاں۔ آج کل۔ فروری ۵۲ء

غالب کی اپنے کلام پر اصلاحیں

☆ عرشی امتیاز علی خاں۔ مجلہ عثمانیہ حیدر آباد جلد۔ ۱۷۔ شمارہ ۱

دیوانِ غالب کے چند اغلاط

☆ عرشی۔ امتیاز علی خان۔ جامعہ دہلی۔ ستمبر ۴۲ء

دیوان غالب اردو کے ابتدائی مطبوعہ نسخے

غالب کی زندگی میں شائع ہونے والے دیوان غالب کے نسخوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

☆ عرشی امرتسری۔ ادبی دنیا۔ سالنامہ ۳۷ء

غالب کی فارسی شاعری

غالب کی فارسی شاعری پر مفصل تبصرہ۔

☆ عزیز۔ نگار۔ ستمبر ۱۹۲۶ء

غالب کی ذہنیت پر ایک نظر

محی الدین زور کے مضمون ''غالب کی ذہنیت'' کے اس حصہ سے بحث کی گئی ہے جس میں ذوقؔ اور غالب کا مقابلہ کیا گیا ہے۔

☆ عزیز۔ غلام ربانی۔ نگار۔ مئی۔ جون۔ جولائی ستمبر ۲۷ء

غالب کا ذوقِ فارسی

غالب کی فارسی شاعری پر تبصرہ اور اس سلسلے میں معاصرین سے ان کا موازنہ کیا گیا ہے۔

☆ عزیز۔ نگار۔ نومبر ۵۸ء

ذوق اور غالب (موازنہ)

☆ عسکری۔ مرزا محمد و لگداز نمبر ۸۔ جلد ۲۴ اگست ۲۴ء

مرزا غالب کی شاعری

☆ عصری۔ بشیر الدین۔ نگار۔ ستمبر ۴۴ء

غالب غالب کا ایک غیر مطبوعہ تاریخ

غالب کا ایک قطعہ ایک طب کی کتاب پر تحریر ہے۔ اس کو پیش کیا گیا ہے۔

☆ **عطا (کاکوی)۔ آج کل دہلی۔ فروری ۵۷ء**

غالب کے اردو دیوان کی اشاعتیں

غالب کے ایک مجموعہ کلام "نگارستانِ سخن" مطبوعہ۔ مطبع احمدی کا تعارف کرایا گیا ہے۔

☆ **علوی۔ رشید احمد۔ شاعر بمبئی۔ جون ۵۱ء**

غالب کا مستقبل

غالب کی شاعری پر مفصل تبصرہ کیا گیا ہے۔

☆ **غلام مصطفی خاں۔ ڈاکٹر برگِ گل ۵۳۔ ۵۴ء**

غالب کی حزنیہ شاعری

غالب کی شاعری کے المیہ عناصر پر تبصرہ۔

☆ **فاروقی۔ ڈاکٹر خواجہ احمد۔ آج کل ستمبر ۵۲ء**

غالب کا اردو دیوان

(غالب کا تصحیح کیا ہوا)

اُس ایڈیشن کا ذکر خاص طور پر کیا گیا ہے جو محمد حسین خاں مالک مطبع احمدی، شاہدرہ دہلی نے چھاپا تھا۔ اس کے غلط چھپنے پر خود غالب نے اس کی تصحیح کی تھی۔

☆ **فاروقی۔ ڈاکٹر خواجہ احمد۔ اردوئے معلی دہلی شمارہ اول غالب نمبر ۶۰ء**

خمسۂ غالب

خمسۂ غالب بر غزل ظفر جو دہلی اردو اخبار میں شائع ہوا۔

☆ **فاروقی۔ خواجہ احمد۔ اردوئے معلی دہلی، شمارہ اول غالب نمبر ۶۰ء**

قصیدۂ غالب

قصیدۂ غالب در مبارکباد جشن سالگرہ

حضور والا   بہ حوالہ دہلی اردو اخبار

☆ فاروقی۔ڈاکٹر خواجہ احمد۔اردوئے معلی دہلی، شمارہ اول غالب نمبر ۶۰ء

غالب کا ایک سکہ شعر

برزرِ آفتاب و نقرۂ ماہ

سکہ زد در جہاں بہادر شاہ

بہ حوالہ روز نامچہ جیون لال۔ورق ۳۸۔الف و ب

☆ فاروقی۔فضل احمد۔نوائے ادب بمبئی۔اپریل ۵۰ء

غالب کی مثنوی "دعاء صباح"

غالب کی مثنوی ''دعاء صباح'' کا تعارف کرایا گیا ہے۔

☆ فاروقی نثار احمد۔مہر نیمروز۔جون ۵۶ء

غالب کا اسلوب

غالب کی شاعری کے عناصر ترکیبی کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

☆ فاضل۔سید مرتضی حسین۔شاعر بمبئی۔جون ۵۱ء

آئینہ غالب کی نظر میں

مضمون نگار نے غالب کے ایسے اشعار پر روشنی ڈالی ہے جن میں آئینہ کا استعمال کیا گیا ہے۔

☆ فاضل۔مرتضی حسین۔کتاب لاہور۔فروری ۵۳ء

غالب اور فانی

☆ فراق گورکھپوری۔زمانہ۔اپریل ۴۵ء

غالب کی شاعری میں محبوب کا تصوّر

مقالہ نگار کی رائے میں غالب کی غزلوں میں حُسن سے کہیں زیادہ عشق اور زندگی اور کائنات کی مصوری کی گئی ہے۔

☆ فرمان فتح پوری۔ نگار۔ مئی ۱۹۵۲ء

غالب کے کلام میں استفہام

غالب کے استفہامیہ اشعار پر تبصرہ کیا گیا ہے۔

☆ فرمان فتحپوری۔ نگار۔ جولائی ۵۴ء

آسی کی شرح دیوان غالب

بعض اشعار کے سلسلے میں مولانا آسی کی تشریحات سے اختلاف کیا گیا ہے۔

☆ فرمان فتحپوری۔ ساقی۔ اکتوبر ۱۹۵۵ء

غزل میں مقطع کی اہمیت اور غالب

☆ فرمان فتحپوری۔ نگار۔ اکتوبر ۵۷ء

کلام غالب کا طنزیہ پہلو

☆ فرمان فتحپوری۔ نگار، دسمبر ۵۵ء

غالب اور اقبال

مقالہ نگار کی رائے میں فنی نقطۂ نظر سے اقبال کو غالب کی ارتقائی روح کہنا درست نہیں ۔

☆ فضا ابن فیضی۔ نگار۔ دسمبر ۵۱ء

استفادۂ سرقہ اور توارد کی بحث

(باب المراسلة و المناظره)

غالب کے کچھ اشعار کو عرفی کے اشعار کا چربہ بتایا گیا ہے۔

☆ فیضی فیض الرحمٰن۔ صبا حیدرآباد۔ اپریل۔ مئی ۵۹ء

غالب کے محرکاتِ شعری

غالب کے شعری محرکات کا جائزہ لیتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ غالب کے یہاں سماجی مقصد بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

☆ قادری۔ حامد حسن ۔مخزن ۔ دسمبر ۳۰ء

احوالِ غالب از کلام غالب

غالب کی زندگی پر ان کے کلام کی مدد سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

☆ قادری۔ حامد حسن ۔ مہر نیمروز ۔ مئی ۱۹۵۶ء

برگِ گل۔ غالب و یگانہ

دونوں کا موازنہ و مقابلہ کرتے ہوئے غالب سے متعلق اپنے قطعات اور نظم کا تذکرہ کیا ہے۔

☆ قادری۔ حامد حسن ۔ نگار ۔ جون ۱۹۲۷ء

غالب ۔ مومن ۔ ذوق

غالب ۔ مومن اور ذوق کی شاعری کا موازنہ۔

☆ قریشی ۔ ابو سعید ۔ ماہ نو کراچی ۔ فروری ۵۳ء

کلکِ غالب

مضمون نگار کو غالب کے فارسی کلام کا پہلا مطبوعہ ایڈیشن حاصل ہوا۔ انہوں نے اس میں سے کلک، سر یا اور خامہ سے متعلق اشعار جمع کر کے تشریحی تبصرہ کیا ہے۔

☆ قاسمی ۔ احمد ندیم ۔ ادب لطیف لاہور ۔ ۵۲ء

مرزا غالب کی دو فارسی غزلیں

☆ کاظمین ۔ برجموہن دتاتریہ ۔ آج کل نومبر ۴۹ء

مرزا غالب کی بدیہہ گوئی

☆ کیفی ۔ برجموہن دتاتریہ ۔ آج کل ۔ نومبر ۴۹ء

غالب کے پانچ شعر

☆ مالک رام ۔ آج کل فروری ۵۷ء

غالب کا ایک شعر

بقدر شوق نہیں ظرف تنگنائے غزل الخ

اس شعر کی تشریح اور شانِ نزول سے بحث کی گئی ہے۔

☆ مالک رام۔آج کل۔مارچ ۱۹۵۵ء

باغ دو در

غالب کا کچھ فارسی کلام ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ غالب اسے ''سبد چین'' کی طبع ثانی کے طور پر'' باغ دودر'' کے نام سے چھاپنا چاہتے تھے مگر ان کی وفات ہوگئی۔ اس مجموعہ میں مطبوعہ ''سبد چین'' کے علاوہ جو نیا کلام ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔

قطعات	:	۱۰ عدد (۳۸ شعر)
قصیدہ	:	ایک (۳۱ شعر)
غزل	:	ایک (۷ شعر)
مخمس	:	۷ بند (۱۴ شعر)
فردیات	:	ایک (ایک شعر)
رباعیات	:	دو عدد (۴۱ شعر)

اس کے علاوہ اس مجموعہ میں غالب کے فارسی خط بھی ہیں۔

☆ مالک رام۔نگار۔دسمبر ۲۶ء

غالب اور ذوق

☆ ماہر القادری۔عالمگیر لاہور۔خاص نمبر ۳۷ء

غالب اور فلسفۂ حیات

غالب کے فلسفۂ حیات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

☆ مجنوں گورکھپوری۔ایوان۔جنوری ۳۱ء

غالب کا غیر مطبوعہ کلام

مصنف نے غالب کی چار غزلیں پیش کی ہیں۔ جن کے مصرع اول یہ ہیں:

۱۔ خزینہ دار مسرت ہوئی ہوائے چمن

۲۔ نمائش پردہ دارِ طرز بیدادِ تغافل ہے

۳۔ روائی کی نہ دی تقدیر نے مقصد کو منظوری

۴۔ یونہی افزائش وحشت کے جو ساماں ہوں گے

☆ محمد اسحاق۔ نگار۔ اپریل ۳۴ء

غالب کا ایک شعر

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے

میں اسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

ٹیگور کی ایک تحریر اور ایک واقعہ کو جو کہ آبشار ''نیاگرہ'' کو دیکھنے کے بعد پیش آیا تھا۔ سامنے رکھتے ہوئے اس شعر کی تشریح کی گئی ہے۔

☆ محمد اسحاق امرتسری۔ نگار، مئی ۳۴ء

غالب کا ایک شعر

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

اس شعر کا اسی مضمون کے دوسرے اشعار سے مقابلہ کرتے ہوئے، اسے غالب کا بہترین شعری قرار دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک یونانی کہانی کا بھی حوالہ دیا ہے جس میں یہی خیال پایا جاتا ہے۔

☆ محمد اکرام۔ شیخ۔ نقوش، جنوری، فروری ۵۷ء

غالب کی مقبولیت کے اسباب

☆ محمد بشیر۔ مرزا۔ مہ نو کراچی فروری ۵۰ء

غالب کے مقطعے

مقالے نگار کی رائے میں ادبی اور سوانحی لحاظ سے غالب کے مقطعے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔

☆ محمد حسن۔ڈاکٹر۔ہندوستانی ادب ستمبر ۵۷ء

هندوستانی شاعری میں غالب کا مرتبه

☆ محمد حسن۔ڈاکٹر۔مشرب کراچی، ستمبر ۵۳ء

غالب کا تصور غم

غالب کی شاعری میں غم کے عناصر ہیں۔ان ک تجزیہ کیا گیا ہے۔

☆ محمد عظیم فیروز آبادی۔نگار۔مئی ۵۶ء

غالب اور تقلیدِ میؔر

☆ مدثر حسین جارچوی۔پگڈنڈی امرتسر۔نومبر ۵۸ء

مرزا غالب:غالب ایک مطالعه

(انگریزی سے ترجمہ)

کلام غالب کی بعض خصوصیات کا مفصّل تذکرہ کیا گیا ہے۔

☆ مرتضیٰ حسین بلگرامی۔آج کل اکتوبر ۵۸ء

میر غالب کے حریف

☆ مسیح الزماں۔آج کل فروری ۵۸ء

غالب

غالب کی شاعری کا پس منظر بیان کرنے کے بعد ان کے افکار کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

☆ مصطفیٰ شہاب الدین۔سب رس۔ستمبر و اکتوبر ۵۵ء

ایک نئی شرح دیوانِ غالب

غالب کے ۱۱۲ اشعار کی شرح لکھی گئی ہے۔

☆ مقبول حسین احمد پوری۔زمانہ کانپور ستمبر ۳۲ء

براؤننگ اور غالب

انگریزی شاعر براؤننگ کے خیالات غالب سے بہت کچھ ملتے جلتے ہیں۔لیکن بعض

جگہ غالب براونگ سے بہت آگے نکل گئے ہیں۔ مضمون نگار نے اسی خیال کی روشنی میں غالب اور براونگ کے خیالات اور زمانہ کو دیکھنے کی کوشش کی ہے۔

مقبول حسین احمد پوری ادبی دنیا لاہور جون ۳۱ء

دیوان غالب

مضمون نگار کی شرح دیوان غالب کی پہلی قسط ہے جس میں پہلی تین غزلوں کی شرح پیش کی گئی ہے۔

☆ **مقبول حسین احمد پوری۔ معارف اکتوبر ۳۰ء**

عیش مایوسی اور مرزا غالب

مقالہ نگار کی رائے میں مایوسی، تجدیدِ آرزو اور تجدیدِ عمل کا ذریعہ ہے۔ غالب کا کلام اسی حقیقت کا ترجمان ہے۔

☆ **مقبول حسین احمد پوری۔ معارف دسمبر ۳۱ء**

میر و غالب

☆ **ممتاز حسین۔ مجموعہ: نقد حیات**

اردو شاعری کا مزاج اور غالب کی شکست کا تجزیہ

اردو شاعری کے مزاج پر زمانہ کے انحطاط کا بھرپور اثر تھا۔ غالب کو ورثہ میں اردو شاعری کا یہی مزاج ملا تھا۔ مضمون نگار نے اردو شاعری کے مزاج کا تجزیہ کرتے ہوئے۔ غالب کی شکست پر روشنی ڈالی ہے۔

☆ **ممتاز حسین۔ نقوش سالنامہ۔ نمبر ۱۵، ۱۶، ۵۱ء**

غالب کا نظریۂ شعر

غالب کے نظریہ فن کو معلوم کرنے کی کوشش کی گئی ہے تا کہ ان کے اشعار سمجھنے اور اپنے تنقیدی معیار کو بلند کرنے میں فائدہ پہنچے۔

☆ **مہیش پرشاد مولوی۔ زمانہ۔ اگست ۴۲ء**

غالب کی زندگی میں اردو کلام کی اشاعت

مقالہ نگار کی تحقیق کے مطابق غالب کی زندگی میں ان کے اردو کلام کے پانچ ایڈیشن شائع ہوئے۔ ہر ایڈیشن کے بارے میں کچھ تفصیلات پیش کی گئی ہیں۔

☆ **مہیش پرشاد مولوی۔ زمانہ فروری ۱۹۴۰ء**

دیوان غالب اردو کے قلمی نسخے

کلام غالب کے ان چار قلمی نسخوں کا تذکرہ کیا ہے جو ان کی نظر سے گزرے اور جن کا مطالعہ بعض غزلوں کے زمانہ تصنیف کے تعین میں مددگار ہوگا۔

☆ **ناطق لکھنوی۔ اردوئے معلیٰ جولائی واگست ۱۹۱۲ء**

تنقیدِ شرح غالب

مضمون میں ایک متداول شرح غالب کے بعض مطالب کی تنقید اور مندرجۂ ذیل اشعار کی نئی توجیہ وتشریح کی گئی ہے۔

۱۔ نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا الخ

۲۔ بسکہ ہوں غالب اسیری میں بھی آتش زیر پا الخ

۳۔ زفیض بے دلی نومیدی جاوید آساں الخ

☆ **ناطق لکھنوی۔ اردوئے معلیٰ۔ اکتوبر ۱۹۱۲ء**

تنقید شرح غالب

محولہ بالا مضمون کی دوسری قسط ہے جس میں ذیل کے دو اشعار کی تشریح کی گئی ہے۔

۱۔ بہ فیض بے دلی نومیدی جاوید آساں ہے الخ

۲۔ تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ الخ

☆ **ناظر عالم۔ ماہ نو۔ فروری ۵۳ء**

غالب کی ایک غیر مطبوعہ غزل

حیدرآباد دکن کی بھیجی ہوئی غالب کی ایک غیر مطبوعہ غزل شائع کی گئی ہے۔ ناظر عالم

صاحب کی طرح مدیر ماہ نو بھی یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آیا یہ غزل غالب کی ہے یا نہیں۔

☆ نذیر احمد ڈاکٹر۔ اردو ادب علی گڑھ۔ مارچ ۵۳ء

عرفی اور اس کا اثر غالب پر

مقالہ نگار کی رائے میں غالب نے عرفی کی تقلید پوری کوشش کے ساتھ کی ہے۔

☆ نذیر احمد۔ ڈاکٹر۔ اردو ادب۔ جون ۵۶ء

غالب اور ظہوری

مقالہ نگار نے غالب کی وہ غزلیں پیش کی ہیں جو ظہوری کی غزلوں کے جواب میں ہیں۔ جس سے حالی کے اس دعوے کی تردید ہوتی ہے کہ مرزا نے ظہوری کی غزلوں پر بہت کم غزلیں کہی ہیں۔

☆ نذیر احمد۔ ڈاکٹر۔ اردو ادب۔ جون ۵۶ء

نظیری اور اس کا اثر غالب کی شاعری پر

نظیری اور غالب کے اردو کلام کا موازنہ کیا گیا ہے۔

☆ نسیم رضوانی۔ ملک محمد باقر۔ مخزن فروری ۲۹ء

عنقائے معانی اور گستاخی غالب معاف

غالب کے بعض اشعار کے مطالب کے سلسلے میں ثاقب کانپوری کے خیالات سے اختلاف کیا گیا ہے۔

☆ نظامی بدایونی۔ زمانہ۔ مئی ۳۵ء

روحِ کلامِ غالب

مرزا عزیز بیگ مرزا مرحوم سہارنپوری کی کتاب پر تبصرہ۔

☆ نظر محمد انصار اللہ۔ نگار لکھنو جولائی ۶۰ء

غالب، ذوق اور ناسخ

غالب اور ذوق کے درمیان جو چشمک تھی۔ مضمون نگار نے اس پر روشنی ڈالتے ہوئے

ان کو غیر صحیح بتایا ہے۔

☆ نظیر اصغر حسین خاں۔ ادبی دنیا لاہور۔ اگست ۴۵ء

ذوق و غالب پر ناسخ کا اثر

کلام ناسخ کے جو اثرات غالب اور ذوق کے کلام پر پڑے ہیں انہیں واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

☆ نیاز فتحپوری۔ نگار معلومات نمبر جنوری۔ فروری ۵۸ء

شاعری کا معیار صحیح اور غالب

خیال کی دقت اور بیان کی ژولیدگی غزل میں مکروہ چیز ہے۔ غالب کی شاعری کا مختصراً جائزہ اسی روشنی میں لیا گیا ہے۔

☆ نیاز فتح پوری۔ نگار۔ جولائی، نومبر، دسمبر ۵۶ء

مشکلاتِ غالب

غالب کے مشکل اشعار کی تشریح کی گئی ہے۔

☆ نیاز فتح پوری۔ نگار۔ نومبر ۵۵ء

غالب کی مثنوی نگاری

غزل قصیدہ اور مثنوی کی شاعری میں فرق بیان کرنے کے بعد عرفیؔ، سعدیؔ، غالب وغیرہ کے قصائد پر تنقید کی ہے اور غالب کی کئی مثنویاں بطور نمونہ پیش کر کے ان پر تبصرہ کیا گیا ہے۔

☆ نیاز فتح پوری۔ نگار۔ نومبر ۵۶ء

غالب ایک صاحب طرز کی حیثیت سے

غالب کو ایک صاحب طرز کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔

☆ نیاز فتحپوری۔ نگار۔ اگست ۴۳ء

نقش ہائے رنگ رنگ

امداد امام اثر کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے غالب کی فارسی شاعری کی عظمت و

خوبی کو واضح کیا گیا ہے۔

☆ نیاز فتح پوری۔ معلومات نمبر نگار۔ جنوری فروری ۵۸ء

غالب و بیدل

اس مضمون میں مندرجہ ذیل دو سوالوں سے بحث کی گئی ہے۔

۱۔ کیا غالب نے بیدلؔ کا تتبع کیا اور کیوں کیا؟

۲۔ کیا وہ اس سعی میں ناکام رہا اور کن اسباب کی بنا پر۔

☆ نیاز فتح پوری۔ معلومات نمبر نگار جنوری فروری

غالب کی شاعری

''شعر'' سے متعلق بحث کرتے ہوئے غالب کی شاعری پر مختصراً روشنی ڈالی گئی ہے اور بجنوری کے بعض خیالات پر تنقید کی گئی ہے۔

☆ نیاز فتح پوری۔ نگار۔ جنوری فروری ۵۸ء

غالب غالب کی شاعری

''شعر'' سے متعلق بحث کرتے ہوئے غالب کی شاعری پر مختصراً روشنی دالی گئی ہے اور بجوری کے بعض خیالات پر تنقید کی گئی ہے۔

☆ نیاز فتح پوری۔ نگار۔ جنوری ۳۲ء

مرزا غالب کی شوخیاں اور شوخ نگاریاں

مقالہ پورے نمبر پر محیط ہے (۱۴۴ صفحات) ۱۰۵۔ صفحات میں مقالہ نگار نے مرزا غالب کے خطوط کے آئینے میں ان کی شوخ طبعی، زندہ دلی، بذلہ سنجی، خلقی ظرافت اور لطیفہ گوئی جیسے اوصاف کا مطالعہ کیا ہے۔ باقی صفحات میں مذکورہ صفات کا مطالعہ غالب کی اردو اور فارسی شاعری کو پیش نظر رکھ کر کیا گیا ہے۔

☆ نیاز فتح پوری۔ نگار۔ معلومات نمبر جنوری، فروری ۵۸ء

مومن و غالب کی فارسی ترکیبیں

فارسی تراکیب کے استعمال میں مومن اور غالب سے زیادہ پاکیزگی اور نفاست کا لحاظ کسی نے نہیں رکھا۔ لیکن غالب کے کلام میں جتنی ثقیل اور ناگوار فارسی ترکیبیں پائی جاتی ہیں اتنی کلام مومن میں نہیں ہیں۔

☆ **نیاز فتح پوری۔ نگار۔ نومبر ۱۹۲۵ء**

مرزا غالب کی شاعری

مرزا غالب کے کلام کو "شاعری کے صحیح معیار" کی کسوٹی پر جانچا گیا ہے۔

☆ **وجاہت علی سندیلوی۔ آج کل۔ فروری ۵۹ء**

غالب کے چند قلم زدہ اشعار

بعض ایسے اشعار پیش کئے گئے ہیں جو مروّجہ دیوان میں نہیں ملتے۔

☆ **وجیہ الدین۔ مرزا۔ آج کل جون ۴۳ء**

کلامِ غالب

ایک قلمی بیاض سے مرزا کے اشعار نقل کیے گئے ہیں۔

☆ **ہاشمی۔ سید۔ اردو۔ اپریل ۱۹۲۱ء**

کلامِ غالب کی خصوصیات

☆ **ہاشمی۔ سید۔ اردو جولائی ۲۳ء**

غالب کے نئے کلام کا انتخاب

☆ **ہاشمی۔ سید۔ اردو۔ اپریل ۲۲ء**

کلامِ غالب کی اردو شرحیں

☆ **یاس لکھنوی، واحد حسین۔ خیال دہلی، نومبر ۱۵ء**

آتش و غالب

آتش کے اشعار کو حافظ اور سعدی کے اشعار کی طرح روحانیت میں رنگا ہوا بتایا گیا ہے اور اس کے مقابلہ میں غالب کے اکثر اشعار کو لغو اور بے معنی قرار دیا ہے۔

☆ **یاسین جمالی بھوپالی۔ صلائے عام۔نومبر ۱۵ء**

حلِ غالب

غالب کے چند اشعار کی شرحیں

☆ **یوسف حسین۔ماہِ نو کراچی مئی ۵۳ء**

غالب کے ہاں تخیل اور جذبہ کی ہم آمیزی

میر کے بعد غالب کے ہاں جذبے اور تخیل کی ہم آمیزی ملتی ہے اور اسی کے سبب غالب کے کلام میں حسن، رنگینی، حرارت اور زندگی ملتی ہے۔

غالب کے بارے میں

☆ مکالمے۔ نظمیں۔ ڈرامے۔ فیچر

اجمل اجملی۔ آج کل فروری ۵۷ء

☆ غالب (نظم)

احتشام حسین۔ شاعر۔ سالنامہ ۵۱ء

☆ غالب خستہ کے بغیر.....

"غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں"

اس مصرع سے متعلق ایک ریڈیائی فیچر

ادارہ۔ صلائے عام۔ اگست ۱۲ء

☆ غالب کا حال

رسالہ "ادیب" نے جولائی ۱۹۱۲ء کی اشاعت میں "غالب کا حال" کے عنوان سے

ایک مضمون شائع کیا تھا۔ اسی مضمون پر تبصرہ کیا گیا ہے۔

ادارہ۔ صلائے عام۔ اکتوبر ۱۹۱۱ء

☆ شرح غالب از طباطبائی

ادارہ۔ صلائے عام دہلی مارچ ۱۹۱۰ء

☆ مرزا اسد اللہ خاں غالب

صلاح الدین خدا بخش کی انگریزی تصنیف "حیات غالب" کا دیباچہ "ہندوستان ریویو" میں چھپا تھا۔ یہ ریویو اسی دیباچہ سے لکھا گیا ہے۔

ادارہ کارواں۔ روح ادب شمارہ نمبر ۱۹

☆ مرزا غالب کے گھر میں ایک شام

ایک مختصر ڈرامہ جس کے کردار غالب اور بیگم غالب ہیں۔

اسماء سعیدی۔ اردوئے معلی دہلی۔ غالب نمبر شمارہ نمبر ا۔ ۱۹۶۰ء

☆ غالب کی یاد میں (نظم)

آسی۔ فروری، مئی جون جولائی ۳۳ء

☆ تذکرہ معرکہ سخن

مندرجہ بالا چار شماروں میں غالب اور ان کے معترضین وشارحین کا مکالمہ پیش کیا گیا ہے۔

اقبال۔ شیخ محمد۔ مخزن لاہور ستمبر ۱۹۰۱ء

☆ مرزا غالب (نظم)

آلم مظفر پوری۔ آج کل اکتوبر ۱۹۴۴ء

☆ نذر غالب (نظم)

آمر سورتی۔ آجکل فروری ۱۹۵۹ء

☆ نذر غالب (نظم)

انتظار حسین، ناصر کاظمی ماہ نو کراچی اپریل ۵۷ء

☆ غالب اور ہم

غالب پر مکالمے کی صورت میں ایک ہلکی پھلکی گفتگو۔

جگر مرادآبادی۔ ماہ نو کراچی ۱۹۵۴ء

☆ غالب مرحوم (غزل)

جھنگن۔ نند کشور۔ زمانہ کانپور۔ جولائی ۳۹ء

☆ داستانِ غم — مرزا غالب سے ایک انٹرویو

غالب کے کلام کی مدد سے ان کی داستانِ غم کو مکالمے کی صورت میں ترتیب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

حمید احمد خان۔ نگار۔ نومبر ۵۱ء

☆ اسد اللہ خاں تمام ہوا

ایک سوانحی تمثیل جس سے غالب کی زندگی اور شخصیت کے بعض اہم پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ تمثیل کے کردار غالب، ان کی بیوی، مدار خاں، مولوی فضل حق، شیفتہ، آزردہ اور حسین علی خاں ہیں۔

حمیدہ سلطان۔ آج کل۔ ۱۹۵۲ء

☆ غالب کا ایک شعر

دھول دھپا اس سراپا ناز کا شیوہ نہیں
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش دستی ایک دن

غالب کے اس شعر سے متعلق ایک تمثیل

فاروقی۔ ڈاکٹر خواجہ احمد

☆ ترجمۂ غالب (کریم الدین)

غالب کے بارے میں کریم الدین کا بیان جو گلدستہ نازنینا' میں مرقوم ہے۔

سراج الدین۔ نگار۔ جولائی ۱۹۴۸ء

☆ غالب جنت میں

سرور، آل احمد۔ آج کل۔ اپریل ۵۸ء

☆ غالب (ایک غزل)

مطلع:

گو آسماں کو فخر ہے ماہ تمام پر
ہندوستاں کو ناز ہے غالب کے نام پر

سرور۔ آل احمد۔ آج کل۔ فروری ۵۵ء

☆ مزار غالب پر (نظم)

شاہ۔ کے۔ ایم۔ اردو۔ جولائی ۱۹۵۲ء

☆ چار مناظر کی ایک تمثیل

مقالہ نگار نے مکالمہ کے انداز میں مندرجہ ذیل چار مناظر پیش کیے ہیں۔

۱۔ دہلی میں غدر ۵۷ء سے کوئی ۱۵ سال پہلے۔
۲۔ دہلی میں غدر ۵۷ء سے کوئی ۲ سال پہلے
۳۔ دہلی میں غالب اور غدر ۵۷ء
۴۔ دہلی میں — غالب کی موت سے کچھ پہلے

صفدر حسین۔ فانوس خیال۔ سالنامہ ۷۳ ۱۳ھ

☆ مرزا غالب کی فلمی ستاروں سے ملاقات

عرش ملسیانی۔ آج کل۔ مئی ۱۹۵۲ء

☆ غالب (ایک ریڈیائی فیچر)

عرش ملسیانی۔ آج کل فروری ۵۹ء

☆ یوم غالب (نظم)

عطا کاکوی۔ آج کل فروری ۵۸ء

☆ نذرِ غالب (نظم)

فراق گورکھپوری۔ نگار۔ اگست ۱۹۴۸ء

☆ غالب پھراس دنیا میں

ایک ریڈیائی فیچر

فرقت کاکوروی۔ آجکل اگست ۱۹۴۹ء

☆ عالمِ برزخ میں غالب کا مطب

مزاحیہ فیچر

فرقت کاکوروی۔ آج کل مئی ۱۹۵۸ء

☆ مرزا کا مکان

ایک مزاحیہ مضمون

فریدی مغیث الدین۔ آج کل۔ نومبر ۱۹۵۸ء

☆ تضمین برغزل غالب

کپور۔ کنہیالال۔ آج کل۔ نومبر ۱۹۵۹ء

☆ ترقی پسند غالب

مزاحیہ ڈرامہ

کپور۔ کنہیالال۔ مجموعہ: سنگ وخشت

☆ غالب جدید شعراء کی مجلس میں

دلچسپ مزاحیہ اور طنزیہ فیچر۔ جس میں جدید شعرا کا مذاق اڑایا گیا ہے۔

مجتبیٰ حسین۔ مشرب کراچی۔ مئی ۱۹۵۴ء

☆ ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں

اس فیچر میں بتایا گیا ہے کہ غالب کے سلسلے میں بحث مباحثے ہوتے رہے ہیں کوئی غالب کے کلام کو الہامی کہتا ہے اور کوئی بے معنی، اور دونوں انتہا پسندی سے کام لیتے ہیں۔ سخن فہم نہ

ہونا اور غالب کی طرفداری کرنا اور سخن فہم ہو کر غالب کی طرفداری نہ کرنا دونوں میں زیادہ فرق نہیں۔

محروم۔تلوک چند۔مشرب کراچی۔۵۵ء

☆ تضمین اشعار غالب

محروم تلوک چند آج کل مئی ۱۹۵۹ء

☆ مزار غالب (رباعیات)

میر ولی اللہ زمانہ۔جنوری ۱۹۳۳ء

☆ کلیم وسلیم

غالب کے ایک شعر پر مکالمہ

متفرقات

☆ احتشام الدین۔ دہلوی۔ ماہ نو۔ کراچی۔ فروری ۵۰ء

غالب کے بعض غیر مطبوعہ شعر اور لطیفے

غالب کے چند غیر مطبوعہ شعر اور لطیفے سات حصوں میں جمع کیے گئے ہیں۔

☆ اختر اورینوی۔ مجموعہ: تنقید جدید

عصر غالب اور غالب کے قبل و بعد کے میلانات

اس مقالے میں غالب کے عہد اور شاعری اور اس کے بعد کے دور اور شاعری سے بحث کی گئی ہے۔

☆ ادراہ۔ ماہ نو۔ کراچی فروری ۵۱ء

غالب کی ایک نادر مثنوی

یہ مثنوی سرسید احمد خاں کے تصحیح شدہ نسخہ آئین اکبری پر بطور تقریظ لکھی گئی تھی۔

☆ ادارہ۔ نگار۔ فروری ۱۹۳۱ء

نوادراتِ غالب ۔غیر مطبوعہ کلام

غالب کی چند غیر مطبوعہ غزلیں جو صدیق بک ڈپو لکھنؤ کو ایک قلمی بیاض سے حاصل ہوئیں۔

☆ ادارہ۔ اردو اورنگ آباد۔ اکتوبر ۱۹۲۹ء

مرزا غالب کی ایک غیر مطبوعہ غزل

مرزا غالب کی یہ غزل مولانا سید زاہد حسین صاحب زاہد سہارنپوری کے ذریعہ حاصل کی گئی ہے۔ اس کے دو شعر دیوان غالب مطبوعہ بدایوں میں درج ہیں۔ نسخۂ حمیدیہ میں اس ردیف اور قافیہ کی دو غزلیں ہیں لیکن ان میں بھی یہی دو شعر ہیں۔

☆ ادارہ ماہِ نو۔ کراچی۔ فروری ۵۳ء

غالب کی ایک رنگین تصویر جس میں غالب مسند پر بیٹھے گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے حقہ پی رہے ہیں۔

☆ ادارہ۔ اردو۔ اورنگ آباد۔ فروری۔ ۱۹۲۹ء

غالب کی ایک تصویر

غالب کی یہ تصویر ایڈیٹر نے دہلی کے عجائب خانہ سے حاصل کی ہے۔ یہ تصویر مرزا غالب کے کسی ہم عصر مصور نے کھینچی ہے۔ ایڈیٹر کا خیال ہے وہ اب تک غالب کی جتنی تصویریں طبع ہوئی ہیں وہ زیادہ قابل اعتماد نہیں۔

☆ ادارہ۔ اورینٹل کالج۔ میگزین لاہور۔ اگست ۵۵ء

افکارِ غالب

خلیفہ عبدالحکیم کی کتاب پر تبصرہ

☆ آرزو۔مختارالدین احمد۔آجکل فروی ۵۲ء

مرزا غالب کی تصویریں

ان چار تصویروں کا ذکر ہے جو انہیں دستیاب ہوئی ہیں۔

☆ آرزو۔ڈاکٹر مختارالدین احمد۔آج کل فروری ۵۶ء

غالب کی مہر

مقالہ نگار نے ان چھ مہروں کے علاوہ جو غالب سے منسوب کی جاتی ہیں اور جن کا ذکر مالک رام صاحب۔"ادبی دنیا" لاہور ۱۹۴۶ء میں کر چکے ہیں۔ایک اور مہر کی ذکر کیا ہے جس پر عربی کا ایک شعر بھی منقوش ہے۔

☆ آفتاب احمد۔نقوش لاہور۔اکتوبر ۵۸ء

غالب اور جدید شعرا

غالب جہاں ایک مٹے ہوئے عہد کا آخری شاعر ہے وہاں وہ ایک نئے عہد کا اولین شاعر بھی ہے۔غالب نے ایک نئے دور اور ایک نئی روایت کا آغاز کیا۔یہ روایت نئی نسل کے لیے آج بھی اہمیت رکھتی ہے۔

☆ امانی (ویلوری)۔معیارادب۔"میل وشارم" نارتھ آرکاٹ جنوری ۵۲ء

غالب و طباطبائی

طباطبائی نے شرح دیوان غالب میں غالب غالب کے کلام پر کچھ اعتراض کیے ہیں۔مضمون نگار نے اس مضمون میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ ان کے اعتراض کہاں تک صحیح ہیں۔

☆ امن گوپی ناتھ۔نیادور۔اگست ۱۹۵۶ء

غالب کے بعد کے دور

غالب کے بعد تین دور قائم کیے گئے ہیں۔

۱۔ گذشتہ صدی کے آخر یا موجودہ صدی کے شروع تک: پہلا دور

۲۔ اقبالؔ کی وفات تک: دوسرا دور

۳۔ موجودہ دور: تیسرا دور

☆ حسن عسکری (پلکھوی) اردو ادب علی گڑھ مارچ ۵۳ء

ڈاکٹر بجنوری اور ڈاکٹر عبداللطیف

مقالہ نگار کی رائے میں ڈاکٹر عبداللطیف نے غالب کی شخصیت اور فن کا مطالعہ ایک ایسے پیمانے پر کیا ہے جس میں مغربی روایات تنقید میں کسی قسم کی کمی بیشی کو جائز نہیں رکھا اور اگر کہیں رکھا تو اس سے غالب کو فائدہ کم پہنچنے دیا گیا۔

حسن عسکری۔ آج کل۔ فروری ۵۳ء

غالب کی فارسی اور تنقید میں واردات

☆ حسینی، علی عباس۔ زمانہ، جون ۱۹۲۹ء

غالب اور ڈاکٹر سید عبداللطیف

عبداللطیف نے غالب پر جو الزامات لگائے ہیں انہیں دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

☆ خیر بہوروی۔ نقوش لاہور نمبر ۱۴

غالب کی تصویریں

غالب کی مختلف تصویروں کے متعلق یہ بتایا گیا ہے کہ اس وقت تک کتنی تصویریں کہاں کہاں شائع ہو چکی ہیں۔

☆ خیر بہوروی۔ نگار۔ مارچ ۵۰ء

اشارات

غالب پر کیے گئے تحقیقی کام کا جائزہ۔

☆ سرور۔ آل احمد۔ جامعہ دہلی دسمبر ۱۹۵۰ء

غالب اور اس کے نقّاد

مضمون نگار نے عرشی، مہر، اکرام کی غالب سے متعلق تصنیفات مکاتیب، غالب

غالب، غالب نامہ سے بحث کی ہے۔

☆ سید حسن۔ڈاکٹر۔اردوئے معلیٰ غالب نمبر شمارہ نمبر ا۔۱۹۶۰ء

ایران میں غالب شناسی

ایرانی لسانی تعصب کی بنا پر ہندوستان کے دوسرے فارسی شعراء کی طرح غالب کو بھی نظر انداز کرتے رہے ہیں۔مگر اب کچھ عرصہ سے غالب کو ایران میں بھی متعارف کرانے کی کوششیں ہورہی ہیں۔

☆ شوکت سبزواری۔اردوادب ۲، ۳، ۴ ۵۲ء

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں

علی گڑھ میگزین کے غالب نمبر میں قاضی عبدالودود کا مقالہ '' غالب بہ حیثیت محقق شائع ہوا تھا شوکت صاحب نے اس کے جواب میں یہ مضمون لکھا اور قاضی صاحب کے بعض بیانات سے اختلاف کیا۔

☆ شوکت سبزواری۔نگار،، مارچ، اپریل ۵۴ء

غالب اور میرٹھ

غالب کی جو تصانیف میرٹھ سے شائع ہوئیں ان کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

☆ شیدا (از کیمبرج)۔مخزن۔اپریل ۱۹۰۷ء

طائرِ دل

'' تھوڑے دن ہوئے میجر سید حسن بلگرامی سے تذکرۃ الشعراء ہورہا تھا۔جس میں انہوں نے غالب کا ایک قطعہ سنایا قطعہ کے عمدہ ہونے میں کیا شک مگر اس کے ساتھ ہی ان کے اس بیان نے کہ یہ قطعہ ان کے والد مرحوم سے ان کو پہنچا اس کی خوبی اور زیادہ کردی...) اس نوٹ کے ساتھ '' طائرِ دل'' مخزن میں شائع ہوا ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

اٹھا ایک دن بگولہ سا جو کچھ میں جوش وحشت میں
پھرا آسیمہ سر، گھبرا گیا تھا دل بیاباں سے

☆ صفدر مرزا پوری۔ اردو۔ اورنگ آباد۔ جولائی ۳۱ء

مرزا غالب کی ایک تضمین

غالب نے فارسی کے اس مشہور شعر پر۔

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست

می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

بطور ترکیب بند چند شعر اردو میں لکھے تھے۔ صفدر مرزا پوری نے اس تضمین کو کسی طرح حاصل کر کے یہاں پیش کیا ہے اور ساتھ ہی ملا طاہر غنی اور زاہد سہارنپوری کی تضمینیں بھی شامل کر لی ہیں۔

☆ عبدالودود، قاضی۔ معاصر نمبر ۱، نمبر ۲، نمبر ۴

جہانِ غالب

۱۔ آذری، آرزو، باطن، برق، برکات حسن

۲۔ باقر علی باقر پیر بیگھوی۔ حکیم میر محمدی ظاہر۔ افصح۔

۳۔ بحر شاگرد ناسخ۔ ظہور علی ظہور۔ اوحدی۔ قائم سروری۔ سعید نفیسی

۴۔ امداد علی خاں آشوب دہلوی۔ کرنیل کرون۔ نوب صدیقی حسن خاں۔ مرزا عاشور بیگ گلستانِ سخن، مثنوی ششم، سید محمود، سید اسمٰعیل حسین منیرآزاد بلگرامی۔ عبدالرسول استغناد، نواب اشرف حسین خاں، عبداللہ اوج، منشی بنسی دھر، امیر اللہ تسلیم، ثناء اللہ خاں ثنا، جوالا سنگھ، پنڈت جوالا ناتھ حزیں۔ حسن علی، مرزا خضر سلطان خضر۔ ریختی۔ سراپا سخن۔ مرزا حاجی شہرت۔ کرامت علی شہیدی۔ مرزا عالی بخت عالی۔ عبدالجلیل بلگرامی۔ عبدالقادر غمگین۔ عزیز الدین۔ محمد حسن عسکری عسکری۔ علی بخش خاں۔ عیش۔ محمد میر۔ منتظر۔ نسیم اللہ۔ نصیر الدین واصل خاں۔ شیخ وزیر الدین۔ عبدالرحمٰن ہدہد۔ ہند

☆ عبدالودود۔ قاضی معاصر (۷)

جہانِ غالب

دستنبو۔ سرمہ سلیمانی، شیریں و خسرو، کشف اللغات۔ گلشن راز۔ امید سنگھ ۔ انتخاب یادگار۔ اوستا۔ سید بدرالدین احمد المعروف بہ فقیر صاحب۔ اورنگ خاں یا اوزبک خاں۔ سراج المعرفت۔

☆ **عبدالودود، قاضی ۔ معاصر۔ جنوری ۱۹۵۶ء**

جہانِ غالب

کلیاتِ فوق مطبوعہ مطبع نورالانوار آرہ (۱۲۹۰ھ) میں غالب کے نام کا ایک مؤدبانہ خط تحقیق کیا ہے اور اس کے بعد یہ بتایا ہے کہ حالی نے جو" فرہنگ انجمن آرا" کے مرتب کے بارے میں یہ رائے قائم کرلی ہے کہ اس نے بھی غالب ہی کی رائے کو درست مانا ہے۔ یہ اس لیے نہیں کہ اس کے سامنے قاطع برہان کا نمونہ تھا۔

قاضی صاحب کا کہنا ہے کہ مرتب فرہنگ انجمن آرا کے سامنے غالب کی تحریر نہیں تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ دونوں کی رائے ایک ہوگئی۔

☆ **عبدالودود قاضی ۔ نقوش لاہور ستمبر۔ اکتوبر ۵۴ء**

جہانِ غالب

اس مقالے کے مندرجات یہ ہیں۔

نواب سید امیر علی خاں۔ تضمین گلستاں از تفتہ ۔ جلالائے طباطبائی ۔ دستور شگرف مصنفہ بھوپت رائے۔ ریاض لطیف۔ تذکرہ اساتذہ۔ شیدا فارسی گو۔ طلسم راز مصنفہ میر مہدی مجروح عیش طالب علی۔ شمس الدین فقیر۔ فخر گرگانی۔ فرہنگ قطران۔ کاشف الحقائق۔ گلشن بے خار اور غالب۔ دیاندھان گرامی۔ محبوب الالباب۔

☆ **عبدالودود قاضی ۔ معاصر (۵) اور (۷)**

عہد شاہجہانی کا ایک ادبی مناقشہ اور غالب

قدسی کا وہ قصیدہ جو کہ معارضہ کا باعث ہوا تھا اس کے پانچ شعر جن کے متعلق شیدا نے اعتراض کیے تھے، پیش کیے گئے ہیں۔ شیدا کا قصیدہ مقالہ نگار کو نہیں ملا۔ اس کے صرف دس شعر دستیاب ہوئے جو نقل کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد جلالا نے طباطبائی کا تذکرہ ہے۔ جلالائے شیدا

کے اعتراضات دیکھ کر اس کے نام ایک خط لکھا جو ''منشورات تمنا'' اور صحائف شرائف'' میں موجود ہے۔ یہ خط پیش کرنے کے بعد مقالہ نگار نے اس معارضہ کے متعلق عبدالباقی صہبائی۔ منیر لاہوری اور خان آرزو کی رائے نقل کی ہے۔ آخر میں غالب کی ان غلطیوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو اس معارضہ کے ذکر میں ان سے سرزد ہوئیں۔ اس مناقشے سے متعلق غالب کے بیانات معاصر (۷) میں بزم معاصر میں درج کیے گئے ہیں۔

☆ **عبدالودود قاضی۔ آج کل فروری ۱۹۵۲ء**

غالب اور ذال فارسی

غالب پر کلکتے میں جو اعتراضات ہوئے تھے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ گذاشتن، گذشتن اور پذیرفتن کو 'ز' سے لکھتے ہیں۔ اس اعتراض سے واقف ہونے کے بعد غالب نے جو خط مرزا احمد بیگ خاں طپاں کو لکھا تھا اس میں انہوں نے اقرار کیا تھا کہ ان لفظوں کو 'ز' سے لکھتا ہوں مگر وہ اسے غلطی املا تسلیم نہیں کرتے۔ اگرچہ غالب نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ فارسی میں کسی لفظ کو ذال سے نہیں لکھنا چاہیے۔ آگے چل کر مقالہ نگار نے ذال پر بحث کی ہے۔

☆ **عبدالودود قاضی۔ علی گڑھ میگزین غالب نمبر ۴۸۔۴۹ء**

تبصرہ فرہنگ غالب

فرہنگ غالب امتیاز علی عرشی کے کئی مسامحات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

☆ **عبداللہ۔ سید محمد۔ اورینٹل کالج میگزین اگست ۳۹ء**

غالب کے جدید تذکروں پر ایک نظر

''یادگار غالب'' سے مفصل بحث کرنے کے بعد غالب سے متعلق دوسری تحریروں پر بھی نظر ڈالی گئی ہے۔

☆ **عرشی۔ امتیاز علی۔ آج کل فروری ۱۹۵۷ء**

کچھ غالب کے متعلق

مقالہ نگار نے غالب کے متعلق کچھ مزید معلومات فراہم کی ہیں۔

۱۔ سیر المحتشم ''روداد سفر نواب غوث محمد خاں، والی جاورہ (۱۸۵۲ء) میں غالب کا ذکر شاعر و انشا پرداز کی حیثیت سے ہے۔ اور کچھ شعروں کا اقتباس بھی۔

۲۔ ''نگارستان سخن'' مطبوعہ مطبع احمدی دہلی میں ذوق، مومن اور ظہیر کے کلام کے ساتھ غالب کی غزلیں اور قصیدے وغیرہ درج ہیں۔

۳۔ باقر علی باقر گیاوی کے دیوان فارسی (مطبوعہ) کے دیباچے میں سید عطا حسین نے غالب کی ایک فارسی رباعی درج کی ہے۔

۴۔ ناف زمین ہے نہ کہ نافِ غزال'' میں اعلان نون کر کے غالب نے واقعی غلطی کی ہے

۵۔ باقر گیاوی نے غالب کے شعر

دل خوں شدہ... حنا ہے'' کی شرح کی ہے جو دوسرے شارحین کی شرح سے الگ ہے۔

۶۔ ''بوئے خلد'' منقبتی مجموعہ میں غالب کا ایک نیا فارسی مصرع ملتا ہے۔

۷۔ لوہارو کے ہاں جو غالب کا کلیات تھا اور جو رامپور کی لائبریری میں آ گیا اس میں کچھ تازہ معلومات ملتی ہیں۔ خاصی مفید معلومات ہیں۔

☆ عرشی۔ امتیاز علی۔ نوائے ادب بمبئی۔ اپریل ۵۸ء

قدیم اخبارات کی کچھ جلدیں

دہلی اردو اخبار:

۱۔ صفحہ ۴۔ جلد ۱۴ شمارہ ۱۳۔ ۳۰ / مارچ ۱۸۵۱ء میں لکھا ہے کہ قصیدہ جو کہ ''نواب محمد اسد اللہ خاں صاحب غالب نے مدحِ بندگان حضور والا میں نوروز کے دن پڑھا تھا، سو واسطے تفریحِ ناظرین درج ہوتا ہے۔''

خرشید بہ بیت الشرفِ خویش در آمد
زانساں کہ شہنشاہ بہ اورنگ بر آمد الخ

۲۔ ۱۱/ مئی ۱۸۵۱ء۔ غزل غالب:

کہتے تو ہو تم سب کہ بتِ غالیہ مُو آئے

۳۔ یکم جون ۱۸۵۱ء "سنا گیا کہ جنازہ نواب صاحب والی باندہ کا سوادِ دہلی میں آ پہنچا ہے۔" باندے کا یہ خاندان مرزا غالب کا ممدوح رہا ہے۔

۴۔ ۲۸/ مارچ ۱۸۵۲ء مرزا غالب کا سہرا۔ ذوق کا جوابی سہرا اور پھر غالبؔ کا قطعہ اعتذاریہ، یہ تینوں نظمیں چھاپی ہیں بعض مصرعے بدلے ہوئے ہیں۔

۵۔ ۲۸/ اگست ۱۸۵۳ء: نورالدین بہادر نبیرہ مرزا سلیمان شکوہ کے مشاعرے میں غالب نے یہ غزل پڑھی۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں

۶۔ ۱۰/ اکتوبر۔ ۱۸۵۲ء مرزا غالب کا فارسی قصیدہ" اختیار گرہ۔ شہریار گرہ الخ

۷۔ ۱۳/ فروری ۱۸۵۳ء نورالدین شاہی نے غالب کی اس غزل کو تخمیس کیا ہے۔:

بھر نہ آئے کیوں ، اٹھائے کیوں الخ

۸۔ ۱۶/ مارچ ۱۸۵۳ء: غالب کی غزل

...... ہو گفتگو تو کیونکر ہو' الخ

۹۔ ۳/ اپریل ۱۸۵۳ء: غالب کا فارسی قصیدہ' داد کوتا ستم بر انداز د......' الخ

۱۰۔ ۱۷/ اپریل ۱۸۵۳ء: غالب کا ایک مخمس:

"زنجیر آدھی رہ گئی تعمیر آدھی رہ گئی"

۱۱۔ ۲۴/ اپریل ۱۸۵۳ء: غالب کی غزل :

"دیا ہے دل اگر اس کو بشر ہے کیا کہیے"

۱۲۔ ۸/ مئی ۱۸۵۳ء: غالب کی غزل۔

"میرے شیون کو، میرے گلشن کو"

۱۳۔ ۲۲/ مئی ۱۸۵۳ء: غالب کی غزل:

"دنیا مرے آگے ، تماشا مرے آگے"

۱۴۔ ۱۹/ جون ۱۸۵۳ء: غالب کی غزل:

"خواہش پہ دم نکلے۔ کم نکلے"

۱۵۔ ۴ردسمبر ۱۸۵۳ء: بادشاہ کے غسلِ صحت پر غالب نے قصیدہ تہنیت پڑھا۔

احسن الاخبار۔ بمبئی

(ب) ۱۹ردسمبر ۱۸۴۵ء: گورنر جنرل نے دہلی میں ۱۷رکو دربار عام کیا اور اس میں غالب کو

خلعت ہفت پارچہ و سہ رقم جواہر عطا فرمایا۔

☆ **عرشی امتیاز علی۔ مہر نیمروز کراچی۔ فروری ۵۸ء**

کچھ غالب کے بارے میں

سیر اختشم، اودھ اخبار شمارہ ۲۶ اور بوئے خلد وغیرہ میں مرزا غالب کا جو ذکر آیا ہے

ان کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔

☆ **عرشی۔ امتیاز علی۔ فیض الاسلام راولپنڈی ستمبر ۵۵ء**

غالب کے آثارِ فارسی

غالب کے فارسی کلام کا مختصر انتخاب اور ان کے مختصر حالات زندگی کے ساتھ ساتھ یہ

بتایا گیا ہے کہ غالب کی عظمت اور بزرگی اہلِ ایران کی نظر میں کیا ہے۔

☆ **علم دوست۔ زمانہ۔ جولائی ۱۹۳۶ء**

کتب خانہ حبیب گنج میں غالب کی یادگاریں

☆ **عمیق حنفی۔ صبا حیدرآباد۔ اپریل ۶۰ء**

غالب اور فلسفہ

غالب کو غیر فطری شاعر کہنا قرین صحت نہیں اس کے برعکس اسے فلسفی شاعر ثابت کرنا

بھی سعی لاحاصل ہے۔

☆ **شوکت میرٹھی۔ صلائے عام دہلی۔ اگست ۱۹۱۷ء**

حضرت غالب دہلوی کے کلام کے حاسد

غالب کے مخالفین پر تنقید۔

☆ فصیح الدین (بلخی)۔ نگار مئی ۵۳ء

صوبہ بہار میں غالب کی مقبولیت

مرحبا سوہن و جاں بخشی آبش غالب
خندہ بر گمرہی خضر و سکندر دارم

غالب کے اس شعر کی بنا پر یہ ثابت کیا ہے کہ غالب عظیم آباد بھی گئے اور اس کے بعد ان کے ان شاگردوں کا بھی ذکر کیا ہے جو بہار کے تھے آخر میں پاس عظیم آبادی کا ذکر ہے۔

☆ قادری۔ حامد حسن۔ اردو۔ اکتوبر ۵۵ء

افکار غالب

خلیفہ عبدالحکیم کی کتاب ''افکارِ غالب'' پر تبصرہ۔

☆ صبیح احمد کمالی۔ نگار۔ جون ۴۹ء

آرٹ غالب کی نظر میں

غالب کے نزدیک آرٹ حقایق ہستی کی تفسیر کا نام ہے۔

☆ مالک رام۔ معارف اعظم گڑھ اگست ۵۹ء

غالب سے منسوب دوسرا سکہ اور اس کی حقیقت

ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی نے جیون لال کے حوالے سے غالب کے جس سکہ شعر کا ذکر کیا ہے۔ مضمون نگار نے اس سے بحث کرتے ہوئے اس کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

☆ مالک رام۔ معارف اعظم گڑھ فروری ۱۹۵۹

غالب پر "سکہ" کا الزام اور اس کی حقیقت

ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی کا ایک مضمون معارف نومبر ۵۸ء میں شائع ہوا ہے جس میں غالب پر سکہ شعر کہنے کے الزام کی تردید کی گئی ہے۔ مقالہ نگار نے اپنے مقالے میں صادق الاخبار، دہلی سے شہادت پیش کی ہے کہ اصل میں یہ حافظ ویران کا کہا ہوا ہے۔

☆ مالک رام۔اردو۔اورنگ آباد۔اپریل ۴۰ء

بادۂ کہن ۔ مرزا غالب کی ایک نایاب غزل

غزل کی یہ غزل ان کے خسر الٰہی بخش خاں معروف سے ماخوذ ہے۔غزل کا مطلع درج

ذیل ہے۔

اپنا احوال دل زار کہوں یا نہ کہوں

ہے حیا مانع اظہار کہوں یا نہ کہوں

☆ مالک رام۔آج کل فروری ۱۹۵۹ء

نواب افضل الدولہ بہادر آصف جاہ پنجم

۱۸۵۷ء — ۱۸۶۹ء

ریاست حیدرآباد کی ابتدا سے لےکر آج تک کے حالات مختصراً پیش کیے گئے ہیں۔اور

غالب کا اور قصیدہ جو انہوں نے نواب افضل الدولہ کی مدح میں کہا تھا۔منظر عام پر لایا گیا ہے۔

☆ مالک رام۔آج کل مارچ ۱۹۵۸ء

غالب سوسائٹی

غالب سوسائٹی دہلی کی بنیاد اور اس کے اغراض و مقاصد بتائے گئے ہیں۔

☆ محمد حسن۔آج کل۔جولائی ۱۹۵۶ء

غالب کے چند اہم نقّاد

ناقدینِ غالب کا تذکرہ۔

☆ محمد ذاکر۔اردو معلی دہلی شمارہ اول۔غالب نمبر ۶۰ء

دیوانِ غالب کا پہلا اور آخری مطبوعہ نسخہ

غالب کے پہلے مطبوعہ دیوان اور نسخۂ عرشی کے اختلافات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

☆ مشتاق احمد دہلوی۔ ہمایوں جولائی ۱۹۴۱ء

محفل ادب

(غالب کی دلّی)

غالب نے دلّی کے تین مختلف دور دیکھے۔ ان اَدوار کا تذکرہ۔

☆ مہر غلام رسول ماہ نو کراچی فروری ۱۹۵۶ء

غالب کا تصور جنت و دوزخ

غالب کے اشعار کی مدد سے ان کے تصور جنت و دوزخ کو پیش کیا ہے۔

☆ مہیش پرشاد۔ مولوی نوائے ادب۔ جنوری ۱۹۵۱ء

مرزا غالب کے ایّام میں ڈاک

مرزا نے بعض خطوط میں ان کے لکھے جانے کی تاریخ درج کی ہے نیز کہیں کہیں نظام ڈاک کے بارے میں اشارے بھی کیے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں چٹھیاں بھیجنے اور بانٹنے کے کیا انتظامات تھے۔

☆ نادم سیتاپوری۔ شاعر بمبئی اگست ۱۹۵۹ء

غالب پہلی بار اردو تذکرے میں

۱۸۴۷ء میں مولوی کریم الدین نے ''طبقات الشعراء ہند'' شائع کیا یہ اردو کا پہلا تذکرہ ہے جس میں پہلی بار غالب کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

☆ ناطق لکھنوی۔ زمانہ۔ ستمبر ۱۹۴۰ء

مباحثہ قتیلؔ و غالب

سید اسد علی انوری نے قتیل اور غالب کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا تھا۔ جس میں غالب پر اعتراضات کیے گئے تھے۔ مقالہ نگار نے ان کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔

☆ نصیر الدین ڈاکٹر۔ نگار ستمبر ۴۴ء

غالب کا ایک غیر مطبوعہ قطعۂ تاریخ

ڈاکٹر نصیر الدین علوی نے میرٹھ سے یہ قطعۂ تاریخ حاصل کر کے نگار میں اشاعت کے لیے روانہ کیا تھا۔

☆ **نیاز فتح پوری۔ اردوئے معلیٰ غالب نمبر شمارہ نمبر ا۔ ۶۰ء**

میرا اولین تعارف غالب سے

مضمون نگار کا اولین تعارف غالب سے اس وقت ہوا جب وہ بچپن میں والد مرحوم سے درس لیا کرتے تھے۔ اس کا ذکر دلچسپ انداز میں کیا گیا ہے۔ آخر میں غالب کی شاعری کے عاشقانہ اور فلسفیانہ پہلوؤں پر مختصر تبصرہ بھی ہے۔

☆ **ہاشمی نصیر الدین نقوش لاہور۔ فروری مارچ ۵۳ء**

غالب اور حیدر آباد

مضمون میں غالب کے اجداد، ان کی شاعری اور ان کے تلامذہ کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ اگر چہ وہ حیدر آباد کبھی نہیں گئے۔ لیکن اس شہر سے انہیں خاص تعلق رہا۔

☆ **ہاشمی، نور الحسن۔ مجموعہ: ادب کا مقصد**

غالب کی قدر۔ ماضی، حال اور مستقبل میں

ماضی نے غالبؔ کی قدر نہیں کی۔ حال غالب کا قدر شناس ہے۔ غالب کی زندگی اور شاعری پر مختلف پہلوؤں سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

☆ **یاسؔ۔ مرزا۔ مخزن ۱۹۱۸ء**

مرزا غالب اور میں

اس مضمون میں مرزا یاسؔ نے غالب کے سلسلے میں اپنے تنقیدی مضامین کے متعلق لکھا ہے کہ حضرات ثاقب، صفی عزیز کی دلخراش باتیں تھیں جس نے انہیں ایسا کرنے پر مجبور کیا۔

☆ یان ماریک، ڈاکٹر (پراگ)۔اردوئے معلی دہلی شمارہ اول۔غالب نمبر ۱۹۶۰ء

چیک زبان میں دیوان غالب کا ترجمہ

مضمون نگار چیکوسلوکیہ کے باشندے ہیں۔انہوں نے چیکوسلوکیہ میں غالب سے بڑھتی ہوئی دلچسپی کا ذکر کیا ہے۔دیوان غالب کے منتخب اشعار کا چیک زبان میں ترجمہ ایک نوجوان چیک خاتون نے کیا تھا جو وہاں کے ایک رسالے میں شائع ہوتا رہا۔قارئین کے اصرار پر اسے کتابی شکل میں شائع کرایا جارہا ہے۔

ضمیمہ

☆ احتشام حسین۔ شاعر جون ۱۹۵۹ء

اردو ادب غالب کے عہد تک

☆ تمکین کاظمی۔ تحریک۔ اپریل ۱۹۵۹ء

تلامذہ غالب مصنفہ مالک رام

☆ سرور۔ آل احمد۔ ہماری زبان۔ ۱۵؍فروری ۵۹ء

غالب کی یاد میں

☆ سعیدالدین شیرکوٹی۔ قند۔ ستمبر ۱۹۵۹ء

غالب کے بعض مطالب کی نئی تحقیق

☆ حامد علی خاں رامپوری۔ نگار۔ جون ۵۹ء

غالب کی ایک ناموزوں رباعی

ع دکھ جی کے.........

☆ حسن۔ ایس۔ ایم۔ نوائے ادب اپریل ۵۹ء

نساخ اور مرزا غالب

☆ خلیل الرحمن (لوڈی)۔ ماہ نو۔ فروری ۱۹۵۹ء

دیوان غالب اردو کا ایک اور نسخہ مکتوبہ ۱۸۴۵ء

☆ رفعت، مبارز الدین۔ نگار۔ اپریل ۵۹ء

غالب کا ایک غیر مطبوعہ خط بنام ذکاء

☆ شاہد صدیقی۔ آج کل۔ فروری ۵۹ء

غالب اور عارف

☆ عباسی۔ اقرار احمد۔ علی گڑھ میگزین ۵۹ء

غالب کے خطوط

☆ عرشی۔ امتیاز علی۔ نیا دور۔ مارچ ۵۹ء

اردو شاعری پر غالب کا اثر

☆ فاروقی۔ خواجہ احمد۔ معارف فروری۔ اگست ۵۹ء

غالب پر سکّہ کا الزام

☆ فاروقی۔ نثار احمد۔ نقوش ۷۷۔ ۷۸۔ ۵۹ء

تلامذۂ غالب مصنفہ مالک رام

☆ فرخ جلالی۔ آج کل فروری ۵۹ء

کچھ غالب کے بارے میں

☆ نقوی، سید قدرت۔ ماہ نو فروری ۱۹۵۹ء

غالب کے خطوط کی تاریخیں اور ترتیب

☆ مالک رام۔ نوائے ادب اپریل ۵۹ء

مرزا یوسف

☆ مالک رام۔ آج کل مئی ۱۹۵۹ء

مثنوی مہر و ماہ

☆ مسعود احمد۔ فاران۔ ستمبر ۱۹۵۹ء

غمگیںؔ دہلوی ثم گوالیاری

☆ غالب۔ اسد اللہ خاں۔ رسالہ دہلی سوسائٹی ۱۸۶۶ء

مضمون نواب اسد اللہ خاں صاحب المتخلص بہ غالب

مضمون میں غالب نے سوسائٹی کے جلسے میں شرکت نہ کر سکنے کی معذرت کی ہے۔

☆ ادارہ۔ صلائے عام۔ ستمبر ۱۹۱۴ء

دلّی — از زبانِ غالب دہلوی

خطوط غالب بنام مجروح کے ان اقتباسات کو مرتب کیا گیا ہے جن میں دہلی کا ذکر ملتا ہے۔

☆ ادارہ۔ صلائے عام دہلی۔ مارچ ۱۹۱۷ء

نمونۂ نثرِ غالب

سید رحمت علی خاں بہادر کی تصنیف ''سراج المعرفت'' پر غالب نے دیباچہ لکھا تھا۔ اسی کو نقل کیا گیا ہے۔

غالب کا زائچہ

(تاریخ پیدائش)

مسلم ضیائی

غالب کا یہ زائچہ کلیات نظم فارسی نولکشور لکھنؤ مطبوعہ ۱۸۷۲ء میں ص ۱۹۸ کے محاذی شائع ہوا تھا۔ ۱۸۴۵ء کے مطبوعہ نسخہ میں موجود نہیں اور ۱۸۷۸ء کا نسخہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ بہر حال اس میں حسب ذیل تحریر لائق توجہ ہے:

''زائچہ طالع ولادت سعادت مطالع جناب غالب مدظلہ العالی کہ۔''

''بوقت شب چہار گھڑی پیش از طلوع صبح روز یکشنبہ۔''

''ہشتم رجب ۱۲۱۴ھ مطابق آغاز ۱۷۹۸ء روئے دارو حسب استنباط پترہ ہندی نیز طالع قوس است مگر ششمیں درجہ و آفتاب و ذنب در طالع واقع۔''

غالب پر لکھنے والوں نے عام طور سے سن پیدائش ۱۲۱۳ھ ہی لکھا ہے اور غالب کی دوسری تحریروں مثلاً صاحب عالم مارہروی کی تاریخ پیدائش 'تاریخ' کے مقابلہ میں 'تاریخیں' اور حسب ذیل قطعہ سے بھی یہی سن نکلتا ہے:

غالب چو زنما سازی فرجام نصیب
ہم بیم عدو دارم وہم ذوق حبیب
تاریخ ولادت من از عالم قدس
ہم 'شورش شوق' آمد وہم لفظ غریب

اس لیے ۱۲۱۴ھ کے غلط چھپ جانے کے بارے میں کوئی شبہ نہیں پیدائش کے دن کے بارے میں عموماً خاموشی اختیار کرلی جاتی ہے۔ آٹھویں رجب ۱۲۱۲ھ کو تقویمی اعتبار سے یکشنبہ نہیں چہار شنبہ تھا (۲۷/دسمبر ۱۷۹۷ء) جو اس زائچے کے لحاظ سے غلط قرار پاتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر ۱۲۱۳ھ مانا جائے تو آٹھویں رجب کو یکشنبہ کا دن نکلتا ہے (۱۶ دسمبر ۱۷۹۸ء) جو اس زائچہ میں درج ہے — چونکہ لوگ تاریخ تو بھول جاتے ہیں لیکن دن نہیں بھولتے اس لیے یہ 'غلطی' واقعی تعجب خیز ہے۔ ممکن ہے ماہرین نجوم اس پر روشنی ڈال سکیں۔

غالب کے زمانہ میں اہل ثروت اور اہل علم اشخاص کو نجوم سے بھی بڑی دلچسپی تھی اور نومولودوں کے لیے زائچے یا جنم پتریاں بنائی جاتی تھیں چنانچہ غالب کا یہ زائچہ بھی ان کی پیدائش پر بنایا گیا تھا۔

اس سلسلہ میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ غالب کو بھی مومن کے مانند اپنی 'ستارہ شناسی' کا ادعا تھا جس کا اظہار انھوں نے اپنے بعض اشعار میں بھی کیا ہے چنانچہ کہتے ہیں:

ہم چو من شاعر وصوفی ونجومی وحکیم
نیست در دہر قلم مدعی ونکتہ گو است

موافق استخراج تقویم یونانے
سہم السعادت
زہم الغیب
وحسب استنباط پترہ ہندی نیز طالع قوس مگر ششمین درجہ آفتاب وذنب در طالع واقع
متعلق قصیدہ ۸ صفحہ ۱۹۸
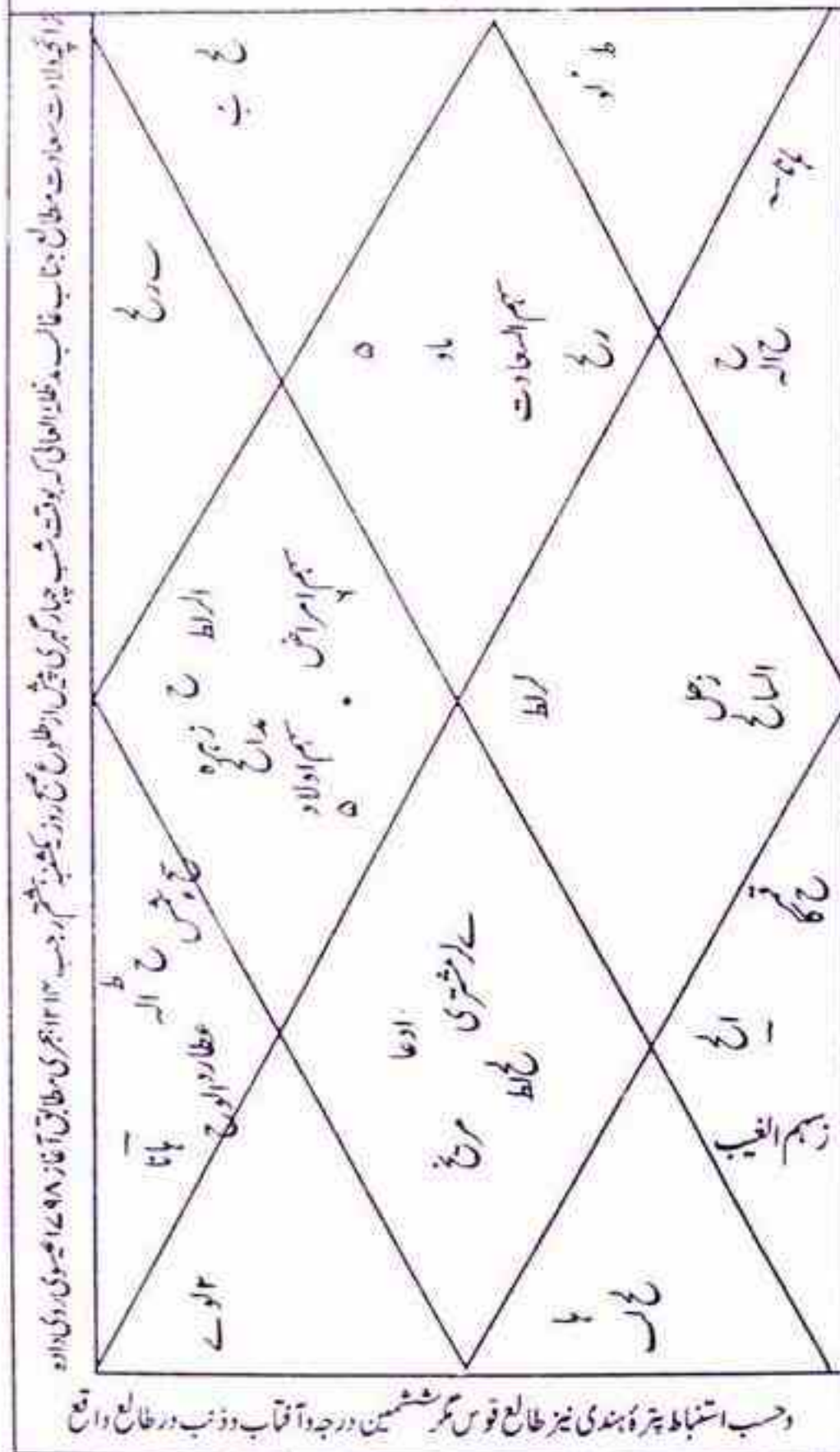
یہ زائچہ کس نے بنایا اور کلیات کے پہلے ایڈیشن میں کیوں نہیں شائع کیا گیا اس کے بارے میں جملہ ماخذات خاموش ہیں لیکن غالب نے ایک منقبتی قصیدے میں اپنے زائچہ کی تشریح کی ہے جس کے متعلقہ اشعار حاضر خدمت ہیں۔ ان میں 'ہنگامہ الہ آباد' والا شعر خاص طور سے 'غالبین' کی توجہ کا مستحق ہے۔

غالب
منقبتی قصیدہ

مگر مرا دل کافر بود شب میلاد — کہ ظلمتش دہد از گور اہل عصیاں یاد

بہ طالے زعدم آمدم بہ باغ وجود — کہ رفتہ بود بہ دروازۂ عدم شداد

خروش مرگ کہ طوفان ناامیدی ہاست — غریو یاس کہ مرگے بہ تو مبارکباد

طلوع نشاۂ بیم ہلاک طالع وقت — ہجوم عرض بلا ہائے تازہ عرض بلاد

جحیم ناظر وخشم خدائی مستولے — سہیم دشمن وہیلاج دیدہ حساد

قضا نگارش اسرار شکل زائچہ را — کند زوود دل دردمند اخذ مداد

مگوی زائچہ کایں نسخہ ایست از انتقام — مگوی زائچہ کایں جامعیت از اضداد

خود اصل طالع من جزوی از کمانستے — کزدست ناوک غم را ہزار گونہ کشاد

خرام زہرہ بطالع اگرچہ دادہ نشاں — ہم از لطافت طبع وہم از صفائے نہاد

ولی از انکہ غریب است زہرہ اندر قوس — نشستہ بر رخ نقد قبول گرد کساد

تو گوی از اثر انتقام ہاروت است — کہ مر بطالع من چرخ زہرہ را جا داد

بہ صفر جدی ذنب را اشارۂ باشد — باک و حلقہ دام وکمیں گہ صیاد

چہ دام روح درداں راگزارش پروبال — چو صفر رنج والم را فزائش اعداد

زمہر وپیکر ترا شکار گشتہ دبجدے — فروغ اخگر رخشندہ وکفے زرباد

بحوت درشدہ ہم مشتری وہم مریخ — یکی کفیل صلاح ویکی دلیل فساد

یکی بہیات پیرے کہ ناگہ از غوغا — بہ کنج صومعہ واماندہ باشد از اوراد

یکی به صورت ترکی که از پے یغما   ستیز جوئے در آید بخانہ زہاد
قمر به ثور که شانه ششم باشد   چو نور خویش کند ستگاہ خصم زیاد
سیاہ گشت و پیکرز سیلی کیوان   چنانکه از اثر خاک تیرہ گردد باد
بدیں دو نحس نگر تا چه شکل مستقبل   کشیدہ اندر تربیع خویش در اوتاد
بچار میں کدہ بہرام پنجمیں پایه   به ہفتمیں زدہ کیوان ہفتمیں بنیاد
کند چو ترک ستمگر به کشتن استعجال   کند چو ہندو رہزن برون استبداد
زخوت ہیبت طوفان نوح پردہ کشا   عیاں ز صورت جو زانہیب صرصر عاد
مرا چو سایه سیاہست روز وشب تاریک   مرا چو شعله معاش است دود ودل غمعاد
کبود پوشم وقرطاس پیرہن سازم   گہے به ماتم دانش، گہے به حسرت داد
نفس به لرزہ زباد نہیب کلکته   نگاہ خیرہ ز ہنگامه اله آباد
تو اے ستارہ ندانی که رنجم از آزاد   تو اے سپہر نه سنجی که ترسم از بیداد
تراغمیست بسرمایه گرانی کوہ   مراد میست به نیروی تیشه فرہاد
من وبلائے تو لطع ادیم وتاب سہیل   من وجفائے تو شاگرد وسیلی استاد
فغان وحوصله دل شرارۂ وخارا   غبار وناصیه بخت جوہر وفولاد
من وستم دل رنجور والتفات طبیب   من وخطر رگ مجنون ونشتر فصاد

....

ستارہ راہمه رفتار از اقتصادی قضاست   چنانکه جنبش نرداز انامل نراد

....

فلک کجای وطالع چه وستارہ کدام   کنم شکایت دشمن زدوست شرمم باد
غزل سرایم و در مہر پیچم از اندوہ   ترانه سنجم وبرخیزم از سرفریاد

بیا که شوق عنان سخن بگرداند
بیا که نیست ودامی بدیں بیاض وسواد

غالب کی صحیح تاریخ پیدائش

سید صمد حسین رضوی

عام طور پر یہ فرض کرلیا گیا کہ مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی کی تاریخ پیدائش ۸ رجب ۱۲۱۲ ہجری مطابق ۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ عیسوی بروز چہار شنبہ ہے۔ یہاں تک کہ مولانا غلام رسول مہر نے بھی اپنی کتاب 'غالب' میں یہی تاریخ پیدائش لکھی ہے اور جناب مالک رام صاحب نے بھی 'ذکر غالب' میں اسی تاریخ پیدائش کو صحیح بتایا ہے۔ لیکن یہ معلوم کر کے اہل علم و ادب حضرات کو حیرت ہوگی کہ غالب کی صحیح تاریخ پیدائش ۸ رجب ۱۲۱۱ ہجری مطابق ۸ جنوری ۱۷۹۷ عیسوی بروز یکشنبہ ہے۔ غالب یک شنبے کے دن اکبر آباد یعنی آگرے کے مقام پر علی الصباح طلوع آفتاب سے چار گھڑی قبل یعنی انڈین اسٹینڈرڈ ٹائم کے مطابق صبح پانچ بج کر ۳۶ منٹ پر پیدا ہوئے تھے۔

اگر چہ اہل اسلام، اہل یونان اور اہل مغرب کے اصول کے مطابق غالب کی پیدائش اتوار کے دن ہی ہوئی تھی، کیونکہ اہل اسلام کا دن ایک غروب آفتاب سے دوسرے غروب آفتاب

تک سمجھا جاتا ہے اور اہل یونان و اہل مغرب کا دن ایک نصف شب سے دوسری نصف شب تک مانا جاتا ہے لیکن ہندوؤں کی تقویم کے مطابق غالب کی پیدائش سنیچر کے دن کی سمجھی جائے گی کیونکہ ہندوستان کے تمام جیوتشی عام طور پر دن کا شمار ایک طلوع آفتاب سے دوسرے طلوع آفتاب تک کرتے ہیں۔ چونکہ غالب اتوار کا سورج نکلنے سے چار گھڑی پہلے پیدا ہوئے تھے اس لیے ان کی پیدائش اتوار کے دن میں شمار نہیں کی جائیگی بلکہ اس سے پچھلے دن یعنی سنیچر کے دن میں شمار ہوگی۔ ہندو جیوتشیوں کے مطابق نئے دن کی ابتدا طلوع آفتاب سے ہوتی ہے۔ ان دن رات کی مدت کو ساٹھ برابر کے حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اور ہر حصے کو ایک گھڑی کہتے ہیں۔ ہر گھڑی کے بھی ساٹھ حصے کیے جاتے ہیں اور ہر حصے کو ایک پل کہتے ہیں۔ طلوع آفتاب سے پیدائش کے وقت تک جتنی گھڑی پل میں گزر جاتی ہے اسے 'شٹ کال' کہتے ہیں۔ لہٰذا ہندو جیوتش کے مطابق غالب کی پیدائش سنیچر کے دن، ۵۶ گھڑی صفر پل اشٹ کال پر ہوئی تھی، اور پیدائش کے وقت سمیت ۱۸۵۳ بکرمی تھا۔ شاکا ۱۷۱۸ شالباہن تھا، پوس کا مہینہ تھا، شدی پاکھ تھا، ڈشمی تتھی تھی، بھرنی نکشتر تھا، سادھیہ یوگ تھا تینل کرن تھا اور دھن راس کی لگن تھی۔

مندرجہ بالا تمام تفصیلات میں نے غالب کے اس زائچے کی مدد سے حساب لگا کر حاصل کی ہیں جو غالب کے 'کلیات فارسی' کے نولکشوری ایڈیشن میں شائع ہوا تھا اور جس کا عکس اس مضمون کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ اس زائچے کے ساتھ ہی غالب کا وہ عظیم الشان قصیدہ بھی ہے جو انھوں نے سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام کی شان میں کہا ہے۔ اس قصیدے کا ایک ایک لفظ پڑھنے، سمجھنے اور غور کرنے کے قابل ہے۔ اس قصیدے کی تشبیب میں غالب نے اپنے اسی زائچے پر سیر حاصل تبصرہ اپنے خاص انداز میں کیا ہے، اور بڑے عالمانہ و شاعرانہ پیرائے میں زائچے کے مختلف سیاروں کے سعد و نحس اثرات کا ذکر کیا ہے جس سے بلا شک و شبہ یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ غالب علم نجوم پر کامل عبور رکھتے تھے۔ اس زائچے کی تفصیل اور متعلقہ قصیدے کی تشبیب پر تبصرہ کرنے سے پہلے میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ عام پڑھنے والوں کی سہولت اور دلچسپی کے لیے علم نجوم کی وہ چند ابتدائی باتیں اور اصطلاحات نہایت اختصار کے ساتھ آسان الفاظ میں بیان کر دی جائیں جن کو سمجھے بغیر

زائچے کی تفصیل اور قصیدے کی تشبیب اچھی طرح سمجھ میں نہیں آسکتی۔

منجمین نے آسمان پر اس فرضی دائرے کو، جس پر آفتاب اور دیگر سیارے حرکت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، بارہ برابر کے حصوں میں تقسیم کرلیا ہے اور ہر حصے کو برج کہتے ہیں۔ ان بروج کے سعد و نحس اثرات وغیرہ بھی مقرر کرلیے گئے ہیں جو کسی بھی نجوم کی کتاب کو پڑھ کر معلوم کیے جاسکتے ہیں۔ اس مقام پر میں صرف وہی باتیں بتاؤں گا جن کا تعلق نفس مضمون سے ہے۔ کیونکہ پورے دائرے میں ۳۶۰ درجے ہوتے ہیں اس لیے ہر برج میں ۳۰ درجے شمار کیے جاتے ہیں اور ہر درجے کے ساٹھویں حصے کو دقیقہ کہتے ہیں۔ ان بارہ بروج کے عربی نام بالترتیب یہ ہیں: (۱) حمل، (۲) ثور، (۳) جوزا، (۴) سرطان، (۵) اسد، (۶) سنبلہ (۷) میزان، (۸) عقرب، (۹) قوس، (۱۰) جدی، (۱۱) دلو، (۱۲) حوت — برج حوت کے فوراً بعد پھر برج حمل شروع ہوجاتا ہے اور یہ سلسلہ اسی طرح ایک دائرے کے اندر چلتا رہتا ہے۔ ہندوؤں کی پتڑہ کے مطابق برج کو راستے کہتے ہیں۔ (۱) میکھ، (۲) برکھ، (۳) متھن، (۴) کرک، (۵) سنگھ، (۶) کنیا، (۷) تلا، (۸) برشیک، (۹) دھن، (۱۰) مکر، (۱۱) کنبھ، (۱۲) مین — ان بروج کے نام ان فرضی شکلوں کے مطابق رکھے گئے ہیں جو مختلف مجمع النجوم کی وجہ سے آسمان پر نظر آتی ہیں اور مشاہدۂ فلک کی ذراسی مشق کے بعد آسانی سے پہچانی جاسکتی ہیں۔ لہٰذا حمل کی شکل ایک مینڈھے کی طرح ہے جس کا مزاج خاکی ہے اور خاصیت ثابت ہے۔ جوزا کی شکل دو انسانی جسموں کی طرح ہے جس کا مزاج بادی ہے اور خاصیت ذو جسدین ہے۔ سرطان کی شکل ایک کیکڑے کی طرح ہے جس کا مزاج آبی ہے اور خاصیت منقلب ہے۔ اسد کی شکل ایک شیر کی طرح ہے جس کا مزاج آتشی ہے اور خاصیت ثابت ہے۔ سنبلہ کی شکل ایک لڑکی کی طرح ہے جس کا مزاج خاکی ہے اور خاصیت ذو جسدین ہے۔ میزان کی شکل ایک ترازو کی طرح ہے جس کا مزاج بادی ہے اور خاصیت منقلب ہے۔ عقرب کی شکل ایک بچھو کی طرح ہے جس کا مزاج آبی ہے اور خاصیت ثابت ہے۔ قوس کی شکل ایک کمان کی طرح ہے جو ایک عجیب و غریب مخلوق کے ہاتھ میں ہے، جس کا مزاج آتشی ہے اور خاصیت ذو جسدین ہے۔ جدی کی شکل ایک عجیب الخلقت جانور کی طرح ہے جو دریائی بھی ہے، صحرائی بھی ہے اور چھپ کر حملہ کرتا ہے، جس کا مزاج خاکی ہے اور

خاصیت منقلب ہے (دلو کی شکل ایک گھڑے کی طرح ہے جو ایک مرد کے ہاتھ میں ہے جس کا مزاج بادی ہے اور خاصیت ثابت ہے۔ حوت کی شکل دو مچھلیوں کی طرح ہے جن کی دمیں جڑی ہوئی ہیں۔ اس برج کا مزاج آبی ہے اور خاصیت ذو جسدین ہے۔

برج حمل کی ابتدا کی شناخت کے لیے آسمان پر ایک چھوٹا سا ستارہ مقرر کرلیا گیا ہے جسے اصطلاح نجوم میں نقطۂ اول حمل کہتے ہیں۔ اہل مغرب میں استعارے کو زیٹا پسیم کہتے ہیں۔ قدیم زمانے میں یہی وہ نقطہ تھا جہاں پر جب شمس پہنچتا تھا تو تمام دنیا میں دن اور رات برابر ہوجاتے تھے اور موسم اعتدال پر آجاتا تھا، اسی لیے اسے نقطۂ اعتدال بھی کہتے تھے اور چونکہ اس وقت فصل ربیع کا زمانہ ہوتا تھا اس لیے اسے نقطۂ اعتدال ربیعی کہتے تھے لیکن سینکڑوں سال بعد معلوم ہوا کہ نقطۂ اعتدال ربیعی دراصل نہایت آہستہ آہستہ نقطۂ اول حمل سے پیچھے کی طرف ہٹ رہا ہے، یعنی شمس نقطۂ اول حمل پر پہنچنے سے پہلے ہی نقطۂ اعتدال ربیعی پر پہنچ جاتا ہے اور اس طرح شمس کے برج حمل میں داخل ہونے سے پہلے ہی دن رات برابر ہوجاتے ہیں اور موسم اعتدال پر آجاتا ہے۔ یہ فرق معلوم ہونے کے بعد اہل یونان نے نقطۂ اعتدال ربیعی ہی کو نقطۂ اول حمل بھی مان لیا اور عہد قدیم میں مقرر شدہ چھوٹے سے شناختی ستارے کو نظر انداز کردیا، اور بارہ بروج کی ابتدا نقطۂ اعتدال ربیعی ہی سے شمار کرنی شروع کردی لیکن اہل ہند نے پیچھے ہٹتے ہوئے نقطۂ ربیعی کو قابل اعتنا نہیں سمجھا اور بارہ بروج کی ابتدا اسی چھوٹے سے ستارے سے کرتے رہنے کا فیصلہ کیا جو عہد قدیم میں نقطۂ اول حمل کی شناخت کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ اسی وقت سے اہل یونان اور اہل ہند کی تقویم میں فرق پڑ گیا۔ اس طرح اہل یونان کے بروج دراصل آسمانی مجمع النجوم کی شکلوں کے پابند نہیں رہے بلکہ محض فرضی و عارضی ہوکر رہ گئے، جو متواتر پیچھے کی طرف سرکتے جارہے ہیں لیکن اہل ہند کے بروج عہد قدیم کی طرح اب بھی مجمع النجوم کی شکلوں کے پابند ہیں اور حقیقی و مستقل ہیں جو کبھی آگے یا پیچھے نہیں سرکتے۔ بہرحال یہ فرضی نقطۂ اول حمل آہستہ آہستہ حقیقی نقطۂ اول حمل سے پیچھے سرکتا جارہا ہے اور ایک سال میں تقریباً ایک دقیقے سے کچھ کم پیچھے سرک جاتا ہے۔ ان دونوں نقطوں کے درمیان جو فاصلہ ہوتا ہے اسے اہل ہند اینانش کہتے ہیں۔ یعنی اگر انحراج تقویم ہندی کے مطابق معلوم کیے ہوئے سیاروں کے مقامات میں اینانش کو جمع کردیا جائے

تو تقویم یونانی حاصل ہو جائے گی اور اس کے برعکس اگر استخراج تقویم یونانی میں سے ایناَنش کو تفریق کر دیا جائے تو تقویم ہندی حاصل ہو جائے گی۔ ایناَنش کی مقدار میں بھی منجمین کا بہت کچھ اختلاف ہے لیکن یہ اختلاف چند درجوں یا چند دقیقوں سے زیادہ نہیں ہے۔ غالب کی پیدائش کے وقت ایناَنش تقریباً ۲۱ درجے تھا، اور ان کا زائچہ موافق استخراج تقویم یونانی بنایا گیا تھا۔

مندرجہ بالا بارہ بروج کی شکلوں کے تمام ستارے اپنی جگہ ہمیشہ قائم اور ثابت رہتے ہیں جس کی وجہ سے ان بروج کی شکلیں بھی ہمیشہ یکساں رہتی ہیں۔ ان ثوابت کے درمیان چند سیارے بھی نظر آتے رہتے ہیں جو اپنی جگہ قائم نہیں رہتے بلکہ ہمیشہ آہستہ آہستہ اپنی جگہ تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ یہ سیارے کبھی مشرق سے مغرب کی طرف حرکت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور کبھی مغرب سے مشرق کی طرف سرکتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ جب یہ سیارے مغرب سے مشرق کی طرف چلتے ہیں تو ان کی رفتار کو سیدھی چال یا استقامت کہتے ہیں اور جب یہ مشرق سے مغرب کی طرف چلتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں تو ان کی رفتار کو الٹی چال یا رجعت کہتے ہیں۔ ان سیاروں کی رفتار ہمیشہ یکساں نہیں رہتی بلکہ کبھی تیز ہو جاتی ہے اور کبھی دھیمی پڑ جاتی ہے۔ ان سیاروں میں شمس اور قمر سب سے زیادہ روشن ہیں۔ ان دونوں کو نیرین کہتے ہیں اور یہ ہمیشہ استقامت میں رہتے ہیں۔ نیرین کے علاوہ پانچ سیارے مریخ، عطارد، مشتری، زہرہ اور زحل بھی ہیں جو کبھی استقامت میں ہوتے ہیں، کبھی رجعت میں، اسی لیے ان پانچوں کو خمسۂ متحیرہ کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ دو فرضی نقطے بھی ہیں جو دراصل مدار شمسی اور مدار قمری کے نقاط تقاطع ہیں۔ ایک نقطے کو ذنب اور دوسرے نقطے کو راس کہتے ہیں۔ علم نجوم میں ان دونوں کو بھی کسی حد تک دو نحس سیاروں کی سی حیثیت دے دی گئی ہے۔ یہ دونوں ہمیشہ رجعت میں رہتے ہیں اور ایک دوسرے سے ہمیشہ چھ بروج کے فاصلے پر رہتے ہیں۔ یعنی ہمیشہ ایک دوسرے کے مقابل اور روبرو رہتے ہیں اس لیے اگر ایک کا مقام معلوم ہو جائے تو دوسرے کا مقام خود بخود حاصل ہو جاتا ہے۔ ہندوؤں کی پترہ کے مطابق ان نو سیاروں کے نام بالترتیب یہ ہیں: (۱) سوریہ، (۲) چندر، (۳) منگل، (۴) بدھ، (۵) برہسپتی، (۶) شکر، (۷) شنی، (۸) راہو، (۹) کیتو — یہی نو عدد سیارے زیادہ مشہور ہیں اور ان سیاروں کے مختلف سعد و نحس اثرات مفصل طور پر مقرر کر لیے گئے

غالب کا زائچہ بحساب یونانی

غالب کا زائچہ بہ حساب ہندی
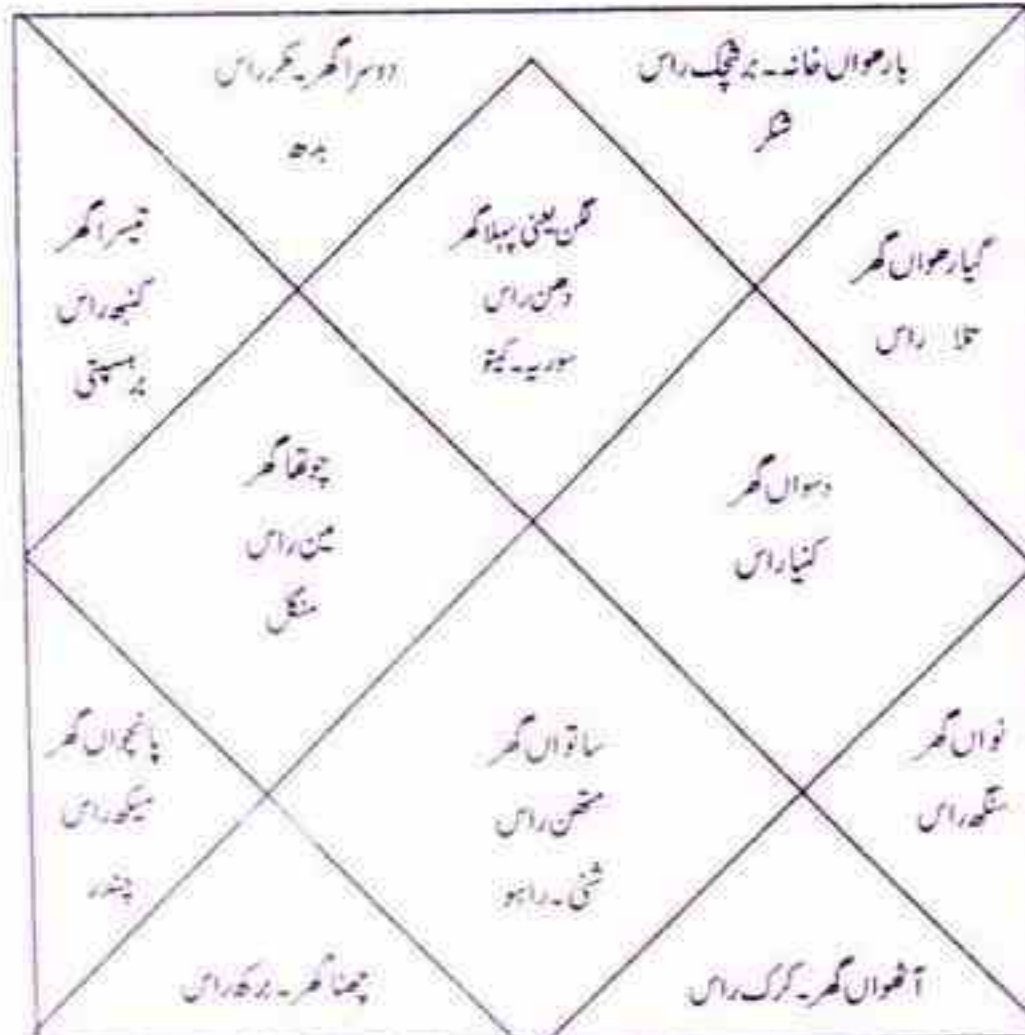
ہیں جو علم نجوم کی مختلف کتابوں میں درج ہیں۔ ان کی حرکتوں کا صحیح حساب بھی معلوم کر لیا گیا ہے جو علم ہیئت کی مختلف کتابوں میں درج ہے۔ پڑھنے والوں کی واقفیت کے لیے صرف چند ضروری باتیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

شمس: شمس نحس سیارہ سمجھا جاتا ہے اور فلک چہارم سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا مزاج آتشی ہے اور شہنشاہ فلک کہلاتا ہے۔ قمر، مریخ اور مشتری اس کے دوست ہیں۔ زہرہ اور زحل اس کے دشمن ہیں۔ عطارد اس سے بے تعلق ہے۔ یہ برج اسد کا مالک ہے اور برج دلو میں اس پر وبال آتا ہے۔ حمل میں شرف اور میزان میں ہبوط ہوتا ہے۔ جوزا میں اوج اور قوس میں حضیض واقع ہے۔ یہ اپنی اوسط رفتار سے ایک درجے کو تقریباً ایک دن میں، ایک برج کو تقریباً ایک مہینے میں، اور پورے دائرہ بروج کو تقریباً ایک سال میں طے کر لیتا ہے۔ یہ ہمیشہ استقامت میں رہتا ہے۔

قمر: قمر سعد سیارہ سمجھا جاتا ہے اور فلک اول سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا مزاج آتشی ہے اور شہنشاہ فلک کہلاتا ہے۔ شمس اور عطارد اس کے دوست ہیں۔ کوئی اس کا دشمن نہیں ہے۔ مریخ، مشتری، زہرہ اور زحل اس سے بے تعلق ہیں۔ یہ برج سرطان کا مالک ہے، برج جدی میں اس پر وبال آتا ہے۔ ثور میں شرف اور عقرب میں ہبوط ہوتا ہے۔ اس کے اوج و حضیض تیز رفتاری سے تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور حساب لگا کر معلوم کرنے پڑتے ہیں۔ یہ اپنی اوسط رفتار سے ایک درجے کو تقریباً پونے دو گھنٹے میں، ایک برج کو تقریباً سوا دو دن میں، اور پورے دائرۂ بروج کو تقریباً ایک مہینے میں طے کر لیتا ہے۔ یہ بھی شمس کی طرح ہمیشہ استقامت میں رہتا ہے۔

مریخ: مریخ نحس اصغر ہے اور فلک پنجم سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا مزاج آتشی ہے اور جلاد فلک کہلاتا ہے۔ شمس، قمر اور مشتری اس کے دوست ہیں۔ عطارد اس کا دشمن ہے۔ زہرہ اور زحل اس سے بے تعلق ہیں۔ یہ حمل و عقرب کا مالک ہے اور ثور و میزان میں اس پر وبال آتا ہے۔ جدی میں شرف اور سرطان میں ہبوط ہوتا ہے۔ اسد میں اوج اور دلو میں حضیض واقع ہے۔ یہ اپنی اوسط رفتار سے ایک درجے کو تقریباً دو دن میں، ایک برج کو تقریباً دو مہینے میں، اور پورے دائرۂ بروج کو تقریباً دو سال میں طے کر لیتا ہے۔ یہ ایک سال میں تقریباً دس مہینے تک استقامت میں رہتا ہے اور

تقریباً دو مہینے تک رجعت میں رہتا ہے۔

عطارد: عطارد جیسے سیاروں کے ساتھ ہوتا ہے ویسا ہی سعد ونحس ثمرہ دیتا ہے، اور فلک دوم سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا مزاج بادی ہے اور دبیر فلک کہلاتا ہے۔ شمس اور زہرہ اس کے دوست ہیں۔ قمر اس کا دشمن ہے۔ مریخ مشتری اور زحل اس سے بے تعلق ہیں۔ یہ جوزا و سنبلہ کا مالک ہے اور قوس وحوت میں اس پر وبال آتا ہے۔ سنبلہ میں شرف اور حوت میں ہبوط ہوتا ہے۔ میزان میں اوج اور حمل میں حضیض واقع ہے۔ یہ اپنی اوسط رفتار سے ایک درجے کو تقریباً چھ گھنٹے میں، ایک برج کو تقریباً ساڑھے سات دن میں، اور پورے دائرہ بروج کو تقریباً تین مہینے میں طے کرسکتا ہے، لیکن چونکہ یہ ہمیشہ شمس کے آس پاس ہی رہتا ہے، اور کبھی سیدھی کبھی الٹی چال چلتا ہے، اس لیے یہ بھی تمام آسمان کا چکر کم وبیش اسی عرصے میں لگاتا ہے جس عرصے میں شمس لگاتا ہے۔ یہ چار مہینے میں تقریباً اٹھانوے دن استقامت میں رہتا ہے اور تقریباً بائیس دن رجعت میں رہتا ہے۔ یعنی یہ ایک سال میں تین دفعہ راجع ہوتا ہے۔

مشتری: مشتری سعد اکبر ہے اور فلک ششم سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا مزاج بادی ہے اور قاضی فلک کہلاتا ہے۔ شمس، قمر اور مریخ اس کے دوست ہیں۔ عطارد اور زہرہ اس کے دشمن ہیں، زحل اس سے بے تعلق ہے۔ یہ قوس وحوت کا مالک ہے اور جواز وسنبلہ میں اس پر وبال آتا ہے۔ سرطان میں شرف اور جدی میں ہبوط ہوتا ہے۔ سنبلہ میں اوج اور حوت میں حضیض واقع ہے۔ یہ اپنی اوسط رفتار سے ایک درجے کو تقریباً بارہ دن میں، اک برج کو تقریباً ایک سال میں، اور پورے دائرہ بروج کو تقریباً بارہ سال میں طے کرلیتا ہے۔ یہ ایک سال میں تقریباً آٹھ مہینے تک استقامت میں رہتا ہے اور تقریباً چار مہینے تک رجعت میں رہتا ہے۔

زہرہ: زہرہ سعد اصغر ہے اور فلک سوم سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا مزاج بادی ہے اور رقاصۂ فلک کہلاتا ہے۔ عطارد اور زحل اس کے دوست ہیں۔ شمس اور قمر اس کے دشمن ہیں۔ مریخ اور مشتری اس سے بے تعلق ہیں۔ یہ ثور و میزان کا مالک ہے اور حمل وعقرب میں اس پر وبال آتا ہے۔ حوت میں شرف اور سنبلہ میں ہبوط ہوتا ہے۔ جواز میں اوج اور قوس میں حضیض واقع ہے۔ یہ اپنی اوسط

رفتار سے ایک درجے کو تقریباً سولہ گھنٹے میں، ایک برج کو تقریباً بیس دن میں، اور تمام دائرۂ بروج کو تقریباً آٹھ مہینے میں طے کرسکتا ہے، لیکن چونکہ عطارد کی طرح یہ بھی ہمیشہ شمس کے آس پاس ہی رہتا ہے، اس لیے یہ بھی تمام آسمان کا چکر کم و بیش اتنے ہی عرصے میں لگاتا ہے جتنے عرصے میں شمس لگاتا ہے۔ یہ ایک سال میں تقریباً گیارہ مہینے تک استقامت میں رہتا ہے اور تقریباً ایک مہینے تک رجعت میں رہتا ہے۔

زحل: زحل نحس اکبر ہے اور فلک ہفتم سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا مزاج خاکی ہے اور دہقان فلک کہلاتا ہے۔ عطارد اور زہرہ اس کے دوست ہیں۔ شمس، قمر اور مریخ اس کے دشمن ہیں۔ مشتری اس سے بے تعلق ہے۔ یہ جدی و دلو کا مالک ہے اور سرطان و اسد میں اس پر وبال آتا ہے۔ میزان میں شرف اور حمل میں ہبوط ہوتا ہے۔ قوس میں اوج اور جوزا میں حضیض واقع ہے۔ یہ اپنی اوسط رفتار سے ایک درجے کو تقریباً ایک مہینے میں، ایک برج کو تقریباً ڈھائی سال میں اور تمام دائرۂ بروج کو تقریباً تیس سال میں طے کرلیتا ہے۔ یہ ایک سال میں تقریباً ساڑھے سات مہینے تک استقامت میں رہتا ہے اور تقریباً ساڑھے چار مہینے تک رجعت میں رہتا ہے۔

راس اور ذنب: راس و ذنب کو اہل ہند بالترتیب راہو اور کیتو کہتے ہیں۔ یہ دونوں نحس سمجھے جاتے ہیں اور ہمیشہ ایک دوسرے کے مقابل اور روبرو یعنی چھ بروج کے فاصلے پر رہتے ہیں۔ ان دونوں کو ایک اژدہے سے تشبیہ دی جاتی ہے جس کے سر کو راس اور دُم کو ذنب کہتے ہیں۔ اہل ہند راہو کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں لیکن اہل یونان ذنب کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ ان دونوں کی رفتار ہمیشہ یکساں رہتی ہے اور یہ دونوں ایک درجے کو تقریباً انیس دن میں، ایک برج کو تقریباً انیس مہینے میں، اور تمام دائرہ بروج کو تقریباً انیس سال میں طے کرلیتے ہیں۔ یہ دونوں ہمیشہ رجعت میں رہتے ہیں۔

اس مختصر سے تعارف کے بعد پڑھنے والوں کے ذہن میں بروج و سیارگان کا ایک دھندلا سا خاکہ آ گیا ہوگا۔ جس کی مدد سے غالب کے زائچے کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ جب کوئی سیارہ گردش کرتا ہوا اس برج میں پہنچتا ہے جو اس کا بیت یا گھر ہوتا ہے یعنی جس

کا وہ مالک ہوتا ہے تو وہ سیارہ صاحب استطاعت سمجھا جاتا ہے، جب وہ اپنے برج وبال میں پہنچتا ہے تو بے بضاعت سمجھا جاتا ہے، جب وہ اپنے برج شرف میں پہنچتا ہے تو صاحب عزت سمجھا جاتا ہے، جب وہ اپنے برج ہبوط میں پہنچتا ہے تو بے عزت سمجھا جاتا ہے. جب وہ اپنے برج اوج میں پہنچتا ہے تو بلند ہمت سمجھا جاتا ہے، جب وہ اپنے برج حضیض میں پہنچتا ہے تو پس ہمت سمجھا جاتا ہے۔ جب وہ اپنے دوست کے برج میں پہنچتا ہے تو بشاش طبع سمجھا جاتا ہے، جب وہ اپنے سے بے تعلق کے برج میں پہنچتا ہے تو اجنبی سمجھا جاتا ہے۔ جب وہ استقامت میں ہوتا ہے تو تندرست سمجھا جاتا ہے، اور جب وہ رجعت میں ہوتا ہے تو بیمار سمجھا جاتا ہے۔ غرض یہ کہ ہر سیارہ اپنی اصلیت، اپنی خاصیت، اپنی حیثیت اور اپنی حالت وغیرہ کے مطابق مختلف زائچوں میں مختلف ثمرہ دیتا ہے۔ منجمین نے مختلف بروج سیارگان کے انفرادی اور اجتماعی اثرات بیان کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ نکالا ہے کہ بروج اور سیاروں کو مختلف صورتوں، طبیعتوں اور کرداروں کے افراد فرض کرلیا ہے اور زائچے میں جیسی ان کی حالت ہوتی ہے ویسی ہی تاثیر اور ویسے ہی ثمرات ان سے اخذ کر لیے جاتے ہیں۔ اس فن کو علم نجوم کی اصطلاح میں 'تمزیج سیارگاں' کہتے ہیں اور مرزا غالب اس فن کے میدان میں سب سے گوئے سبقت لے گئے ہیں۔ تمزیج سیارگاں کی افادیت کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اس کا مفصل بیان **کفایۃ التعلیم فی صناعۃ التنجیم** میں کیا گیا ہے۔

اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تمزیج سیارگان کی چند مثالیں دے کر اس فن کی کچھ وضاحت کردی جائے تا کہ غالب کے قصیدے کی تشبیب کا مفہوم اچھی طرح سمجھ میں آسکے۔ مثلاً زائچے میں زحل اگر اچھی حالت میں ہوتو اسے دہقان یا کشاورز وغیرہ سے تشبیہ دیتے ہیں لیکن اگر وہ بری حالت میں ہوتو اسے کافر یا دزد وغیرہ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ مریخ اگر اچھی حالت میں ہوتو اسے سپاہی یا سپہ سالار وغیرہ سے تشبیہ دیتے ہیں لیکن اگر وہ بری حالت میں ہوتو اسے قاتل یا قصاب وغیرہ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ زہرہ اگر اچھی حالت میں ہوتو اسے رقاصہ یا مطربہ وغیرہ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ لیکن اگر وہ بری حالت میں ہوتو اسے فاحشہ یا قحبہ وغیرہ سے تشبیہ دیتے

ہیں۔ اسی طرح دیگر سیاروں کے لیے بھی سمجھ لینا چاہیے۔ ان سیاروں کے باہمی تعلقات کے لیے ان کی 'نظروں' کو سمجھ لینا بھی ضروری ہے، یعنی اگر دو سیاروں کے درمیان چھ بروج کا فاصلہ ہوتو کہا جاتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو نظر تنصیف سے دیکھ رہے ہیں۔ اگر چار بروج کا فاصلہ ہوتو اسے نظر تثلیث کہتے ہیں، اگر تین بروج کا فاصلہ ہوتو اسے نظر تربیع کہتے ہیں، اور اگر دو بروج کا فاصلہ ہوتو اسے نظر تسدیس کہتے ہیں۔ تنصیف کو مکمل دشمنی کی نظر، تثلیث کو مکمل دوستی کی نظر، تربیع کو نصف دشمنی کی نظر، اور تسدیس کو نصف دوستی کی نظر سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً اگر کسی زائچے میں مریخ اور زحل آپس میں ایک دوسرے کو نظر تربیع سے دیکھ رہے ہوں تو یہ سمجھا جائے گا کہ دونوں سیاروں پر ایک دوسرے کی نصف دشمنی کا برا اثر پڑ رہا ہے۔ یعنی اس زائچے کے مولود کو مریخ ایک کبیدہ خاطر سنگدل انسان کی طرح ستا رہا ہے اور اس کے ساتھ ہی زحل بھی اس مولود کو خشم آلود کافر کی طرح برباد کر رہا ہے یا مثلاً اگر کسی زائچے میں شمس، زحل اور زہرہ ایک ہی برج میں موجود ہیں اور اچھی حالت میں ہوں تو یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک شہنشاہ کے ساتھ ایک دہقان بیٹھا ہوا ہے اور ایک مطربہ ان دونوں کے سامنے گا رہی ہے۔ اسی قسم کی بہت سی اور بھی تشبیہات کو اصطلاحاً تمزیج سیارگاں کہتے ہیں۔

تمزیج سیارگاں کے بعد سہام کے متعلق بھی کچھ واقفیت بہم پہنچا دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ مختلف سہام کی تعداد بہت زیادہ ہے اور ان کا مفصل بیان کتاب التفہیم لاوائل صناعۃ التنجیم میں موجود ہے۔ منجمین نے طالع کے لحاظ سے مختلف سیاروں کی ایک دوسرے سے دوری کی بنیاد پر مختلف سہام مقرر کیے ہیں جن کے استخراج کا طریقہ دن کے وقت کچھ اور ہوتا ہے اور رات کے وقت کچھ اور ہوتا ہے۔ چونکہ غالب کی پیدائش رات کے وقت ہوئی تھی اس لیے میں صرف رات کے وقت کا طریقہ بیان کروں گا اور صرف انھی چار سہام کا ذکر کروں گا جن کے نام غالب کے زائچے میں درج ہیں۔ سہم السعادت حاصل کرنے کے لیے شمس کے مقام میں سے قمر کے مقام کو تفریق کرتے ہیں اور حاصل کرنے کے لیے شمس کے مقام میں سے قمر کے مقام کو تفریق کرتے ہیں اور حاصل تفریق میں طالع کو جمع کرتے ہیں۔ سہم الغیب معلوم کرنے کے لیے قمر کے مقام میں سے شمس کے مقام کو تفریق کرتے ہیں اور حاصل تفریق میں طالع کو جمع کرتے ہیں۔ سہم اولاد

معلوم کرنے کے لیے مشتری کے مقام میں سے زحل کے مقام کو تفریق کرتے ہیں اور حاصل تفریق میں طالع کو جمع کرتے ہیں۔ سہم امراض معلوم کرنے کے لیے زحل کے مقام میں سے مریخ کے مقام کو تفریق کرتے ہیں اور حاصل تفریق میں طالع کو جمع کرتے ہیں۔ ان سہام کے بھی مختلف نیک و بدثمرات مقرر کر لیے گئے ہیں لیکن ان کے متعلق یہاں کچھ بیان کیا جائے گا۔

اب زائچۂ کی شکل کے متعلق بھی چند ابتدائی باتیں درج کی جاتی ہیں تا کہ غالب کے زائچہ کی اہمیت کا کچھ اندازہ ہو سکے۔ کسی خاص شخص کی پیدائش کے وقت اس کا زائچۂ بنانے کے لیے بارہ خانوں والا ایک نقشہ دائرہ نما یا مربع نما، یا مستطیل نما بنایا جاتا ہے۔ پھر پیدائش کی ساعت اور مقام پیدائش کے مطابق حساب لگا کر معلوم کیا جاتا ہے کہ اس وقت افق مشرق میں کون سا برج طلوع ہو رہا ہے۔ جو برج طلوع ہو رہا ہوتا ہے اسے اس نقشے کے پہلے خانے میں لکھ دیا جاتا ہے اور اس برج کے طلوع شدہ درجے اور دقیقے بھی اس کے ساتھ ہی لکھ دیے جاتے ہیں۔ اس کے بعد اس سے اگلے برج کو اس نقشے کے دوسرے خانے میں لکھ دیا جاتا ہے اور پھر اس نقشے کے باقی خانوں میں بھی باقی بروج بالترتیب لکھ دیے جاتے ہیں۔ اس طرح جو برج اس وقت افق مغرب میں غروب ہو رہا ہوتا ہے وہ خود بخود اس نقشے کے ساتویں خانے میں پڑ جاتا ہے، جو برج سر کے اوپر خط نصف النہار پر ہوتا ہے وہ دسویں خانے میں پڑ جاتا ہے، اور برج زمین کی دوسری سمت میں ہمارے قدموں کے نیچے (یعنی امریکہ کے نصف النہار پر) ہوتا ہے وہ چوتھے خانے میں پڑ جاتا ہے۔ ان چاروں خانوں کو بہت ہی اہم سمجھا جاتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کو وتد اور چاروں کو اوتاد کہتے ہیں۔ خصوصاً پہلے خانے کو یا اس کے برج کو طالع اور ساتویں خانے کو یا اس کے برج کو غارب کہتے ہیں۔ اہل ہند طالع کو لگن کہتے ہیں۔ اس کے بعد یہ حساب لگایا جاتا ہے کہ اس دن اور تاریخ کو سیاروں کے مقامات کیا تھے۔ پھر جو سیارہ جس برج میں ہوتا ہے اسے اسی برج کے خانے میں لکھ دیا جاتا ہے اور اس کے طے شدہ درجے اور دقیقے بھی اس کے ساتھ لکھ دیے جاتے ہیں۔ اس طرح زائچہ مکمل ہو جاتا ہے۔ بعض منجمین سہم السعادت، سہم الغیب، سہم اولاد، سہم امراض وغیرہ کو بھی زائچۂ میں مناسب مقامات پر لکھ دیتے ہیں۔ مختلف خانوں میں

مختلف بروج کے درجے اور دقیقے معلوم کرنے کا بھی ایک جداگانہ طریقہ ہے جو یہاں بیان نہیں کیا گیا، کیونکہ زیرتحریر مضمون سے اس کا کوئی خاص تعلق نہیں ہے۔ زائچے کے بارہ خانوں کی سعادت ونحوست بھی ان بروج اور ان سیاروں کا ہر خانہ بھی ایک خاص شعبہ زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ مثلاً مولود کے زائچے کا پہلا خانہ جسم اور دل سے تعلق رکھتا ہے، دوسرا خانہ دولت اور خاندان سے، تیسرا خانہ بھائی اور طاقت سے، چوتھا خانہ ماں اور سکون سے، پانچواں خانہ بیٹے چھٹا خانہ دشمن اور بیماری سے، ساتواں خانہ بیوی اور عیش سے، آٹھواں خانہ موت اور عمر سے، نواں خانہ قسمت اور ایمان سے، دسواں خانہ حکومت اور کاروبار سے، گیارہواں خانہ آمدنی اور فائدے سے، اور بارہواں خانہ خرچ اور نقصان سے تعلق رکھتا ہے۔

غالب کے زمانے میں زائچے کے اندر ہند سے لکھنے کا رواج نہیں تھا بلکہ ابجد، ہوز کے قاعدے کے مطابق ہندسوں کے بجائے حروف لکھ دیے جاتے تھے۔ یعنی ہا کا صفر، الف کا یک، ب کے ۲، ج کے ۳، د کے ۴، ہ کے ۵، و کے ۶، ز کے ۷، ح کے ۸، ط کے ۹، ی کے ۱۰، ک کے ۲۰، ل کے ۳۰، م کے ۴۰، ن کے ۵۰، س کے ۶۰، ع کے ۷۰، ف کے ۸۰، ص کے ۹۰، ق کے ۱۰۰، ر کے ۲۰۰، ش کے ۳۰۰، ت کے ۴۰۰، ث کے ۵۰۰، خ کے ۶۰۰، ذ کے ۷۰۰، ض کے ۸۰۰، ظ کے ۹۰۰، اور غ کے ۱۰۰۰ ہوتے ہیں۔ اب اگر ہمیں ۸ لکھنا ہے تو صرف ح لکھ دینا کافی ہوگا۔ اگر ہمیں ۲۷ لکھنا ہے تو ک اور ز کو ملا کر ہم کز لکھیں گے، اور اگر ۳۹ لکھنا ہے تو لط لکھیں گے۔ یعنی اگر کسی وقت کسی مقام پر طالع برج قوس کے ۲۷ درجے ۳۹ دقیقے پر ہے تو ہم زائچے کے پہلے خانے میں صرف ح کز لط لکھ دیں گے، کیونکہ آٹھ مکمل بروج طے ہو چکے ہیں اور نواں نامکمل برج قوس طلوع ہو رہا ہے جس کے ۲۷ درجے ۳۹ دقیقے طلوع ہو چکے ہیں۔ اب اگر ہم حساب لگا کر معلوم کریں کہ اس وقت سیارہ زہرہ بھی برج قوس میں تھا اور اس برج کے ۱۴ درجے ۲۳ دقیقے طے کر چکا تھا تو ہم زہرہ کو بھی زائچے کے پہلے خانے میں لکھ کر اس کے نیچے یدکج لکھ دیں گے۔ اسی طرح تمام سیاروں اور سہام کو زائچے کے متعلقہ خانوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔

اس ضروری تمہید کے بعد اصل مقصد کی طرف آتا ہوں۔ صفحہ ۲۲ پر غالب کے اس زائچے کا عکس دیا جاتا ہے جو ان کے کلیات فارسی کے نولکشوری ایڈیشن مطبوعہ ۱۲۷۹ ہجری (۱۸۶۳ عیسوی) میں شائع ہوا تھا اور جس کی اشاعت کے چھ سال بعد تک غالب زندہ رہے تھے۔ یہ زائچہ صفحہ ۱۹۸ اور صفحہ ۱۹۹ کے درمیان موجود ہے۔ غالب کا یہ زائچہ کلیات فارسی مطبوعہ ۱۲۶۴ ہجری (۱۸۴۸ عیسوی) میں بھی موجود ہے۔ اور اس میں بھی اسی قسم کی تفصیلات درج ہیں لیکن ذرا کم ہیں۔ اس کی شکل وصورت میں بھی ذرا سا فرق ہے اور اس میں سنہ عیسوی کا ذکر بھی نہیں ہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ غالب کی پیدائش اکبرآباد یعنی آگرے کے مقام پر ہوئی تھی جس کا عرض البلد تقریباً ۲۷ درجے شمال ہے اور طول البلد تقریباً ۷۸ درجے مشرق ہے۔ اس شائع شدہ زائچے کے طالع یعنی پہلے خانے کے سوا باقی خانوں کے درجوں اور دقیقوں پر کوئی تبصرہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ ہمارے مقصد کے لیے غیر ضروری ہے۔ طالع کے درجے اور دقیقے معلوم ہوجانے کے بعد اسی کی مدد سے باقی خانوں کے درجے اور دقیقے خود بخود حاصل ہوجاتے ہیں۔ زائچے کا عکس صفحہ ۲۲ پر ملاحظہ فرمائیے۔

اس زائچے سے ہمیں مندرجہ ذیل خاص خاص باتیں معلوم ہوجاتی ہیں جو کہ غالب کے شائع شدہ زائچے کے مطابق تقویم سیارگان۔

۱۔ استخراج تقویم یونانی بروز یکشنبہ ۸ رجب، بوقت چہار گھڑی پیش از طلوع آفتاب بمقام اکبر آباد (شائع شدہ سنہ ہجری ۱۲۱۴ ہے اور سنہ عیسوی ۱۷۹۸ ہے لیکن دونوں مشکوک ہیں جیسا کہ بعد میں بتایا جائے گا)۔

۲۔ طالع یعنی پہلا خانہ، برج قوس کے ۲۷ درجے ۳۹ دقیقے پر تھا۔

۳۔ شمس دوسرے خانے میں، برج جدی کے ۱۸ درجے ۲۰ دقیقے پر تھا۔

۴۔ قمر چھٹے خانے میں، برج ثور کے ۸ درجے ۲۱ دقیقے پر تھا۔

۵۔ راس آٹھویں خانے میں، برج ثور کے ۸ درجے ۲۱ دقیقے پر تھا۔

۶۔ ذنب دوسرے خانے میں، برج جدی کے صفر درجے ۵۱ دقیقے پر تھا۔

۷۔ مریخ چوتھے خانے میں، برج حوت کے ۲۶ درجے ۸ دقیقے پر تھا۔

۸۔ عطارد دوسرے خانے میں، برج جدی کے ۲۶ درجے ۸ دقیقے پر تھا۔

۹۔ مشتری چوتھے خانے میں، برج حوت کے ۱۰ درجے ۷ ۳دقیقے پر تھا۔

۱۰۔ زہرہ پہلے خانے میں، برج قوس کے ۱۴ درجے ۲۳ دقیقے پر تھا۔

۱۱۔ زحل ساتویں خانے میں، برج جوزا کے ۲۲ درجے ۲۸ دقیقے پر تھا۔

۱۲۔ سہم السعادت دسویں خانے میں، برج سنبلہ کے ۷ درجے ۳۸ دقیقے پر تھا۔

(سہم الغیب، سہم اولاد اور سہم امراض کا ذکر بعد میں کیا جائے گا۔)

نوٹ: ہندوؤں کی پترہ کے استنباط کے مطابق بھی طالع برج قوس ہی میں تھا لیکن اس برج کے چھ درجے پر تھا۔ اس کے علاوہ شمس بھی برج قوس کے ستائیس درجے پر تھا، ذنب بھی برج قوس کے گیارہ درجے پر تھا۔

معلوم نہیں غالب کا یہ زائچہ کس زیج کی بنیاد پر بنایا گیا تھا کیونکہ اس زمانے میں بہت سی زیجیں رائج تھیں اور ہر زیج کے حسابات میں دوسری زیجوں کے حسابات سے چند درجوں یا چند دقیقوں کا فرق ضرور پڑ جاتا ہے۔ بہر حال اگر ہم اس معمولی سی اختلافی حقیقت کو سامنے رکھیں اور چند درجوں یا دقیقوں کے فرق کو نظر انداز کرنے کے بعد کسی بھی زیج کی مدد سے یہ معلوم کرنا چاہیں کہ سیاروں کے مندرجہ بالا اجتماعات کب واقع ہوئے تھے تو ہم کو غالب کی صحیح تاریخ پیدائش کا علم ہو جائے گا کیونکہ زائچے میں سیاروں کے مجموعی مقامات صرف ایک خاص دن اور خاص ساعت ہی میں حاصل ہوتے ہیں اور پھر ہزاروں سال میں بھی اس قسم کا زائچہ نہیں بن سکتا۔ اس لیے اگر غالب کے شائع شدہ زائچے کی سرخی میں ان کی پیدائش کا وقت، دن، تاریخ اور سنہ نہ بھی لکھے ہوتے تو بھی صرف زائچے کے سیاروں کے مقامات ہی سے حساب لگا کر سب کچھ معلوم کیا جا سکتا تھا۔ اس قسم کی ایک مثال اس مضمون کے آخر میں درج کر دی گئی ہے۔

میں نے جن کتابوں اور زیجوں سے مدد لے کر مندرجہ ذیل حسابات لگائے ہیں ان کا ذکر اس مضمون کے خاتمے پر کر دیا گیا ہے۔ یہ زیجیں مختلف صدیوں میں لکھی گئی ہیں اور ان میں

مختلف اہر گن، جولین ڈے اور تقویم سیارگاں وغیرہ معلوم کرنے کے طریقے بیان کیے گئے ہیں۔ اہر گن دراصل دنوں کی اس تعداد کو کہتے ہیں جو ایک خاص تاریخ سے دوسری خاص تاریخ تک گزر جاتے ہیں۔ لہٰذا میرے حساب کے مطابق غالب کا یہ زائچہ صرف اور صرف ۸ جنوری ۱۷۹۷ عیسوی مطابق ۸ رجب ۱۲۱۱ ہجری بروز یکشنبہ بمقام اکبرآباد طلوع آفتاب سے چار گھڑی قبل یعنی انڈین اسٹینڈرڈ ٹائم کے مطابق علی الصبح ۵ بج کر ۳۶ منٹ کے لیے ہی ہوسکتا ہے، کسی اور وقت، دن، تاریخ یا سنہ کے لیے ہرگز نہیں ہوسکتا۔ مثال کے طور پر صرف قمر کے مقام ہی کو لیجیے۔ اگر تاریخ پیدائش میں ایک دن کا بھی فرق ہو جائے تو قمر کے مقام میں تقریباً تیرہ درجے کا فرق ہو جائے گا۔ یعنی اگر غالب کی پیدائش بتاریخ ۷ جنوری ۱۷۹۷ عیسوی بروز شنبہ فرض کریں تو قمر پانچویں خانے میں برج حمل کے تقریباً ۲۵ درجے پر آتا ہے، حالانکہ غالب کے زائچے کے مطابق قمر چھٹے خانے میں برج ثور کے تقریباً ۸ درجے پر ہے۔ یہ بات بھی بالکل یقینی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ یہ زائچہ غالب کی پیدائش کے وقت ہی ان کے والد نے کسی قابل منجم سے بنوایا تھا کیونکہ اگر یہ زائچہ بعد میں بنایا گیا ہوتا تو اس میں اتنی صحیح تفصیلات درج نہ ہوتیں۔ خصوصاً ہندوؤں کی پترہ کے استنباط کے مطابق ذنب کو برج قوس کے گیارہ درجے پر بتایا گیا ہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ مکرند سے بنی ہوئی اس سال کی پترہ کو بغور دیکھ کر حساب لگایا گیا ہو۔ ورنہ اگر یہ زائچہ کوئی منجم بعد میں بناتا تو ذنب کی یونانی تقویم (یعنی برج جدی کے صفر درجہ ۵۱ دقیقے) میں سے اینانش کے ۲۱ درجے تفریق کر کے ہندی تقویم (یعنی برج قوس کے ۹ درجے ۵۱ دقیقے) حاصل کر لیتا اور نتیجتاً گیارہ درجے کے بجائے ۹ درجے لکھ دیتا۔ میرے حساب کے مطابق ۸ جنوری ۱۷۹۷ عیسوی کو صبح ۵ بج کر ۳۶ منٹ پر زائچے کے لیے مندرجہ ذیل تقویم سیارگاں حاصل ہوتی ہے۔ عام پڑھنے والوں کی سمجھ میں اگر بعض علمی اصطلاحات نہ آئیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ ان کو سمجھے بغیر بھی نفس مضمون کو اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے۔ میں نے طالع کے استخراج کے لیے این سی لاہری کی جدولوں سے کام لیا ہے۔ شمس کی تقویم کے لیے نیوکومب کی زیج کے مطابق حساب لگایا ہے۔ قمر، راس اور ذنب کے تقویم کے لیے ای ڈبلیو براؤن کی زیج کا سہارا لیا ہے۔

باقی سیاروں کے لیے گرہ لاکھو کی زیج کو بنیاد بنایا ہے۔ استنباط پترہ بندی کے لیے مکرند سارنی کی زیج کو استعمال کیا ہے اور تاریخوں کی مطابقت کے لیے غرۃ الزیجات کو اپنایا ہے۔ طلوع آفتاب کا وقت اور انڈین اسٹینڈرڈ ٹائم وغیرہ معلوم کرنے کے لیے آگرے کی پلبھا کو تقریباً چھ انگل سات وینگل مانا ہے۔ چرکھنڈوں کو بالترتیب ۶۱ پل، ۴۹ پل اور ۲۰ پل مانا ہے۔ عرض البلد کو تقریباً ۲۷ درجے شمال مانا ہے، طول البلد کو تقریباً ۷۸ درجے مشرق مانا ہے، قدیم لنکا کو تقریباً ۷۵ درجے ۴۵ دقیقے مشرق طول البلد پر مانا ہے، اور انڈین اسٹینڈرڈ ٹائم کو ۸۲ درجے ۳۰ دقیقے طول البلد کے مطابق مانا ہے۔

میرے حساب کے مطابق تقویم سیارگاں

۱۔ استخراج تقویم یونانی بتاریخ ۸ رجب ۱۲۱۱ ہجری مطابق ۸ جنوری ۱۷۹۷ عیسوی بروز یکشنبہ بمقام اکبرآباد بوقت چہار گھڑی پیش از طلوع آفتاب انڈین اسٹینڈرڈ ٹائم کے مطابق علی الصباح ۵ بج کر ۳۶ منٹ پر۔ اینانش تقریباً ۲۱ درجے۔ مساوات وقت تقریباً ۷ منٹ مثبت۔ غرۃ الزیجات۔ غرۃ الزیجات اہر گن ۳۰۳۴۳۷۔ گرہ لاکھو چکر ۲۵، اہر گن ۶۹۳، جولین ڈے ۲۳۷۷۴۰۹۔

۲۔ طالع یعنی پہلا خانہ۔ برج قوس کے ۲۹ درجے ۱۸ دقیقے پر (فرق ۱ درجہ ۳۹ دقیقے مثبت)

۳۔ شمس دوسرے خانے میں۔ برج جدی کے ۱۸ درجے ۲۰ دقیقے پر (فرق صفر درجہ صفر دقیقہ)

۴۔ قمر چھٹے خانے میں۔ برج ثور کے ۹ درجے ۱۸ دقیقے پر (فرق صفر درجہ ۵۷ دقیقے مثبت)

۵۔ راس آٹھویں خانے میں۔ برج سرطان کے صفر درجے ۴۰ دقیقے پر (فرق صفر درجہ ۱۱ دقیقے منفی)

۶۔ ذنب دوسرے خانہ میں۔ برج جدی کے صفر درجہ ۴۰ دقیقے پر (فرق صفر درجہ ۱۱ دقیقے منفی)

۷۔ مریخ چوتھے خانے میں۔ برج حوت کے ۲۵ درجے ۲۳ دقیقے پر (فرق ۱ درجہ ۵۴ دقیقے مثبت)

۸۔ عطارد دوسرے خانے میں۔ برج جدی کے ۲۸ درجے ۱۲ دقیقے پر (فرق ۲ درجے ۴ دقیقے

مثبت)

۹۔ مشتری چوتھے خانے میں۔ برج حوت کے ۱۱ درجے ۴۶ دقیقے پر (فرق ۱ درجہ ۹ دقیقے مثبت)

۱۰۔ زہرہ پہلے خانے میں۔ برج قوس کے ۱۴ درجے ۴۰ دقیقے پر (فرق صفر درجہ ۱۷ دقیقے مثبت)

۱۱۔ زحل ساتویں خانے میں۔ برج جوزا کے ۲۵ درجے ۱۶ دقیقے پر (فرق ۲ درجے ۴۸ دقیقے مثبت)

۱۲۔ سہم السعادت۔ دسویں خانے میں، برج سنبلہ کے ۸ درجے ۲۰ دقیقے اور (فرق صفر درجہ ۴۲ دقیقے مثبت)

نوٹ: ہندوؤں کی پترہ کے استنباط کے مطابق طالع برج قوس کے چھ درجے پر تھا، شمس برج قوس کے ستائیس درجے پر تھا، اور ذنب برج قوس کے گیارہ درجے پر تھا۔ (یہ مقامات بجنسہ وہی ہیں جو غالب کے شائع شدہ زائچے میں درج ہیں اور ان سے میرے بیان کی صداقت کسی شک و شبہ کے بغیر ثابت ہو جاتی ہے)۔

اس مقام پر ایک غلط فہمی کا ازالہ کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں۔ ایڈورڈ ماہلر کی تقویم ہجری و عیسوی، سلسلہ انجمن ترقی اردو (ہند) نمبر ۱۲۲، مطبوعہ دہلی (۱۹۳۹) کے مطابق ۸ جنوری ۱۷۹۷ عیسوی کو ۹ رجب ۱۲۱۱ ہجری کی تاریخ تھی۔ اس بات سے شاید عام پڑھنے والوں کے دلوں میں شک پڑ جائے، اس لیے پہلے میں ایڈورڈ ماہلر کی تقویم ہجری و عیسوی کی اصل حقیقت کے بارے میں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ یہ تقویم دراصل شمس و قمر کی صرف اوسط رفتاروں کی بنیاد پر بنائی گئی ہے، اور اس میں عام طور پر سلسلہ وار ایک قمری مہینہ ۳۰ دن کا اور دوسرا قمری مہینہ ۲۹ دن کا سمجھا جاتا ہے۔ سال کبیسہ میں ذی الحجہ کے مہینے کو بھی ۲۹ کے بجائے ۳۰ دن کا سمجھ لیا جاتا ہے لیکن جیسا کہ زیچ الغ بیگ میں ثابت کیا گیا ہے، حقیقی رویت ہلال کے مطابق کبھی دو، کبھی تین، قمری مہینے یکے بعد دیگرے متواتر انتیس دن کے بھی ہو سکتے ہیں۔ اس کا مطلب ہوا کہ ایڈورڈ

ماہلر کی تقویم ہجری وعیسوی کے مطابق معلوم کی ہوئی اوسط ہجری تاریخ اور رویت ہلال کے مطابق معلوم کی ہوئی حقیقی ہجری تاریخ کے درمیان کبھی ایک دن اور کبھی دو دن کا فرق ہو سکتا ہے۔ بلکہ اگر مطلع صاف نہ ہو تو تین دن کا فرق بھی پڑ سکتا ہے، اس لیے جو حضرات کسی تحقیقی کام کے لیے ایڈورڈ ماہلر کی تقویم ہجری وعیسوی کو حرف آخر سمجھ لیتے ہیں، وہ بہت بڑی غلطی کرتے ہیں۔ میں نے اکثر ایسے ناواقف لوگوں کی تحریریں پڑھی ہیں جنھوں نے محض ایڈورڈ ماہلر کی تقویم کی بنا پر بڑے بڑے تاریخی واقعات کو جھٹلانے کی کوشش کی ہے۔

دراصل علم ہیئت کی مختلف کتابوں میں حقیقی رویت ہلال معلوم کرنے کے لیے معیاری قاعدے درج ہیں۔ اس لیے تحقیقی کام کرنے والوں کو لازم ہے کہ وہ ان معیاری قاعدوں سے صحیح ہجری تاریخ کا تعین کریں۔ اگر چہ وہ کتنے ہی دشوار کیوں نہ ہوں۔ علم ہیئت کے ان معیاری قاعدوں کو استعمال کرنے کے باوجود بعض اوقات ہجری تاریخ میں ایک دن کا فرق پڑ سکتا ہے۔ جس کا سبب یہ ہے کہ کبھی کبھی شام کے وقت ہجری مہینے کی ۲۹ تاریخ کو آسمان اس قدر گرد وغبار و ابر آلود ہوتا ہے کہ لوگوں کو چاند نظر نہیں آتا، حالانکہ چاند نظر آنے کے قابل ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں شرعی طور پر رویت ہلال نہیں مانی جاتی بلکہ اس ہجری مہینے کے ۳۰ دن پورے کرنے کے بعد اگلا ہجری مہینہ شروع کیا جاتا ہے۔ یعنی جس دن حقیقی طور پر اگلے مہینے کی یکم تاریخ ہونی چاہیے تھی، اس دن کو شرعی طور پر پچھلے مہینے کی ۳۰ تاریخ سمجھ لیا جاتا ہے یعنی جس دن حقیقی طور پر اگلے مہینے کی یکم تاریخ ہونی چاہیے تھی، اس دن کو شرعی طور پر پچھلے مہینے کی ۳۰ تاریخ سمجھ لیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں دن کے نام کو بنیاد بنا کر حسابات لگانے چاہئیں، کیونکہ دن کے نام میں کسی حالت میں بھی کوئی اختلاف یا شک وشبہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ اسی قسم کا اتفاق غالب کی پیدائش کے وقت بھی ہوا تھا، جس کی تفصیل اس جگہ بیان کرنا ضروری ہے۔ میں نے علم ہیئت کے معیاری قاعدوں سے حساب لگا کر معلوم کیا ہے کہ یکم دسمبر ۱۷۹۶ عیسوی کو آگرے میں بروز پنجشنبہ جمادی الآخر ۱۲۱۱ ہجری کا چاند نظر آیا تھا، اس لیے ۳۰ دسمبر ۱۷۹۶ عیسوی کو بروز جمعہ جمادی الآخر ۱۲۱۱ ہجری کی ۲۹ تاریخ تھی۔ ان دن آگرے کے مقام پر غروب آفتاب کے وقت تقویم یونانی کے مطابق شمس برج

جدی کے ۹ درجے ۳۹ دقیقے پر تھا، قمر برج جدی کے ۲۳ درجے ۲ دقیقے پر تھا اور راس برج سرطان کے ا درجہ ۸ دقیقے پر تھا۔ ان مواضع کی بنیاد پر علم ہیئت کے معیاری قاعدوں کے مطابق حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ اس شام کو رویت ہلال کا قوی امکان تھا کیونکہ ہلال نظر آنے کے قابل ہو چکا تھا لیکن قراین سے پتا چلتا ہے کہ اس وقت افق مغرب اس قدر رمکدر تھا کہ لوگوں کو رجب کا چاند نظر نہ آسکا۔ اس لیے انھوں نے شرعی طور پر روز شنبہ ۳۱ دسمبر ۱۷۹۶ عیسوی کو ۳۰ جمادی الآخر ۱۲۱۱ ہجری مانا۔ اور بروز یکشنبہ یکم جنوری ۱۷۹۷ عیسوی کو یکم رجب ۱۲۱۱ ہجری مانا۔ یہی وجہ ہے کہ غالب کے زائچے کی سرخی میں بروز یکشنبہ ۸ جنوری ۱۷۹۷ عیسوی کو ۸ رجب ۱۲۱۱ ہجری مانا گیا ہے۔ اس زمانے میں نشر و اشاعت کے ذرائع اتنے موثر نہیں تھے کہ اگر کسی دور دراز کے علاقے میں چاند نظر آجائے تو اس کی اطلاع فوراً ملک کے ہر حصے میں پہنچ جائے۔ اس لیے آگرے والوں نے صرف اپنے ہی افق کے مطابق ہجری تاریخ کا تعین کیا تھا، حالانکہ ملک کے بعض دوسرے حصوں میں ۳۰ دسمبر ۱۷۹۶ عیسوی کو بروز جمعہ چاند ضرور نظر آیا ہوگا۔ یہ اس بات کا مزید ثبوت ہے کہ غالب کا زائچہ ان کی پیدائش کے وقت ہی بنایا گیا تھا۔ اگر بعد میں بنایا جاتا تو زائچہ بنانے والا منجم ۸ جنوری ۱۷۹۷ عیسوی کو لازمی طور پر ۹ رجب ۱۲۱۱ ہجری مانتا کیونکہ اسے اتنے عرصے بعد اس حقیقت کا علم کس طرح ہو سکتا تھا کہ ۳۰ دسمبر ۱۷۹۶ عیسوی کو آگرے میں رجب کا چاند نظر نہیں آیا تھا، جبکہ ایڈورڈ ماہلر کی تقویم کے مطابق، غرۃ الزیجات کے اوسط طریقے کے مطابق، اور علم ہیئت کے معیاری قاعدوں کے مطابق بھی ۳۰ دسمبر ۱۷۹۶ عیسوی کو ضرور چاند نظر آنا چاہیے تھا۔

اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ جب غالب کی صحیح تاریخ پیدائش ۸ رجب ۱۲۱۱ ہجری مطابق ۸ جنوری ۱۷۹۷ عیسوی بروز یکشنبہ ہے تو پھر غالب نے اسے ۸ رجب ۱۲۱۲ ہجری کیوں سمجھا ہے اور ہر مقام پر اپنی پیدائش کا سنہ ہجری ۱۲۱۲ کیوں بتایا ہے، جیسا کہ ان کے خود نکالے ہوئے مادہ ہائے تاریخ یعنی شورش شوق، غریب اور تاریخا سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ نیز ان کے شائع شدہ زائچے میں سنہ ہجری ۱۲۱۴ اور سنہ عیسوی ۱۷۹۸ کیوں درج ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ میں

از روئے قراین وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ غالب کے زائچے کے اصل مخطوطے کی سرخی میں 'بوقت چہار گھڑی پیش از طلوع صبح روز یکشنبہ ہشتم رجب ۱۲۱۱ ہجری مطابق آغاز ۱۷۹۷ عیسوی کے بجائے صرف آغاز ۱۷۹۷ عیسوی لکھا ہی کافی سمجھا گیا ہوگا، یا ممکن ہے اصل مخطوطے میں سنہ عیسوی کا ذکر ہی نہ ہو اور بعد میں اسے شامل کیا گیا ہو۔ بہر حال جب غالب نے ایک عرصے تک یتیمی اور مصیبت کی زندگی گزارنے کے بعد ہوش سنبھالا ہوگا اور پرانے کاغذات میں اپنے بوسیدہ زائچے کو بھی دیکھا ہوگا تو ممکن ہے اس وقت اس کی سرخی کے بعض حروف صاف صاف نہ پڑھے جا سکے ہوں اور بالخصوص سنہ ہجری اور سنہ عیسوی کے بارے میں کوئی غلط فہمی پیدا ہوگئی ہو، جس کی بنا پر ۱۲۱۱ ہجری کو ۱۲۱۲ ہجری اور ۱۷۹۷ عیسوی کو ۱۷۹۸ عیسوی فرض کرنا چاہیے تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید غالب کو بھی اس امر کی تحقیق کا موقع نہیں مل سکا ہوگا اور انھوں نے ۱۲۱۲ ہجری ہی کو صحیح ماننے میں کوئی مصلحت سمجھی ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ اگر غالب کے زائچے کا اصل مخطوطہ دیکھا جائے، یا کلیات فارسی کا وہ مخطوطہ دیکھا جائے جس کی بنیاد پر نولکشوری ایڈیشن شائع ہوا تھا تو زائچے کی سرخی میں سنہ ہجری اور سنہ عیسوی کے آخری ہندسے یعنی بالترتیب '۲' اور '۸' ضرور مشکوک و مشتبہ نظر آئیں گے، جن کو اگر غور سے دیکھا جائے تو بالترتیب '۱' اور '۷' بھی پڑھا جا سکتا تھا۔ اور شاید مشکوکیت ہی کی وجہ سے نولکشور پریس والوں نے مخطوطے کے سنہ ہجری کو نہ ۱۲۱۱ پڑھا نہ ۱۲۱۲ پڑھا بلکہ ۱۱۲۴ پڑھ لیا اور اسی طرح شائع کر دیا۔ بہر حال اب یہ دوسرے اہل علم حضرات کا کام ہے کہ وہ اس مشکوکیت کی اصل حقیقت معلوم کریں میں تو صرف اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ غالب کی صحیح تاریخ پیدائش از روئے زائچہ ۸ جنوری ۱۷۹۷ عیسوی بروز یکشنبہ مطابق ۸ رجب ۱۲۱۱ ہجری ہے۔

غالب نے اپنی تحریروں میں بار بار یکشنبہ کو اپنا یوم پیدائش اور ۸ رجب کو اپنی تاریخ پیدائش بتایا ہے۔ جیسا کہ نواب علائی کے نام ایک خط میں مورخہ جون ۱۸۶۱ عیسوی سے اور تذکرۂ مظہر العجائب کے لیے بھیجی ہوئی ان کی ایک تحریر سے ظاہر ہوتا ہے۔ ان حقائق سے اس بات کا مزید ثبوت ملتا ہے کہ ان کا سنہ پیدائش ۱۲۱۲ ہجری نہیں ہے بلکہ ۱۲۱۱ ہجری ہے، کیونکہ ۸ رجب

۱۲۱۲ ہجری کو یکشنبہ نہیں تھا، بلکہ چہار شنبہ تھا اور جیسا کہ بعد میں بتایا جائے گا۔ سیاروں کے مواضع بھی غالب کے زائچے سے بالکل مختلف تھے۔ ۸ رجب ۱۲۱۳ ہجری کو ضرور یکشنبہ تھا، لیکن اس دن بھی سیاروں کے مواضع غالب کے زائچے سے بالکل مختلف تھے۔ ۸ رجب ۱۲۱۴ ہجری کو بھی یکشنبہ نہیں تھا بلکہ جمعہ تھا اور سیاروں کے مواضع بھی غالب کے زائچے سے بالکل مختلف تھے۔

غالب کے زائچے میں سیاروں کے جو مواضع درج کیے گئے ہیں اور جن کی بنیاد پر میں نے غالب کی صحیح تاریخ پیدائش معلوم کی ہے ان کی تصدیق غالب کے اس لاجواب فارسی قصیدے کے تشبیب کے اشعار سے بھی ہوتی ہے جو انھوں نے سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کی شان میں کہا تھا۔ یہ قصیدہ انھوں نے اپنی کہنہ مشقی کے زمانے میں یعنی تقریباً چالیس سال کی عمر میں کہا تھا۔ اس کا ایک ایک معارف و معانی کا دریا ہے۔ اس قصیدے کے کل ایک سو بارہ اشعار میں سے صرف وہ اٹھارہ اشعار جن کا نفس مضمون سے تعلق ہے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ ان اشعار میں غالب نے اپنے زائچے کے سیاروں کی سعادت ونحوست پر اپنے مخصوص عالمانہ وشاعرانہ انداز میں خود ہی تبصرہ فرمایا ہے۔ اگر اس زیر مطالعہ مضمون کی تمہید کو اچھی طرح سمجھ کر پڑھ لیا جائے تو ان اشعار کو سمجھنے میں ذرا سی بھی مشکل پیش نہیں آئے گی۔

مگر مرا دل کافر بود شب میلاد
کہ ظلمتش دہد از گور اہل عصیاں یاد
خود اصل طالع من جزوے از کمانسے
کز وست ناوک غم را ہزار گونہ کشاد
خرام زہرہ بطالع اگرچہ دادہ نشاں
ہم از لطافت طبع وہم از صفائے نہاد
ولے ازاں کہ غریب است زہرہ اندر قوس
نشستہ بر رخ نقد قبول گرد کساد
تو گوئی از اثر انتقام ہاروت است

کہ مر بطالع من چرخ زہرہ را جا داد

بہ صفر جدی ذنب را اشارۂ باشد

بخاک و حلقۂ دام وکمیں کہ صیاد

چہ دام؟ روح رواں را گذارش پر وبال

چہ صفر؟ رنج والم را فزائش اعداد

زمہر وپیکر تیر آشکار شد بجدی

فروغ اخگر رخشندہ و کفِ زر ماد

بجوت در شدہ ہم مشتری وہم مریخ

یکے کفیل صلاح ویکے دلیل فساد

یکے بہیئت پیرے کہ تا کہ از غوغا

بکنج صومعہ و ماندہ باشد از اوراد

یکے بصورت ترکے کہ از پئے یغما

ستیزہ جوئے در آید بخانۂ زہاد

قمر بہ ثور کہ کاشانہ ششم باشد

چو نور خویش کند دستگاہ خصم زیاد

سیاہ گشتہ دو پیکر زسیلی کیواں

چنانکہ از اثر خاک تیرہ گردد باد

بدیں دو نحس نگر تا چہ شکل مستقبل

کشیدہ اند ز تربیع خویش در اوتاد

بہ چار میں کدہ بہرام پنجمیں پایہ

بہ ہفتمیں زدہ کیوان ہفتمیں بنیاد

کند چو ترک ستمگر بہ کشتن استعجال

کند چو ہندو رہزن بہ بردن استبداد

زحوت ہیبت طوفان نوح پردہ کشا

عیاں زصورت جوزا نہیب صرصر بادت

تو وخدا کہ دریں کشمکش کہ من باشم

چگونہ چوں دگراں زیستن تواں بمراد

ان اشعار کا اردو ترجمہ اور علمی اصطلاحات کی وضاحت نہایت اختصار کے ساتھ ذیل میں درج ہے۔

شعر ا۔(ترجمہ) میرے لیے میرا دل کا فر ایسی شب ولادت ہے جس کی تیرگی کے آگے بڑے سے بڑے گنہگار کی قبر کی تاریکی ہیچ ہے۔(وضاحت) اس شعر میں غالب نے کنایۃً یہ بتا دیا ہے کہ ان کی پیدائش رات کے وقت ہوئی تھی۔

شعر ۲۔(ترجمہ) دراصل میرا طالع ولادت کمان (یعنی برج قوس) کا ایک حصہ ہے جس کے ذریعے ناوک غم کو ہزار گنی سہولت حاصل ہوگئی ہے۔(وضاحت) کسی زائچے میں برج قوس اگر طالع ہو جائے تو مولود کو بڑی دکھ بھری زندگی گزارنی پڑتی ہے۔اسی بات کو غالب نے نہایت ہی لطیف اور شاعرانہ پیرائے میں بیان کیا ہے۔

شعر ۳۔۔۴(ترجمہ) اگر چہ میرے طالع میں زہرہ کی موجودگی یہ ظاہر کرتی ہے کہ مولود لطافت طبع اور صفائے نہاد میں یکتائے روزگار ہوگا لیکن چونکہ برج قوس میں ہونے کی وجہ سے زہرہ کی حیثیت ایک غریب کی سی ہے، اس لیے میرے نقد قبول کے چہرے پر کساد بازاری کی گرد پڑی ہوئی ہے۔(وضاحت) برج قوس کا مالک مشتری ہے جو زہرہ سے بے تعلق ہے، گویا زہرہ ایک ایسے گھر میں پڑا ہوا ہے جہاں اس کی حیثیت ایک اجنبی مسافر کی سی ہے اور اسی وجہ سے وہ سعد اصغر ہوتے ہوئے بھی اپنا پورا اثر دکھانے سے معذور ہے۔یعنی اس نے اتنا نیک اثر تو دکھایا کہ غالب کو لطیف طبع اور نیک نہاد بنا دیا لیکن اس درجہ نیک اثر نہیں دکھا سکا کہ غالب کی متاع سخن کے

خریداروں کی ریل پیل ہوتی۔
شعر-۵ (ترجمہ) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چرخ نے (مجھ پر مہربان ہوکر نہیں بلکہ) ہاروت سے انتقام لینے کی غرض سے (اس کی محبوبہ یعنی) زہرہ کو میرے طالع میں جگہ دی ہے (تاکہ ہاروت چاہ بابل کے عذاب کے ساتھ ساتھ آتش رقابت میں بھی جلتا رہے اور مجھے بھی بددعا دیتا رہے)۔
(وضاحت) اس شعر میں غالب نے ہاروت و ماروت کی مشہور تلمیح سے کام لیا ہے جو دو فرشتے تھے اور بالترتیب زہرہ و مشتری پر عاشق تھے اور اپنی بدکرداری کی پاداش میں چاہ بابل میں ابھی تک الٹے لٹکے ہوئے ہیں۔ تمزیج سیارگاں اور تخیل شاعرانہ کا یکجائی تاثر اس سے بہتر کوئی پیش نہیں کرسکتا۔
شعر-۶ (ترجمہ) برج جدی کے صفر درجے پر ذنب کی موجودگی اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ میری قسمت میں خاک، حلقہ دام اور کمیں گاہ صیاد کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ (وضاحت) برج جدی کا مزاج خاکی ہے جس سے خاک کی طرف اشارہ ملتا ہے، ذنب کی شکل اژدہے کی حلقہ نما دُم کی سی ہے جس سے حلقہ دام کی طرف اشارہ ملتا ہے اور جدی کی شکل چھپ کر حملہ کرنے والے جانور کی سی ہے جس سے کمیں گاہ صیاد کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ اس شعر میں بھی غالب نے تمزیج سیارگان کا بڑا اچھوتا تصور پیش کیا ہے۔
شعر-۷ (ترجمہ) یہ دام کیا ہے؟ یہ میری روح رواں کے پر و بال کو جلا دینے کی طرف اشارہ ہے۔ اور صفر یہ کیا ہے؟ یہ میرے رنج والم کے لیے افزائش اعداد کی طرف اشارہ ہے۔
(وضاحت) صفر میں یہ خصوصیت ہے کہ جس عدد کے آگے لگا دیا جاتا ہے اس کی قیمت دس گنی ہو جاتی ہے۔ صفر کی اسی خصوصیت کا سہارا لے کر غالب نے ذنب کے صفر جدی پر ہونے سے رنج و الم کے لیے افزائش اعداد کا نہایت لطیف نکتہ پیدا کیا ہے۔
شعر-۸ (ترجمہ) برج جدی میں شمس بھی ہے اور عطارد بھی ہے۔ جس سے یہ آشکار ہوتا ہے کہ میری قسمت میں آتش عشق اور اس کے بعد جلی ہوئی راکھ لکھی ہوئی ہے۔ (وضاحت) شمس کا مزاج آتشی ہے اور وہ آگ کے ایک گولے کی طرف ہے جو متحرک بھی ہے۔ اس لیے غالب

نے شمس کی برج جدی میں موجودگی کو اخگر رخشندہ سے نسبت دی ہے، جو مجازاً آتش عشق کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ تیر یعنی عطارد کا مزاج بادی ہے جو آگ کو بھڑ کانے میں مدد دیتا ہے اور جدی کا مزاج خاکی ہے جو جل کر راکھ کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ کف کے معنی سوختہ چقماق کے بھی ہیں۔ اس شعر میں غالب نے تمزیج سیارگان کی ایک لاجواب مثال قائم کی ہے۔

شعر-۹ (ترجمہ) برج حوت میں مشتری بھی موجود ہے اور مریخ بھی موجود ہے۔ ان دونوں میں سے ایک (یعنی مشتری) کفیل صلاح ہے، اور ایک (یعنی مریخ) کی دلیل فساد ہے۔ (وضاحت) مشتری سعد اکبر ہے اور اس کی شکل ایک معمر شخص کی سی ہے جو نیک مشورہ دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مریخ نحس اصغر ہے اور اس کی شکل ایک ایسے جنگجو جوان کی سی ہے جو قتل و غارت کے لیے بہانے ڈھونڈتا پھرتا ہے۔

شعر ۱۰- (ترجمہ) ایک (یعنی مشتری) ایسی حالت میں ہے جیسے کوئی بوڑھا آدمی ناگہانی شور وغل سے گھبرا کر اپنی خانقاہ کے گوشے میں وظیفہ اور ورد بھی چھوڑ بیٹھا ہے۔ (وضاحت) برج حوت کا مالک مشتری ہے اور وہ اپنے ہی گھر میں بیٹھا ہے۔ ایسی حالت میں مشتری سے نیک ثمرہ ملنے کی توقع تھی کیونکہ یہ سعد اکبر ہے، لیکن چونکہ مریخ بھی ساتھ ہی موجود ہے اور فتنہ و فساد اور شور وغل میں مشغول ہے، اس لیے ایسی پریشان کن حالت پیدا ہو گئی ہے کہ مشتری بھی نیک ثمرہ دینے سے قاصر ہو گیا ہے۔ اس شعر میں غالب نے مشتری کی تمزیجی حیثیت کا جو مکمل نقشہ کھینچا ہے وہ اپنا جواب آپ ہے۔

شعر-۱۱ (ترجمہ) ایک (یعنی مریخ) ایسی صورت میں ہے جیسے کوئی خونخوار و ظالم ترک لوٹ مار کرنے کے ارادے سے زاہدوں کے گھر میں گھس آیا ہو۔ (وضاحت) مریخ برج حوت میں داخل ہو گیا ہے جو مشتری کا گھر ہے اور مشتری بھی اسی گھر میں بیٹھا ہے۔ گویا کہ مشتری تمزیجی حیثیت سے ایک زاہد کی مانند ہے۔ لہٰذا برج حوت خانہ زہاد کی مانند ہوا۔ اس تمزیج میں غالب نے ایک نہایت ہی لطیف نکتہ بیان کیا ہے یعنی اگر کوئی ڈاکو کسی غریب زاہد کے گھر میں ڈاکہ ڈالنے آ جائے اور اسے وہاں ذرا سا بھی مال ہاتھ نہ آئے تو پھر اندازہ لگائیے کہ مسلسل تلاش مال، نا

امیدی اور غصے کی حالت میں اس ڈاکو کی شکست خوردہ ذہنیت اور اس کے ظلم و ستم کا کیا حال ہوگا۔ اپنے زائچے میں مریخ کی نحوست انگریزی کا اس قدر جامع اور موثر نقشہ پیش کرنا غالب ہی کا حصہ ہے۔

شعر-۱۲ (ترجمہ) قمر برج ثور میں ہے اور برج ثور زائچے کے چھٹے خانے میں پڑا ہے، اس لیے قمر اپنے نور کی طرح میرے دشمن کی دستگاہ کو بھی بڑھا رہا ہے، (وضاحت) برج ثور میں قمر کو شرف حاصل ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کا نیک ثمرہ بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے لیکن غالب کے زائچے میں قمر برج ثور میں ہوتے ہوئے بھی زائچے کے چھٹے خانے میں جا پڑا ہے۔ چونکہ چھٹا خانہ دشمن سے تعلق رکھتا ہے اس لیے قمر کا سارا نیک ثمرہ بجائے غالب کے حق میں ہونے کے ان کے دشمن کے حق میں ہوگیا ہے۔ قمر کا یہ نیک ثمرہ غالب کے حق میں اسی وقت ہوسکتا تھا جب کہ قمر برج ثور میں ہوتے ہوئے زائچے کے پہلے خانے میں بھی ہوتا، جس کا تعلق مولود کے جسم اور دل سے ہے۔ غالب نے اس تمزیج میں بھی ایک باریک نکتہ بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ چونکہ قمری مہینے کی آٹھ تاریخ کا زائچہ ہے اس لیے قمر کا نور روز بروز بڑھتا جا رہا ہے، جس کے نتیجے میں نور قمر کی زیادتی کے تناسب سے دشمن کی دستگاہ بھی زیادہ ہوتی جارہی ہے۔

شعر-۱۳ (ترجمہ) زحل کے طمانچے سے جوزا کا چہرہ سیاہ پڑ گیا ہے جس طرح کہ (آندھی کے وقت خاک کے اثر سے ہوا تاریک ہو جاتی ہے۔ (وضاحت) برج جوزا کو دو پیکر اور زحل کو کیوان بھی کہتے ہیں۔ برج جوزا قدرے نیک ثمرہ دینے والا ہے لیکن چونکہ اس میں زحل میں بھی موجود ہے جو نحس اکبر ہے، اس لیے برج جوزا کا تھوڑا بہت نیک اثر بھی زائل ہوگیا ہے۔ چونکہ جوزا کا مزاج بادی ہے اور زحل کا مزاج خاکی ہے، اس لیے غالب نے مٹی کے اثر سے ہوا کے تاریک ہو جانے کی تشبیہ استعمال کی ہے جو نہایت بامعنی اور حسب حال ہے۔

شعر ۱۴-۱۵ (ترجمہ) ان دونوں نحس سیاروں (یعنی مریخ و زحل) کی حالتوں پر غور کرو کہ آپس میں نظر تربیع بھی رکھتے ہیں اور اوتاد میں بھی بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس طرح ان دونوں نے مل کر میرے مستقبل کی کیسی (مہیب) تصویر کھینچ رکھی ہے یعنی فلک پنجم سے تعلق رکھنے والا مریخ زائچے

کے چوتھے خانے میں ہے اور فلک ہفتم سے تعلق رکھنے والا زایچے کے ساتویں خانے میں ہے۔
(وضاحت) مریخ کو بہرام بھی کہتے ہیں۔ جب دو سیاروں کے درمیان تین بروج کا فرق ہوتا ہے تو وہ ایک دوسرے کو نظر تربیع سے دیکھتے ہیں۔ یہ نصف دشمنی کی نظر سمجھی جاتی ہے۔ غالب کے زایچے میں مریخ برج حوت میں ہے اور زحل برج جوزا میں ہے، اس لیے ان دونوں کے درمیان نظر تربیع ہے جس کی وجہ سے ان دونوں کی نحوست میں اور بھی اضافہ ہوگیا ہے۔ مزید برآں دونوں سیارے اوتاد میں یعنی چوتھے اور ساتویں خانوں میں بھی بیٹھے ہوئے ہیں جس سے ان کی نحوست اور بھی مستقل اور دیرپا ہوگئی ہے۔
شعر-۱۶ (ترجمہ) اول الذکر (یعنی مریخ) ظالم ترک کی طرح مجھے ہلاک کرنے میں تیزی دکھا رہا ہے اور موخر الذکر (یعنی زحل) ہندو ٹھگ کی طرح مجھے لوٹنے کھسوٹنے میں اذیتیں پہنچا رہا ہے۔
(وضاحت) مریخ اور زحل دونوں کے فطری خواص اور زایچے میں ان کی مخصوص حالتوں کے مطابق غالب نے جو تشبیہیں ان دونوں سیاروں کے لیے پیش کی ہیں وہ نہایت ہی بلیغ اور مکمل ہیں۔ غالب کے سوا کوئی دوسرا شاعر اتنی صحیح عکاسی نہیں کرسکتا۔
شعر-۱۷ (ترجمہ) برج حوت (اور کس میں بیٹھے ہوئے مریخ) پر نظر ڈالنے سے طوفان نوح کی ہیبت سامنے آجاتی ہے۔ اسی طرح برج جوزا (اور اس میں بیٹھے ہوئے زحل) کی شکل کو دیکھنے سے صرصر عاد کی سی دہشت طاری ہو جاتی ہے۔ (وضاحت) حوت کا مزاج آبی ہے اور اس میں مریخ موجود ہے جو نحس اصغر ہے، اس لیے اس کے نحس اثرات کو طوفان نوح کی مرغابیوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اسی طرح جوزا کا مزاج بادی ہے اور زحل آس میں موجود ہے جو نحس اکبر ہے، اس لیے اس کے نحس اثرات کو اس آندھی کی تباہ کاریوں سے تشبیہ دی گئی ہے جو قوم عاد کے لیے بھیجی گئی تھی۔ یہ تمزیج بھی غالب نے بڑے شاعرانہ انداز میں بیان کی ہے اور دو مشہور تلمیحات کا ذکر کر کے حسن بیان کو اور بھی دوبالا کردیا ہے۔
شعر-۱۸ (ترجمہ) خدا کے لیے مجھے یہ تو بتا دو کہ (اپنے زایچے کے سیاروں کے نحس اثرات کی) اس کشمکش میں پڑ کر میں کیوں کر دوسرے لوگوں کی طرح بامراد زندگی گزار سکتا ہوں۔ (وضاحت)

غالب نے اپنے زائچۓ میں سارے سیاروں کے مجموعی اثرات کو اپنے لیے بڑا مایوس کن بتایا ہے۔ علم نجوم کی رو سے غالب کا ایک ایک لفظ صحیح ہے۔ انھوں نے راس اور سہم السعادت وغیرہ کا ذکر کرنا اپنے قصیدے میں ضروری نہیں سمجھا کیونکہ ان کے اثرات کو نظر انداز کر دینے کے باوجود زائچۓ کے مجموعی اثر میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

غالب کے قصیدے کے ان اشعار سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ غالب کا شائع شدہ زائچہ بالکل صحیح ہے اور اس صحیح زائچۓ کی بنیاد پر غالب کی صحیح تاریخ پیدائش ۸ جنوری ۱۷۹۷ عیسوی مطابق ۸ رجب ۱۲۱۱ ہجری بروز یکشنبہ ہے۔ اس شائع شدہ زائچۓ میں سہم الغیب، سہم اولاد اور سہم امراض کے مقامات غلط درج ہو گئے ہیں۔ جو محض کاتب کی غلطی پر محمول کیے جا سکتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اصل زائچۓ کے مخطوطے میں ان تینوں سہام کا ذکر نہ ہو بلکہ بعد میں کسی نے ان تینوں کو زائچۓ کے خانوں میں غلط طور پر درج کر دیا ہو، کیونکہ یہ تینوں سہام زیادہ اہم نہیں سمجھے جاتے اور عام طور پر صرف سہم السعادت ہی کو زائچۓ میں لکھنا کافی سمجھا جاتا ہے۔ اگر صحیح حساب لگایا جائے تو غالب کے زائچۓ میں سہم الغیب پانچویں خانے میں برج حمل کے ۱۷ درجے ۴۰ دقیقے پر ہونا چاہیے، سہم اولاد دسویں خانے میں برج سنبلہ کے ۱۵ درجے ۴۸ دقیقے پر ہونا چاہیے، اور سہم امراض چوتھے خانے میں برج حوت کے ۲۶ درجے ۳۸ دقیقے پر ہونا چاہیے۔ اغلب یہی ہے کہ ان تینوں سہام کو شائع شدہ زائچۓ میں کسی نے بعد میں غلط طور پر درج کر دیا ہوگا، ورنہ زائچۓ کا اصل مخطوطے میں ان تینوں سہام کا اندراج نہیں ہوگا۔ بہر حال ان تینوں سہام کے غلط موضع سے زائچۓ کی اصل حقیقت پر ذرہ بھر بھی اثر نہیں پڑتا، کیوں کہ یہ سہام کوئی علاحدہ حیثیت نہیں رکھتے، بلکہ طالع اور دیگر سیاروں کے مقامات کی مدد سے اخذ کر لیے جاتے ہیں۔ لہٰذا اگر سہم السعادت کا مقام بھی غلط درج ہوتا تو بھی زائچۓ کی صحت پر کوئی اثر نہ پڑتا۔

عام پڑھنے والوں کی سہولت کے لیے صفحہ ۳۸، ۳۹ پر غالب کے دو مختلف زائچۓ مختصر اور آسان کر کے درج کیے جا رہے ہیں، ایک زائچہ بحساب یونانی اور ایک زائچہ بحساب ہندی ہے۔ جیسا

کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اگر ہم یونانی حساب میں سے ہر جگہ اینانش یعنی ۲۱ درجے کم کرتے چلے جائیں تو ہندی حساب حاصل ہو جاتا ہے۔ اہل ہند کی قدیم کتب میں سہام کا ذکر نہیں ہے، اس لیے حساب ہندی کے مطابق سہام کا استخراج نہیں کیا جاتا اور حساب یونانی میں بھی صرف سہم السعادت ہی کو زیادہ قابل اعتماد سمجھا جاتا ہے۔

ان زائچوں کو دیکھنے سے ہمارا اصل مقصد حاصل ہو جاتا ہے، پھر بھی میں نے پڑھنے والوں کی مزید دلچسپی کے لیے ذیل میں ۸ رجب ۱۲۱۲ ہجری، ۸ رجب ۱۲۱۳ ہجری اور ۸ رجب ۱۲۱۴ ہجری کے مطابق تین زائچے بحساب یونانی بنائے ہیں اور ان کے سیاروں کے مقامات کا حساب درج کیا ہے۔ غالب کے شائع شدہ زائچے کے سیاروں کے مقامات میں اور ان تینوں زائچوں کے سیاروں۔ کے مقامات میں جو نمایاں فرق آتا ہے وہ بھی ساتھ ہی لکھ دیا ہے، جس سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح ظاہر ہو جائے گی کہ غالب کی صحیح تاریخ پیدائش صرف ۸ رجب ۱۲۱۱ ہجری ہی ہو سکتی ہے جیسا کہ پہلے بھی ثابت کیا جا چکا ہے۔

'۸ رجب ۱۲۱۲ ہجری کا زائچہ'

۱۔ استخراج تقویم یونانی بتاریخ ۸ رجب ۱۲۱۲ ہجری مطابق ۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ عیسوی بروز چہار شنبہ بمقام اکبر آباد بوقت چہار گھڑی پیش از طلوع آفتاب، انڈین اسٹینڈرڈ ٹائم کے مطابق علی الصباح ۵ بج کر ۳۳ منٹ پر۔ اینانش تقریباً ۲۱ درجے، مساوات وقت تقریباً ۰ منٹ مثبت، غرۃ الزیجات ابرکن ۷۹۰۳۰۳، گرو لاگھو چکر ۲۵، ابرکن ۔۱۰۲۶ جولین ڈے ۲۳۷۷۶۲۔

۲۔ طالع یعنی پہلا خانہ — برج قوس کے ۱۷ درجے ۵۰ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۹ درجے ۴۹ دقیقے منفی)

۳۔ شمس، دوسرے خانے میں — برج جدی کے ۵ درجے دقیقے پر تھا۔ (فرق ۲۶ درجے ۲۱ دقیقے منفی)

۴۔ قمر، پانچویں خانے میں — برج جوزا کے ۱۲ درجے صفر دقیقے پر تھا۔ (فرق ۱۲۶ درجے ۲ دقیقے منفی)

۵۔راس، ساتویں خانے میں۔برج جوزا کے ۱۱ درجے ۵۸ دقیقے پر تھا۔(فرق ۱۸ درجے ۵۳ دقیقے منفی)

۶۔ذنب، پہلے خانے میں۔برج قوس کے ۱۱ درجے ۵۸ دقیقے پر تھا۔(فرق ۱۸ درجے ۵۳ دقیقے منفی)

۷۔مریخ، بارہویں خانے میں۔برج عقرب کے ۱۴ درجے ۵۹ دقیقے پر تھا۔(فرق ۷ بروج ۲۱ درجے ۳۰ دقیقے مثبت)

۸۔عطارد، دوسرے خانے میں۔برج جدی کے ۲۰ درجے ۵۵ دقیقے پر تھا۔(فرق ۵ درجے ۱۳ دقیقے منفی)

۹۔مشتری، پانچویں خانے میں۔برج حمل کے ۱۱ درجے ۲۸ دقیقے پر تھا۔(فرق ا برج صفر درجہ ۵۱ دقیقے مثبت)

۱۰۔زہرہ، تیسرے خانے میں۔برج دلو کے ۲۲ درجے ۱۴ دقیقے پر تھا۔(فرق ۲ برج ۷ درجے ۵۱ دقیقے مثبت)

۱۱۔زحل، آٹھویں خانے میں۔برج سرطان کے ۱۱ درجے ۵۳ دقیقے پر تھا۔(فرق ۱۹ درجے دقیقے مثبت)

۱۲۔سہم السعادت، دسویں خانے میں۔برج سنبلہ کے ۱۱ درجے ۴۰ دقیقے پر تھا۔(فرق ۴ درجے ۲ دقیقے مثبت)

نوٹ: ہندوؤں کی پترہ کے استنباط کے مطابق طالع برج عقرب کے ۲۶ درجے پر تھا، شمس برج قوس کے ۱۴ درجے پر تھا، اور ذنب برج عقرب کے ۲۳ درجے پر تھا۔

'۸ رجب ۱۲۱۳ ہجری کا زائچہ'

۱۔ استخراج تقویم یونانی بتاریخ ۸ رجب ۱۲۱۳ ہجری مطابق ۱۶ دسمبر ۱۷۹۸ عیسوی بروز یکشنبہ بمقام اکبرآباد بوقت چہار گھڑی پیش از طلوع آفتاب۔انڈین اسٹینڈرڈ ٹائم کے مطابق علی الصباح ۵ بج کر ۲۸ منٹ پر۔ایانش تقریباً ۲۱ درجے۔مساوات وقت تقریباً ۴ منٹ

منفی – غرۃ الزیجات اہرگن – ۴۴۱۴۴۰۳ گرہ لاگھو چکر ۲۵، اہرگن ۱۴۰۰، جولین ڈے ۲۳۷۸۱۱۶۔

۲۔طالع یعنی پہلا خانہ–برج قوس کے ۱۷ درجے ۲۰ دقیقے پر تھا۔(فرق ۲۰ درجے ۱۹ دقیقے منفی)

۳۔شمس، پہلے خانے میں–برج قوس کے ۲۴ درجے ۲۳ دقیقے پر تھا۔(فرق ۲۳ درجے ۵۷ دقیقے منفی)

۴۔قمر، پانچویں خانے میں–برج حمل کے ۲ درجے ۳۲ دقیقے پر تھا۔(فرق ۱ برج ۵ درجے ۴۹ دقیقے منفی)

۵۔راس، چھٹے خانے میں–برج ثور کے ۲۳ درجے ۱۴ دقیقے پر تھا۔(فرق ۱ برج ۷ درجے ۳۷ دقیقے منفی)

۶۔مریخ، پانچویں خانے میں–برج حمل کے ۳ درجے ۴۷ دقیقے پر تھا۔(فرق ۱۰ درجے ۱۸ دقیقے منفی)

۷۔عطارد، دوسرے خانے میں–برج جدی کے ۱۲ درجے ۳۸ دقیقے پر تھا۔(فرق ۱۳ درجے ۳۰ دقیقے مثبت)

۸۔مشتری، چھٹے خانے میں–برج ثور کے ۱۸ درجے ۵ دقیقے پر تھا۔(فرق ۱۳ درجے ۳۰ دقیقے منفی)

۹۔زہرہ، پہلے خانے میں–برج قوس کے ۲۱ درجے ۱۶ دقیقے پر تھا۔(فرق ۶ درجے ۵۳ دقیقے مثبت)

۱۰۔زحل، آٹھویں خانے میں–برج سرطان کے ۲۸ درجے ۶ دقیقے پر تھا۔(فرق ۱ برج ۵ درجے ۳۸ دقیقے مثبت)

۱۱۔سہم السعادت، نویں خانے میں–برج اسد کے ۲۹ درجے ۱۱ دقیقے پر تھا۔(فرق ۸ درجے ۳۷ دقیقے منفی)

نوٹ: ہندوؤں کی پترہ کے استنباط کے مطابق طالع برج عقرب کے ۱۶ درجے پر تھا، شمس برج قوس کے ۳ درجے پر تھا، اور ذنب برج عقرب کے ۴ درجے پر تھا۔

۸ رجب ۱۲۱۴ ہجری کا زائچہ

۱۔ استخراج تقویم یونانی بتاریخ ۸ رجب ۱۲۱۴ ہجری مطابق ۶ دسمبر ۱۷۹۹ عیسوی بروز جمعہ بمقام اکبرآباد بوقت چہار گھڑی قبل از طلوع آفتاب، انڈین اسٹینڈرڈ ٹائم کے مطابق علی الصباح ۵ بج کر ۲۱ منٹ پر۔ اینانش تقریباً ۲۱ درجے۔ مساوات وقت تقریباً ۹ منٹ منفی۔ غرۃ الزیجات اہرگن۔ ۳۰۴۴۹۹ گرہ لاکھو چکر ۲۵، اہرگن۔ ۱۷۵۵ جولین ڈے ۱۷۴۷۲۳۔

۲۔ طالع یعنی پہلا خانہ۔ برج عقرب کے ۲۶ درجے ۵۵ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۱ برج صفر درجہ ۴۴ دقیقے منفی)

۳۔ شمس، دوسرے خانے میں۔ برج قوس کے ۱۳ درجے ۵۷ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۱ برج ۴ درجے ۲۳ دقیقے منفی)

۴۔ قمر، چھٹے خانے میں۔ برج حمل کے ۴ درجے ۴۸ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۱ برج ۳ درجے ۳۳ دقیقے منفی)

۵۔ راس، ساتویں خانے میں۔ برج ثور کے ۴ درجے ۲۶ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۱ برج ۲۶ درجے ۲۵ دقیقے منفی)

۶۔ ذنب۔ پہلے خانے میں، برج عقرب کے ۴ درجے ۲۶ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۱ برج ۲۶ درجے ۲۵ دقیقے منفی)

۷۔ مریخ، پہلے خانے میں۔ برج عقرب کے ۱۵ درجے ۱۴ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۷ بروج ۲۱ درجے ۴۵ دقیقے مثبت)

۸۔ عطارد، تیسرے خانے میں۔ برج جدی کے ۳ درجے ۴۹ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۲۲ درجے ۱۹ دقیقے منفی)

۹۔ زہرہ، پہلے خانے میں۔برج عقرب کے ۴ درجے ۵۲ دقیقے پر تھا۔(فرق ا برج ۹ درجے ۳۱ دقیقے منفی)

۱۱۔ زحل، دسویں خانے میں۔برج اسد کے ۱۵ درجے ۴۰ دقیقے پر تھا۔(فرق ا برج ا درجہ ۴۴ دقیقے منفی)

نوٹ: ہندوؤں کی پترہ کے استنباط کے مطابق طالع برج عقرب کے ۵ درجے پر تھا، شمس برج عقرب کے ۲۴ درجے پر تھا، اور ذنب برج میزان کے ۱۵ درجے پر تھا۔

مندرجہ بالا تینوں زایچوں کے مقابلہ غالب کے شائع شدہ زایچے سے کرنے کے بعد یہ امر یقینی طور پر ثابت ہوجاتا ہے کہ غالب کی صحیح تاریخ پیدائش ۸ جنوری ۱۷۹۷ عیسوی بروز یکشنبہ ہے، جبکہ جولین ڈے ۲۳۷۷۴۰۹ تھا۔ ان کی وفات ۱۵ فروری ۱۸۶۹ عیسوی کو بروز دوشنبہ ہوئی تھی جب کہ جولین ڈے ۲۴۰۳۷۴۴ تھا۔ اس طرح غالب نے اس دارفانی میں کل ۲۶۳۳۵ دن قیام کیا تھا۔

اس مقام پر ہمارا مقصد پورا ہوجاتا ہے، لیکن ضمنی طور پر غالب کے اس قصیدے کا بھی ذکر کردینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جو انھوں نے ابوظفر بہادر شاہ کی شان میں کہا تھا، کیونکہ اس سے ہمارے نفس مضمون کو کافی تقویت پہنچے گی۔ اس قصیدے کی تشبیب میں بھی غالب نے سیاروں کے ان مقامات کا ذکر کیا ہے جو اس مخصوص ساعت میں واقع ہوئے تھے، جب کہ غالب نے بہادر شاہ ظفر کے سامنے یہ قصیدہ بہ نفس نفیس پڑھا تھا۔ وہ دس اشعار ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

بوظفر قبلۂ آفاق کہ در مسلک شوق
ہر کہ روسوئے تو دارد بہ جہاں قبلہ نماست
ہمچو من شاعر وصوفی ونجومی وحکیم
نیست در دہر قلم مدعی و نکتہ گواست
ذوق مدح تو برآں داشتہ باشد کامروز

رگ اندیشہ زدم گرچہ قمر در جوزاست

اینکہ خور در حمل ومہ بہ دو پیکر باشد

ہست تسدلیس ہمایوں نظر مہر فزاست

بادہ با نیر اعظم زدہ کیواں بہ حمل

ہم نشینی بہ شہنشہ ز کشاورز خطاست

زہرہ دیدم بہ حمل تن زدم از جبث زحل

بہر شہ مطربہ آوردہ نہ دہقان تنہاست

قاضی چرخ کہ در خوشہ بود واژوں پوئے

متحیر کہ چرا اوج و وبالش یکجاست

چوں فرود آمدہ مریخ بہ منزلگہ ماہ

کلبۂ پیک طرف گاہ سپہبد نہ رواست

تاچہ افتادہ کہ در خانۂ قاضیست دبیر

پرسش واقعۂ ہست اگر پرسی راست

گشتہ در دلو واسد روئے برو جادہ نورد

ذنب وراس کہ از طالع وغارب پیداست

مضمون کہ مختصر کرنے کی غرض سے ان اشعار کے ترجمے کو اور اصطلاحات کی تشریح کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ اگر اس مضمون کی تمہید کو سمجھ کر پڑھ لیا جائے تو ان اشعار کی تنجیمی اہمیت کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوسکتی۔ ان اشعار میں بھی غالب نے تمزیج سیارگان کی بڑی اعلیٰ وارفع مثالیں قائم کی ہیں اور کنایۃً اپنے حریفوں پر، خصوصاً استادشاہ یعنی شیخ ابراہیم ذوق پر بڑی چوٹیں کی ہیں۔ یہ ملحوظ رہے کہ ان اشعار میں غالب نے شاعرانہ طور پر کنایۃً بہادر شاہ ظفر کو شمس سے تشبیہ دی ہے، اپنے آپ کو قمر سے تشبیہ دی ہے۔ جس نے شاید اس محفل میں ذوق کا قصیدہ ترنم کے ساتھ پڑھ کر یا گا کر سنایا ہوگا۔ اسی طرح باقی سیاروں کو بھی حسب مناسبت اپنے دوسرے

حریفوں سے تشبیہ دی ہے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ تمزیجی اعتبار سے غالب نے شمس کو شہنشاہ، قمر کو بیک طرب، مریخ کو سپہبد، عطارد کو دبیر، مشتری کو قاضی، زہرہ کو مطرب، زحل کو کشاورز و دہقان، اور ذنب وراس کو روئے بروجادہ نورد بتایا ہے۔ اس طرح تمزیج سیارگان کی لذت میں شاعرانہ شوخی کی چاشنی بھی شامل ہوگئی ہے۔

ان اشعار سے جن باتوں کا علم ہوتا ہے وہ یہ ہیں۔ اس وقت طالع برج دلو میں تھا اور اس میں ذنب بھی موجود تھا۔ غارب برج اسد میں تھا اور اس میں راس بھی موجود تھا۔ شمس برج حمل میں تھا اور اس کے ساتھ زحل وزہرہ بھی تھے۔ قمر برج جوزا میں تھا اور اس پر شمس کی نظر تسدیس بھی پڑرہی تھی جو مبارک سمجھی جاتی ہے۔ مشتری راجع ہوکر برج سنبلہ میں پڑا تھا۔ جہاں اس کا اوج بھی ہے اور وبال بھی ہے۔ قمر کے گھر یعنی برج سرطان میں مریخ تھا۔ اور مشتری کے گھر یعنی برج حوت میں عطارد تھا۔ سیاروں کے ان مواضع پر غور کرکے حساب لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے یہ قصیدہ جشن نوروز کے موقع پر کہا تھا اور جس تقویم سیارگان کا اس قصیدے میں ذکر ہے وہ دراصل زائچہ نوروز کی تقویم تھی، جیسا کہ غالب نے لفظ 'امروز' استعمال کرکے ظاہر کیا ہے۔ میں نے اس تقویم سیارگان کو بھی اسی طرح معلوم کرلیا ہے جس طرح کہ غالب کے زائچے کے لیے حسابات لگانا اس تقویم کی تفصیلات کو اس جگہ بیان کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا۔ صرف اتنا سمجھ لیجیے کہ اس وقت طالع برج دلو کے ۲۲ درجے پر تھا، شمس برج حمل کے صفر درجے پر تھا، قمر برج جوزا کے ۲۷ درجے پر تھا، راس برج اسد کے ۲۲ درجے پر تھا، ذنب برج دلو کے ۲۲ درجے پر تھا، مریخ برج سرطان کے ۲ درجے پر تھا۔ عطارد برج حوت کے ۱۸ درجے پر تھا، مشتری برج سنبلہ کے ۲۰ درجے پر تھا۔ زہرہ برج حمل کے ۵ درجے پر تھا، اور زحل برج حمل کے ۸ درجے پر تھا۔ یہ یاد رہے کہ جب شمس برج حمل میں داخل ہوتا ہے تو اس داخلے کو علم نجوم کی اصطلاح میں 'تحویل شمس در برج' کہتے ہیں اور اس ساعت کی تقویم سیارگان کو زائچہ نوروز کہتے ہیں۔ یہ ساعت نہایت مبارک سمجھی جاتی ہے اور اہل یونان وایران کے مطابق اس وقت سے نئے شمسی سال کا آغاز ہوتا ہے۔ اسی لیے اس موقع پر نہایت شاندار جشن نوروز منایا جاتا ہے اور تہنیتی

قصیدے پڑھے جاتے ہیں۔ غالب نے بھی شاہجہاں آباد (یعنی دہلی) میں ایک ایسے ہی جشن نوروز کے موقع پر بہادر شاہ ظفر کی شان میں یہ تہنیتی قصیدہ پڑھا تھا۔ لہٰذا جس ساعت میں غالب نے یہ قصیدہ پڑھا تھا وہ ساعت بتاریخ ۲۱ مارچ ۱۸۵۰ عیسوی، بروز پنجشنبہ مطابق ۷ جمادی الاول ۱۲۶۶ ہجری، علی الصباح ۴ بج کر ۱۷ منٹ (انڈین اسٹینڈرڈ ٹائم) سے شروع ہوئی تھی جب کہ تحویل شمس در برج حمل واقع ہوئی تھی اور تقریباً ۴۵ منٹ کے بعد ۵ بج کر ۲ منٹ پر ختم ہوگئی تھی جب کہ طالع برج دلو سے برج حوت میں تبدیل ہوا تھا۔

کتابیات:

۱۔ غرۃ الزیجات: یہ ابوریحان محمد البیرونی کی وہ لاجواب زیج ہے جو اس نے گیارہویں صدی عیسوی کے آغاز میں لکھی تھی۔ اس کا واحد مخطوطہ احمد آباد شہر میں درگاہ پیر محمد شاہ کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ دراصل یہ سنسکرت کی کتاب کرن تلک کا عربی ترجمہ ہے جو بیرونی نے اپنے مخصوص انداز میں کیا ہے۔ اصل سنسکرت کتاب کا مصنف وجے نندی تھا جو کاشی کا رہنے والا تھا، لیکن وہ سنسکرت کتاب اب ناپید ہو چکی ہے۔ میں نے غرۃ الزیجات کو اس کے انگریزی ترجمے، تشریح اور تصحیح کے ساتھ مکمل کر لیا ہے، اور اب اس کتاب کو میں حیدرآباد (دکن) کے انگریزی سہ ماہی رسالے 'اسلامک کلچر' میں بالاقساط شائع کرا رہا ہوں۔ اس وقت تک اپریل ۱۹۶۳ء، جولائی ۱۹۶۳ء، اکتوبر ۱۹۶۳ء، جنوری ۱۹۶۴ء، جولائی ۱۹۶۴ء، جنوری ۱۹۶۵ء اور اپریل ۱۹۶۵ء کے شماروں میں سات قسطیں شائع ہو چکی ہیں۔

۲۔ کتاب التفہیم لاوائل صناعۃ التنجیم: یہ علم نجوم کی معرکہ آرا کتاب ہے اور اسے ابوریحان محمد البیرونی نے گیارہویں صدی عیسوی کے آغاز میں لکھا تھا۔ بیرونی نے اس کتاب کو خود ہی عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں لکھا تھا۔ اس کا ایک مطبوعہ فارسی نسخہ میموریل نیشنل لائبریری کراچی (پاکستان) میں محفوظ ہے، یہ ایران میں شائع ہوا تھا۔

۳۔ کفایۃ التعلیم فی صناعۃ التنجیم: یہ علم نجوم کی معرکہ آرا کتاب ہے اور اسے ابوریحان محمد البیرونی نے گیارہویں صدی عیسوی کے آغاز میں لکھا تھا۔ بیرونی نے اس کتاب کو خود ہی عربی اور فارسی

دونوں زبانوں میں لکھا تھا۔ اس کا ایک مطبوعہ فارسی نسخہ لیاقت میموریل نیشنل لائبریری کراچی (پاکستان) میں محفوظ ہے، یہ ایران میں شائع ہوا تھا۔

۳۔ کفایۃ التعلیم فی صناعۃ التنجیم: یہ بھی علم نجوم کی بڑی مستند کتاب ہے اور بارہویں صدی عیسوی کے وسط میں لکھی گئی تھی۔ اس کا ایک فارسی مخطوطہ میری ذاتی لائبریری میں موجود ہے جو سو سال پرانا ہے اور بہت اعلیٰ معیار کا ہے۔

۴۔ زیج الغ بیگ: یہ زیج پندرہویں صدی عیسوی کے آغاز میں جدولوں کی شکل میں لکھی گئی تھی اور اس کے حسابات سمرقند کی رصدگاہ کی مدد سے مقرر کیے گئے تھے۔ اس کا ایک نادر فارسی مخطوطہ آج کل اسلامیہ کالج پشاور (پاکستان) کی لائبریری میں محفوظ ہے یہ بڑی قابل اعتماد زیج سمجھی جاتی ہے۔

۵۔ مکرند سارنی: یہ زیج پندرہویں صدی عیسوی کے اواخر میں لکھی گئی تھی اور آج تک ہندو جیوتشیوں میں مقبول عام ہے۔ اس کے حسابات جدولوں کی شکل میں سوریہ سدھانت کے مطابق ہیں لیکن بعض مقامات پر بیج سنسکارے یعنی ترمیمات سے بھی کام لینا پڑا ہے۔ یہ کتاب سنسکرت میں لکھی گئی ہے اور اس کے مطبوعہ نسخے بھارت کے بازاروں میں عام ملتے ہیں۔

۶۔ گرہ لاگھو یہ زیج سولہویں صدی عیسوی کے آغاز میں لکھی گئی تھی اور اس کے مصنف گنیش دیوگیہ نے ذاتی طور پر مشاہدات فلک کرنے کے بعد اس کے حسابات مقرر کیے تھے۔ حسابات کی صحت کے لحاظ سے یہ زیج بہت مشہور ہے اور ہندو جیوتشی اسے مکرند سارنی سے زیادہ قابل اعتماد سمجھتے ہیں۔ یہ کتاب بھی سنسکرت میں لکھی گئی ہے اور اس کے مطبوعہ بھی بھارت کے بازاروں میں عام ملتے ہیں۔

۷۔ ای ڈبلیو براؤن اور نیوکومپ کی زیجیں: یہ دو زیجیں دور حاضر کے ہیئت دانوں نے مغربی ممالک کی رصد گاہوں کے مشاہدات کے مطابق لکھی ہیں، اور جدولوں کی شکل میں ہیں۔ ان زیجوں کا جزوی اور مختصر ہندی ترجمہ الہ آباد یونی ورسٹی کے شعبۂ ریاضی کے ریڈر ڈاکٹر گورکھ پرشاد نے کیا تھا جسے کاشی ناگری پرچارنی سبھا نے 'چندر سارنی' اور 'سوریہ سارنی' کے ناموں سے

بالترتیب ۱۹۴۵ء اور ۱۹۴۸ میں شائع کیا تھا (ان زیجوں کے حسابات موجود سائنسی تحقیقات کی بنیاد پر مقرر کیے گئے ہیں۔

۸۔ این سی لاہری کی جدولیں: یہ جدولیں خط استوا سے لے کر ۶۰ درجے عرض البلد تک کے لیے علاحدہ علاحدہ بنائی گئی ہیں، اور انگریزی رسم الخط میں لکھی گئی ہیں۔ ان جدولوں کی مدد سے ہر مقام کا اور ہر ساعت کا طالع معلوم کیا جا سکتا ہے۔ ان جدولوں کو این سی لاہری نے مرتب کیا ہے، اور ایسٹرو ریسرچ بیورو کلکتہ نے شائع کیا ہے۔ یہ جدولیں اپنے صحیح حسابات کے لحاظ سے بڑی اہم سمجھی جاتی ہے اور آج کل کے منجمین میں مقبول ہیں۔ ان کا پہلا ایڈیشن ۱۹۴۷ میں اور دوسرا ایڈیشن ۱۹۵۵ میں شائع ہوا تھا۔

مرزا غالب کا زائچہ

امتیاز علی عرشی

مرزا غالب نے ایک فارسی قصیدے میں اپنا زائچہ (جنم پتر) بیان کیا ہے۔ یہ قصیدہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی منقبت میں ہے، اور کلیات فارسی کی نولکشوری نسخہ مطبوعہ سنہ ۱۲۷۹ھ (۱۸۶۳ء) کے صفحہ ۱۹۷ سے شروع ہو کر صفحہ ۲۰۳ پر ختم ہوتا ہے۔ مطلع یہ ہے:

مگر مرا دل کافر بود شب میلاد
کہ ظلمتش دہد از گور اہل عصیاں یاد

اس قصیدے کی تاریخ نظم کیا ہے، اس کا قرار واقعی علم ابھی تک نہ ہو سکا۔ لیکن کلیات نظم فارسی کے اس مخطوطے میں یہ قصیدہ موجود ہے جو خاتمے کے مطابق ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ء) میں مرتب ہوا تھا اور اب پٹنہ کے کتب خانے میں محفوظ ہے لہذا یہ اس سال سے پہلے ہی کا منظومہ ہوگا۔

اس قصیدے کا یہ شعر تاریخ نظم پر مزید روشنی ڈالتا ہے:

نفس بلرزہ زیاد نہیب کلکتہ
نگاہ خیرہ ز ہنگامہ الہ آباد

اس شعر میں 'نہیب کلکتہ' اور 'ہنگامۂ الٰہ آباد' سے کیا مراد ہے اسے سمجھنے کے لیے مولانا مہر کی کتاب 'غالب' کے حسب ذیل اقتباسات ملاحظہ فرمائیے، جو ان کی کتاب کے دوسرے ایڈیشن کے صفحات ۱۶۴ تا ۱۶۸ سے ماخوذ ہیں:

"آخرکار (گورنر جنرل کے یہاں سے) غالب کے خلاف فیصلہ صادر ہوا۔ غالب اس کے بعد اس درجہ مایوس ہوئے تھے کہ گورنر جنرل دہلی آئے تو ان سے ملنے بھی نہ گئے۔

اس دوران میں ولیم فریزر کے قتل کا واقعہ پیش آیا، جس میں نواب شمس الدین احمد خاں ماخوذ ہوئے۔ اس زمانے میں دہلی کا علاقہ آگرہ والٰہ آباد کی لفٹنٹ گورنری سے متعلق تھا۔ غالب نے بھی ۳۰ جون ۱۸۳۵ء (۴ ربیع الاول ۱۲۵۱ھ) کو اپنے پرانے مطالبات کے متعلق ایک مفصل درخواست مرتب کر کے لفٹنٹ گورنر آگرہ والٰہ آباد کے پاس بھیج دی۔ اس درخواست کے جواب میں لفٹنٹ گورنر نے حکم دیا کہ ریذیڈنٹ دہلی اس کے متعلق رپورٹ پیش کریں۔

دعوے کے جواب میں لفٹنٹ گورنر کا حکم آیا کہ مقدمہ سوپریم کونسل میں پیش ہو چکا ہے، اس لیے لفٹنٹ گورنر اس کے متعلق کوئی کاروائی نہیں کرسکتا۔ سارے کاغذات گورنر جنرل کے پاس بھیجے جائیں۔ ۲۳ مارچ ۱۸۳۶ء (۵ ذی الحجہ ۱۲۵۱ھ) کو غالب نے لارڈ آکلینڈ کے پاس دو درخواستیں بھیجیں۔ ان میں اپنے مقدمے کی روئداد تحریر کردی۔ نیز لکھا ہے کہ سکریٹری اور ریذیڈنٹ نے میرا مقدمہ خراب کردیا ہے۔ آپ خود انگریزی انصاف کے اصول پر اس مقدمے کا فیصلہ کریں۔"

میری دانست میں 'نہیب کلکتہ' اور 'ہنگامۂ الٰہ آباد' سے انھیں احکام اور فیصلوں اور اس درمیانی مدت کی کشاکش امید وبیم کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لہٰذا قصیدے کو ۱۲۵۱ھ (۱۸۳۶ء) کے

قرب وجوار کا ہونا چاہیے۔

بہر حال اس قصیدے میں اپنے زائچے کا بیان حسب ذیل اشعار میں کیا ہے:

بطالعے زعدم آمدم بباغ وجود | کہ رفتہ بود بدر وازۂ ارم شداد
خروش مرگ کہ طوفان نا امید یہاست | غریو یاس کہ مرگے بتو مبارک باد
مگوئے زائچہ کایں نسخہ ایست از استام | مگوئے زائچہ کایں جامعیست از اضداد
خود اصل طالع من جزوے از کمانستے (۱) | کز وست ناوک غم رابزار گونہ کشاد
خرام زہرہ (۲) بطالع اگرچہ دادہ نشاں | ہم از لطافت طبع وہم از صفائے نہاد
ولے ازاں کہ غریب است زہرہ اندر قوس | نشستہ بر رخ نقد قبول گرد کساد
تو گوئی از اثر انتقام ہاروت است | کہ مر بطالع من چرخ زہرہ گرد کساد
بہ صفر جدی (۳) ذنب (۴) را اشارۂ باشد | بخاک و حلقۂ دام وکمیں گہ صیاد
چہ دام، روح وروان را گدازش پر وبال | چہ صفر، رنج الم را افزائش اعداد
زمہر (۵)، بپیکر تیر (۶) آشکار گشتہ بجدی | فروغ اخگر رخشندہ و کنجے زر باد
بحوت (۷) در شدہ ہم مشتری (۸) وہم مریخ (۹) | یکے کفیل صلاح، ویکے دلیل فساد
یکے بہیئت پیرے کہ ناگہ از غوغا | بکنج صومعہ و ماندہ باشد از او راد
یکے بصورت ترکے کہ از پئے یغما | ستیزہ جور در آید بخانہ زہاد
قمر (۱۰) بہ ثور (۱۱) کہ کاشانۂ ششم باشد | چو نور خویش کند دستگاہ خصم زیاد
سیاہ گشتہ دو پیکر (۱۲) زسیلی کیوان (۱۳) | چنانچہ از اثر خاک تیرہ گردد باد
بدیں دو نحس نگر تا چہ شکل مستقبل | کشیدہ اندز تربیع خویش در اوتاد
بہ چار میں کدہ بہرام (۱۴) پنجمیں پایہ | بہ ہفتمیں ردہ کیوان ہفتمین بنیاد
کند چو ترک ستمگر بہ کشتن استعجال | کند چو ہند و رہزن ببردن استبداد
زحوت، ہیبت طوفان نوح پردہ کشا | عیاں زصورت جوزا نہیب صرصر عاد
تو وخدا کہ دریں کشمکش کہ من باشم | چگونہ چوں وگراں زیستین تواں بمراد

ان احکام کے بیان کے ساتھ کلیات مذکورہ میں زائچہ بھی شامل ہے لیکن یہ ۱۲۵۳ھ کے مرتبہ کلیات میں بھی موجود ہے یا نہیں، میں سردست اس کے بتانے سے قاصر ہوں۔ البتہ کلیات کے نسخہ مرتبہ ۱۲۶۴ھ (۱۸۴۸ء) میں یہ ضرور پایا جاتا ہے۔ میری دانست میں یہ زائچہ خود غالب کے قلم کا ہے۔ لیکن اس میں شک کرنے کی تو کوئی وجہ ہی نہیں کہ خود غالب نے اس زائچہ کے لیے تاریخی معلومات بہم پہنچائی تھیں، اور یہ غالب کی نظر سے ایک سے زائد بار گزرا ہے۔ اس لیے اس کے مندرجات کسی دوسرے کے رہین منت نہیں ہوسکتے۔ وہ زائچہ حسب ذیل ہے:

زائچہ طالع ولادت حضرت غالبؔ مدظلہ العالی
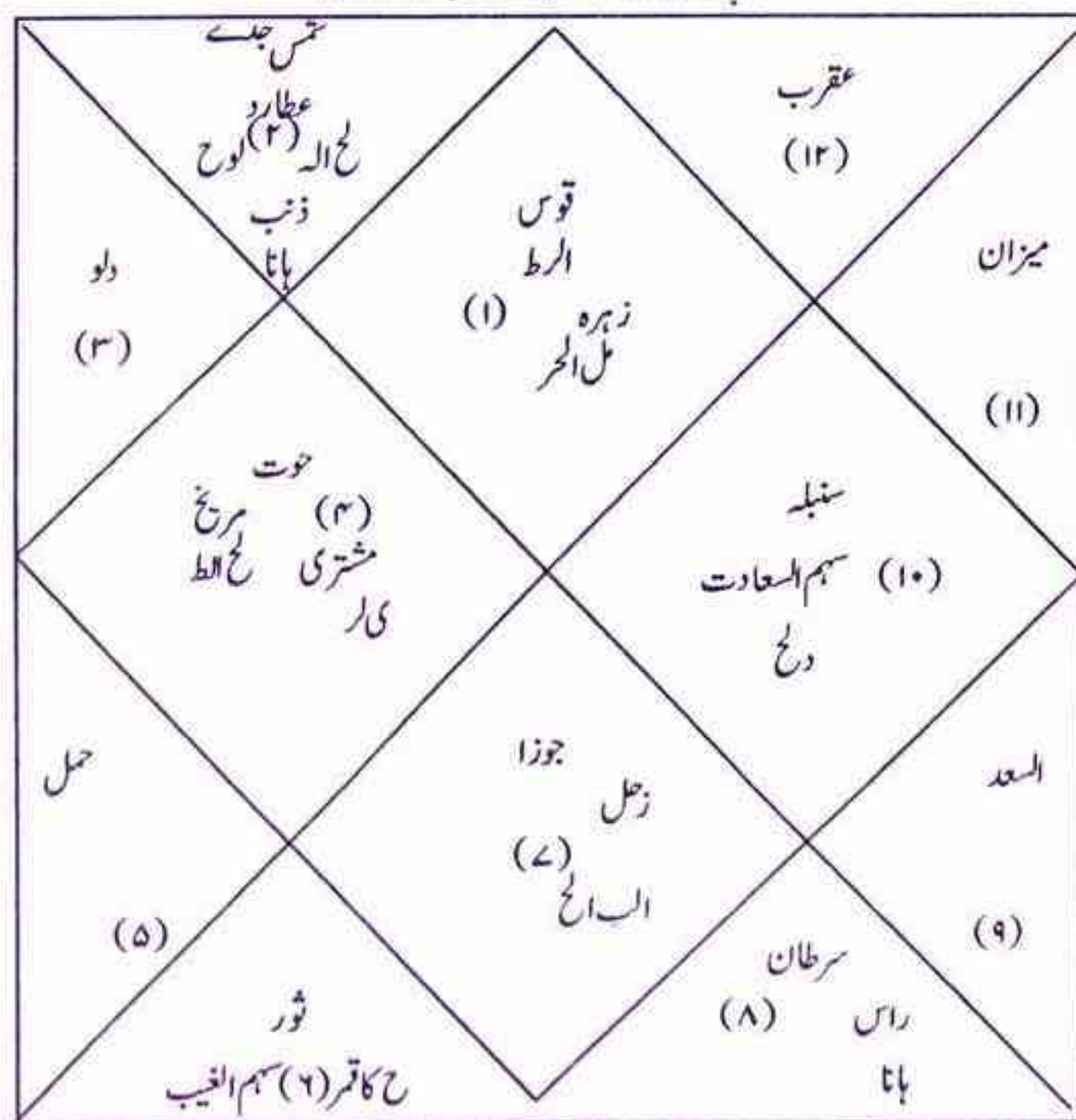
ہنگام باقی ماندن چہار گھڑی ہندی از شب یکشنبہ ہشتم رجب المرجب ۱۲۱۲ ہجری ولادت باسعادت رو یداده

جیسا کہ اگلے زائچے سے معلوم ہوتا ہے یہ زائچہ یونانی تقویم کے مطابق بنایا گیا ہے۔ اس لیے غالب نے اپنے مذکورۂ بالا اشعار میں جو احکام بیان کیے ہیں، انھیں اس تقویم کے قواعد و ضوابط کے تحت دیکھنا اور پرکھنا چاہیے۔ میں یہاں میر خیرات علی مرحوم کی دو کتابوں 'نیر اعظم' اور 'کشاف النجوم' کی مدد سے ہندی تقویم کے مطابق بھی ہر خانے کے احکام بیان کیے دیتا ہوں۔

خانہ اول میں، جو مولود کا خانہ طالع بھی ہے، زہرہ (سکر) براجمان ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ صاحب طالع شعر گو اور سخنور ہو۔ نیز اور نثر کے کمالات بھی رکھتا ہو۔ مگر زہرہ اس خانے میں اجنبی مانی گئی ہے، اس لیے صاحب طالع کی خاطر خواہ قدر نہ ہو۔

خانہ دوم میں شمس (سورج) براجمان ہے جو تلاش مال و دولت اور اس کے ساتھ ہی نقصان مایہ کا پتا دیتا ہے عطارد (بدھ) کے اس خانے میں ہونے سے تلاش دولت میں اور مدد ملتی ہے، نیز یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب طالع خرچیلا ہوگا۔ پھر آفتاب کے ساتھ عطارد کی یکجائی بتائی ہے کہ صاحب طالع قوی، خوش شکل اور شیریں گفتار ہوگا اور چونکہ ذنب (کیت) بھی اس خانے میں موجود ہے، لہٰذا صاحب طالع کو مکان موروثی سے محروم ہونا چاہیے، مال کے نقصان کا رنج بھی اٹھانا چاہیے اور اسے سفر بھی کرنا پڑیں۔

خانۂ چہارم میں مشتری (برہسپت) کا براجمان ہونا اس کی دلیل ہے کہ صاحب طالع کے والدین خوش حال اور صاحب جاہ و عزت ہوں، اور وہ خود صنعت دوست ہو، اور خورد سالی ہی سے لوگ اس سے محبت کریں، اور وہ صاحب اسپ و سواری ہو مگر مشتری کے ساتھ مریخ (منگل) کا ہونا اس پر دال ہے کہ صاحب طالع کے اہل خاندان کم ہوں اور وہ تخریب کے زیادہ درپے رہے لیکن وہ اپنے کنبے کی پرورش کرے گا، اور سب پر یکساں نظر رکھے گا۔

خانۂ ششم میں قمر (چاند) کا براجمان ہونا اس کا پتا دیتا ہے کہ صاحب طالع بے مقدور ہو، اور فسق و فجور میں مبتلا رہے۔ خانۂ ہفتم میں زحل (سنیچر) کی موجودگی اس کی دلیل ہے کہ صاحب طالع ہر شخص سے اچھا برتاؤ کرے گا۔

دس سال کے بعد ۱۲۷۸ھ (۱۸۶۱–۲ء) میں غالب نے کلیات نظم فارسی کا تیسرا

ایڈیشن مرتب کیا، تو اس میں قصیدہ زیر بحث کے ساتھ حسب ذیل زائچہ شامل کیا۔

یہ زائچہ مخطوطہ مذکورہ کے صفحہ ۴۰ کے بعد چپکایا گیا ہے، اور اس کے آخر میں سرخ روشنائی سے کسی نے لکھا ہے 'نوشتہ حضرت نیر رخشاں مرحوم' بظاہر اس نوٹ کے کاتب نیر کے بیٹے سعید الدین احمد خاں طالب ہیں، کیونکہ یہ نسخہ ان کی ملکیت میں تھا اور ۱۹۰۶ء میں انھوں نے سر امیر الدین احمد خان بہادر والی لوہارو کو تحفے میں دے دیا تھا۔

زائچہ طالع ولادت سعادت در طالع جناب غالب مد ظلہ عالی کے بوقت گھڑی پیش رو طلوع صبح روز یکشنبہ ہشتم رجب ۱۲۱۴ ہجری مطابق آغاز ۱۷۹۸ عیسوی روی دادہ
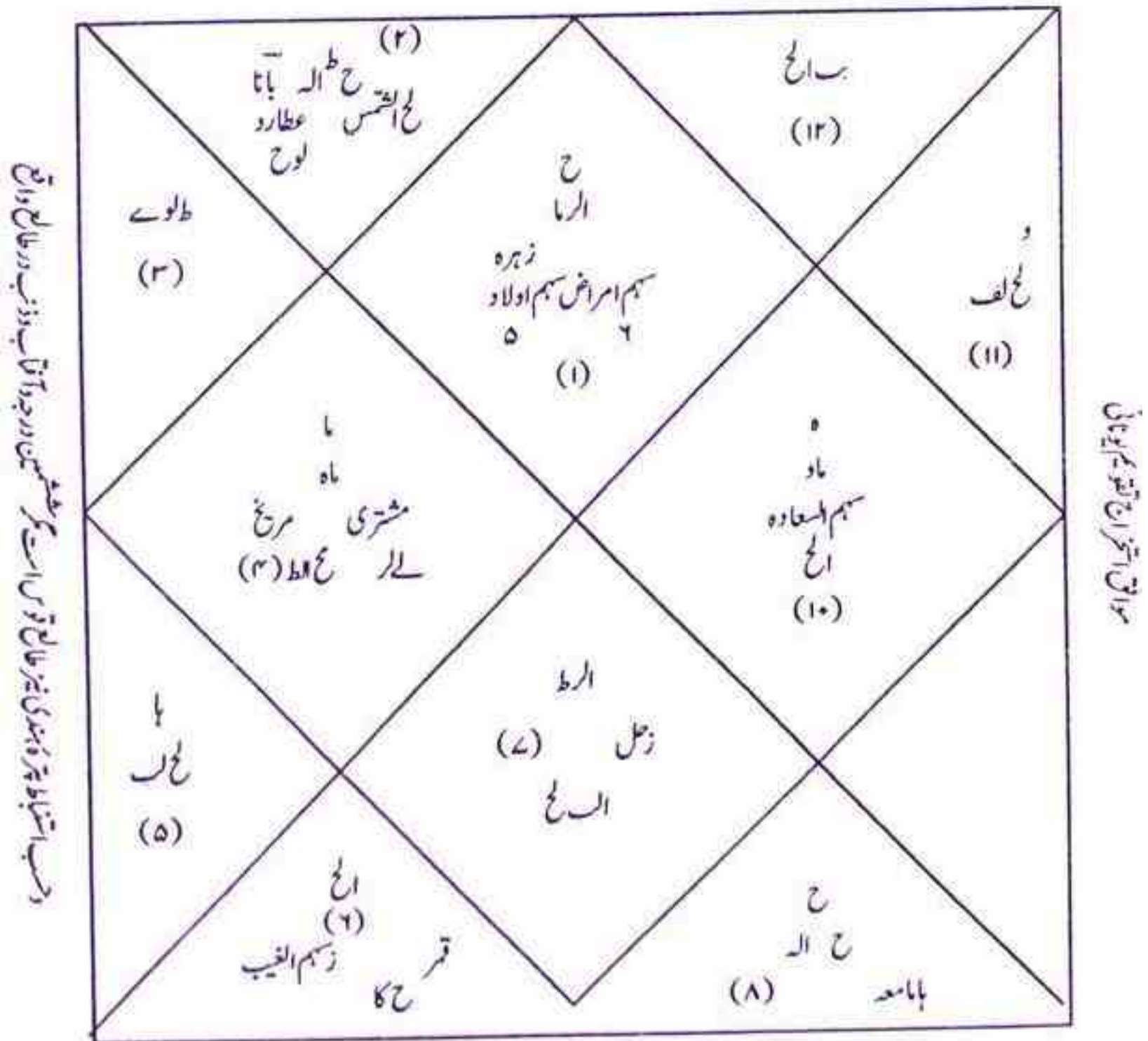
اس زائچہ میں مرزا غالب کا سال ولادت ۱۲۱۲ھ ہی لکھا ہوا ہے لیکن پہلا ۲ کا ہندسہ کسی قدر مشتبہ سا نظر آتا ہے، اس لیے منشی نولکشور نے ۱۲۷۹ھ (۱۸۶۳ء) میں اس نسخے سے مطبع کے لیے کاپی لکھوائی، تو ان کے کاپی نویس نے اسے اس بنا پر ۴ پڑھ لیا کہ وہ غالب کی واقعی تاریخ پیدائش سے آگاہ نہ تھا۔ ورنہ اسے ۲ اور ۴ میں دھوکا کبھی نہ ہوتا۔

اس نئے زائچے میں جو مزید نجومی معلومات مندرج ہیں انھیں میں اہل تنجیم کے لیے چھوڑ کر ایک اور مسئلے کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور وہ ہے مرزا غالب کی تاریخ و یوم و سال ولادت کا معاملہ۔

زیر نظر دونوں زائچوں میں ان کی تاریخ پیدائش 'صبح روز یکشنبہ' ہشتم رجب ۱۲۱۲ھ مندرج ہے۔ دوسرے زائچے میں اس کے ساتھ 'مطابق آغاز ۱۷۹۰' بھی لکھ دیا گیا ہے۔

جہاں تک ۱۲۱۲ھ کا تعلق ہے مرزا صاحب نے 'شورش شوق' اور 'غریب' کو مادۂ تاریخ لکھا ہے جن سے یہی اعداد نکلتے ہیں۔ نیز انھوں نے ازراہ خوش طبعی مولانا صاحب عالم مارہروی کے مادۂ تاریخ ولادت 'تاریخ' پر الف بڑھا کر اپنا مادہ 'تاریخا' قرار دیا تھا۔ جس سے وہی اعداد مستخرج ہوتے ہیں۔

رہا ماہ پیدائش اور تاریخ تو خود غالب ہی نے ان دونوں کا مذکور نواب علائی کے نام کے ایک خط مورخہ جون ۱۸۶۱ء میں کیا ہے۔ علاوہ بریں تذکرۂ مظہر العجائب کے لیے انھوں نے ۱۸۶۴ء میں اپنا حال لکھا تھا۔ اس میں اپنے قلم سے ۸ رجب کو تاریخ ولادت لکھا ہے۔ اس نوٹ کا عکس 'احوال غالب' میں صفحہ ۲۴ کے مقابل چھپا ہے۔

یوم پیدائش کا ذکر ان کی صرف ایک اور تحریر میں ہے جو تذکرہ مظہر العجائب کے لیے لکھی تھی اور وہ وہی 'یکشنبہ' ہے جس کا ذکر زائچے میں ہوا ہے چونکہ ازروئے تقویم اس تاریخ کو چہار شنبہ ہونا چاہیے۔ اس لیے سب سے پہلے مولانا مہر نے 'غالب' میں اس غلطی کی نشاندہی کی وہ فرماتے ہیں:

''غالب نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ان کی ولادت بوقت شب چار گھڑی پیش از

طلوع آفتاب صبح روز یکشنبہ ہشتم رجب ۱۲۱۲ھ مطابق آغاز ۱۷۹۸ء ہوئی۔ لیکن تقویم کی رو سے ۸ رجب ۱۲۱۲ھ کی عیسوی ۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ء نکلتی ہے۔ نیز اس دو دن یکشنبہ یعنی اتوار نہ تھا بلکہ چہارشنبہ تھا۔" (غالب ص ۱، ج ۱)

اس سلسلے میں جناب مالک رام صاحب ذکر غالب میں زیادہ وضاحت کے ساتھ فرماتے ہیں:

"مرزا کے کلیات نظم فارسی (طبع دوم) میں ان کا زائچہ بھی شامل ہے۔ اس کے عنوان میں نواب نیر رخشاں نے ولادت سے متعلق لکھا ہے روز یکشنبہ ہشتم رجب ۱۲۱۴ھ مطابق آغاز ۱۷۹۸ ر و داده۔ اس تحریر میں کئی غلطیاں ہیں۔ ہجری تاریخ اور مہینہ ٹھیک ہے۔ البتہ سال میں کاتب کی مہربانی سے ۱۲۱۲ھ کی جگہ ۱۲۱۴ھ لکھا گیا ہے۔ یہ ہجری تاریخ جو یقیناً مرزا نے انھیں بتائی ہوگی درست ہے اور اس کی تائید اور کئی جگہ سے بھی ہوتی ہے۔ باقی سب باتیں خود نیر رخشاں نے اضافہ کیں اور بدقسمتی سے سب غلط ہیں۔ دن یکشنبہ نہیں بلکہ چہارم شنبہ تھا۔ عیسوی سال ۱۷۹۷ء چاہیے تھا اور وہ بھی اواخر۔ غالب نے اپنے جو حالات تذکرۂ مظہر العجائب کے لیے لکھے تھے (احوال غالب بلاک محولہ فوق) وہاں نیر رخشاں ہی کا تتبع کرتے ہوئے انھوں نے بھی یوم ولادت یکشنبہ لکھ دیا ہے۔ اس سلسلے میں بنیادی چیز ۸ رجب ۱۲۱۲ھ کی تاریخ ہے۔"

(ذکر غالب، ص ۲۵، ج ۳)

ان دونوں محققوں کا یہ ارشاد بالکل درست ہے کہ زائچے کے عنوان میں ہجری تاریخ اور مہینہ صحیح ہیں۔ دن اور عیسوی سنہ غلط ہیں لیکن مالک رام صاحب کا یہ قول ابھی مزید تحقیق چاہتا ہے کہ یکشنبہ اور آغاز ۱۸۹۸ نواب نیر رخشاں کا اضافہ ہے۔

اس طرح یہ امر بھی قبول نہیں معلوم ہوتا کہ مظہر العجائب والے نوٹ میں یکشنبہ کا اضافہ غالب کے ذاتی علم کی بنا پر نہیں ہے بلکہ وہ نیر رخشاں کے تتبع میں ایسا لکھ گئے ہیں۔

میری دانست میں نیر رخشاں صرف ناقل ہیں۔ یکشنبہ خود غالب کا لکھا اور بتایا ہوا لفظ ہے۔ چنانچہ یہ کلیات کے ۱۲۶۳ھ والے نسخے میں بھی موجود ہے اور جیسا کہ مجن اوپر لکھ آیا ہوں بگمان قوی خود غالب کے قلم کا نوشتہ ہے۔ بہر صورت جو لفظ ۱۸۴۸ء میں بھی غالب نے لکھا یا لکھوایا تھا اس کا ۱۸۶۴ میں • جو مظہر العجائب والے نوٹ کا سال تحریر ہے) اعادہ دوسرے کا تتبع قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بلکہ اس بارے میں از روئے نجوم معلوم کرنا چاہیے کہ زائچہ کس دن کے لحاظ سے بنایا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ غالب نے اپنی ماں نانی سے تاریخ اور دن یونہی غلط سنا ہو اور پھر اس کے مطابق زائچہ بھی تیار کیا گیا ہو۔

رہ گیا سنہ عیسوی تو بعید نہیں کہ اس کا اضافہ اس ہندی نجومی کے قول پر کیا گیا ہو جس نے از روئے حساب ہندی اس زائچے کی توثیق و تائید کی تھی کیونکہ اہل ہند کے بقول آفتاب برج جدی (مکر) میں داخلہ آغاز سال یعنی جنوری کی کسی تاریخ کو ہوا کرتا ہے۔

خدا کرے غیب سے کوئی مرد کار پیدا ہو اور وہ مرزا غالب کے دونوں زائچوں کی جانچ کر کے اس گتھی کو سلجھا دے۔

اوج قبول

(غالب کا منجمانہ کلام)

سید ضمیر حسین رضوی

اس موضوع پر قلم اٹھانے سے پہلے میں ایک عام غلط فہمی کا ازالہ کر دینا چاہتا ہوں۔ آجکل کے پیشہ ور نجومیوں کی حالت زار اور کم علمی کو دیکھ کر اکثر لوگوں کے دلوں میں علم نجوم کی طرف سے بڑی بدگمانیاں پیدا ہوگئی ہیں اور وہ لوگ علم نجوم کو نہایت حقیر اور سطحی چیز سمجھنے لگے ہیں۔ علم نجوم کا نام سنتے ہی ان کے تصور میں شہر کی سڑکوں کے کناروں پر بیٹھے ہوئے کم علم اور تباہ حال نجومیوں اور دست شناسوں کی شکلیں پھرنے لگتی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ علم نجوم بھی علم ہیت اور علم طب کی طرح ایک مستقل اور وسیع علم ہے، اور قدیم زمانے میں اس علم کو حاصل کرنا بھی باعث افتخار سمجھا جاتا تھا۔ چونکہ اس علم کا کما حقہ سمجھنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے، اسی لیے اس علم کو جاننے والے دنیا میں معدودے چند ہی ہوتے ہیں۔ ایسے ہی معدودے چند لوگوں میں مرزا اسد اللہ خاں غالب کو بھی شمار کرنا چاہیے۔

غالب کے کلام میں ہر ہر مقام پر علم ہیئت و نجوم کے اتنے جواہر پارے بکھرے پڑے

ہیں کہ ان کو سمیٹنا آسان نہیں ہے۔ خصوصاً ان کا فارسی کلام تو ان ستاروں سے اس قدر جگمگا رہا ہے کہ جس طرف نظر پڑتی ہے اسی جگہ جم کر رہ جاتی ہے۔ غالب کے کلام کو غور سے دیکھنے پر یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہو جاتی ہے۔ کہ وہ علم ہیئت و نجوم میں مستی تھے۔ خصوصاً علم نجوم میں تو وہ اس قدر گہری نظر رکھتے تھے کہ ان کے بیان کردہ احکام نجوم تمام اعلیٰ پائے کے منجمین کے لیے ہمیشہ مشعل راہ بنے رہیں گے۔ انھوں نے جتنی پیش گوئیاں کی ہیں وہ بعد میں حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی ہیں۔ مثلاً انھوں نے اپنی غزل کے ایک شعر میں اپنے زائچے کے سیاروں کے مقامات کی مدد سے اپنے متعلق یہ پیش گوئی کی تھی کہ:

کوکبم را در عدم اوج قبولے بودہ است

شہرت شعرم بہ گیتی بعد من خواہد شدن

یعنی ''چونکہ میرے زائچے میں میرا سیارہ چوتھے خانے میں ہے جو خانۂ عدم کہلاتا ہے اور اس خانے میں اس سیارے کو اوج قبول بھی حاصل ہوا ہے، اس لیے دنیا میں میری شاعری کی شہرت تو ضرور ہوگی لیکن میرے مرنے کے بعد ہوگی۔'' ان کی یہ پیش گوئی کس قدر صحیح ثابت ہوئی ہے، یہ اظہر من الشمس ہے۔ آج سو سال بعد ان کی صد سالہ برسی دنیا کے ہر حصے میں منائی جا رہی ہے حالانکہ ان کی زندگی میں ان کی شاعری کی خاطر خواہ قدر و منزلت نہ ہو سکی۔

اس پیش گوئی کی منجمانہ وضاحت اور غالب کے مزید منجمانہ کلام کی تشریح اس مضمون میں مناسب مقام پر کی جائے گی جس سے پڑھنے والوں کو اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ غالب نے کس قدر استادانہ انداز میں احکام نجوم کا استنباط کیا ہے۔ غالب کو اپنی 'نجوم دانی' پر خود بھی مکمل اعتماد تھا جس کا اظہار انھوں نے جگہ جگہ کیا ہے۔ انھوں نے ایک شعر میں صاف طور پر اس کا دعویٰ اس طرح کیا ہے:

ہم چو من شاعر و صوفی و نجومی و حکیم

نیست در دہر قلم مدعی و نکتہ گو است

یعنی ''میرا قلم اس بات کا دعویٰ کرتا ہے اور اس دعوے کی دلیل میں اعلیٰ اعلیٰ نکتے بھی بیان کرتا ہے

کہ دنیا میں مجھ جیسا شاعر، صوفی، نجومی اور حکیم کوئی دوسرا نہیں ہے۔'' غالب کا یہ دعویٰ محض شاعرانہ تعلّی نہیں، بلکہ حقیقت کا اظہار ہے۔ غالب نے اپنے ایک خط میں لکھا تھا کہ 'آرائش مضامین شعر کے واسطے کچھ تصوف، کچھ نجوم لگا رکھا ہے ورنہ سوائے موزونی طبع کے اور یہاں کیا رکھا ہے۔'' یہ محض ان کی کسر نفسی تھی کہ علم نجوم میں اتنی وسیع دسترس ہوتے ہوئے بھی اپنے علم کو معمولی سمجھتے تھے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے منجمانہ کلام کا ایک ایک شعر علم نجوم کے اسرار کا ایک ایک دفتر ہے۔ اگر کوئی ناواقف شخص غالب کے اس قسم کے عاجزانہ انداز تحریر کو حقیقت پر مبنی سمجھ کر یہ فیصلہ کر لے کہ 'غالب کو علم نجوم سے بہت معمولی سی واقفیت تھی۔'' تو یہ سراسر ظلم ہوگا۔

غالب کے منجمانہ کلام کو اس کی نوعیت کے اعتبار سے مندرجہ ذیل پانچ قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ مکمل تقویم سیارگان برائے احکام زائچہ حقیقی: اس قسم کے کلام میں غالب نے خاص خاص ساعات کے لیے تمام سیاروں کے صحیح مقامات معلوم کر کے مکمل طور پر حقیقی زائچے بنائے ہیں اور ان سیاروں کے اچھے یا برے اثرات کا ذکر نہایت عالمانہ اور شاعرانہ انداز میں کیا ہے۔

۲۔ مکمل تقویم سیارگان برائے احکام زائچہ فرضی: اس قسم کے کلام میں غالب نے اپنے ممدوح کے لیے ایک مثالی اور فرضی زائچہ خود ایجاد کیا ہے اور اس زائچے کی فرضی ساعت کے لیے سیاروں کی مکمل تقویم بیان کر کے اس کے طالع کی سعادت کا ذکر کیا ہے۔

۳۔ جزوی تقویم سیارگان برائے تعین ساعات وثمرات: اس قسم کے کلام میں غالب نے مختلف ساعتوں کے تعین کے لیے صرف ایک یا دو سیاروں کے مقامات کا حساب لگا کر ان کا ذکر ضمنی طور پر کیا ہے اور باقی سیاروں کے ذکر کو چھوڑ دیا ہے۔ بعض جگہ اس قسم کی جزوی تقویم سیارگان کے نیک و بد اثرات کا ذکر بھی کیا ہے اور ان کی بنیاد پر آئندہ کے لیے پیش گوئیاں بھی کی ہیں۔

۴۔ تذکرات ثوابت وسیار برائے ترتیب وتمثیل وتمریج: اس قسم کے کلام میں غالب نے ستاروں اور سیاروں کا ذکر ان کی ہیئت وترتیب کے لحاظ سے بڑے موثر اور اعلیٰ انداز میں کیا ہے۔ بعض جگہ ان ثوابت وسیار کو شاعرانہ تمثیل وترتیب ظاہر کرنے کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے

اور ساتھ ہی ساتھ تمزیج سیارگان کا بھی خیال رکھا گیا ہے یعنی مختلف سیاروں کے مجموعی اثرات کو مثالیں دے کر سمجھایا گیا ہے۔

۵۔ اصطلاحات ہیئت ونجوم برائے تلمیحات وتشبیہات واستعارات: اس قسم کے کلام میں غالب نے سیاروں اور ستاروں کے منجمانہ خواص کا سہارا لے کر بڑی اچھی اچھی تلمیحات وضع کی ہیں اور ان کی مدد سے بڑی نادر تشبیہات اور اچھوتے استعارات پیدا کیے ہیں۔

اس سے پہلے کہ غالب کے منجمانہ کلام پر کوئی تبصرہ کیا جائے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ علم نجوم کی چند ابتدائی باتوں کو نہایت آسان اور مختصر الفاظ میں بیان کر دیا جائے تا کہ غالب کے کلام کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ اگر ہم آسمان پر نظر ڈالیں تو ہم کو دو قسم کے ستارے چمکتے نظر آئیں گے۔ جو ستارے ایک جگہ سے دوسری جگہ تک حرکت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں وہ سیارے کہلاتے ہیں اور جو ایک ہی جگہ قائم رہتے ہیں وہ ثوابت کہلاتے ہیں۔ سیاروں کے نام بالترتیب یہ ہیں: ۱۔ شمس، ۲۔ قمر، ۳۔ مریخ، ۴۔ عطارد، ۵۔ مشتری، ۶۔ زہرہ، ۷۔ زحل، ہر سیارے کا ایک فلک ہے جس پر وہ گردش کرتا ہے لہٰذا سیارے بھی سات ہیں اور ان کے افلاک بھی سات ہیں۔ ان افلاک سے اوپر آٹھواں فلک ہے جس پر ثوابت قائم ہیں۔ اس سے بھی اوپر نواں فلک ہے جسے فلک الافلاک کہتے ہیں جو تمام افلاک کو اپنے اندر لے کر گردش کرتا ہے۔ ان سات سیاروں میں سے شمس اور قمر ہمیشہ سیدھی رفتار سے چلتے رہتے ہیں اور ان دونوں کو نیرین کہتے ہیں۔ باقی پانچ سیارے کبھی سیدھی رفتار سے چلتے ہیں اور کبھی الٹی رفتار سے چلتے ہیں، اس لیے ان کو خمسۂ متحیرہ کہتے ہیں۔ ان سات سیاروں کے علاوہ آسمان پر دو فرضی نقطے بھی ہیں جو ہمیشہ ایک دوسرے کے مقابل رہتے ہیں اور ہمیشہ الٹی رفتار سے چلتے رہتے ہیں۔ ان دونوں کو بھی سیاروں کی مانند سمجھ لیا گیا ہے اور ان کا نام راس اور ذنب رکھ لیا گیا ہے۔ راس کو ایک اژدہے کا سر اور ذنب کو اس کی دُم فرض کر لیا گیا ہے۔ اہل یونان راس کو سعد سمجھتے ہیں لیکن اگر راس کسی نحس سیارے کے ساتھ ہوتا ہے تو نحس اثر دکھاتا ہے۔ عطارد بھی سعد ہے لیکن اگر نحس سیارے کے ساتھ ہوتا ہے تو نحس اثر دکھاتا ہے۔ عطارد بھی سعد ہے لیکن اگر نحس سیارے کے ساتھ ہوتا ہے تو نحس ہو جاتا ہے۔ ذنب کو

نحس سمجھا جاتا ہے۔ شمس، مریخ اور زحل بھی نحس ہیں۔قمر، زہرہ اور مشتری سعد ہیں۔ اہل ہند راس کو راہو اور ذنب کو کیتو کہتے ہیں اور دونوں کو نحس سمجھتے ہیں۔ غالب نے اہل یونان کا تتبع کیا ہے، اہل ہند کا تتبع نہیں کیا ہے۔

ثوابت کے درمیان شمس، قمر اور دیگر سیارے جس آسمانی دائرے پر چلتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں، اس دائرے کو مدار شمسی کہتے ہیں، جو ۳۶۰ درجوں کے برابر ہوتا ہے۔ اس مدار شمسی کو برابر کے بارہ حصوں میں تقسیم کرلیا گیا ہے اور ہر حصے کو برج کہتے ہیں۔ جو ۳۰ درجوں کے برابر ہوتا ہے۔ ان بارہ بروج کے نام بالترتیب یہ ہیں۔ ۱۔حمل، ۲۔ثور، ۳۔جوزا، ۴۔سرطان، ۵۔ اسد، ۶۔سنبلہ، ۷۔میزان، ۸۔عقرب، ۹۔قوس، ۱۰۔جدی، ۱۱۔دلو، ۱۲۔حوت۔ جب بارہواں برج ختم ہوجاتا ہے تو اس سے اگلا برج یعنی برج حمل شروع ہوجاتا ہے۔ ان بروج میں شمس کے قیام کی جو تاریخیں متعلقہ نقشے میں دی گئی ہیں ان میں ایک آدھ دن کا فرق پڑسکتا ہے۔ (اس مضمون کے آخر میں نقشہ خواص بروج ملاحظہ کیجیے۔) ان بروج کے نام اور خواص ان شکلوں کے مطابق مقرر کیے گئے ہیں جو ان کے ثوابت کی مجموعی حیثیت کے مطابق نظر آتی ہیں۔ اگر کوئی سیارہ کسی برج میں ہو تو وہ اس برج سے تیسرے برج کو نظر تسدیس سے دیکھتا ہے، چوتھے برج کو نظر تربیع سے دیکھتا ہے، پانچویں برج کو نظر تثلیث سے دیکھتا ہے، اور ساتویں برج کو نظر تنصیف یعنی نظر مقابلہ سے دیکھتا ہے۔ ان نظروں کے نیک و بد اثرات متعلقہ نقشے میں دکھائے گئے ہیں۔ بارہ بروج اور سات سیاروں کے خواص ظاہر کرنے کے لیے بھی علاحدہ علاحدہ نقشے دیے گئے ہیں۔ (اس مضمون کے آخر میں ان نقشوں کو ملاحظہ فرمائیے)

ہر سیارہ ایک یا دو برج کا مالک ہوتا ہے اور وہ برج اس سیارے کا بیت کہلاتا ہے، جہاں پہنچ کر وہ سیارہ طاقت حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح جب وہ سیارہ اپنے برج شرف میں پہنچتا ہے تو نہایت سعد ہوجاتا ہے اور جب برج اوج میں پہنچتا ہے تو بلند ہمت ہوجاتا ہے۔ وبال، ہبوط اور حضیض میں پہنچ کر سیارہ بالترتیب کمزور، نحس اور کم ہمت ہوجاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ سیارے کو سب سے زیادہ نیک اثر برج شرف میں حاصل ہوتا ہے اور سب سے زیادہ بد اثر برج ہبوط میں

حاصل ہوتا ہے۔ قمر کا اوج و حضیض بہت جلد جلد تبدیل ہوتا ہے، اس لیے کسی خاص ساعت کے لیے حساب لگا کر معلوم کرنا پڑتا ہے۔ باقی سیاروں کے اوج و حضیض بہت ہی آہستہ آہستہ تبدیل ہوتے ہیں۔ تمام سیاروں کے بیت و وبال و شرف و ہبوط کبھی تبدیل نہیں ہوتے۔ اوج و حضیض کو بھی صدیوں اور قرنوں تک ایک ہی برج میں قائم مانا جا سکتا ہے۔

مندرجہ بالا بروج و سیارگان کے علاوہ، بعض دیگر ثوابت بھی اپنے منجمانہ خواص میں بہت مشہور ہیں۔ مثلاً ایک ستارہ سہیل ہے جو مکہ معظمہ سے جنوب کی طرف یعنی یمن کی طرف طلوع ہوتا ہے، اس لیے اسے ستارۂ یمانی بھی کہتے ہیں۔ جب یہ ستارہ طلوع ہوتا ہے تو برسات کا موسم ختم ہو جاتا ہے اور بارشیں بالکل بند ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے وہاں کے حشرات الارض، جنھیں ولد الزنا بھی کہتے ہیں، خود بخود فنا ہو جاتے ہیں۔ اسی سہیل کی روشنی میں چمڑے کو پھیلا دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس میں خوشبو پیدا ہو جاتی ہے اور وہ خوشبودار چمڑا نطع ادیم یا صرف ادیم کہلانے لگتا ہے۔

علم نجوم میں طالع کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اس لیے اس اصطلاح کو بھی ذہن نشیں کر لینا ضروری ہے۔ جب کوئی برج کسی خاص ساعت میں کسی مخصوص مقام پر افق مشرق میں طلوع ہوتا ہے تو اس برج کو طالع کہتے ہیں۔ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو کسی مستند جنتری یا زیج سے طالع کو حساب لگایا جا سکتا ہے، ور طالع معلوم ہو جانے کے بعد اس کی بنیاد پر اس ساعت کا زائچہ بنایا جا سکتا ہے۔ زائچہ بنانے کے لیے مندرجہ ذیل بارہ خانوں کا ایک نقشہ بناتے ہیں اور اس نقشے کے پہلے خانے میں طالع [illegible] رتے ہیں۔ پھر اگلے خانہ میں یعنی نقشے کے دوسرے خانے میں طالع سے اگلا برج لکھتے [illegible] طرح بالترتیب تمام خانوں میں بارہ بروج کے نام لکھ دیتے ہیں۔ اس کے بعد حساب لگا کر [illegible] یا جاتا ہے کہ اس وقت کون سا [illegible] کس برج میں تھا۔ جو سیارہ جس برج میں ہوتا ہے، اسے اسی برج کے خانے میں لکھ دیا جاتا ہے۔ اس طرح زائچہ مکمل ہو جاتا ہے۔ زائچے کا خانۂ اول طالع کہلاتا ہے، خانۂ دہم شہود کہلاتا ہے، خانۂ ہفتم غارب کہلاتا ہے اور خانۂ چہارم عدم کہلاتا ہے۔ یہ چاروں خانے بڑے اہم سمجھے جاتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کو وتد کہتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے، پانچویں، آٹھویں اور گیارہویں خانے کو مائل کہتے ہیں۔ تیسرے، چھٹے، نویں، اور بارہویں خانے کو زائل کہتے ہیں۔ جس خانے کی نظر طالع پر (تسدیس، تربیع، تثلیث، یا

زائچہ کی شکل اور تفصیل

زائچہ طالع غالبؔ (حقیقی)
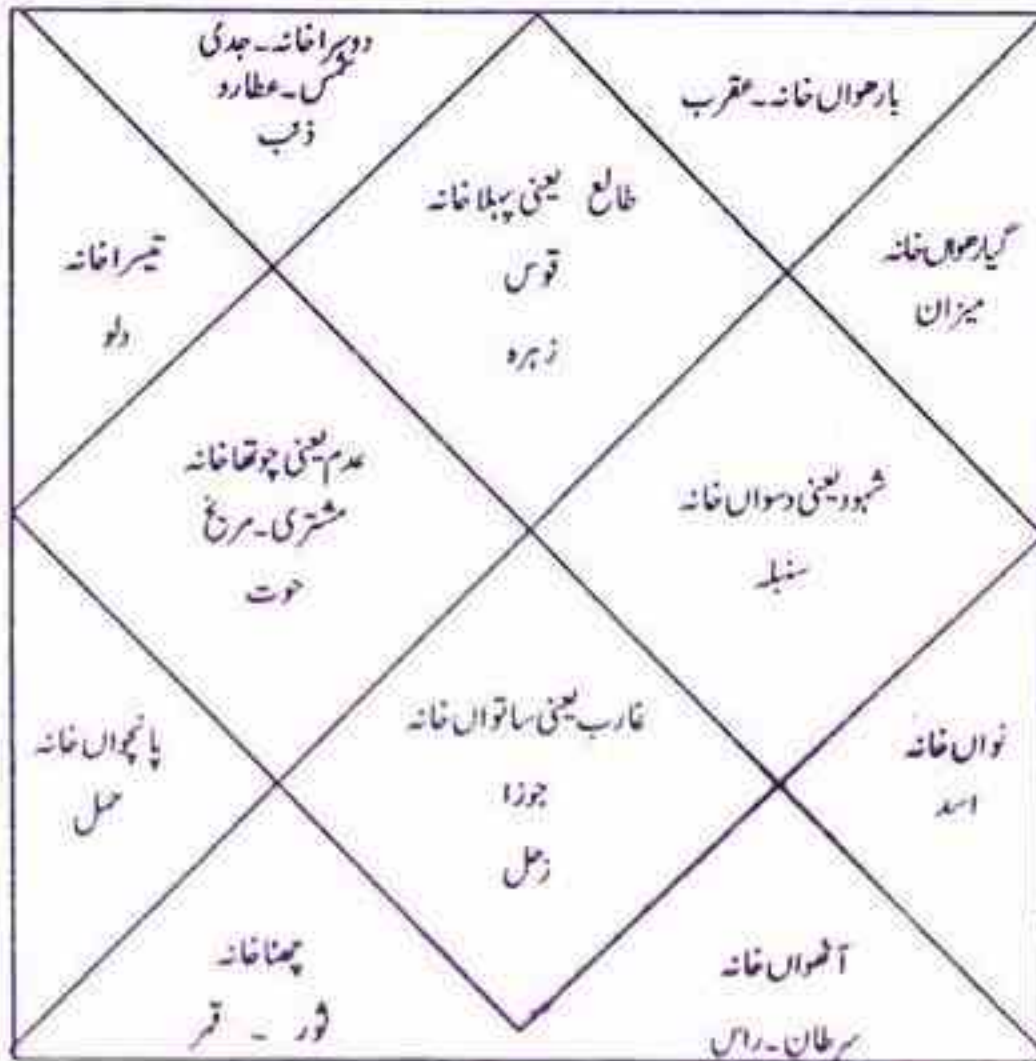
زائچہ طالعِ نوروز (حقیقی)

زائچہ طالعِ ممدوح (فرضی)
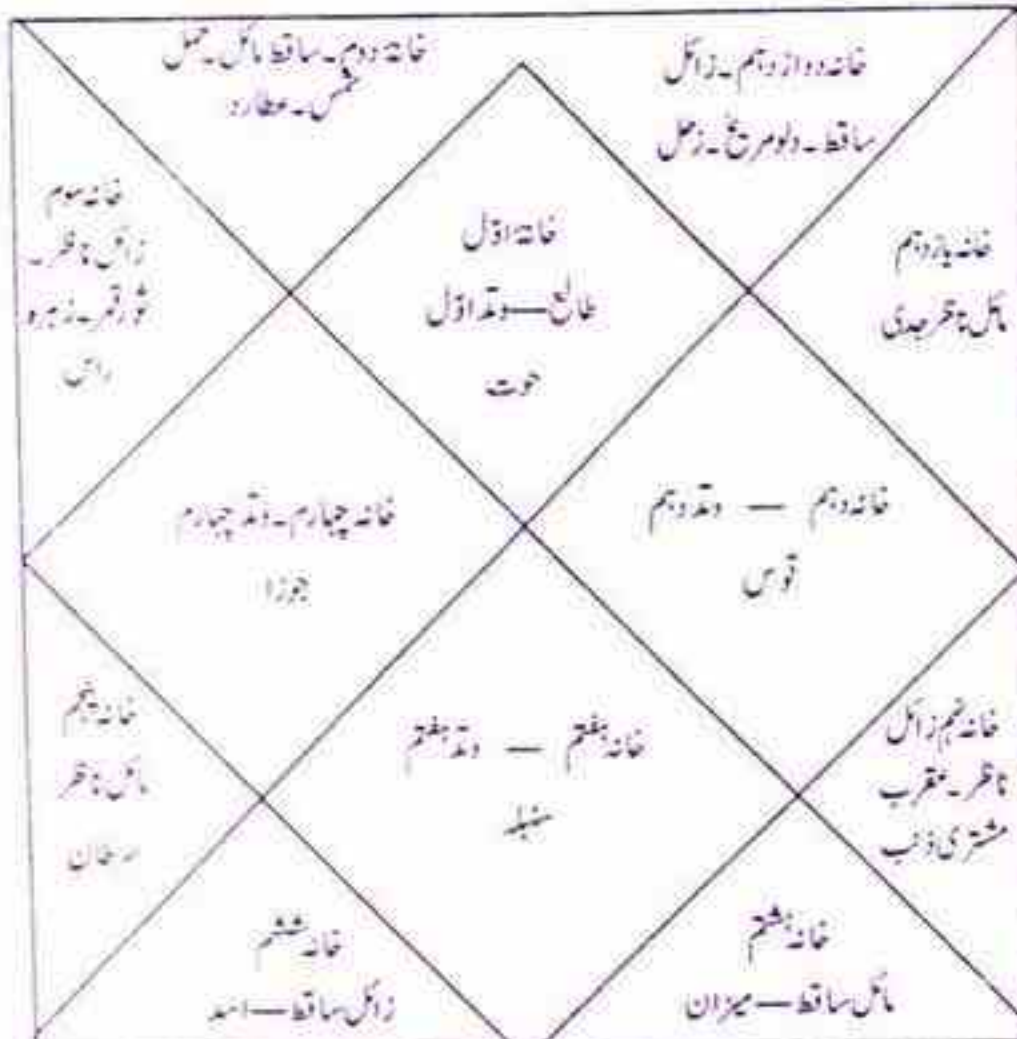
نقشہ خواص بروج

ترتیب	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲
برج	حمل	ثور	جوزا	سرطان	اسد	سنبلہ	میزان	عقرب	قوس	جدی	دلو	حوت
شکل	مینڈھا	سانڈ	جوڑا	کیکڑا	شیر	لڑکی	ترازو	بچھو	کمان	مگرمچھ	گھڑا	مچھلیاں
خاصیت	منقلب	ثابت	ذوجسدین	منقلب	ثابت	ذوجسدین	منقلب	ثابت	ذوجسدین	منقلب	ثابت	ذوجسدین
عنصر	آتشی	خاکی	بادی	آبی	آتشی	خاکی	بادی	آبی	آتشی	خاکی	بادی	آبی
اثرات	نحس	سعد	نحس	سعد	نحس	سعد	نحس	سعد	نحس	سعد	نحس	سعد
مالک	مریخ	زہرہ	عطارد	قمر	شمس	عطارد	زہرہ	مریخ	مشتری	زحل	زحل	مشتری
شمس کا قیام	۲۱ مارچ سے ۲۰ اپریل تک	۲۱ اپریل سے ۲۰ مئی تک	۲۱ مئی سے ۲۰ جون تک	۲۱ جون سے ۲۰ جولائی تک	۲۱ جولائی سے ۲۱ اگست تک	۲۲ اگست سے ۲۲ ستمبر تک	۲۳ ستمبر سے ۲۲ اکتوبر تک	۲۳ اکتوبر سے ۲۲ نومبر تک	۲۳ نومبر سے ۲۰ دسمبر تک	۲۱ دسمبر سے ۱۹ جنوری تک	۲۰ جنوری سے ۱۸ فروری تک	۱۹ فروری سے ۲۰ مارچ تک
فارسی ماہ	فروردین	اردی بہشت	خرداد	تیر	مرداد	شہریور	مہر	آبان	آذر	دے	بہمن	اسفند

نقشہ انظار سیارگان

نام نظر	تسدیس	تربیع	تثلیث	تنصیف
مقام نظر	تیسرے برج پر	چوتھے برج پر	پانچویں برج پر	ساتویں برج پر
نظام نظر	نصف دوستی	نصف دشمنی	مکمل دوستی	مکمل دشمنی
انجام نظر	سعد	نحس	بہت زیادہ سعد	بہت زیادہ نحس

نقشہ خواص سیارگان

ترتیب	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
نام	شمس	قمر	مریخ	عطارد	مشتری	زہرہ	زحل
دیگرنام	آفتاب	ماہتاب	بہرام	تیر	برجیس	ناہید	کیوان
اثرات	نحس	سعد	نحس اصغر	سعد	سعد اکبر	سعد اصغر	نحس اکبر
بیت	اسد	سرطان	حمل و عقرب	جوزا و سنبلہ	قوس و حوت	ثور و میزان	جدی و دلو
وبال	دلو	جدی	میزان و ثور	قوس و حوت	جوزا و سنبلہ	عقرب و حمل	سرطان و اسد
شرف	حمل	ثور	جدی	سنبلہ	سرطان	حوت	میزان
ہبوط	میزان	عقرب	سرطان	حوت	جدی	سنبلہ	حمل
اوج	جوزا	—	اسد	میزان	سنبلہ	جوزا	قوس
حضیض	قوس	—	دلو	حمل	حوت	قوس	جوزا
جنس	مذکر	مؤنث	مذکر	مذکر	مذکر	مؤنث	مذکر
عنصر	آتشی	آبی	آتشی	خاکی وبادی	بادی	بادی وآبی	خاکی
فلک	چہارم	اول	پنجم	دوم	ششم	سوم	ہفتم
ایام ہفتہ	یکشنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ	چہارشنبہ	پنجشنبہ	جمعہ	شنبہ
عمر	میانہ	طفلی	جوانی	کودکی	کہولت	برنائی	پیری
حیثیت	بادشاہ	وزیر	سپہ سالار	مشیر	قاضی	رقاصہ	دربان

تنصیف) ہوتی ہے وہ خانہ ناظر کہلاتا ہے اور جس خانے کی کوئی نظر طالع پر نہیں ہوتی وہ ساقط کہلاتا ہے۔ وتد میں سیارے کو پوری طاقت حاصل ہوتی ہے، مائل میں طاقت کم ہوجاتی ہے اور زائلے میں سیارہ بہت ہی کمزور ہوجاتا ہے۔ زائچے کا ہر خانہ زندگی کے کسی نہ کسی شعبے سے تعلق رکھتا ہے۔ (زائچہ کی شکل اور تفصیل اس مضمون کے آخر میں ملاحظہ فرمائیے۔)

کسی مولود کے زائچے کے جس خانے میں سعد سیارہ ہوتا ہے یا جس خانے میں سعد سیارہ کی سعد نظر ہوتی ہے اس خانے سے تعلق رکھنے والے شعبۂ زندگی پر اچھا اثر پڑتا ہے۔ نحس سیارہ اس کے برعکس اثر ڈالتا ہے۔ ہر مخصوص ساعت کے لیے زائچے کی مجموعی حالت جداگانہ ہوتی ہے اور جس قسم کا زائچہ ایک ساعت پر بن جاتا ہے بالکل ویسا ہی زائچہ صدیوں میں بھی دوبارہ نہیں بنتا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی مولود کا زائچہ معلوم ہوجائے تو اس کے سیاروں کے مقامات کی مدد سے یہ حساب لگایا جاسکتا ہے کہ زائچہ کس ساعت کا ہے۔ غالب کے زمانے میں سارے زائچے بحساب اہل یونان بنائے جاتے تھے جو اہل ہند کے زائچوں سے مختلف ہوتے تھے۔ غالب نے بھی اہل یونان ہی کا تتبع کیا ہے۔ سنہ ہجری کی تاریخ اور سنہ عیسوی کی تاریخ میں مطابقت معلوم کرنے کے لیے یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ انجمن ترقی اردو کی طرف سے جو تقویم ہجری وعیسوی شائع ہوئی ہے وہ محض اوسط حساب سے مرتب کی گئی ہے اور اس میں طاق مہینوں کو ۳۰ دن کا مانا گیا ہے اور جفت مہینوں کو ۲۹ دن کا مانا گیا ہے، لیکن سال کبیسہ میں ذی الحجہ بھی ۳۰ دن کا مانا جاتا ہے۔ اگر حقیقی رویت ہلال کے مطابق تاریخ ہجری اور تاریخ عیسوی میں مطابقت معلوم کرنی ہو تو اس کے لیے علم ہیئت کے پیچیدہ حسابات سے مدد لینی چاہیے۔ زیج الغ بیگ میں صاف طور پر بتادیا گیا ہے کہ زیادہ سے زیادہ پانچ مہینے متواتر یکے بعد دیگرے تیس تیس دن کے ہوسکتے ہیں اور زیادہ زیادہ تین مہینے متواتر یکے بعد دیگرے انتیس انتیس دن کے ہوسکتے ہیں۔ اس لحاظ سے اوسط ہجری تاریخ اور حقیقی رویت ہلال کے مطابق ہجری تاریخ کے درمیان زیادہ سے زیادہ دو دن کا فرق پڑسکتا ہے اور اگر مطلع ابر آلود ہو تو زیادہ سے زیادہ تین دن کا فرق بھی پڑسکتا ہے۔ ایسی حالت میں ایام ہفتہ کو صحیح مان کر اس کے مطابق عیسوی تاریخ سے مطابقت کرنی چاہیے۔ اس تمہید

ے بعد اب ہم نفس مضمون کی طرف آتے ہیں۔ اس مضمون میں غالب کے منجمانہ کلام کا صرف تھوڑا سا حصہ محض نمونے کے طور پر دیا جائے گا۔

ا۔ مکمل تقویم سیارگان برائے احکام زائچہ حقیقی:

غالب کے کلیات فارسی میں دو حقیقی زائچوں کی مکمل تقویم اور ان کے مختصر احکام کا بیان ملتا ہے۔ پہلا زائچہ تو خود غالب ہی کا ہے جو ان کی پیدائش کے وقت کسی ماہر فن منجم نے بنایا تھا اور دوسرا زائچہ تحویل آفتاب در برج حمل کی ساعت کا ہے جو ۱۸۵۰ میں جشن نوروز کے موقع پر خود غالب نے بنایا تھا۔ غالب نے اپنے زائچے کا ذکر قصیدہ نہم کی تشبیب میں بڑے اچھوتے انداز میں کیا ہے۔ یہ قصیدہ غالب نے سید الشہدا جناب امام حسین علیہ السلام کی شان میں کہا ہے اور اس کی تشبیب میں اپنے زائچے کے سیاروں کے نحس اثرات کا ذکر کر کے پھر گریز کا پہلو اس طرح پیدا کیا ہے کہ آسمان سے مخاطب ہو کر کہا ہے کہ ''اے فلک! تیری کیا ہستی ہے، میرے طالع کی کیا حقیقت ہے اور سیاروں کے اثرات کی کیا اہمیت ہے۔ مجھے تو خود میرے مولا حسن نے جس حال میں رکھنا مناسب سمجھا ہے اسی حال میں رکھا ہے۔ اب میں اپنے دوست یعنی امام حسین سے تو اپنی اس نامرادی کا شکوہ کر نہیں سکتا، اس کا بالواسطہ طور پر تیری اور تیرے ستاروں کی نحوست کی شکایت کر رہا ہوں۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ تیری ڈالی ہوئی بلائیں میرے لیے تاب سہیل کی مانند مفید ثابت ہوئی ہیں جن کے اثر سے معمولی سی کھال بھی نہایت خوشبودار چمڑے کی شکل میں تبدیل ہو جاتی ہے۔'' اس قصیدے کی تشبیب اور گریز کے ضروری اشعار ذیل میں دیے جا رہے ہیں۔ جن میں غالب نے تمزیج سیارگان کا حق ادا کر دیا ہے:

مگر مرا دل کافر بود شب میلاد
کہ ظلمتش دهد از کور اہل عصیاں یاد
قضا نگارش اسرار شکل زائچہ را
کند ز دود دل درد مند اخذ مداد
مگوی زائچہ کایں نسخہ ایست از استقام

مگوی زائچہ کایں جامعیت از اضداد
خود اصل طالع من جزوے از کمانستے
گزوست ناوک غم را ہزار گونہ کشاد
خرام زہرہ بطالع اگرچہ دادہ نشاں
ہم از لطافت طبع وہم از صفائے نہاد
ولے ازاں کہ غریب است زہرہ اندر قوس
نشتہ بررخ نقد قبول گرد کساد
تو گوئی از اثر انتقام ہاروت است
کہ مربہ طالع من چرخ زہرہ را جا داد
بہ صفر جدی ذنب را اشارۂ باشد
بخاک و حلقہ دام وکمیں گہ صیاد
چہ دام روح رواں را گدازش پر وبال
چہ صفر رنج والم را فزائش اعداد
ز مہر و پیکر تیر آشکار گشتہ بجدی
فروغ اخگر رخشندہ و کفے ز رماد
بحوت درشدہ ہم مشتری وہم مریخ
یکے کفیل صلاح ویکے دلیل فساد
یکے بہیئت پیرے کہ ناگہ از غوغا
بکنج صومعہ واماندہ باشد از اوراد
یکے بصورت ترکے کہ از پے یغما
ستیزہ جوئے در آید بخانۂ زہاد
قمر بہ ثور کہ کاشانہ ششم باشد

چو نور خویش کند دستگاه خصم زیاد
سیاه گشته دو پیکر زسیلی کیواں
چنانکہ از اثر خاک تیرہ گردد باد
بدیں دو نحس نگر تا چہ شکل مستقبل
کشیدہ اند ز تربیع خویش در اوتاد
بہ چار میں کدہ بہرام پنجمیں پایہ
بہ ہفتمیں زدہ کیوان ہفتمیں بنیاد
کند چو ترک ستمگر بہ کشتن استعجال
کند چو ہندو رہزن بہ بردن استبداد
ز حوت ہیبت طوفان نوح پردہ کشا
عیاں ز صورت جوزا نہیب صرصر عاد
تو و خدا کہ دریں کشمکش کہ من باشم
چگونہ چوں دگراں زیستن تواں بمراد
تو اے ستارہ ندانی کہ رنجم از آزاد
تو اے سپہر نہ سنجی کہ ترسم از بیداد
من و بلائے تو نطع ادیم و تاب سہیل
من و جفائے تو شاگرد و سیلی استاد
ستارہ راہمہ رفتار ز اقتضائے قضاست
چنانکہ جنبش نرد از انامل نراد
فلک کجائی و طالع چہ و ستارہ کدام
کنم شکایت دشمن و دوست شرم باد
بیا کہ دادہ نوید نکوئی فرجام
حسین ابن علی آبروئے دانش و داد

ان اشعار کی رو سے غالب کا طالع برج قوس تھا جس میں زہرہ موجود تھا۔ زہرہ کے طالع میں ہونے کی وجہ سے غالب کو لطافت طبع اور صفائے نہاد تو حاصل ہوگئی لیکن چونکہ برج قوس میں زہرہ کی حیثیت ایک اجنبی مسافر کی سی ہے۔ (کیونکہ برج قوس سے زہرہ کا کوئی بھی سعد تعلق نہیں ہے، یہ نہ بیت ہے، نہ شرف ہے، نا اوج ہے) اس لیے غالب کی زندگی میں ان کے نقد قبول پر ہمیشہ گرد کساد پڑی رہی گویا چرخ ستمگر نے ایک نیک سیارے کو یعنی زہرہ کو غالب کے طالع میں جگہ دی بھی تو محض انتقام ہاروت کے اثر سے دی (جو زہرہ پر عاشق تھا، اور اب اپنے رقیب ماروت کے ساتھ چاہ بابل میں الٹا لٹکا ہوا ہے)۔ برج جدی کے صفر درجہ پر ذنب کی موجودگی بھی غالب کے لیے گوناگوں پریشانیوں کا باعث بنی رہی۔ برج جدی میں شمس اور عطارد کی موجودگی سے بھی غالب کو خانہ بربادی ہی نصیب ہوئی۔ خانہ چہارم میں برج حوت کے اندر مریخ اور مشتری کی موجودگی نے بھی غالب کو نقصان ہی پہنچایا کیونکہ مریخ کی موجودگی نے مشتری کے نیک اثر کو بھی زائل کر دیا۔ خانۂ ششم میں یعنی دشمن کے گھر میں برج ثور کے اندر قمر کی موجودگی سے بھی غالب کے دشمنوں ہی کو تقویت حاصل ہوئی۔ خانۂ ہفتم میں برج جوزا کے اندر زحل کی موجودگی سے تو گویا قیامت ہی ٹوٹ پڑی کیونکہ اس طرح مریخ اور زحل کے درمیان نظر تربیع بھی پیدا ہوگئی ہے۔ جو نحس ہے اور یہ دونوں نحس سیارے وتدوں میں بھی موجود ہیں جس کی وجہ سے ان کو اور بھی زیادہ قوت حاصل ہوگئی ہے، لہٰذا یہ دونوں سیارے مل کر غالب پر جو کچھ بھی ظلم توڑ سکتے ہیں وہ توڑ رہے ہیں۔ اس اشعار کے مطابق مندرجہ ذیل زائچہ حقیقی بنتا ہے۔ اگر مستند زیجوں کی مدد سے حسابات لگائے جائیں تو معلوم ہوگا کہ یہ زائچہ بمقام آگرہ (یوپی) بروز یکشنبہ بوقت چہار گھڑی پیش از طلوع آفتاب بتاریخ ۸ رجب ۱۲۱۱ھ مطابق ۸ جنوری ۱۷۹۷ء علی الصباح ۵ بج کر ۳۶ منٹ (انڈین اسٹینڈرڈ ٹائم) کے لیے بنایا گیا تھا۔ لہٰذا غالب کی صحیح تاریخ پیدائش یہی ہے۔ عام طور پر جو غالب کی تاریخ پیدائش مشہور ہوگئی ہے وہ ۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ء مطابق ۸ رجب ۱۲۱۲ھ بروز چہار شنبہ ہے لیکن یہ تاریخ پیدائش غلط ہے اور اسے بھول جانا چاہیے۔ صحیح تاریخ پیدائش ۸ جنوری ۱۷۹۷ء ہے۔ (غالب کا زائچہ طالع اس مضمون کے آخر میں دیکھیے)۔

ایک اور زائچہ حقیقی کا ذکر غالب نے کلیات فارسی کے نوزدہمیں قصیدے میں کیا ہے جو ابوظفر بہادر شاہ کی شان میں جشن نوروز کے موقع پر بمقام دہلی کہا گیا ہے قصیدے کے ضروری اشعار ذیل میں دیے جاتے ہیں:

ہمچو من شاعر وصوفی ونجومی وحکیم
نیست در دہر قلم مدعی و نکتہ گواست
ذوق مدح تو براں داشتہ باشد کا مروز
رگ اندیشہ زدم گرچہ قمر در جوزاست
اینکہ خور درحمل و مہ بہ دو پیکر باشد
ہست تسدیس وہمایوں نظر مہر فزاست
بادہ بانیرّ اعظم زدہ کیواں بہ حمل
ہمنشینی بہ شہنشہ ز کشاورز خطاست
زہرہ دیدم بہ حمل تن زدم از خبث زحل
بہرشہ مطربہ آوردہ نہ دہقان تنہاست
قاضی، چرخ کہ درخوشہ بود واژوں بوے
متحیر کہ چرا اوج و وبالش یکجاست
چوں فرود آمدہ مریخ بہ منزلگہ ماہ
کلبہ پیک طرب گاہ سپہبد نہ رواست
تا چہ افتادہ کہ در خانۂ قاضیت دبیر
پرسش واقعہ ہست اگر پری راست
گشتہ در دلو واسد روئے برو جادہ نورد
ذنب وراس کہ از طالع و غارب پیداست

ان اشعار میں غالب نے تمزیج سیارگان کو نہایت اعلیٰ پیمانے پر بیان کیا ہے اور کنایۃ

اپنے حریفوں پر اور خصوصاً استاد ذوق پر بڑی چشمک زنی کی ہے۔ اس مقام پر غالب نے بہادر شاہ ظفر کو شمس، خود کو قمر اور ذوق کو زحل فرض کر لیا ہے۔ باقی سیاروں کو بھی حسب مناسبت اپنے باقی حریفوں سے تشبیہ دی ہے۔ غالب کے بیان کے مطابق اس وقت طالع برج دلو میں تھا جس میں ذنب موجود تھا، غارب برج اسد تھا جس میں راس بھی موجود تھا۔ جوزا میں قمر تھا، حمل میں شمس، زحل اور زہرہ تھے، سنبلہ میں مشتری تھا جو راجع تھا، سرطان میں مریخ تھا، اور حوت میں عطارد تھا۔ شمس کی نظر تسدیس قمر پر تھی جو نیک سمجھی جاتی ہے۔ شمس اپنے برج شرف میں تھا، مشتری ایسے برج میں تھا جہاں اس کا اوج بھی ہے اور وبال بھی ہے، مریخ قمر کے بیت میں تھا، اور عطارد مشتری کے بیت میں تھا۔ ان اشعار کے مطابق جو نوروز کا زائچہ حقیقی بنتا ہے وہ بمقام دہلی بتاریخ ۲۱ مارچ ۱۸۵۰ء مطابق ۷ جمادی الاول ۱۲۶۶ھ بروز پنجشنبہ علی الصباح ۴ بج کر ۱۷ منٹ سے ۵ بج کر ۲ منٹ تک (انڈین اسٹینڈرڈ ٹائم) کے لیے بنایا گیا تھا۔ (وہ زائچہ نوروز مضمون کے آخر میں دیا جا رہا ہے)۔

۲۔ مکمل تقویم سیارگان برائے احکام فرضی:

غالب کے کلیات فارسی کے قطعہ ۳۳ میں ایک زائچے کی مکمل تقویم کا ذکر ہے۔ یہ زائچہ غالب نے اپنے ممدوح یعنی جان جاکوب بہادر کے لیے محض فرضی طور پر بنایا تھا، اور اس زائچے میں یہ خوبی رکھی تھی کہ طالع پر کسی نحس سیارے کی نظر نہیں تھی۔ یعنی یہ فرضی طالع تمام برے اثرات سے پاک تھا اور تمام اچھے اثرات سے مملو تھا۔ اس زائچے کو دیکھ کر غالب کی منجمانہ صوابدید کی بیساختہ داد دینی پڑتی ہے کہ فرضی زائچہ بھی بنایا تو بالکل حقیقی زائچے کی مانند بنایا، جس میں کسی قسم کا عیب نہیں ڈھونڈا جا سکتا۔ غالب نے دعا کے طور پر اپنے ممدوح کے لیے یہ فرضی زائچہ پیش کر کے کہا ہے کہ ''خدا کرے میرے ممدوح کا طالع اس طرح کا ہو جیسا کہ اس فرضی زائچہ میں دکھایا گیا ہے۔''

قطعہ یہ ہے:

جان جاکوب بہادر کہ زیزداں دارد
خوبی خوے و فرو زندگی جوہر رائے

طالعش حوت بود تا بنظر گاہ کمال
مشتری سوئے سعادت بودش راہ نمائے
بحمل مہر درخشان و عطارد بادے
چوں دبیرے کہ بود پیش شہنشاہ بپائے
بہ سوم خانہ کہ ثور است مہ و زہرہ و راس
آں یکے در شرف خویش و دگر خانہ خدائے
بہ نہم خانہ ذنب عقدہ طراز و برجیس
بہ قوی پنجگی از کار ذنب عقدہ کشائے
دلوکاں زائل ساقط بود از روئے حساب
کردہ مریخ و زحل ہر دو دراں زاویہ جائے
مہر در ساقط مائل شدہ تمثال طراز
ماہ در زائل ناظر شدہ آئینہ زدائے
ہر دو نیر ز شرف یافتہ اقبال قبول
ہر دو کوکب ز خوشی آمدہ اندوہ ربائے
زہرہ و ماہ بہم فرخ و فرخ تر ازاں
کہ شود راس بدیں فرخی اندازہ فزائے
ماہ و ناہید بتسدیس بطالع نگراں
زدہ برجیس بہ تثلیث دم مہر گرائے
نظر کلفت نحسین ز طالع ساقط
چشم بد دور ازیں طالع عالم آرائے
آں کہ ایں اختر مسعود نگارد غالب
بہر تحریر مداد آورد از ظل ہمائے

اس قطعے میں غالب نے اپنے ممدوح کے لیے دعا کی ہے کہ" خدا کرے میرے ممدوح کا طالع حوت ہو، تا کہ اس برج کا مالک یعنی مشتری سعد اکبر ہونے کی وجہ سے میرے ممدوح کو سعادت مندی کی طرف رہنمائی کرتا رہے۔ شمس برج حمل میں یعنی اپنے برج شرف میں ہو اور عطارد بھی اس کی مدد کے لیے بطور پیش کار کے کھڑا ہوا ہو۔ برج ثور میں قمر ہو جو کہ اس کا برج شرف ہے، اسی برج ثور میں زہرہ بھی ہو جو کہ ثور کا مالک ہے، اور راس بھی ساتھ ہو تا کہ ان نیک اجتماعات کی سعادت میں کچھ زیادتی ہو جائے کیونکہ راس جب نیک سیاروں کے ساتھ موجود ہوتا ہے تو ان کے نیک اثر کو اور بھی بڑھا دیتا ہے۔ نویں خانے میں ذنب اپنی نحوست دکھانا چاہتا ہو لیکن اسی کے پاس مشتری بھی ہو جس سعد اکبر ہونے کی وجہ سے ذنب کی نحوست کو زائل کر سکے۔ مریخ اور زحل برج دلو میں ہوں جو کہ بارہویں خانے میں ہونے کی وجہ سے زائل ساقط ہو جائے تا کہ ان دونوں کی نحس نظریں طالع پر نہ پڑ سکیں۔ شمس اور قمر دونوں اپنے اپنے برج شرف میں ہونے کی وجہ سے 'اقبال قبول' کو ظاہر کریں جو صاحب طالع کے لیے نہایت ہی سعد سمجھا جاتا ہے۔ قمر اور زہرہ دونوں کی نظریں تسدیس کی حیثیت سے طالع پر ہوں تا کہ طالع کی سعادت اور بھی زیادہ بڑھ جائے، اور مشتری کی بھی نظر تثلیث طالع پر ہو جو نہایت ہی نیک سمجھی جاتی ہے۔ ایسا طالع اتنے نیک اثرات کا حامل ہوگا کہ اگر کوئی اس کی سعادتوں کی تفصیل لکھنے بیٹھے گا تو اسے ہما کہ سائے سے روشنائی حاصل کرنی پڑے گی۔" اس جگہ غالب نے ظلِ ہما کا ذکر کر کے اشارہ یہ بھی بتا دیا ہے کہ جس طرح ظل ہما کا حاصل ہونا محض فرضی ہے اسی طرح یہ زائچہ بھی محض فرضی ہے اور یہ کسی حقیقی ساعت کے لیے نہیں بنایا گیا ہے۔ ان اشعار کے مطابق زائچے کے حسابات لگانے سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ اس قسم کا زائچہ پندرہویں صدی عیسوی سے لے کر بیسویں صدی عیسوی تک کی مدت میں نہیں بن سکتا۔ پندرہویں صدی عیسوی سے بھی پہلے کا حساب میں نے غیر ضروری سمجھ کر نہیں لگایا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ زائچہ غالب نے محض اپنی دماغی کاوش سے ایجاد کیا ہے اور بہت خوب ایجاد کیا ہے۔ 'چشم بد دور' کا فقرہ استعمال کر کے غالب نے اشارۃً یہ بھی بتا دیا ہے کہ اس زائچے میں خاص طور پر یہ کوشش کی گئی ہے کہ نحس سیاروں کی نظر ممدوح کے طالع پر

نہ پڑنے پائے۔ (یہ فرضی زائچہ مضمون کے آخر میں دیا جارہا ہے)۔

۳۔ جزوی تقویم سیارگان برائے تعین ساعات وثمرات

غالب کے کلام میں جابجا مختلف ساعتوں کے لیے مختلف سیاروں کے مقامات کا ذکر بیساختہ طور پر ملتا ہے جس سے ان ساعتوں کے تعین میں اور بھی زیادہ پختگی ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اثر انگیزی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض جگہ اس قسم کی ساعتوں کے نیک و بد ثمرات بھی ساتھ ہی ساتھ بیان کر دیے گئے ہیں جس سے کلام کی افادیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ مثلاً انھوں نے اپنے زائچے کے صرف ایک اجتماع کی بنیاد پر مندرجہ ذیل پیش گوئی کی تھی:

کوکبم را در عدم اوج قبولے بودہ است

شہرت شعرم بہ گیتی بعد من خواہد شدن

یعنی ''چونکہ میرے زائچے میں میرے سیارے کو یعنی خداوند طالع کو خانۂ عدم میں یعنی خانۂ چہارم میں اوج قبول حاصل ہوا ہے، اس لیے میری شاعری کی شہرت میری زندگی میں نہیں ہوگی بلکہ میرے مرنے کے بعد ہوگی اور اتنی ہوگی کہ تمام روئے زمین پر پھیل جائے گی۔'' غالب کی یہ منجمانہ پیش گوئی بالکل صحیح ثابت ہوئی۔ اس پیش گوئی کو سمجھنے کے لیے چند اصطلاحات کو سمجھ لینا ضروری ہے۔ غالب کے زائچے میں (جس کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے) خانۂ اول یعنی طالع میں برج قوس ہے جس میں سیارہ زہرہ موجود ہے۔ قوس کا مالک مشتری ہے جو چوتھے خانے میں موجود ہے۔ مشتری چونکہ خداوند طالع ہے اس لیے یہی غالب کا سیارہ ہے۔ یہ سیارہ خانۂ عدم میں ہے جہاں برج حوت واقع ہے جو اس کا بیت ہے اور زہرہ کا برج شرف ہے۔ زہرہ سفلی ہے اور مشتری علوی ہے۔ زہرہ سعد اصغر ہے اور مشتری سعد اکبر ہے۔ مشتری پر زہرہ کی نظر تربیع بھی ہے۔ اس قسم کے اجتماع کو علم نجوم میں 'اوج قبول' کہتے ہیں، اور اس اجتماع کی یہ خاصیت ہوتی ہے کہ مولود عالمی شہرت کا مالک ہو جاتا ہے۔ اس اوج قبول کو ظاہر کرنے والا سیارہ یعنی مشتری اگر طالع میں ہوتا تو مولود کو بچپن ہی سے عالمی شہرت حاصل ہو جاتی، اگر خانۂ شمود یعنی (دسویں خانے میں ہوتا تو جوانی میں شہرت حاصل ہوتی اگر غارب میں ہوتا تو بڑھاپے میں شہرت حاصل ہوتی۔

لیکن چونکہ وہ سیارہ غالب کے زائچے میں خانۂ عدم میں ہے اس لیے مرنے کے بعد مولود کو شہرت حاصل ہوگی۔ غالب کی پیش گوئی میں یہی نکتہ پنہاں ہے۔

غالب نے اپنے زائچے کی ایک خصوصیت کا ذکر اس طرح کیا ہے:

شبابم کہ تاب و تبے بودہ است

ز شبہائے جوزا شبے بودہ است

یعنی ''میری جوانی جو میرے لیے تاب وتب ہے، برج جوزا کی راتوں میں سے ایک رات ہے۔'' (یعنی بہت ہی قلیل المدت ہے)۔ غالب کے زائچے میں خانۂ ہفتم یعنی غارب میں برج جوزا ہے اور چونکہ غارب کا تعلق غروب آفتاب یعنی وقت شب سے بھی ہے، عیش وعشرت سے بھی ہے، تاب وتب اور شباب وتوانائی سے بھی ہے، اس لیے ثابت ہوا کہ مولود یعنی غالب کے لیے عیش و عشرت، تاب وتب اور شباب وتوانائی کا زمانہ اس رات کی طرح قلیل المدت ہوگا جو 'شمس در برج جوزا' کی آخری ساعت میں واقع ہوتی ہے۔ یہ پیش گوئی بھی غالب نے اپنے زائچے کی جزوی تقویم کی بنیاد پر کی ہے جو بالکل صحیح ثابت ہوئی۔ شمس جب برج حمل میں داخل ہو کر آگے بڑھتا ہے تو شمالی نصف کرہ میں دن کی مدت بڑھنے لگتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ رات کی مدت کم ہونے لگتی ہے۔ اسی طرح آگے بڑھتے بڑھتے جب شمس برج ثور میں پہنچتا ہے تو رات کی مدت اور بھی کم ہو جاتی ہے، اور جب برج جوزا میں پہنچتا ہے تو رات کی مدت بہت ہی کم ہو جاتی ہے یہاں تک کہ جب شمس برج جوزا کے آخری درجے پر پہنچتا ہے تو رات کی مدت کم سے کم ہو جاتی ہے۔ ایسی ہی رات کو، یا اس رات کے آس پاس کی کسی رات کو غالب نے 'شبے از شبہائے جوزا' کہا ہے، اور اپنے عالم شباب اور تاب وتب کو بھی اتنا ہی مختصر المیعاد بتایا ہے۔ یہ پیش گوئی منجمانہ اعتبار سے نہایت اعلیٰ پائے کی ہے اور غالب کے چند روزہ نشاط سے اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ (زائچہ غالب اس مضمون کے آخر میں دیکھیے۔)

مندرجہ ذیل اشعار میں غالب نے 'فتح پنجاب' کے عنوان سے اس ساعت کا تعین کیا ہے جبکہ انگریزوں اور سکھوں کے درمیان دریائے ستلج کے کنارے پر جنگ ہوئی تھی جس میں

انگریزوں کو فتح ہوئی تھی:

چوں بر ہزار و ہشت صد و چل فزود شش
نوشد شمار سال دریں کاخ ششدری
ناگہ دریں زمانۂ فرخ کہ آفتاب
در دلو جائے داشت بہ تربیع مشتری
روزے کہ بست و ہشتم ماہ گزشتہ بود
واں بود چار شنبۂ آخر ز جنوری
دشتے کہ بر کنارۂ دریائے ستلج است
گردید جلوہ گاہ دو سد سکندری
ایں قطعہ ہیں کہ کرد اسد اللہ خاں رقم
روز دو شنبہ و دوم ماہ فروری

یعنی "۱۸۴۶ء میں ایک ایسی مہم سر ہوئی ہے کہ اس کاخ ششدری یعنی دنیا میں اس مہم کی یاد میں ایک نئے سنہ کی ابتدا ہوئی ہے۔ یہ وہ مبارک زمانہ ہے جب کہ شمس برج دلو میں واقع ہے اور اس پر مشتری کی نظر تربیع بھی پڑ رہی ہے۔ یہ مہم ماہ گذشتہ (یعنی جنوری) کی اٹھائیس تاریخ کو سر ہوئی تھی۔ جب کہ جنوری کا آخری چہار شنبہ تھا۔ اس روز دریائے ستلج کے کنارے پر میدان کارزار میں آمنے سامنے دو سد سکندری (یعنی دو مخالف فوجیں) دیکھنے میں آئی تھیں۔ اس قطعے کو دیکھیے جسے اسد اللہ خاں نے بتاریخ دوم فروری بروز دو شنبہ رقم کیا۔" غالب کے کلیات فارسی کے شائع شدہ قطعہ ۴۰ میں جنوری کی بست و ہفتم یعنی ستائیس تاریخ لکھی ہے لیکن چونکہ یہ صریحا کاتب کی غلطی ہے اس لیے میں نے بست و ہشتم کر دیا ہے۔ حساب لگانے سے معلوم ہوا کہ جنوری ۱۸۴۶ کا آخری چہار شنبہ ستائیسویں تاریخ کو نہیں بلکہ اٹھائیسویں تاریخ کو پڑا تھا۔ مزید برآں مستند کتب تاریخ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ سکھوں کی یہ جنگ ۲۸ جنوری ۱۸۴۶ء کو بروز چہار شنبہ ہوئی تھی۔ اس روز شمس برج دلو کے آٹھویں درجے پر تھا اور مشتری برج ثور کے چوتھے درجے پر

تھا۔ چونکہ برج دلو سے برج ثور چوتھے نمبر پر ہے اس لیے شمس پر مشتری کی نظر تربیع پڑ رہی تھی۔

مندرجہ ذیل دو شعروں میں غالب نے اس ساعت کا تعین کیا ہے جب کہ ۳۵ سالہ مسٹر اسٹرلنگ کی وفات ہوئی تھی:

بروز بست ویکم از مئی بہنگامے
کہ بود خسرو انجم بہ برج ثور مکیں
ہزار وہشتصد وسی ز عہد عیسیٰ بود
کہ جست برق جہاں سوز ایں الم زکمیں

یعنی '' جب کہ اس الم کی برق جہاں سوز کمیں گاہ سے نمودار ہوئی۔ اس وقت ۱۸۳۰ کے مئی کی اکیسویں تاریخ تھی اور ستاروں کا بادشاہ یعنی شمس برج ثور میں مکین تھا۔'' غالب کے کلیات فارسی کے شائع شدہ قطعہ نمبر ۴۵ میں مئی کی بست وسوم یعنی تئیسویں تاریخ لکھی ہے لیکن یہ کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے، جسے میں نے درست کر کے بست ویکم یعنی اکیسویں تاریخ کر دیا ہے۔ دراصل ۲۳ مئی ۱۸۳۰ء کو بروز یکشنبہ شمس برج ثور میں نہیں تھا بلکہ برج جوزا کے دوسرے درجے پر تھا۔ ۲۲ مئی ۱۸۳۰ کو شمس برج جوزا کے پہلے درجے پر تھا، اور ۲۱ مئی ۱۸۳۰ کو شمس برج ثور کے تیسویں درجے پر تھا۔ اس لیے صحیح تاریخ ۲۱ مئی ۱۸۳۰ء ہی ہو سکتی ہے۔ اس تاریخ کی مزید تصدیق کے لیے مجھے کسی مستند کتاب میں مسٹر اسٹرلنگ کی وفات کی صحیح تاریخ نہ مل سکی، لیکن میرا خیال ہے کہ وہ ۲۱ مئی ۱۸۳۰ ہی ہوگی۔

مندرجہ ذیل تین شعروں میں غالب نے جشن نوروز کی ساعت کا تعین کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ جلوس شاہی اور عید ذی الحجہ کا بھی ذکر کیا ہے جو نوروز ہی کے آگے پیچھے واقع ہوئے تھے۔

دریں زمانہ کہ کلک رصد نگار حکیم ہزار ودوصد وپنجاہ راند در تقویم
اواخر مہ ذیعقدہ خسرو انجم فزود شان حمل را بہ فرۂ دیہیم
جلوس شاہی و نوروز و عید ذی الحجہ
ہجوم خاص وتماشائے عام وشور عظیم

یعنی ''یہ وہ زمانہ ہے جب کہ بحساب ہیئت ۱۲۵۰ھ ہے، ماہ ذیعقدہ کا آخری حصہ ہے، اور شمس نے بڑے کروفر کے ساتھ برج حمل میں داخل ہو کر اس کی شان بڑھا دی ہے۔ جلوس شاہی، نوروز اور عیدالضحیٰ، یہ تینوں جشن قریب قریب رونما ہونے کی وجہ سے ہجوم خاص، تماشائے عام، اور شور عظیم برپا ہو گیا ہے۔'' غالب نے یہ قصیدہ نمبر ۱۳ جشن نوروز کے موقع پر کہا تھا جب کہ تحویل آفتاب در برج حمل واقع ہوئی تھی۔ یعنی ۲۱ مارچ ۱۸۳۵ء مطابق ۲۱ ذی قعدہ ۱۲۵۰ھ شنبہ جشن کوروز منایا گیا تھا اور کچھ عرصے کے بعد یعنی ۹ اپریل ۱۸۳۵ء کو بروز پنجشنبہ عیدالضحیٰ واقع ہوئی تھی۔ اس طرح یہ تینوں جشن آگے پیچھے ہی منائے گئے تھے۔

مندرجہ ذیل دو شعروں میں غالب نے عیدالضحیٰ کی ساعت کا تعین بڑے لطیف پیرائے میں کیا ہے۔ یہ اشعار قصیدہ نمبر ۵۷ کے شروع میں آئے ہیں:

عیدالضحیٰ بسر آغاز زمستاں آمد

وقت آراستن حجرۂ وایواں آمد

گرمی از آب بروں رفت وحرارت سوا

محمل مہر جہانتاب بہ میزاں آمد

یعنی ''آغاز زمستاں اپنے سر پر عیدالضحیٰ کو اٹھائے ہوئے آیا ہے جس کی وجہ سے حجرہ و ایوان کو سجانے کا زمانہ آ گیا ہے۔ پانی سے گرمی اور ہوا سے تپش دور ہو گئی ہے اور محمل مہر جہانتاب کا داخلہ برج میزان میں ہو گیا ہے۔'' غالب کے زمانے میں ایسی عیدالضحیٰ جو 'تحویل آفتاب در برج میزان' کے فوراً بعد آئی ہو ۲۵ دسمبر ۱۸۵۲ء کو مطابق ۱۰ ذی الحجہ ۱۲۶۸ھ بروز شنبہ آئی تھی، جب کہ آفتاب کو برج میزان میں داخل ہوئے تقریباً دو دن گزر گئے تھے۔ لہٰذا یہ قصیدہ اسی زمانہ میں کہا گیا تھا۔

مندرجہ ذیل رباعی میں غالب نے ایک ایسی ساعت کا ذکر کیا ہے جب کہ تین تیوہار یعنی عید الفطر، ہولی اور نوروز اکیس دن کے اندر ہی اندر منائے گئے تھے:

ہیں شہ میں صفات ذوالجلالی باہم

آثار جلالی و جمالی باہم
ہوں شاد نہ کیوں سافل وعالی باہم
ہے اب کے شب قدر ودوالی باہم

جس رات کے لیے غالب نے کہا ہے کہ اس وقت شب قدر بھی تھی اور ساتھ ہی ساتھ دیوالی بھی تھی، وہ ۲۲ اکتوبر ۱۸۴۳ء (یکشنبہ) اور ۲۳ اکتوبر ۱۸۴۳ء (دوشنبہ) کی درمیانی رات تھی۔ رمضان کی ستائیسویں شب کو عام مسلمان شب قدر مانتے ہیں (حالانکہ اہل تحقیق کے نزدیک تیئسویں شب کو شب قدر ہوتی ہے) رمضان ۱۲۵۹ء کا چاند ۲۵ ستمبر ۱۸۴۳ء کی شام کو بروز دو شنبہ نظر آنے کے قابل ہو گیا تھا لیکن قرائن سے پتا چلتا ہے کہ اس شام کو دہلی کے افق پر مطلع اس قدر گرد و غبار آلود تھا کہ چاند نظر نہ آ سکا۔ اس لیے ۲۶ ستمبر (بروز سہ شنبہ) کی شام کو شرعی طور پر رمضان کی چاند رات یعنی پہلی شب مانی گئی۔ اس لحاظ سے ۲۲ اکتوبر کی شام کو رمضان کی ستائیسویں شب مانی گئی اور شب قدر کو چراغاں کیا گیا۔ اسی رات کو ہندوؤں کی پورنمانت تقویم کے مطابق سمبت ۱۹۰۰ء بکرمی کے کارتک مہینے کی اماوس تھی جو کہ دیوکالی کی رات مانی گئی اور دیپک جلائے گئے۔

مندرجہ ذیل چار اشعار میں غالب نے ایک ایسی ساعت کا ذکر کیا ہے جب کہ تین تیوہار یعنی عید الفطر، ہولی اور نوروز اکیس دن کے اندر ہی اندر منائے گئے تھے۔

مرحبا سال فرخی آئیں
عید شوال و ماہ فرور دیں
گرچہ ہے بعد عید کے نو روز
لیک بیش از سہ ہفتہ بعد نہیں
سو اس اکیس دن میں ہولی کی
جا بجا مجلسیں ہوئیں رنگیں
تین تیوہار اور ایسے خوب
جمع ہرگز ہوئے نہ ہوں گے کہیں

جس زمانے کا ذکر ان اشعار میں کیا گیا ہے وہ ۲۸ فروری ۱۸۶۵ء سے ۲۱ مارچ ۱۸۶۵ء تک کا زمانہ ہے۔ عید الفطر کا تیوہار یکم شوال ۱۲۸۱ھ مطابق ۲۸ فروری ۱۸۶۵ء بروز سہ شنبہ منایا گیا تھا کیونکہ عید کا چاند ۲۷ فروری ۱۸۶۵ء کی شام کو نظر آنے کے قابل ہوگیا تھا۔ اس کے بارہ دن بعد یعنی ۱۲ مارچ اور ۱۳ مارچ کی درمیانی رات کو سمبت ۱۹۲۱ بکرمی کے پھاگن مہینے کی پورنماسی تھی لہٰذا اس رات کو ہولیکا جلائی گئی تھی یعنی ہولی کا تیوہار منایا گیا تھا، اور اس کے آٹھ دن بعد یعنی ۲۱ مارچ کو نوروز کا تیوہار منایا گیا تھا جب کہ تحویل آفتاب در برج حمل واقع ہوئی تھی۔ اس طرح یہ تینوں تیوہار تین ہفتوں کے اندر آگے پیچھے جمع ہوگئے تھے، اور نوروز پر ماہ شوال و ماہ فروری یں ساتھ تھے۔ یہ قصیدہ بھی غالب نے جشن نوروز کے موقع پر کہا تھا۔

۴۔ تذکرات و ثوابت و سیار برائے ترتیب و تمثیل و تمزیج:

غالب کے کلام میں جہاں جہاں ثوابت و سیار کا ذکر آیا ہے وہ منجمانہ اور شاعرانہ دونوں لحاظ سے اتنا جامع ہے کہ غالب کے کمال فن پر حیرت ہوتی ہے۔ مثلاً انھوں نے اپنی ایک ناتمام مثنوی موسوم بہ 'ابر گہربار' میں (جو کلیات فارسی کی گیارہویں مثنوی ہے) جب معراج نبی کا بیان شروع کیا ہے تو زمین سے آسمان کی بلندیوں تک براق نبیؐ کے راستے کا مفصل ذکر سیاروں اور ستاروں کے فاصلوں کی ترتیب کے لحاظ سے بڑے استادانہ انداز میں کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ان سیاروں اور ستاروں کے تذکرات خصوصی کا سلسلہ بھی جاری رکھا ہے، اور ہر ہر مقام پر مناسبات لفظی و معنوی کا خیال رکھا ہے۔ منجمانہ تمزیج سیارگان کو بھی اس انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ وہ شاعرانہ طور پر صنعت حسن تعلیل بن گئی ہے۔ پہلے براق فلک اول پر پہنچتا ہے، پھر بالترتیب سارے افلاک کو طے کرتا ہوا فلک الافلاک یعنی عرش تک پہنچ جاتا ہے۔ اس مثنوی کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

قدم تا بر اورنگ ماہش رسید ۔۔۔ بہ اکلیل کیواں کلاہش رسید
ببالید چنداں زبیشی قدر ۔۔۔ کہ بے منت مہر گردید بدر
شد از پردلی ہم تحت الشعاع ۔۔۔ مقابل بخورشید در اجتماع

دمہ گر کند مہر پہلو تہی
چہ غم چوں ز خوشش بود فربہی

یعنی '' جب براق نے کرۂ ارض کو پیچھے چھوڑ کر فلک اول یعنی تخت ماہ پر قدم رکھا تو بزرگی قامت کی وجہ سے اس کے سر کی کلغی فلک ہفتم یعنی عصابہ زحل تک پہنچ گئی اور بیشی قدر کی وجہ سے وہ اتنا پرنور ہو گیا کہ آفتاب سے روشنی مانگے بغیر بدر کامل بن گیا۔ لہٰذا اپنی پوشیدگی کی وجہ سے تحت الشعاع یعنی اجتماع کی حالت میں ہوتے ہوئے بھی بدر کامل ہونے کی حیثیت سے آفتاب کا مدمقابل بن گیا، کیونکہ اگر آفتاب کسی ایسے ماہتاب کو روشنی سے محروم کر دے جو خود اپنے ہی نور سے روشن رہتا ہو تو کوئی غم نہیں۔ ''

بسیمائے مہ داغ چوں بر نہاد
دوم پایہ را پایہ بر تر نہاد
صفائے کشاد خدنگ نگاہ
بداں حد کہ شد تیرش آماج گاہ
بہ شمعے کہ بینش بشبگیر سوخت
شہ دیدہ در تیر بر تیر دوخت
عطارد باہنگ مدحت گری
زباں جست بہر زباں آوری
بدستوری خواہش روزگار
نہان خود از پردہ کرد آشکار
در اندیشہ پیوند قالب گرفت
بخود در شد و شکل غالب گرشت

یعنی '' جب براق نے اپنے سم کے نشان سے ماہتاب کی پیشانی پر داغ ڈال دیے تو پھر اس نے دوسرا قدم اس سے بھی زیادہ بلندی پر (یعنی فلک دوم پر) رکھا جہاں تیر نگاہ کی پہنچ ہے اور جو تیر یعنی عطارد کی آماج گاہ ہے۔ وہاں پہنچ کر شہ دیدہ ور نے اس شمع کے ذریعے جو بینائی نے پچھلی رات کو روشن کی تھی، تیر یعنی عطارد پر تیر یعنی پیکان لگایا (پھر عطارد نے نبی کریم کی مدحت گری کر کے اپنی زبان آوری کے لیے ان سے زبان مانگی اور خواہش روزگار کے دستور کے مطابق اپنے پوشیدہ حال

کو ظاہر کر دیا۔ اس اندیشے میں عطارد کو جسم حاصل ہو گیا اور اس نے مجسم ہو کر غالب کی شکل اختیار کر لی۔'' گویا غالب علم و فضل و زباں آوری میں مجسم عطارد تھے۔

ازاں پس کہ گشت اندراں مرحلہ
عطارد فروزاں بنور صلہ
سپہر سوم گشت جولانگہش
جبیں سود ناہید اندر رہش

یعنی ''جب اس مرحلے میں عطارد اپنا صلہ پا کر فروزاں ہو چکا تو پھر براق دوڑ لگا کر فلک سوم تک پہنچ گیا۔ جہاں زہرہ نے اس کے راستے میں عقیدت کے ساتھ جبیں سائی کی۔''

بداں دم کہ زہرہ برامش گرفت
چو شہ سوئے بالا خرامش گرفت
ز مہرش بجنبش در آمد لبے
بہر بوسہ رست از فلک کوکبے

یعنی ''جب زہرہ نے خوشی سے رقص کرنا شروع کر دیا تو براق نبی نے اور زیادہ بلندی کی طرف قدم بڑھایا۔ جب چرخ چہارم پر پہنچا تو آفتاب نے بوسے لینے شروع کر دیے اور ہر بوسے سے ایک ستارہ بنا۔''

سپہر سپہبد بہ بر کلاہ
گہر ریزہ ہا رفت از شاہراہ
ولے بود چوں بر کمر دامنش
توانگر نکرد آج گہر چیدنش

یعنی ''پھر براق چرخ پنجم پر پہنچا جہاں مریخ نے اپنے پر کلاہ سے براق کے راستے سے موتیوں کے ٹکڑوں کو سمیٹا لیکن چونکہ اس کا دامن اس کی کمر سے بندھا ہوا تھا اس لیے وہ ان گہر ریزوں کو دامن میں باندھ کر نہ رکھ سکا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ صاحب ثروت نہ ہو سکا بلکہ لئیم اور شوم ہی رہا۔'' (مریخ کا دامن اس کی کمر سے بندھا رہتا ہے تا کہ خونریزی میں آسانی ہو)۔

شہنشاہ چوں عرض لشکر گرفت
فراز ششم چرخ رہ بر گفت
خداوند دریا وبرجیس سیل
از ینسو کشش بود زانسوئے میل

یعنی ”جب نبی کریم نے فلک پنجم پر مریخ کے لشکر کا معائنہ کرلیا تو پھر فلک ششم کی بلندی نے ان کے قدم لیے۔ سعات کے لحاظ سے نبی کریم ایک دریائے ناپیدا کنار کی مانند تھے اور مشتری ایک چھوٹے سے سیل رواں کی مانند تھا۔ اس طرف کشش تھی اس طرف سے میلان طبع تھا، اس لیے مشتری کو اتنی سعادت نصیب ہوگئی کہ وہ سعد اکبر ہوگیا۔“

بہ لطفش دم از آب حیواں گزشت
بموجش سر از کاخ کیواں گزشت
براں رفتہ مسکیں تاسف کناں
ز خجلت برفتن توقف کناں

یعنی ”براق اور صاحب براق کے لطف کے آگے آب حیات کی تیزی ہیچ تھی اور اس کی رفتار نے اس کے سر کو کاخ زحل یعنی فلک ہفتم تک پہنچادیا، (لیکن چونکہ زحل الٹی عقل کا ہندو تھا اور اپنے زنار میں پھنسا ہوا تھا اس لیے پیشوائی کے لیے جلدی نہ آسکا) لہٰذا وہ بدنصیب زحل بعد میں افسوس کرتا ہوا آیا اور دیر سے آنے پر شرمندہ ہو کر رہ گیا۔ اسی وجہ سے وہ اکتساب سعادت سے محروم رہا اور آج تک منحوس اور سست رفتار ہے۔“

سپہر ثوابت بہ پیش آمدش
گہر ہا ز اندیشہ بیش آمدش
صور گونہ گوں از جنوب وشمال
کشودند بند نقاب خیال

یعنی ”جب براق فلک ہفتم سے آگے بڑھا تو پھر وہ فلک ہشتم یعنی فلک ثوابت پر پہنچا جہاں

اندازے سے بھی زیادہ ستارے موتیوں کی طرح بکھرے پڑے تھے گویا کہ یہ موتی فلک ہشتم کو نبی کریم کی طرف سے انعام میں ملے تھے۔ ان ستاروں کے مجامع سے جنوب اور شمال کی طرف طرح طرح کی شکلیں خیال میں آرہی تھیں۔''

حمل سر بہ نرمی فراپیش داشت
سپاسے ازاں لابہ برخویش داشت
نبودی اگر شیر در عرض راہ
چر بدی بچالاکی از خوشہ کاہ

یعنی'' جب براق فلک ثوابت پر پہنچا تو سب سے پہلے حمل یعنی برج حمل نے (جو مینڈھے کی شکل کا ہے) خوشامدانہ انداز میں اپنے سر کو جھکایا اور سپاس مند کہلایا۔ اس معصومانہ انداز کے باوجود یہ اتنا چالاک ہے کہ اگر شیر یعنی برج اسد اس کے راستے میں حائل نہ ہوتا تو یہ آگے بڑھ کر اس خوشہ گندم کو، جو سنبلہ کے ہاتھ میں ہے، چپکے سے گھاس کی طرح چر لیتا۔''

تو گوئی براہ خداوند دور
سپہر از نمود ثریا و ثور
گدائیست ہندی کہ سرتاپا
بجز مہرہ آراستہ گاؤ را

یعنی'' حمل کے بعد ثور آیا (جو سانڈ کی شکل کا ہے)۔ اس کے متعلق یوں سمجھ لیجیے کہ خداوند دور (یعنی آفتاب کے راستے میں (یعنی مدار پر) آسمان کی رونق محض ثریا اور ثور کے چمک دار اور خوبصورت ستاروں ہی کی وجہ سے قائم ہے۔ یہ برج اس طرح نظر آتا ہے گویا کسی ہندو بھکاری نے اپنے گائے کو ہر طرف سے کوڑیوں سے سجا رکھا ہو۔'' (ثریا کے چھوٹے چھوٹے چھ ستارے نہایت خوبصورت نظر آتے ہیں اور ثور کے قریب ہی ہیں۔ ان کو پروین اور جھمکا بھی کہتے ہیں)۔

دو پیکر کہ گوئی وراں تو اماں
برہرو پذیری در آمد چماں

زلیس بود جوزا دراں رہروی

کمر بستہ خدمت خسروی

یعنیٰ جب براق جوزا میں پہنچا جسے دو پیکر اور تواماں بھی کہتے ہیں (اور جس کی شکل جڑواں بچوں کی سی ہے) تو وہ اس کی پیشوائی کے لیے ناز انداز سے چل کر آیا اور خدمت شاہی میں کمر بستہ ہوگیا۔'' (غالب نے کمر بستہ کا لفظ اس لیے استعمال کیا ہے کیونکہ جوزا کے دونوں بچوں کی کمریں آپس میں بندھی ہوئی ہیں)۔

چو ہمسایہ بکشود درہائے نور

بغلطید سرطاں بدریائے نور

چناں دلکش افتاد از ہر طرف

کہ برجیس را گشت بیت الشرف

یعنی'' جب براق جوزا سے آگے بڑھا اور روشنی کے دروازے کھلے تو سرطان دریائے نور میں تیرنے لگا (برج سرطان میں روشنی کا ایک بادل یا دریا نظر آتا ہے جسے نثرہ کہتے ہیں۔ غالب نے اسی نثرہ کی رعایت سے دریائے نور کا لفظ استعمال کیا ہے) یہ برج اتنا دلکش ہوگیا کہ مشتری کے لیے خانہ شرف بن گیا۔''

بشاہانہ کاخے کاسد نام داشت

در از نقطہ اوج بہرام داشت

نشد گرچہ چوں گاؤ قربان او

ولے شیر شد کر بہ خوان او

یعنی'' جب براق وصاحب براق اس کاخ شاہانہ میں پہنچا جس کا نام اسد ہے اور جس کا دروازہ مریخ کے لیے نقطہ اوج ہے تو وہاں پر وہ برج (جو کہ شیر کی شکل کا ہے) اگرچہ گائے کی طرح اس پر قربان تو نہ ہوسکا لیکن اس کے خوان پر بلی کی طرح خاموش بیٹھا رہا اور لطف وکرم کا امیدوار رہا۔'' (غالب نے اسد کو شاہانہ کاخ اس لیے کہا ہے کہ وہ شہنشاہ فلک یعنی شمس کا بیت ہے اور اس لیے بھی کہا ہے

کیونکہ برج اسد کے ستارے بہت روشن ہیں اور کافی وسعت میں پھیلے ہوئے ہیں)۔

دراں راہ گر توشہ داشت چرخ
ہم از خرمنش خوشۂ داشت چرخ
ازیں رہ بخود بسکہ بالید تیر
ہم از خانۂ خود شرف دید تیر

یعنی'' پھر براق سنبلہ میں پہنچا (جس کی شکل ایک لڑکی کی طرح ہے جس کے ہاتھ میں خوشۂ گندم ہے) جو آسمان کے خرمن کے ایک خوشے کی حیثیت رکھتا ہے اور بطور توشۂ راہ کے ہے۔ اس جگہ عطارد کو بالیدگی حاصل ہوتی ہے کیونکہ یہی اس کا گھر بھی ہے اور اسی جگہ اس نے اپنا شرف بھی دیکھا ہے۔''

ازانجا کہ در مطرح روزگار
ترازو پئے سختن آید بکار
سپہر از شرف تا خیالے بہ پخت
زحل را بخاک رہ خواجہ سخت

یعنی'' پھر براق میزان میں پہنچا (جس کی شکل ترازو کی طرح ہے) جہاں مطرح روزگار میں ترازو سے تولنے کا کام لیا جاتا ہے۔ اس مقام پر آسمان نے شرف حاصل کرنے کے لالچ میں زحل کو نبی کریم کی گرد راہ کے ساتھ تولا۔ اسی وجہ سے زحل خاکی کہلایا اور میزان میں اس کا شرف مانا گیا۔''

بہ عقرب خداوند آں جلوہ گاہ
براں شد کہ تازد بسویش ز راہ
نگہداشت خود را ازاں بیر ہے
کہ از حکم شہ سر نہ پیچد رہے

یعنی'' جب براق عقرب میں پہنچا تو اس برج کا مالک یعنی مریخ سامنے آیا تا کہ اس بے راہ عقرب کو راستہ سے ہٹانے کے لیے دوڑے، اور چونکہ نبی کریم کے حکم کے بغیر کوئی بھی راہ سر نہیں اٹھا سکتی

اس لیے مریخ اپنی کوشش میں کامیاب رہا۔‘‘

بہ قوس اندر آورد چوں خواجہ روئے

سعادت بہ برجیس شد مژدہ گوئے

کماں گشت زیں فخر قربان خویش

زہے طالع غالب عجز کیش

یعنی’’ جب نبی کریم قوس میں تشریف لائے تو اس برج کے مالک یعنی مشتری کو بخشش سعادت کی خوش خبری ملی۔ اس فخر سے وہ کمان خمیدہ ہو کر اپنے ہی اوپر قربان ہونے لگی۔ خوشا نصیب! کہ یہی برج قوس غالب عجز کیش کے زائچے میں طالع ولادت کی حیثیت سے موجود ہے۔‘‘

گرفتش دواں سعد ذابح براں

کہ نخچیر گیرد جلو دار شاہ

سپہرے رفیقان بسیار فن

کستد از دلو گردوں رسن

بہ غمخوارگی تافتندش بدست

کہ گیرد مگر خواجہ ماہی بشست

یعنی’’ پھر براق آگے بڑھا اور جدی میں آیا۔ راستے میں برج جدی کا خاص ستارہ یعنی سعد ذابح نبی کریم کے سائیس کی مانند سامنے آیا اور اس نے دوڑ کر شکار کو پکڑ لیا۔ پھر براق دلو میں آیا اور آسمان کے ستاروں نے رفیقان باتدبیر کی حیثیت سے اس گھڑے کی گردن سے ڈوری توڑی اور جب براق حوت میں پہنچا تو انھوں نے از راہ دوستی ڈوری اپنے ہاتھوں سے بٹ کر اور کانٹا باندھ کر نبی کریم کو پیش کی تاکہ وہ اس ڈوری سے مچھلی کو شکار کریں۔‘‘

نہم پایہ کاں را تواں خواند عرش

برہ زاطلس خویش گسترد فرش

بشادیدر آمد علی از درش

وصال علی شادی دیگرش
نگنجد دوئی در نبی و امام
علیہ الصلوٰۃ وعلیہ السلام

یعنی '' پھر براق فلک نہم تک پہنچا جسے فلک الافلاک یا فلک اطلس بھی کہتے ہیں۔ یہ فلک سادہ و صاف ریشم کی طرح ہے اور انتہائی بلندی پر واقع ہے اس لیے اسے عرش بھی کہہ سکتے ہیں۔ جب نبی کریم عرش پر پہنچے تو اس نے ان کے قدموں کے نیچے اپنا اطلسی فرش بچھایا اور نبی کریم کو خداوند تعالیٰ کے انتہائی قرب کی خوشی حاصل ہوئی۔ پھر اسی عرش کے دروازے سے علی ابن ابی طالب امام اول مسکراتے ہوئے برآمد ہوئے جن کو دیکھ کر محمد الرسول اللہ نبی آخرالزماں کی خوشی دوبالا ہوگئی۔ ایمان کی بات تو یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ اور امام علیہ السلام بلافصل ہیں اور ان کے درمیان دوئی سما ہی نہیں سکتی کیونکہ یہ ایک ہی نور کے ٹکڑے ہیں۔ (اسی وجہ سے غالب نے علیہ الصلوٰۃ وعلیہ السلام کو بھی ایک ہی جگہ لکھا ہے جو دونوں کے لیے مشترک ہے)۔

۵۔ اصطلاحات ہیئت ونجوم برائے تلمیحات وتشبیہات واستعارات:

غالب کے کلام میں ہزاروں مقامات پر اصطلاحات ہیئت ونجوم کو ایسی قادر الکلامی کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے کہ وہ عام تلمیحات وتشبیہات اور استعارات کے مقابلے میں کہیں زیادہ بامعنی اور لطیف ہوگئی ہیں۔ اس مقام پر صرف چند اشعار پیش کیے جائیں گے تا کہ غالب کا انداز کلام معلوم ہو جائے ورنہ اگر غالب کا تمام منجمانہ کلام جمع کیا جائے اور اس پر سیر حاصل تبصرہ کیا جائے تو کئی ضخیم کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔ نمونے کے طور پر ذیل کے اشعار ملاحظہ فرمایئے:

در بروت نحس اصغر چنگ سفاکی زدہ
در گلوئے سعد اکبر طیلساں انداختہ
غم چو گیرد سخت نتواں شکوہ از دلدار کرد
بہر آسانی اساس آسماں انداختہ
جادہ پیمایان راہت نہ فلک را چوں جرس

در گلوئے ناقہ ہائے کارواں انداختہ

یہ اشعار کلیات فارسی کے قصیدۂ اول در توحید سے لیے گئے ہیں۔ اس مقام پر غالب نے خداوند تعالیٰ کی خلاقی کی بوقلمونیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''اے خداوند تعالیٰ تو نے ایک طرف تو نحس اصغر یعنی مریخ کی مونچھوں میں اس کی سفاکانہ روش سے اس کی انگلیاں ڈال دی ہیں گویا کہ وہ قتل و غارت پر کمر باندھے ہوئے اپنی مونچھوں کو تاؤ دے رہا ہے، اور دوسری طرف سعد اکبر یعنی مشتری کے گلے میں قاضیوں کا سا لبادہ ڈال دیا ہے جس کو پہن کر وہ رحم دلی اور نیکی کے کاموں میں مشغول ہے اور سفاکی کے خلاف اپنے فیصلے سناتا ہے۔ جب محبوب کا ظلم و ستم بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے تو بیساختہ نالہ و فریاد اور شکوۂ بیداد کرنے کو جی چاہتا ہے، لیکن ایسی شدید حالت میں بھی اپنے محبوب سے شکایت کرنے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔ ایسے نازک موقع پر آسانی پیدا کرنے کے لیے اے خدا تو نے آسمان کی بنیاد ڈالی دی تاکہ ہم ہر رنج و غم کی ذمہ داری اسی پر ڈال کر اس سے شکوۂ بیداد کر سکیں۔ جو لوگ تیری راہ میں معرفت کی منزل تک سفر کر رہے ہیں انھوں نے غفلت سے دور رہنے کے لیے نو آسمانوں کو جرس کے طور پر قافلے کے اونٹوں کی گردنوں میں لٹکا دیا ہے۔ یعنی راہ معرفت میں چلنے والے لوگ جب آسمانوں کی گردش کو دیکھتے ہیں اور ثوابت و سیار کے نیک و بد اثرات پر غور کرتے ہیں تو ان پر ایسا بیدار کن اثر پیدا ہوتا ہے گویا وہ لوگ بانگ درا سن رہے ہیں اور اپنے سفر سے غافل نہیں ہیں۔''

نہ من بلکہ اینجا بر امشگری

اگر زہرہ آید شود مشتری

یہ شعر مثنوی یازدہمیں موسوم بہ ابر گہر بار سے لیا گیا ہے۔ اس مثنوی کے ساقی نامے میں غالب نے نبی کریم کی بزم کی سنجیدگی و پاکیزگی کا ذکر بڑے اچھوتے انداز میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ (حالانکہ میں ایک رند مشرب شاعر ہوں اور ہر کسی کی بزم آرائی کا ذکر رود و سرود و شراب و کباب کی اصطلاحات کی مدد سے کرتا ہوں، لیکن اے نبی کریم! آپ کی بزم پاک ایسی برگزیدہ ہے کہ اس کی شان بیان کرنے کے لیے میں اس قسم کے الفاظ استعمال نہیں کر سکتا، بلکہ

نہایت ادب واحتیاط کے ساتھ بڑے سنجیدہ الفاظ استعمال کر رہا ہوں۔'' یہ احتیاط صرف میری ہی ذات تک محدود نہیں ہے بلکہ اس بزم میں اگر زہرہ بھی رقص کرنے کے ارادے سے آئے تو وہ بھی اس بزم کی پاکیزگی دیکھ کر اس قدر مرعوب ہو کہ اپنی رندانہ عادت ترک کر دے اور مشتری کے سنجیدہ خواص کو اختیار کر کے عابد و زاہد بن جائے۔ یعنی اس بزم میں اگر زہرہ بھی آئے تو مشتری ہو جائے۔''
(اس جگہ ایک باریک نکتہ یہ بھی ہے کہ اس محفل میں آ کر سعد اصغر بھی سعد اکبر ہو جاتا ہے۔''

پیغمبر آفتاب فروغش جمال دیں
بعد از نبی امام مہ و پیرواں پرن
اے از تو بودہ رونق دین محمدی
رویت سہیل و کعبہ ادیم و عرب یمن

یہ اشعار قصیدہ پنجم در منقبت سے لیے گئے ہیں ان میں حضرت علی ابن ابی طالب امام اول کی شان میں غالب نے کہا ہے کہ ''نبی کریم آفتاب کی مانند ہیں، دین اسلام آفتاب کی روشنی کی مانند ہے، حضرت علی اس ماہتاب کی مانند ہیں جو آفتاب کی روشنی سے چمکتا ہے اور جب آفتاب غروب ہو جاتا ہے تو اسی اخذ شدہ روشنی کو دوبارہ دنیا میں پھیلا دیتا ہے، نبی و علی کی پیروی کرنے والے لوگ اپنی صفا کے باعث عقد ثریا کی مانند ہیں۔ حضرت علی ہی کی ذات سے دین محمدی میں رونق ہے، ان کا چہرہ گویا ستارۂ سہیل ہے، کعبہ اس قیمتی چمڑے کی مانند ہے جو سہیل کی شعاعوں کے اثر سے خوشبودار ہو جاتا ہے، اور ملک عرب جس میں حضرت علی جلوہ گر ہوئے اس یمن کی مانند ہے جس سمت سے سہیل کی شعاعیں کعبہ کی طرف آتی ہیں۔''

فرزانہ زہر خانہ کہ فیضے رسدش خاص
خواہد شرف ذات خداوند مکاں را
نازم روش زہرہ کہ در شکر گزاری
از حوت بہ تثلیث بیند سرطاں را
دوران تو و یار تو فرخندہ قرانیست
در طالع من جلوہ دہ آثار قراں را

یہ اشعار قصیدہ چہارم مشترک در نعت و منقبت سے لیے گئے ہیں۔ اس مقام پر غالب نے نبی کریم کو مشتری سے مناسبت دی ہے جو سعد اکبر ہے اور حضرت علی کو زہرہ سے مناسبت دی ہے جو سعد اصغر ہے۔ جب یہ دونوں سیارے ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں تو وہ ساعت نہایت ہی نیک سمجھی جاتی ہے اور اسے قرن السعدین کہتے ہیں۔ غالب کہتے ہیں کہ 'فرزانہ وہ ہے جسے جس گھر سے بھی فیض خاص پہنچتا ہے وہ اس گھر کے مالک کے لیے شرف ذات کی خواہش کرتا ہے۔ لہٰذا میں بھی سیارہ زہرہ کی طرح ناز کرتا ہوں کیونکہ وہ بھی جب برج حوت میں پہنچتا ہے (جہاں اسے شرف حاصل ہوتا ہے اور جس کا مالک مشتری ہے) تو وہ اس سے پانچویں برج یعنی برج سرطان کو (جو مشتری کا برج شرف ہے) نظر تثلیث سے دیکھتا ہے جو مکمل دوستی کی نظر ہے، یہ اس امر کی دلیل ہے کہ زہرہ خداوند مکان شرف یعنی مشتری کے لیے بھی شرف ذات کی خواہش کر رہا ہے۔ یہی حال نبی کریم اور حضرت علی کا بھی ہے۔ چونکہ حضرت علی کو نبی کریم کے گھر سے شرف حاصل ہوا تھا، اس لیے وہ بھی ہمیشہ نبی کریم کے لیے شرف ذات کی خواہش کرتے رہے۔ نیک ذات لوگوں کا بھی معاملہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ مشتری و زہرہ کے درمیان ہے۔ اے نبی کریم! آپ اور آپ کے دوست حضرت علی کا ایک جگہ پر مجتمع ہونا گویا قران السعدین ہے لہٰذا آپ اس قرآن کے نیک اثرات میرے طالع میں بھی پیدا کر دیجیے اور میری بد نصیبی بھی دور کر دیجیے:

در گر یہ در گرفتن زاں نے تابناک
پرویں فشاندان است وثریا گریستن
گو بند در طلوع سہیل قطع سیل
مارا فزود زاں رخ زیبا گریستن
رشک آیدم بہ ابر کہ در حد وسع اوست
برخاک کربلائے معلیٰ گریستن

یہ اشعار قصیدہ دہم سے لیے گئے ہیں۔ یہ قصیدہ غالب نے سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کی شان میں کہا ہے۔ غالب کہتے ہیں کہ 'غم حسین میں روتے وقت اگر حسین مظلوم کے

روئے تابناک کا تصور آنکھوں کے سامنے رہے تو پھر اشکوں کے قطرے بھی تابناکی اور قدر و منزلت میں پروین یعنی ثریا کے ستارے بن جاتے ہیں اور ایسے پُرنور رونے کو پروین فشاندن اور ثریا گریستن کہنا چاہیے۔ لوگ کہتے ہیں کہ جب ستارہ سہیل طلوع ہوتا ہے تو برسات کا موسم ختم ہو جاتا ہے اور بارشیں بند ہو جاتی ہیں، لیکن میرا ذاتی تجربہ اس کے برعکس ہے کیونکہ میرا سہیل جب طلوع ہوتا ہے یعنی جب حسین علیہ السلام کے روئے روشن کا تصور آتا ہے تو اشکوں کی بارشیں اور بھی زیادہ ہو جاتی ہیں۔ مجھے ابر پر رشک آتا ہے کیونکہ کربلائے معلی کی خاک پاک پر جا کر رونا اس کی دسترس کے اندر ہے اور میری دسترس سے باہر ہے۔''

دید چوں نقش کف پائے تو بر خاک زحل
خورد سوگند کہ ایں کفہ میزان منست
ذرہ گرد رہت را بہوا در پرواز
چرخ ہفتم بہ قسم گفت کہ کیوان منست
زہرہ چوں بزم ترا نام طلب کرد کہ چیست
مشتری گفت کہ حوت تو و سرطان منست

یہ اشعار قصیدہ سی و ہشتم سے لیے گئے ہیں۔ ان میں غالب اپنے ممدوح کی شان و شوکت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ 'جب فلک' ہفتم کی بلندی سے زحل نے خاک پر تیرے دونوں قدموں کے نشان دیکھے تو ان کے متوازن انداز اور علوشان کی بنا پر قسم کھا کر کہا کہ یہ تو میری اس میزان کے پلڑے میں جس میں مجھے شرف حاصل ہوتا ہے (یعنی ان نقوش قدم جبیں سائی کے لیے اگر میں اپنا سر رکھ دوں تو یہ میرے لیے باعث شرف ہے)۔ تیرے راستے کی گرد کے ایک ذرے کو جب ہوا میں اڑتے ہوئے دیکھا اور اس کی بلندی پر غور کیا تو فلک ہفتم نے قسم کھا کر کہا کہ یہ تو میرا حکمران یعنی زحل ہے۔ جب تیری بزم کے چراغاں کو آسمان سے زہرہ نے دیکھا تو اس کی رونق اور سعادت پر متحیر ہو کر اس نے مشتری سے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ مشتری نے فوراً جواب دیا کہ یہ تیرا برج حوت ہے اور میرا برج سرطان ہے یعنی اس بزم میں باریاب ہونا ہم دونوں کے لیے باعث شرف ہے۔''

غالب نے کف اور کفہ کے الفاظ میں بڑی اعلیٰ پائے کی رعایت لفظی پیدا کی ہے، اور یہ بتایا ہے کہ جس مقام پر ممدوح کے نقوش قدم ہیں اس مقام پر زحل کی پیشانی ہے۔ یعنی جب زحل کی پیشانی کی بلندی ممدوح کے قدموں کی خاک کی بلندی کے برابر ہو تو پھر ممدوح کے سر کی بلندی کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ زحل خاکی ہے اور اسی لفظی رعایت سے فائدہ اٹھا کر غالب نے زحل کو خاک کف پا اور ذرہ گرد راہ سے مناسبت دی ہے۔

بہ عہدش ماہ ہر شب کامل و آفاق مہتابی
بدورش زہرہ دایم حوتی و برجیس سرطانی

یہ شعر قصیدہ سی وسوم سے لیا گیا ہے۔ اس میں غالب اپنے ممدوح کے عہد کی خوش حالی وخوش بختی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "اس کے زمانے میں ہر رات کو ماہ کامل طلوع ہوتا ہے جس کی وجہ سے ہر طرف چاندنی پھیلی رہتی ہے۔ مزید برآں زہرہ کا قیام ہمیشہ اس کے برج شرف یعنی حوت میں رہتا ہے اور مشتری کا قیام ہمیشہ اس کے برج شرف یعنی سرطان میں رہتا ہے تاکہ ہر طرف سعادت کا دور دورہ رہے۔"

دوش در بزمے کہ ناہید از صفائے آں بساط
گفت وستم گیری ترسم کہ لغزد پائے من

یہ شعر قصیدہ نمبر ۱۶ سے لیا گیا ہے جس میں غالب نے اپنے ممدوح کی بزم کے فرش کی صفائی کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ "کل رات کو اس کی بزم کے فرش کی صفائی کا یہ عالم تھا کہ زہرہ جیسی ماہر فن رقاصہ فلک بھی مجھ سے کہہ رہی تھی کہ میرا ہاتھ پکڑ لو ورنہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرا پاؤں نہ پھسل جائے۔" (غالب نے ہاتھ اور پاؤں کا ذکر کر کے بڑی اعلیٰ صنعت تضاد پیدا کر دی ہے)۔

بہ دستگاہ گرامی چو ماہتاب بہ ثور
بہ مہر شاہ قوی دل چو زہرہ در تقسیم

یہ شعر قصیدہ سیزدہم سے لیا گیا ہے۔ یہ قصیدہ غالب نے محمد اکبر شاہ کی مدح میں کہا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ "اس بادشاہ کو شرف واقتدار کے لحاظ سے وہ بزرگی حاصل ہے جو ماہتاب کو اپنے برج شرف

یعنی ثور میں پہنچ کر حاصل ہوتی ہے، اور مہر و مروت کے لحاظ سے یہ بادشاہ ایسا قوی دل ہے جیسا کہ سیارہ زہرہ حالت تقسیم میں ہوتا ہے۔'' (تقسیم اس حالت کو کہتے ہیں جب کوئی سیارہ گردش کرتے کرتے آفتاب کے اتنا قریب آجاتا ہے کہ دونوں کے مقامات میں سولہ دقیقوں سے کم فرق ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں وہ سیارہ بہت قوی ہوجاتا ہے خصوصاً زہرہ کو تقسیم میں بہت ہی زیادہ قوت حاصل ہوتی ہے کیونکہ دیگر سیاروں کی بہ نسبت زہرہ کا ظاہری قطر بھی زیادہ ہے اور مدار شمسی پر اس کا عرض بھی زیادہ ہے)۔

در دل افتاد رہ بار گہش سر کردن
اول گام فراز سر کیواں رفتم

یہ شعر قصیدہ نمبر ۴۹ سے لیا گیا ہے اس میں غالب نے نصیر الدین حیدر نواب اودھ کے مرتبے کی بلندی کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ'' جب میرے دل میں اس کی بارگاہ کا راستہ طے کرنے کا ارادہ ہوا تو پہلے ہی قدم پر میں زحل کے سر کی بلندی تک پہنچ گیا جو فلک ہفتم پر ہے۔'' (یعنی ممدوح کی بارگاہ تک پہنچنے میں جتنے قدم کا فاصلہ ہے، ان قدموں کی تعداد کو فلک ہفتم کی بلندی سے ضرب دے کر جو بلندی حاصل ہوگی وہ ممدوح کے مرتبے کی بلندی کے برابر ہوگی)۔

با ساغر شہ ساغر خورشید سفالست
با خنجر شہ خنجر مریخ نیامست

یہ شعر بستمین قصیدہ قیدہ سے لیا گیا ہے جو ابوظفر بہادر شاہ کی شان میں کہا گیا تھا۔ غالب نے اس شعر میں بادشاہ کی بزم و رزم کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ'' میرے بادشاہ کی بزم آرائی کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ اس کے ساغر کی قدر و قیمت کے سامنے آفتاب جیسے شہنشاہ فلک کا ساحر زریں بھی گویا ایک مٹی کا ٹھیکرا ہے، اور اس کی رزم آرائی کی ہیئت کا یہ حال ہے کہ اس کے خنجر کی تیزی و برش کے آگے مریخ جیسے سپہ سالار فلک کا تیر خنجر بھی اتنا کند نظر آتا ہے گویا کہ وہ محض ایک نیام ہے۔'' (منجمین نے آفتاب کی شکل و صورت کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ وہ ایک بادشاہ کی مانند سر پر تاج مرصع پہنے ہوئے تخت شاہی پر بیٹھا ہے اور ہاتھ میں ساغر زریں لیے ہوئے

ہے۔ اسی طرح مریخ بھی ایک سپہ سالار کی مانند کلاہ و کمر سے آراستہ ہے اور ہاتھ میں تیز خنجر لیے ہوئے ہے)۔

خورشید بدریوزۂ دیہیم رخ آورد
بہرام طلبگار کلاہ و کمر آمد

یہ شعر مژدہ میں قصیدے سے لیا گیا ہے، جو ابوظفر بہادر شاہ کی شان میں کہا گیا تھا۔ غالب نے اس شعر میں بادشاہ کی داد و دہش کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''میرے بادشاہ کی شان و شوکت و سخاوت کا شہرہ سن کر آفتاب بھی اپنے لیے تخت شاہی مانگنے اس کی بارگاہ میں نمودار ہو گیا، اور مریخ بھی اپنے لیے کلاہ و کمر کی طلبگاری کی غرض سے اس کے حضور میں پیش ہو گیا۔''

نظر بہ منظر جاہش بود سرم بریشت
اگرچہ بنگرم از سقف کاخ کیوانش

یہ شعر قصیدہ نمبر ۴۶ سے لیا گیا ہے۔ اس میں غالب اپنے ممدوح کے مرتبے کی بلندی کا ذکر اس طرح کرتے ہیں کہ ''اس کا مرتبہ اس قدر بلند ہے کہ اگر میں فلک ہفتم پر پہنچ کر زحل کی رہائش گاہ کی چھت پر چڑھ کر بھی اسے دیکھنا چاہوں تو مجھے اپنے آنکھیں اوپر اٹھانے کے لیے اپنی گردن اتنی موڑنی پڑے گی کہ میرا سر میری کمر سے لگ جائے گا۔'' (اس مقام پر کاخ کیوان سے برج جدی یا برج دلو مراد نہیں ہے بلکہ وہ فرضی مکان مراد ہے جس میں زحل اپنی زندگی گزارتا ہوگا)۔

کیواں ندیدۂ کہ بود دیدبان بام
گفتی کہ بام کاخ بہ کیوان برابر است

یہ شعر قصیدۂ ہفدہمیں سے لیا گیا ہے۔ اس میں غالب نے ابوظفر بہادر شاہ کے مرتبے کی بلندی کو اس طرح ظاہر کیا ہے کہ ''تو یہ غلط کہتا ہے کہ میرے ممدوح کے محل کی چھت بلندی میں زحل کے برابر ہے کیونکہ یہ بات تو نے زحل کو دیکھے بغیر کہی ہے، ورنہ اگر تو زحل کو دیکھتا تو تجھے خود پتا چل جاتا کہ زحل تو خود اپنی نظریں اوپر کی طرف اٹھائے ہوئے میرے ممدوح کے محل کی چھت کو غور سے دیکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔''

آسماں آستاں بہادر شاہ

کہ فلک بر درش سر اندازد

بگمان دوئی عطارد را

از فراز دو پیکر اندازد

یہ اشعار بست و چار مین قصیدے سے لیے گئے ہیں، ان میں غالب نے ابوظفر بہادر شاہ کے علم و فضل کی مدح کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ" بہادر شاہ کا محل بھی عظمت و بلندی کے لحاظ سے آسمان کے برابر ہے، اور اس محل میں بیٹھے ہوئے شہنشاہ کے دروازے پر آسمان بھی اپنا سر جھکا رہا ہے۔ میرے ممدوح نے اس گمان سے کہ عطارد کو دو پیکر یعنی برج جوزا میں (جو کہ عطارد کو بیت یعنی گھر ہے) بیٹھا ہوا دیکھ کر کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ عطارد بھی شہنشاہ کا ہمسر ہے، عطارد کو دو پیکر کی بلندی سے نیچے گرا رکھا ہے۔" (عطارد اپنے علم و فضل کے لیے مشہور ہے اور غالب کا ممدوح بھی علم و فضل میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ اس لیے غالب نے قصر شاہی میں بیٹھے ہوئے بہادر شاہ کو برج جوزا میں بیٹھے ہوئے عطارد سے تشبیہ دی ہے، اور پھر چونکہ عطارد خاکی ہے، اس لیے غالب نے اس رعایت لفظی سے مدد لے کر اس کو آسمان سے زمین پر گرانے کا مضمون پیدا کیا ہے۔ یعنی غالب کے ممدوح نے ذرا سی دوئی بھی گوارا نہ کی اور عطارد کو بلندی سے محروم کر دیا)۔

تا ترے وقت میں ہو عیش و طرب کی توقیر

تا ترے عہد میں ہو رنج و الم کی تقلیل

ماہ نے چھوڑ دیا ثور سے جانا باہر

زہرہ نے ترک کیا حوت سے کرنا تحویل

یہ اشعار غالب کے ایک قطعے سے لیے گئے ہیں جو ابوظفر بہادر شاہ کی شان میں کہا گیا تھا۔ بہادر شاہ کے عہد کی خوش حالی کا ذکر کرتے ہوئے غالب کہتے ہیں کہ" تیرے عہد حکومت اور زمانہ سلطنت میں قمر نے ثور سے یعنی اپنے برج شرف سے باہر جانا چھوڑ دیا ہے تا کہ اس کے نیک اثر سے تیری رعایا کو ہمیشہ عیش و طرب حاصل رہے۔ اسی طرح تیرے زمانے میں زہرہ نے بھی حوت

سے یعنی اپنے برج شرف سے تحویل کرنا ترک کردیا ہے تاکہ اس کے نیک اثر سے تیری رعایا کے رنج والم میں ہمیشہ کمی ہی ہوتی رہے۔''

زروئے ضابطۂ مدت آں بود یک روز
سنین عمر شہنشاہ عالم آرا را
کہ سعی سیر ثوابت بحسب رائے حکیم
در آورد بہ نشانگاہ ثور جوزا را

یہ اشعار بست ویکمین قصیدے سے لیے گئے ہیں جو ابوظفر بہادر شاہ کی شان میں کہا گیا تھا۔ اس قصیدہ کے آخری دو شعروں میں غالب نے بہادر شاہ کے لیے درازیِ عمر کی دعا اس طرح مانگی ہے کہ'' خدا کرے شہنشاہ عالم آرا کی عمر کے جتنے برس قضا وقدر نے مقرر کردیے ہیں، ان برسوں سے ہر ایک سال کا یک ایک دن پیدائش وقت کے لحاظ سے اتنی مدت کا ہو جائے جتنی مدت میں ہیئت دانوں کے حساب کے مطابق فلک ثوابت اپنے مقام سے ایک برج کے برابر پیچھے سرک جائے یعنی جس جگہ اس وقت برج ثور ہے اس نشان گاہ پر برج جوزا آجائے۔'' (ہیئت دانوں کے حساب کے مطابق فلک ثوابت نہایت آہستہ آہستہ پیچھے کی طرف گردش کررہا ہے اور اس کا ایک دور (یعنی ۳۶۰ درجے) تقریباً پچیس ہزار سال میں پورا ہو جاتا ہے۔ اس مدت میں ہر ایک برج پیچھے سرکتے سرکتے پھر اپنی اسی جگہ پر آجاتا ہے جس جگہ پر پچیس ہزار سال پہلے تھا۔ اس طرح فلک ثوابت کو ایک برج کے برابر یعنی صرف تمیں درجے پیچھے سرکنے میں تقریباً دو ہزار سال لگتے ہیں۔ یعنی جس جگہ اس وقت برج ثور ہے اس نشان گاہ پر برج جوزا کو آنے میں دو ہزار سال لگیں گے۔ اس حساب کو پیش نظر رکھ کر غالب کہتے ہیں کہ خدا کرے یہ دو ہزار سال کی مدت شہنشاہ کی عمر ایک دن کے برابر ہو جائے۔ یعنی بادشاہ کی عمر کا ہر ایک سال تقویم شمسی کے لحاظ سے تقریباً ساڑھے سات لاکھ سال کے برابر ہو جائے۔ سیر ثوابت کو اہل ہند اینانش کہتے ہیں اور اہل مغرب پری شیسن کہتے ہیں، یہ علم ہیئت کا یک بہت دقیق مسئلہ ہے اور غالب اس دقیق مسئلے سے بھی کما حقہ واقف تھے)۔

تیر نازد گر بہ ادریسی بخاک اندازمش

زہرہ نازد گر بہ بلقیسی سلیمانش منم

یہ شعر ترکیب بند سے لیا گیا ہے۔ اس میں غالب نے شاعرانہ تعلّی سے کام لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ''اگر عطارد کو اپنی ادریسی پر (یعنی فضا میں بلند ہونے پر اور علوم وفنون میں ماہر ہونے پر) ناز ہے تو میں بھی اپنی عقل ودانش کے زور سے اسے زمین پر گرا سکتا ہوں اور اس کے غرور کو خاک میں ملا سکتا ہوں۔ اسی طرح اگر زہرہ کو اپنی بلقیسی پر (یعنی عشوہ وغمزہ پر اور حسن وجمال پر) ناز ہے تو میں بھی اپنے جاہ وحشم کے لحاظ سے اس کے مقابلے میں حضرت سلیمان کی سی حیثیت رکھتا ہوں۔'' (حضرت ادریس ایک پیغمبر تھے جو علوم وفنون میں ماہر تھے اور زندگی ہی میں آسمان پر پہنچ کر جنت میں داخل ہوگئے تھے۔ حضرت سلیمان اور ملکہ بلقیس کی حقیقت بھی سب کو معلوم ہے۔ چونکہ عطارد خاکی ہے اس لیے غالب نے اس رعایت لفظی کے سہارے اسے خاک پر گرانا آسان سمجھا اور چونکہ زہرہ بادی ہے۔ اس لیے اسے تخت سلیمان کی پرواز سے مرعوب کرنا مناسب سمجھا۔ تمزیج سیارگان اور شاعرانہ صنائع وبدائع کے امتزاج کی یہ ایک بہترین مثال ہے۔ اس قسم کے اعلیٰ نمونوں سے غالب کا فارسی کلام بھرا پڑا ہے)۔

تیر را از پئے دوام وبال

جائے جز در کماں نمی خواہم

نیش عقرب جگر شگاف مہست

زیں گزندش اماں نمی خواہم

یہ اشعار قصیدہ نمبر ۶۴ سے لیے گئے ہیں۔ یہ قصیدہ کلیات فارسی کا آخری قصیدہ ہے اور اس میں غالب نے بڑے مایوسانہ انداز میں اپنی محرومیوں کا ذکر کیا ہے اور بے نیازانہ طور پر خوشی سے آفات زمانہ کو قبول کرنے کا اعلان کیا ہے۔ ان اشعار میں وہ کہتے ہیں کہ '' میں چاہتا ہوں کہ تیر یعنی عطارد ہمیشہ کمان میں یعنی برج قوس میں رہے تاکہ اس پر دائمی وبال مسلط رہے اور اس کے اثر سے میرے علم وفن کی ناقدری ہوتی رہے۔ میں اس گزند سے بھی اماں نہیں چاہتا جو اس وقت

پہنچتی ہے جب کہ قمر برج عقرب میں داخل ہوکر اس کے نیش کے قریب پہنچ جاتا ہے، حالانکہ یہ ساعت قمر کے لیے جگر شگاف ثابت ہوتی ہے اور اس کے اثر سے مجھ پر بھی تباہ حالی مسلط ہو جاتی ہے۔'' (جب قمر برج عقرب میں داخل ہوتا ہے تو وہ ساعت قمر در عقرب کہلاتی ہے۔ یہ ساعت نہایت نحس سمجھی جاتی ہے کیونکہ عقرب قمر کا برج ہبوط ہے۔ یہ ساعت تقریباً سوا دو دن تک رہتی ہے اور اس ساعت میں کوئی بھی خوشی کی تقریب نہیں کرنی چاہیے۔ اس سوا دو دن کی مدت میں بھی وہ گھڑیاں خاص طور پر نحس اکبر خیال کی جاتی ہیں جب کہ قمر ان دو ستاروں کے قریب پہنچتا ہے جو نیش عقرب پر واقع ہیں اور جنھیں شولہ کہتے ہیں۔ غالب نے قمر کو نیش عقرب پر پہنچا کر انتہائی نحس ساعت کا تصور پیش کیا ہے۔ تیر اور کمان کے الفاظ اس خوبی سے استعمال کیے ہیں کہ نہایت اعلیٰ درجے کی صنعت ایہام پیدا ہوگئی ہے)۔

قمر در عقرب و غالب بہ دہلی
سمندر در شط و ماہی در آتش

یہ غالب کی ایک فارسی غزل کا مقطع ہے۔ اس میں انھوں نے ان اذیتوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو دہلی میں رہتے ہوئے انھیں پیش آئی تھیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ''جس طرح سمندر یعنی آگ کا کیڑا دریا میں پہنچ کر بے چین ہو جاتا ہے، یا جس طرح مچھلی آگ میں پڑ کر تڑپتی ہے یا جس طرح قمر عقرب میں پہنچ کر ہبوط میں مبتلا ہو جاتا ہے، بالکل اسی طرح غالب بھی دہلی میں رہ کر اذیتیں اٹھا رہا ہے۔''

آنم کہ بہ پیمانۂ من ساقی دہر
ریزد ہمہ درد درد و تلخابۂ زہر
بگزر ز سعادت و نحوست کہ مرا
ناہید بہ غمزہ کشت و مریخ بہ قہر

یہ رباعی کلیات فارسی سے لی گئی ہے۔ اس میں غالب اپنی بدنصیبی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''میں وہ بدنصیب ہوں جس کے پیمانے میں ساقی دہر ہمیشہ درد کی تلچھٹ اور زہر کی تلخی ہی ڈالتا

رہتا ہے۔ اے لوگو! تم سیاوں کی سعادت ونحوست کے چکر میں ہرگز نہ پڑنا۔ (کیوں کہ سیارے بھی اپنا اچھا اثر اسی وقت دکھاتے ہیں جب قدرت کی نظر سیدھی ہوتی ہے ورنہ نحس تو نحس، سعد سیارے بھی خراب اثر دکھانے لگتے ہیں)۔ مجھ کو دیکھو کہ مریخ نے تو اپنے قہر سے مجھے مار اہی تھا۔ زہرہ نے بھی اپنے غمزے سے مجھے مار رکھا ہے۔''

آسماں وہم است واز برجیس وکیوانش مگوئے
نقش ماہیچ است بر پنہاں وپیدائش پیچ

یہ شعر غالب کی ایک فارسی غزل سے لیا گیا ہے۔ اس میں غالب نے بتایا ہے کہ آسمان کے ستاروں اور سیاروں کی مدد سے قضا وقدر کے راز ہائے سربستہ معلوم کرنے کی کوشش کرنا سخت نادانی ہے کیونکہ یہ راز اتنی آسانی سے معلوم نہیں ہو سکے۔ وہ کہتے ہیں کہ'' آسمان اور اس کی گردش محض خیالی چیزیں ہیں اور اصل میں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس کے ستاروں اور سیاروں کی سعادت ونحوست بھی محض فرضی ہے۔ لہٰذا مشتری وزحل کی گردش سے کسی امر کی سعادت ونحوست کے متعلق کوئی حتمی حکم نہیں لگانا چاہیے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ہمارے ظاہری و باطنی حالات کا یا ماضی ومستقبل کے واقعات کا آسمان اور اس کے ثوابت وسیارے کوئی حقیقی تعلق نہیں ہے۔'' (بلکہ محض مشاہدات وتجربات کی بنا پر تعلق پیدا کر لیا گیا ہے)۔

چوں جنبش سپہر بفرمان داورست
بیداد نبود آنچہ بما آسماں دہد
ہم نغمہ سنج عشقیم، وہم نکتہ دان علم
ناہید ساز ومشتریم طیلساں دہد

یہ اشعار قصیدۂ دوازدہم درمنقبت امام دوازدہم سے لیے گئے ہیں۔

یہ قصیدہ غالب نے بارھویں امام یعنی امام مہدی آخرالزماں علیہ السلام کی شان میں کہا ہے۔ ان اشعار میں غالب نے لوگوں کے لیے صبر وشکر کی تلقین بالکل ہی نئے انداز میں کی ہے۔ پہلے شعر میں صبر کی تلقین اس طرح کی ہے کہ'' چونکہ آسمان کی گردش خداوند تعالیٰ ہی کے حکم سے قائم

ہوئی ہے، اس لیے اس گردش کے اثر سے سعادت ونحوست سیارگان بھی خدا ہی کے حکم سے ہم کو حاصل ہوتی ہے، اور چونکہ خدا کی ذات عین عدل ہے، اس لیے جو کچھ بھی آسمان ہم کو دیتا ہے اسے ہم ظلم وستم نہیں کہہ سکتے۔ لہٰذا ہم کو ہر حال میں راضی برضا رہنا چاہیے۔'' اس کے بعد دوسرے شعر میں شکر کی تلقین فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آسمان جو کچھ مجھے دیتا ہے وہ میری ذاتی اہلیت کے عین مطابق ہے، مثلاً میری نغمہ سنجی عشق اتنی اعلیٰ ہے کہ اس سے مسحور ہو کر مطربۂ فلک یعنی زہرہ بھی اپنا ساز مجھے پیش کرتی ہے، اور میری نکتہ دانیِ علم اتنی ارفع ہے کہ اس سے مرعوب ہو کر قاضیِ فلک یعنی مشتری نے بھی اپنی عبا وقبا اور دستار فضیلت میرے لیے وقف کر دی ہے۔'' (اس مقام پر علم لفظ سے غالب کی مراد علم تصوف ومعرفت الٰہی سے ہے، کیونکہ مشتری کو ایسے ہی علوم سے نسبت دی جاتی ہے، ورنہ عام قسم کے علوم کے لیے عطارد کو منسوب کیا جاتا ہے۔ اس شعر میں غالب نے بتایا ہے کہ میں بہ یک وقت نغمہ سنج عشق بھی ہوں اور نکتہ دان علم بھی۔ نغمہ سنجی کے لیے مجھے زہرہ سے ساز ملتا ہے اور نکتہ دانی کے لیے مجھے مشتری سے طیلسان ملتا ہے۔ آسمانی یہ داد ودہش میرے حق میں ہمت افزائی کی حیثیت بھی رکھتی ہے، قدر دانی کی حیثیت بھی رکھتی ہے اور باج گزاری کی حیثیت بھی رکھتی ہے۔ غالب نے زہرہ ومشتری کی تلمیحات کی مدد سے ایک نہایت ہی باریک نکتہ بیان کیا ہے، اور عشق ومعرفت کے باہمی امتزاج کو بڑی خوبی سے اجاگر کیا ہے۔ یہ غالب کی شان شکر گزاری ہے کہ اثرات نحسین سے بے نیاز ہو کر صرف اثرات سعدین کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ زہرہ نے مجھے ساز دیا ہے اور مشتری نے مجھے طیلسان دیا)۔

Vol. Ist

URDU - E - MOALLAH GHALIB NUMBER

Compiled by : Prof. Irtiza kareem

مشمولات